اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۳ | بابت ماہ مئی ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۴۹

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور ابن ابن مترانے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ اُن طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصّے یہ رسالہ دو حصّوں میں شائع ہوتا ہے حصّہ اوّل عربی فارسی اردو پنجابی (بحروف فارسی) حصّہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصّہ اُردو کیلئے عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا۔

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ کے شائع ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہوسکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی دسمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلم تحریر حصّہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

اگرچہ عرب کا ملک پُرانی دنیا کے عین وسط میں واقع ہے اور مشرق و مغرب کی باہمی تجارت کا راستہ اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ مگر وہاں کی سرزمین بالعموم ایسی ویران اور دشوار گزار واقع ہوئی ہے۔ کہ بیرونی دنیا کو وہاں کی طرزِ معاشرت اور عام حالات و کوائف کا نسبتاً بہت کم علم ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام اقطار عالم سے ہر سال ہزاروں مسلمان کعبہ شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ مگر انہیں زیادہ تر حجاز کے شہروں کو سرسری طور پر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ عرب کے دیگر اقطاع تو درکنار، ہنگام سفر کی نفسا نفسی اور فرائض حج کی مصروفیت کے باعث ان کو وہاں کی حضری زندگی کو بھی کماحقہا مطالعہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تاہم دنیا کے بہت کم ایسے ملک ہیں جنہوں نے جریدۂ عالم پر ایسا گہرا اور پائدار اثر چھوڑا ہے۔ جیسا کہ عرب اور اہالیان عرب نے۔ اس لحاظ سے دیارِ عرب اور اہلِ عرب ہمارے پُرغور مطالعہ کے بدرجہ غایت مقتضی اور مستحق ہیں۔

مذہب اسلام جس کے نام لیوا آج کروڑوں کی تعداد میں اقصائے مشرق سے لیکر اقصائے مغرب تک دنیا کے تقریباً ہر ملک و خطّہ میں پائے جاتے ہیں اس عالمگیر مذہب نے اسی سرزمین سے ظہور کیا تھا۔ ثانیاً وہ اسلامی تمدّن جس کی بنیادیں ملکِ قیصر و کسریٰ پر قائم ہوئیں۔ اور جو ایک طرف سامی الاصل انبیاء و رسل کے مذہبی خیالات و نظریات کا حامل و محافظ اور دوسری طرف یونان اور ہند کی حکمت و دانش کا وارث بنا، اس شاندار تمدّن کی تعمیر و تشکیل میں اسی بے آب و گیاہ خطہ کے فرزندوں کا بہت سا حصہ تھا۔ ثالثاً وہ عربی زبان جو کئی صدیوں تک دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ

تمدّن کی واحد مذہبی اور علمی زبان رہی، وہ زبان جس کی اہمیت اور حلاوت نے فارابی کو اپنی مادری زبان ترکی فراموش کرا دی اور شاعر مزاج اور خوش مذاق اندلسی نوجوانوں کے دل سے لاطینی کی وقعت گرا دی، وہ زبان جو آج بھی بتغیّر یسیر بغداد سے لیکر مراکش تک بولی جاتی ہے۔ اور جس کے پڑھنے اور سمجھنے والے دنیا کے ہر حصّہ میں ملتے ہیں۔ وہ زبان اسی ملک عرب سے نکلی تھی۔

غرض کہ مذہبِ اسلام، تمدّن اسلام اور عربی لٹریچر اور زبان کے متعلق بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ اُن کی تحقیق و تفتیش کے وقت ہماری متجسس نگاہیں خود بخود ملک عرب کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے مذہبی، تمدّنی، معاشری امور کی اصل اور اُن کے منشا و مبدا کو صحیح طور پر سمجھنا عرب قوم کی معاشرت اور اُن کی ذہنیت کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

ملکِ عرب کے حالات و کوائف اور عرب قوم کی معاشرت اور ذہنیت کے مطالعہ کے لئے بہت سے مآخذ و مصادر ہو سکتے ہیں، اُن میں سے ایک دلچسپ مأخذ وہ سفرنامے ہیں جو زمانۂ حال کے مغربی سیاحوں اور محققوں نے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر قلمبند کئے ہیں۔ ذیل میں اسی قبیل کے چند ایک نسبتۂ زیادہ مشہور و معروف سیاحوں کی تگ و دو اور اُن کی تحریروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی مطبوعہ کتابوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ ناظرین اُن کے اسماء اور اُن کی مساعی سے واقفیت پیدا کرکے اُن کے سفرناموں کی طرف بغرض مطالعہ و استفادہ رجوع کر سکیں

وارتھیما

Ludovico di Varthema.

ملکِ عرب کا پہلا مغربی سیاح جس کی خود نوشتہ سرگزشت ہم تک پہنچی ہے

اطالیہ کا باشندہ لودوویکو دی وارتیما ہے۔ جیسا کہ ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا حرمِ مکّہ میں غیر مسلموں کا داخلہ صدرِ اسلام ہی سے ممنوع رہا ہے۔ مگر اس ممانعت نے بہت سے سیّاحوں کے شوقِ سیر و سیاحت پر تازیانہ کا کام دیا ہے۔ چنانچہ وارتیما بھی سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسلامی لباس اختیار کر کے حجاز پہنچا۔ اور واپسی پر اپنا سفرنامہ لکھا جس میں اس نے کعبہ شریف، شہر مکہ اور اس کے نواحی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز اس نے مدینہ منورہ اور حجاز کے بدویوں کا حال لکھا ہے۔ سفر حجاز سے فارغ ہو کر وہ یمن میں بھی پہنچا تھا۔ جہاں ابھی نہ تو پرتگالیوں اور نہ ہی ترکوں کا قدم آیا تھا اور جہاں ابھی وہاں کے وطنی امراء بلا شرکت غیرے حکومت کرتے تھے۔ اُسے یمن کے اکثر شہروں مثل صنعاء۔ زبید اور عدن کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اگرچہ وہ علم جغرافیہ کا ماہر نہ تھا اور نہ ہی علمی تحقیق اس کا مقصد اولین تھا۔ تاہم اس کی تحریر میں ملک کے جغرافی اور معاشری حالات کے متعلق بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ جس سے عرب جغرافیہ نویسوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اُن کے بیانات لائق اعتبار و استناد ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً جنوبی یمن میں اس نے شیعہ فرقہ کی موجودگی اور اُن کی مساعی کا ذکر کیا ہے۔ نیز یمن کی آبادی کے حبشی عنصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُس نے شہر صنعاء کے موقع محل کی بلندی، اور جنوبی یمن کے چشموں اور باغات اور شہر زبید کی مصالحہ جات کی تجارت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور دیگر حالات لکھے ہیں۔ جو آج کل عام طور پر معلوم ہیں۔ اگرچہ اس کا سفرنامہ مختصر ہے۔ تاہم اس سے اہلِ یورپ پر کم از کم اتنا تو منکشف ہو گیا۔ کہ یمن قدیم کی سرسبزی و خوشحالی محض ایک افسانہ نہ تھی اور یہ کہ وہاں زمانۂ حال میں بھی دیگر دیارِ عرب کے مقابلہ میں ایک بلند تر تمدّن موجود ہے۔

وارتیما کا سیاحت نامہ سب سے پہلے اطالوی زبان میں روما سے ۱۵۱۰ء

میں شائع ہُوا تھا۔ اس کے بعد کئی دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہُوا۔ انگریزی دانوں کے مفید مطلب وُہ ایڈیشن ہے۔ جو نیجر Badger نے Haklayut Series میں ۱۸۶۳ء میں لنڈن میں شائع کیا تھا۔

نی بُور اور اُس کے رفقاء

Carsten Niebuhr.

۱۷۶۱ء میں شاہ ڈنمارک نے دیارِ عرب کی تحقیق کے لئے مغربی علماء کی ایک جماعت روانہ کی۔ اس علمی مہم کی تحریک یوں ہوئی۔ کہ گوٹنگن یونیورسٹی کے پروفیسر میکائیل نے شاہ مذکور کے وزیرِ اعلیٰ کے پاس یہ تجویز پیش کی کہ عرب کے جغرافی حالات کی دریافت اور دیگر مسائل کی تحقیق کے لئے جن کا تعلق بائبل سے ہے اقدام کیا جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق پانچ علماء کا انتخاب ہُوا جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی علم و فن کا ماہر تھا۔ فورسکال Foreskall علم نباتات میں ید طولیٰ رکھتا تھا چارلس جراحت اور علم حیوانات کا ماہر۔ پروفیسر فون ہافن عربی زبان خوب جانتا تھا۔ بارن فائنڈ نقشہ نویس اور مصوّر تھا۔ اور کارسٹن نی بور ریاضی اور مساحت میں طاق تھا۔ ۱۷۶۲ء کے سرما میں یہ جماعت جدّہ کے راستے سے یمن پہنچی اور تحقیقات میں مصروف ہوگئی۔ مگر افسوس کہ اس مہم کے ساتھ علمی دنیا کی جو توقعات وابستہ تھیں وہ بتمامہا پوری نہ ہوئیں۔ کیونکہ یہ لوگ ابھی چند ماہ کام کرنے پائے تھے کہ موسم گرما آ پہنچا جس کی شدت کی وہ تاب نہ لاسکے۔ چنانچہ فورسکال اور فون ہافن یمن وارد ہونے کے تقریباً پانچ ماہ بعد فوت ہوگئے باقی اشخاص نے ہندوستان کی طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ مگر ایک تو سمندر رہی میں مرگیا۔ اور دوسرے نے ہندوستان پہنچ کر جان دیدی، صرف نی بور سلامت بچا۔ اور چند سال کی مدت میں خلیج فارس کے راستہ سے عراق اور شام ہوتا ہُوا

واپس وطن پہنچا۔

اگرچہ ان شہیدان علم کا انجام بڑا افسوسناک ہوا مگر اُن کے باقی ماندہ رفیق یعنی نی بور Niebuhr نے اُن کی محنت کو کلیتہً تلف ہونے سے بچا لیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ذاتی مشاہدہ اور اپنے رفقاء کی یادداشتوں کی بنا پر ایک سفرنامہ شائع کیا جس میں اس نے عرب اور خصوصاً یمن کے جغرافی، معاشری، اور اقتصادی حالات کو حتی الامکان تفصیل اور صحت کے ساتھ بیان کیا۔ اُس نے یہ کام ایسی خوبی اور سلامت طبع کے ساتھ انجام دیا کہ اس کے بیان کی فضیلت باعتبار صحت اور علمی وقار کے آج تک مسلّم ہے اور اس کے بعد جس کسی نے دیار عرب کا سفر کیا ہے۔ اس نے نی بور کے بیانات سے ضرور کم و بیش استفادہ کیا ہے۔ یمن کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اس کے اپنے اور اپنے رفیقوں کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ مگر اُس نے اپنے قیام کے دوران میں عرب کے دیگر علاقوں کے متعلق بھی ہر قسم کی معلومات ہر معتبر ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسے اپنی کتاب میں مناسب موقع و محل پر ترتیب کے ساتھ بیان کیا۔ مثلاً اگرچہ اُسے بذاتِ خود اہلِ بادیہ کے درمیان رہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر بدویوں کے معاشری اور سیاسی نظام کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اس کے فہم و ذکاء اور اس کی اصابت رائے پر دلالت کرتا ہے۔ غرض نی بور کی روئداد کے ذریعہ سے دیار عرب کے متعلق اہلِ غرب کے علم میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ پہلے جو ان کا علم ظنی اور تخمینی تھا۔ اب بہت سے معاملات میں پایۂ صحت و یقین تک پہنچ گیا۔

علاوہ ازیں اگرچہ نی بور کا قدم نجد تک نہ پہنچا تھا۔ مگر اُسے وہاں کی وہابی تحریک کا بخوبی علم ہو چکا تھا۔ جسے کچھ عرصہ پہلے محمد بن عبدالوہاب نے مذہب اسلام کی اصلاح و تجدید کی غرض سے شروع کیا تھا۔ نی بور کو اسلام کی تعلیمات کا صحیح صحیح علم تھا۔ اور اسی طرح اس نے وہابی تحریک کی اصلی حقیقت اور اس کے منشا و مقصود کے متعلق بھی درست رائے قائم

کی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم یہ ہے کہ "صرف اللہ ہی واحد معبود ہے۔ اور عبادت میں انبیاء اولیاء کے ذکر سے بوئے شرک آتی ہے"۔ اسی لئے وہ اس کو ایک مصلح قرار دیتا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو اس کی اصلی سادہ صورت میں پیش کیا جائے۔ نی بور کو اس تحریک کی سیاسی اہمیت کا بھی پورا پورا اندازہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اس تحریک نے عرب کی سیاست میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور غالباً یہ ابھی وہاں کے حالات پر اور اثر ڈالیگی"۔

نی بور کا سفرنامہ پہلے پہل ۱۷۷۲ء میں جرمن زبان میں شائع ہوا۔ اور ایک سال بعد Description de l'Arabia کے عنوان سے فرانسیسی زبان میں۔ آج کل بالعموم یہی موخرالذکر کتاب متداول ہے۔ ۱۷۹۲ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا تھا۔ مگر مختصر ہونے کی وجہ سے ناقص اور ناکافی ہے۔

نی بور نے مذکورہ بالا سفرنامہ لکھنے کے علاوہ دیار عرب کے نباتات اور حیوانات کے متعلق اپنے رفیق Forshall کی یادداشتوں کو بھی دو علیحدہ مستقل جلدوں میں کوپن ہاگن سے ۱۷۷۵ء میں Flora Aegyptiaco Arabia اور Descrip-tions Animalium کے عنوانوں سے شائع کیا۔ یہ دونوں کتابیں لاطینی زبان میں ہیں۔ جن میں تین سو انواع کے حیوانات اور آٹھ سو قسم کے نباتات کا بیان موجود ہے۔ یہ تعداد اور بھی زیادہ ہوتی مگر فاضل محقق نے یہ التزام کیا ہے کہ صرف انہی اقسام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ذاتی مشاہدہ میں آئی تھیں۔

۳۔ بادیا

(Domingo Badia y Leblich)

۱۸۰۶ء میں ایک بظاہر معزز شخص جو اپنا نام علی بیگ عباسی ظاہر کرتا تھا، بڑے

حذم وحشم کے ساتھ علمی آلات لیکر جدہ میں اُترا۔ اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ بغرض زیارت عازم مکہ ہُوا۔ اس کے بعد اس نے مدینہ کا رُخ کیا۔ مگر نجدی وہابیوں نے جو اس وقت بہت سے اقطاع عرب پر چھا چکے تھے۔ اُسے روک دیا۔ اس کے بعد وہ مصر شام اور ترکی ہوتا ہُوا پیرس پہنچا جہاں اس نے نپولین کی ملازمت اختیار کرلی۔ اسکی روئداد سفر ہسپانی زبان میں تھی۔ جو فرانسیسی میں ترجمہ ہوکر ۱۸۱۴ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔ اس کی اصل ہسپانی روئداد بھی ایک مدت بعد ۱۸۸۸ء میں برشلونہ سے شائع ہوئی۔ جس کے دیباچہ میں اس کے سوانح عمری مندرج ہیں۔ یہ شخص اصل میں ایک ہسپانوی ڈومنگو بادیا نامی تھا۔ اور غالباً نپولین کا گماشتہ تھا۔ جس کو اس نے مشرقی ممالک کی سراغ رسانی اور دریافت حالات کے لئے بھیجا تھا۔

اس کا سفرنامہ بہت سے مشرقی ممالک پر حاوی ہے اور حج کے مناسک و مراسم کو بیان کیا ہے۔ چونکہ اس نے اسلامی نام اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اُسے اپنی نقل وحرکت اور مشاہدہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسی لئے اس کے بیانات اپنے پیشرو سیاحوں کی نسبت زیادہ مفصل اور قرین بصحت ہیں وہ پہلا شخص ہے جس نے شہر مکہ کے طول بلد اور عرض بلد کو آلات ہیئت کے ذریعہ سے صحیح طور پر متعین کیا۔ اس کے علاوہ اس نے حجاز کے جغرافیہ، نباتات اور وہاں کی آب وہوا کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات فراہم کیں۔ اور مغربی عرب کے حرّات کا ذکر کیا۔ جن پر پھر بعد میں برکھارٹ نے مزید روشنی ڈالی۔ اس کی کتاب کا تاریخی حصہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اُس نے حجاز میں مصریوں کی مداخلت سے پہلے وہابیوں کی حکومت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ایک عینی شاہد کی معاصرانہ شہادت کا درجہ رکھتا ہے +

۴- زیٹسن

(U. J. Seetzen.)

بادیا کے تین سال بعد جبکہ ابھی حجاز میں وہابی نجدیوں کی حکومت قائم تھی۔ ایک اور یورپی سیاح وارد تھا۔ جس کا اصل نام Seetzen تھا۔ مگر اس نے اسلامی وضع کے ساتھ ساتھ حاجی موسیٰ حکیم کا نام اختیار کر رکھا تھا۔ اگرچہ روسی حکومت کا ملازم ہونے کی وجہ سے غالباً وہ بھی بادیا کی طرح ایک جاسوس تھا۔ مگر علم و فضیلت اور عام قابلیت میں اُسے اپنے تمام پیشرو سیاحوں پر سبقت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کا عالم نباتات تھا۔ بلکہ مشرقی زبانوں میں بھی اسے مہارت تامہ حاصل تھی اور عرب میں وارد ہونے سے پہلے وہ دیگر مشرقی ممالک میں سات سال بسر کر چکا تھا۔ مکہ کے قیام اور صنعاء و عدن کے سفر کے بعد وہ یمن کے پہاڑوں میں مارا گیا۔ کس نے اُسے قتل کیا۔ اور کیوں قتل کیا؟ یہ بات کسی کو یقینی طور پر معلوم نہیں۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ محض لوٹ مار کی غرض سے نہیں بلکہ کسی سیاسی شبہ کی بنا پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے پیشتر اس کی نقل و حرکت شک کی نگاہ سے دیکھی جا چکی تھی۔ اور مکہ کے وہابی امیر نے اس سے بازپرس کی تھی۔ اس کا مال و اسباب اکثر تلف ہو گیا۔ صرف چند یادداشتیں بچیں۔ جن کو ایک مدت بعد Kruse نے Reise durch Syrien, etc کے عنوان سے ۱۸۵۴ء میں برلن سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

(۵) بُرکھارٹ

Burckhardt.

دیار عرب کے مغربی سیاحوں میں برک ہارٹ کا نام نہایت ممتاز ہے۔ جس نے اپنی تحقیقات اور مشاہدات کے تفصیلی بیان سے ملک عرب کے متعلق بالعموم اور حرمین کے متعلق بالخصوص بیرونی دنیا کے علم میں بڑا قابلِ قدر اضافہ کیا۔ یہ شخص دراصل سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا۔ جس نے چند سال انگلستان میں بسر کئے تھے۔ اور پھر وہاں کی British African Association کی طرف سے مشرقی ممالک کی تحقیقات پر مامور ہوا تھا۔ عرب میں داخل ہونے سے پہلے وہ تو بہ مصر اور شام وغیرہ کی سیاحت کر چکا تھا اور عربی زبان سیکھنے کے علاوہ مشرقی لوگوں کے اوضاع و اطوار سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ جب وہ حجاز میں وارد ہوا تو اس وقت محمد علی پاشا والئ مصر سلطان روم کے ایماء سے نجد کے وہابیوں کو حرمین سے نکال چکا تھا۔ چونکہ پاشائے مذکور ایک وسیع الخیال حکمران تھا۔ اس لئے برکہارٹ کو کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی۔ علاوہ ازیں اس نے اسلامی نام (ابراہیم بن عبداللہ) اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اس لئے دریافت حالات کے لئے وہ لوگوں کے ساتھ بلا تکلف میل جول پیدا کر سکتا تھا۔

اگرچہ اس نے دیگر سیاحوں کے مقابلہ میں بہت لمبی چوڑی مسافت طے نہیں کی اور نہ ہی بڑے بڑے خطروں کا سامنا کر کے اس نے کوئی عظیم الشان جغرافی اور اثری اکتشافات کئے بلکہ وہ زیادہ عرصہ مکہ ہی میں رہا اور اُسے حجاز سے باہر دیگر علاقوں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ مگر اس کی فضیلت اس لحاظ سے مسلم ہے کہ اس محدود علاقہ میں جو کچھ اس کے مشاہدہ میں آیا اس کو نہایت ایمانداری اور وضاحت سے بے کم و کاست تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

مشرقی ممالک کی گرم آب و ہوا سرد ملک کے باشندوں کو بہت کم راس آتی ہے خصوصاً جب سفر کی صعوبتیں بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ برکہارٹ بھی اسی

آب و ہوا کی ناموافقت کا شکار ہوا حجاز ہی میں اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ قاہرہ پہنچ کر ایک سال بعد فوت ہو گیا۔ مگر انتقال سے پہلے وہ اپنے تمام تجربات اور مشاہدات کو بسلامتی ہوش و حواس قلمبند کر چکا تھا۔ جو اس کی وفات کے کئی سال بعد ۱۸۲۹ء میں لنڈن سے Travels in arabia کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع ہوئے اور دو سال بعد اس کی دیگر تالیف Notes on the Bedouins & Wahabis. معرض اشاعت میں آئی۔ مقدم الذکر کتاب میں اس کا مفصل سفرنامہ اور موخر الذکر کتاب میں مختلف عنوانوں کے تحت میں اہل عرب اور خصوصاً اہل بادیہ کے متعلق اس کی فراہم کردہ معلومات ترتیب کے ساتھ درج ہیں یہ دونو کیا لحاظ ضخامت اور کیا بلحاظ خوبی بیان کے نہایت مفید اور قابلقدر ہیں جن میں مصنف نے حرمین اور اس کے نواحی کے بیان میں غیر معمولی تفصیل اور باریک بینی سے کام لیا ہے اور وہاں کے مذہب، سیاست، معاشرت، تجارت اور مقامی تاریخ کے متعلق سیر کن بحث کی ہے۔ جدّہ۔ مکّہ اور طائف کے متعلق اس کا تفصیلی بیان گویا ان شہروں کی ایک سائیکلوپیڈیا ہے۔ جس سے کوئی ضروری اور کارآمد بات نہیں چھوٹی۔ چنانچہ چالیس برس بعد جب برٹن مکّہ پہنچا تو وہاں کے کوائف بیان کرتے وقت اُسے برکہارٹ سے اقتباس کرنے کے سوا کچھ چارہ نظر نہ آیا +

(باقی دارد)

عنایت اللہ از ملتان

ادبیات ایران در عصرِ حاضر

ناصر الدین شاہ قاچار کے زمانے سے ایران میں جو سیاسی ہیجان پیدا ہوا۔ وہ مختلف ادوار میں مختلف شکلیں قبول کرتا رہا۔ شروع شروع میں ایران کے زر پرست وزراو امرا کے خلاف احتجاج مقصود تھا۔ جو انگریزوں اور روسیوں سے رشوتیں وصول کر لیتے تھے۔ اور ملک کے مفاد کو ثمن قلیل کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے لیکن وقت کے گذرنے سے سیاسی خیالات نے نیا قالب اختیار کیا اور کانسٹی ٹیوشن اور مشروطہ کے لئے مطالبہ کیا گیا اس عرصے میں ملک کے وطن پرست عناصر کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ان تمام انقلابات کے دوران میں ایران کو یورپ کے اوضاع واطوار سے روشناس ہونے کا بہت موقعہ ملتا رہا۔ جنگ عظیم سے پہلے ایران پرستوں کے جس گروہ نے ملک سے مہاجرت اختیار کی تھی ان کا ایک حصّہ استامبول میں اقامت گزین ہوا۔ لیکن دوسرا حصّہ جرمنی میں فروکش ہو گیا۔ ان مہاجرین نے ایران میں جدید مغربی خیالات کو رائج کرنے میں کچھ کم حصّہ نہیں لیا اور ادبیات عصر حاضر کے رجحانات کو ایک نہج پر لانے میں دوسری قوتوں کے مساوی کام کیا۔ یورپ سے تعلقات کو استوار کرنے کی جو ابتدا ناصر الدین شاہ نے کی تھی اس کی تکمیل آج رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں ہو رہی ہے جبکہ ایرانیوں کا ایک بہت بڑا گروہ تعلیم وتدریس، مسافرت وسیاحت اور سیر وتفریح کے لئے یورپ کا سفر اختیار کر رہا ہے اور تجدد کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنے وطن میں واپس آتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ یہاں کی زندگی اور ادبیات میں ان نئے عناصر کا اضافہ کرے جو اس کے لئے ادبیات السنۂ مغربی میں باعث کشش

ثابت ہوئے۔

رضا شاہ پہلوی کا دور اس مقام پر اگرچہ عصر پہلوی کی ادبیات کی خصوصیات سے بحث کرنی مقصود ہے۔ تاہم چونکہ یہ دور انقلاب ایران اور عہد مشروطیت سے لاینفک طور پر وابستہ ہے۔ اس لئے غالباً نامناسب نہ سمجھا جائیگا اگر اس بحث میں بعض ایسے حضرات بھی شامل کر لئے جائیں جن کو دوران پہلوی سے پہلے ہی مصنفانہ شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ عصر جدید کا مختصر سا حال پروفیسر براؤن نے اپنی ادبیات ایران جلد چہارم اور پریس اینڈ پوئٹری میں دیا ہے اس لئے موجودہ حالات میں بعض مختصر اشارات پر اکتفا کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ عصر پہلوی میں جو ادبی تحریکات پائی جاتی ہیں۔ یہ اس آغاز کا انجام ہے جس کی ابتدا انقلاب ایران سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔ بلکہ اس کا تعلق تاریخ بیداری ایران کی نہضت اولین سے ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ تحریکات ادبی جو موجودہ فرمانروائے ایران کے زمانے میں پھلی پھولی نظر آتی ہیں۔ وہ ایران کی سیاسی جدوجہد کی ابتدا سے ارتقا کی منازل طے کرتی ہوئی آج تکمیل کے زیور سے آراستہ ہوئیں۔

ادبیات ایران پر مغربی اثرات ایران جدید کی جمہوری تحریک اگرچہ قدیم طرز حکومت کے خلاف انسانی فطرت کی وہ عام بغاوت ہے۔ جو تقریباً دنیا کے ہر ملک میں ایک خاص زمانہ میں پیدا ہوتی رہی اور ایشیا کے اکثر ممالک میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نظر آتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کشمکش اور ہیجان ایرانی ضمیر کے اندرونی اضطراب کی خارجی آئینہ دار ہے۔ لیکن ملک کی ادبی تحریکات کا حال اس سے قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی سیرابی اور فروغ یورپ کے ان اثرات سے بھی ہوا۔ جو اس زمانے میں تمام ایشیائیوں کے دماغ کو متاثر کر رہے تھے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ایران پر یورپ کے یہ

اثرات اپنی ہمہ گیری میں ان اثرات سے کسی طرح کم نہیں، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں یونان اور عرب نے ڈالے یونان Hellenism نے ایرانی ذہنیت پر اثر انداز ہونے میں اگرچہ وہ معجزات نہیں دکھائے جو عرب اثرات نے دکھائے تاہم اپنے اپنے وقت میں عرب اور یونان دونو نے ایران کی تقدیر اور طبیعت کو تبدیل کرنے میں بہت حصہ لیا ہے یورپ کے اثرات بھی حقیقت میں دنیا کے ان اہم اور انقلاب واقعات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے ایران کے زاویہ نظر کی تبدیلی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑیگا کہ عرب نے زندگی اور اس کے مظاہر، ادبیات اور اس کے مختلف شعبوں پر جو دیرپا اور مستقل اثر ڈالا۔ وہ یونان اور یورپ کے اثرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل توجہ ہے کیونکہ عرب نے نہ صرف ادبیات کے رجحان کو تبدیل کیا۔ بلکہ ایران کو ایک نئے کلچر اور تمدن سے بھی روشناس کیا جس کا سرچشمہ سامی الاصل مذہب تھا بخلاف اس کے یورپ نے ایران کی مادی زندگی پر جو خفیف اثرات ڈالے اور ادبیات کو ایک خاص رنگ میں رنگنے کی معمولی سی کوشش کی۔ اس سے نوجوانوں کے ایک انتہا پسند اور بے فکر طبقہ کے علاوہ کوئی بھی متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ ابھی پوری صدی بھی گذرنے نہیں پائی کہ اعتدال پسند وطن پرست اس سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔

بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ جدید لٹریچر اور سوسائٹی یورپ کے احسانات کی مرہون منت ہے۔ ڈی کونسی کا یہ قول۔ کہ ادبیات تاوقتیکہ ایک خاص عرصے کے بعد کسی دوسرے کلچر اور ادبیات سے اختلاط کے ذریعے نئے اثرات قبول نہ کریں۔ زوال پذیر اور مردہ ہو جاتے ہیں۔ ادبیاتِ ایران پر بالکل صادق آتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اُس ذخیرۂ کتب کو اگر غور سے دیکھا جائے۔ جو نئے اثرات سے پہلے علماء فضلا کے قلم سے نکلا۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر اب بہت پرانا ہو چکا ہے۔ اور اب اس میں اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

ادبیات جدید کا محدود سرمایہ

بعض حلقوں میں اس امر پر تعجب اور حیرت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ایران جدید نے موجودہ دور میں بہت کم لٹریچر پیدا کیا ہے۔
اس میں شبہ نہیں۔کہ موجودہ ایرانیوں کا قول عمل سے زیادہ ہے اور ان کی مجالس و محافل میں سوائے گفتگو ہائے رنگین کے اور کچھ نہیں ملتا۔اور ادبیات کے متعلق ٹھوس اور عملی تجاویز بہت کم پایۂ تکمیل تک پہنچائی جاتی ہیں۔لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے۔کہ انقلاب کے بعد ایرانی دل و دماغ، ان اثرات کے جذب کرنے اور ان کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھالنے میں مصروف ہے۔اور ابھی تک عمل اور ردِّ عمل کے ذریعے اپنی قوتوں کا توازن کر رہا ہے۔ نیز عہد تداخل کی خصوصیات کے مطابق، وہ اپنے آپ کو ان پنہاں جذبات اور خیالات کے اظہار تک محدود رکھتا ہے۔جو بوجہ ناپختہ اور آزمائشی ہونے کے کسی منظم اور بسیط شکل میں متشکل نہیں ہو سکتے۔ تو مندرجہ بالا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

پروفیسر براؤن نے عہد جدید کی ادبیات پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔کہ ایران میں اس وقت ہنگامی واقعات، اہم سیاسی انقلابات اور مشرق و مغرب کے تمدن کی باہمی آویزش کی وجہ سے ادبیات کی پیداوار بہت کم ہے۔اور ملک و قوم کا بہترین سرمایہ جرنلزم (صحافت) اور چند وطن پرستانہ منظومات اور معدودے چند تراجم اور افسانوں تک محدود ہے۔

پہلوی دور کی برکات

پروفیسر براؤن نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر ۱۹۲۴ء تک کے حالات پر منطبق ہوتا ہے جبکہ ملک ایک سیاسی جدوجہد میں مصروف تھا۔قوم کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ کیانیوں اور ساسانیوں کی اس وراثت کو ایک طرف روس و انگلینڈ کی رقیبانہ ریشہ دوانیوں سے نجات دی جائے اور دوسری طرف خود غلط اندیش اور وطنی مقاصد سے دشمنی کرنے والے ایرانی عنصر کو برسر اقتدار آنے سے روکا جائے اس زمانے کی تمام دماغی اور ذہنی توجہ بیداری و دفاع ایران کی کوششوں تک منحصر تھی۔

لیکن اعلیٰحضرت رضا شاہ پہلوی کے برسراقتدار آنے سے ملک کو جو داخلی آسودگی اور امنیت و رفاہیت نصیب ہوئی۔ اس نے بیدار قوتوں کو نئے نئے کاموں کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور ایرانی قوم کو جو ذہنی اور دماغی کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لینے کی عادی ہی ہے تصنیف وتالیف کے منظم اور ٹھوس دستور العمل پر عمل پیرا کر دیا۔ چنانچہ رضا شاہ پہلوی کے دہ سالہ عہد حکومت میں جو ادبی ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے۔ وہ اپنی اہمیت اور عمومیت کے اعتبار سے کسی دور کے لٹریچر سے کم نہیں۔

ایران جدید کی علمی و ادبی سرگرمیاں

پروفیسر براؤن نے مختصراً نئے دور کی خصوصیات پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر اسقدر اضافہ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ اس عہد کی تکمیل پہلوی زمانے میں ہوئی ہے۔ اس لئے جدید ترین ترقیات وتغیرات کا پورا لحاظ کرتے ہوئے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور ادبیات ایران کے اس نامور مصنف نے ادبی ذوق کے فقدان اور کمی کے متعلق جو مایوسانہ اظہار رائے کیا ہے۔ اس میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی ہے ذیل کے مباحث سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اہل ایران نے مختصر عرصے میں مختلف شعبہ ہائے علم و ادب کو جدید ترین معیار پر پورا اتارنے میں کس درجہ محیر العقول ترقی کی ہے شاعری، تاریخ، سوانح، تاریخ ادب، لغت، رومان، ڈرامہ، مذہب، تعلیم اور فنون غرض ہر موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں ایک اچھی خاصی تعداد ان کتابوں کی ہے۔ جو یورپ کی زبانوں سے ترجمہ ہوئیں۔ تاہم مستقل تصانیف کی بھی کمی نہیں۔ ایران کی جدید یونیورسٹی اور کالجوں میں تعلیم اور تدریس کے لئے بہت سی کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور بعض ترجمہ کی جا رہی ہیں۔ کمیسیون وزارت معارف جس کے ارکان کی پوری فہرست اور اس کی کارکردگی کی مفصل رُوداد تاریخچہ نادر شاہ رشید یاسمی کے دیباچہ میں ہے۔ اب تک بے شمار کتابیں طبع کر چکا ہے۔ انجمن ادبی جس کی شاخیں ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں قائم ہیں۔

ادبی ذوق کے پھیلانے اور علمی کتابوں کے شائع کرنے کا کام بہت سرگرمی سے کر رہی ہے۔ اخبارات اور رسالے جو بیداری ایران کی ابتدا سے اس وقت تک گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اشاعت کتب کے اچھے خاصے مراکز کا کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ مجلہ ارمغان وغیرہ کے ادارات نے اب تک کتابوں کی ایک معقول تعداد شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جو سیاح یورپ، مصر اور دوسرے ممالک کو دیکھ چکنے کے بعد ایران کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ تو وہ کسی قدر تنقیص کا میلان رکھتے ہیں، لیکن یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ ایک ایسے ملک میں جو ابھی ابھی موت وحیات کی آویزش سے جان بر ہوا ہو۔ اور جس میں ترقی اور تمدن کی ابتدائی شرط یعنی امن عامہ کو پیدا ہوئے بھی ابھی آٹھ دس سال ہوئے ہوں وہ ان ممالک کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جن کا نظام صدیوں سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور جو آزادی اور داخلی امن و استقلال سے قدیم زمانے سے بہرہ ور چلے آتے ہیں ایران جدید کے متعلق تنقیص کا خیال عام طور پر دو قسم کے لوگ پھیلاتے ہیں۔ ایک تو مغربی سیاسیات اور حکمتِ عملی کے مبلغین۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ ایران کے باشندوں اور بیرونی ممالک کے ایران دوستوں میں یک گونہ بے دلی اور شکست کا احساس پیدا کیا جائے۔ دوسرے خود بعض قوم پرست ایرانی جو اپنی قوم کو ابھارنے کے لئے اپنی کمزوری اور بربادی کا نوحہ کرتے رہتے ہیں۔

قدیم ایرانی کلچر کے احیا کی تحریک

حالات و کوائف تبلاتے ہیں کہ ایران اپنی گذشتہ روایات کو پھر زندہ کرنے کی فکر میں ہے اور ان مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہے۔ جو اس کے تمدن کی تکمیل و ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ پرانی فارسی کتابوں کی اشاعت و تصحیح بھی فضلا و علمائے جدید کے پروگرام میں شامل ہے چنانچہ ہر سال بے شمار شعرائے

قدیم کے دو دواوین زیور طبع و اصلاح سے آراستہ ہوتے ہیں[1]۔ پرانی تاریخیں شائع کی جا رہی ہیں اور قدیم علمی و سیاسی ابطال (Heroes) کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ فردوسی، ناصر خسرو اور زرتشت کے متعلق خاص طور پر دلچسپی لی جا رہی ہے[2]۔ وہ نسلی اور قومی رشتے جو اس سے پہلے استوار نہ تھے۔ یا کم از کم فراموش شدہ تھے۔ دوبارہ جوڑے جا رہے ہیں۔ یورپ کی ایرین اقوام اور ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ کلچرل روابط قائم کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ جس کا ثبوت عملی طور یوں دیا گیا۔ کہ ایک طرف ڈاکٹر ٹیگور کو ایران کی طرف سے دعوت دی گئی[3]۔ اور دوسری طرف شانتی نکیتان میں "ایرانی تہذیب" کی تبلیغ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایران کا ایک نمایندہ بطور ایک استاذ کے بلایا جاتا ہے۔ چنانچہ پور داؤد جو موجودہ دور کے نامور شعرا میں سے ہیں۔ اس ادارہ میں اس حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر ٹیگور نے سید جلال الدین طہرانی استاذ ریاضیات سے جو گفتگو کی۔ اور اس میں نوجوان ایران کے علمی ذوق کی تشنگی کا جو اعتراف کیا۔ وہ موجودہ علمی ماحول کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔ مسٹر ونسنٹ شین مصنف[4] New Persia جنہوں نے ۱۹۲۷ء میں اپنی ایران کی سیاحت کے تاثرات شائع کئے ہیں۔ خواتین کی بیداری اور ان میں علمی و تعلیمی ذوق کی نشو و نما کا دلچسپ حال لکھتے ہیں۔ پروین اعتصامی اور مہربانو کے ذکر میں انہوں نے اتنا ضرور ثابت کیا ہے۔ کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر تحریک کی طرح ایران میں بھی تجدد کے موافق اور مخالف گروہ دوش بدوش موجود ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ پہلوی دور اپنی برکات کے اعتبار سے لائق صد تحسین ہے کہ اس میں ملک کو امن و آرام کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اور علما و اہل قلم کو ملکی اور سیاسی پیچیدگیوں سے اتنی فراغت مل گئی کہ اب وہ بفراغ

---

[1] کتب خانہ دانش کلکتہ کی جدید ترین فہرست (اور ہسٹوری پرشین لٹریچر (جو ابھی نامکمل ہے) اس موضوع پر لکھنے کے لئے مفید کتب حوالہ ہیں۔

[2] فردوسی، ناصر خسرو اور ایران قدیم کے احیا کے متعلق تفصیلات نثر کے ضمن میں آئیں گی[3] بہار اور رشید یاسمی کی نظلیں "سخنوران عصر حاضر" میں[4] شین۔ نیو پرشیا۔ ص ۲۵۵

خاطر ملک کے لٹریچر میں اضافہ کرنے میں معروف ہیں۔

ادبیات جدید کی بعض خصوصیات

علمی و ادبی ماحول کے متعلق ان مجمل اور مجموعی اشارات کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب مختلف اصناف علم و ادب کا الگ الگ جائزہ لیا جائے اور ان خصوصیات پر بحث کی جائے جو اس زمانے کی تصانیف اور ازمنہ قدیمہ کی تصانیف کے درمیان ما بہ الامتیاز ہیں۔

وہ امور جو موجودہ ادبیات کو ممتاز و منفرد بناتے ہیں۔ کم و بیش یہ ہیں:-

اول۔ مغربی اثرات کے ماتحت ادبیات ایران میں خوشگوار تبدیلیاں۔

دوم۔ ادبیات ایران میں شدید ایرانی عصبیت کا ظہور۔

سوم۔ ادبیات ایران میں صمیمیت Sincerity اور مقصد Purpose کا پیدا ہونا۔ اور تصنع اور تقلید سے پاک ہونا۔

ایران کی جدید شاعری

مندرجہ بالا خصوصیات کی تشریح کے لئے سب سے پہلے شاعری کو لیا جاتا ہے۔ کیونکہ سرزمین ایران کو اپنی روایات کے اعتبار سے جس قدر شعر و شاعری سے تعلق ہے۔ اتنا شاید کسی اور صنف علم و فن سے نہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قدرت نے بعض زبانوں کو خاص طور پر شعر و شاعری کے لئے وضع کیا ہے۔ ان میں فارسی اور اطالوی زبانوں کو منظومات کے اظہار کی سب سے زیادہ صلاحیت حاصل ہے۔ اس لئے یہ نامناسب نہ ہوگا۔ اگر ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ جدید تمدن اور جدید انسانی نصب العین نے ایران کی شاعری کو کہاں تک اس کے پرانے مسلک سے ہٹایا ہے۔ اور ایرانی فطرت نے کس حد تک ان نئے اثرات کو قبول کیا ہے اور کس حد تک انکو اپنی طبیعت کے لئے ناساز گار سمجھ کر مسترد

٭ میں اپنے مخدوم قاضی فضل حق صاحب ایم۔اے کا ممنون ہوں جنہوں نے اس موضوع پر قابل قدر مشوروں کے علاوہ آقائے داعی اسلام کا مختصر رسالہ "شاعری جدید ایران" بھی عنایت فرمایا۔

کر دیا ہے۔

شعرائے معاصرین کے بعض تذکرے

آقائے محمد اسحاق نے اپنی کتاب "سخنوران ایران در عصر" میں ۳۲ شعرا کا حال بیان کیا ہے جن کے حالات نہایت تحقیق و جستجو کے ساتھ انہوں نے اپنی سیاحت ایران کے دوران میں جمع کئے اور لکھے ان میں سے اکثر کے ساتھ آقائے موصوف نے ملاقاتیں کی ہیں اور ہر شاعر کے حالات کے ساتھ ایک فوٹو بھی شائع کیا ہے۔ اسی موضوع پر دینشاہ ایرانی نے جو کتاب "سخنوران دوران پہلوی" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس میں ۹۰ شعرا کا مختصر حال ان کے کلام کے نمونے اور ان کی تصاویر دی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب محققانہ نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک بیاض کی ہے۔ تاہم اس سے جدید شاعری کی بڑی بڑی شاہراہوں پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ اس ضمن میں ح۔ سعادت نوری (جو خود بھی ایک شاعر ہیں) کی بیاض "گلہای ادب" کا ذکر بھی ہمارے مآخذ کی فہرست کی تکمیل کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں ۴۷ شعرائے معاصرین کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے

عصر جدید کے ممتاز ترین شعرا

موجودہ تبصرہ میں ملک الشعرائے بہار، اشرف دہخدا اور عارف کا عمداً ذکر کم کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے حالات و واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ پروفیسر براؤن مرحوم کی کتابوں میں آچکے ہیں۔ اگرچہ یہ سب بزرگ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ تاہم ان کا شمار زیادہ تر عہد انقلاب اور دورۂ مشروطیت کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ دوران پہلوی میں جو نوجوان شعرا اپنے کلام کی خوبیوں کی وجہ سے سب سے زیادہ نام آور ہیں۔ ان میں حبیب یغمائی حسام زادہ۔ ڈاکٹر محمود افشار۔ رشید یاسمی، روحانی، عشقی اور فرخی یزدی نئے دور میں شہرت عام کے دروازے سے داخل ہوئے ہیں۔ اور ملک میں انہیں بلند پایہ

شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اس نوعمر گروہ کے ساتھ بعض پختہ عمر اور کہن سال شعرا کا ذکر بھی بہر حال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن میں ادیب پیشاوری مرحوم اور شوریدہ شیرازی مرحوم، پور داؤد اور سید حیدر علی کمالی بلند حیثیت رکھتے ہیں۔

خواتین میں پروین اعتصامی اور نیمتاج کی شاعری ملک بھر میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہے۔ جن کا مفصل تذکرہ محولہ بالا کتابوں میں ملے گا۔

شعرائے معاصرین کی تقسیم باعتبار سٹائل

آقای محمد اسحاق نے موجودہ شعرا کو ان کے سٹائل اور اسلوب کے اعتبار سے ان چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ جو قدیم طرز پر لکھتے ہیں۔ اور قدیم خیالات اور موضوعوں پر فکر سخن کرتے ہیں مثلاً ادیب پیشاوری۔ ادیب نیشاپوری۔ بدیع الزمان سالار شیرازی۔ شباب شوریدہ۔ غمام۔ فروغی۔ نادری۔ رعدی۔

۲۔ وہ جو قدیم طرز پر — لیکن نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً ایرج میرزا پروین۔ پور داؤد۔ حبیب یغمائی۔ افشار۔ دہخدا۔ رشید یاسمی۔ روحانی۔ اشرف۔ عارف۔ فرخی یزدی۔ کیمائی۔ ملک الشعرا۔ فلسفی۔ کمالی۔ فرخی خراسانی۔ عطا۔ یاسائی۔ فرات۔

۳۔ وہ جو نئی روش کے مطابق اور نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً حسام زادہ عشقی۔ فرہنگ۔

۴۔ وہ جو Song لکھنے میں کمال حاصل کر چکے ہیں مثلاً ملک الشعرا بہار۔ اور عارف قزوینی۔

موجودہ مقالہ میں قدیم روش پر لکھنے والے حضرات پر تفصیل سے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہم جدید اصلاحات اور تبدیلیوں سے روشناس ہو جائیں۔ قدیم روش پر چلنے والے شعرا سے مراد

وہ لوگ ہیں جو کلاسیکل انداز میں منوچہری - فرخی - سعدی وغیرہ کے انداز میں شعر کہتے ہیں - جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائیگا - ایران میں خالص قدیم روش اور خالص جدید روش ہر دو غیر مقبول ہیں - ایسے لوگ بکثرت ملتے ہیں - جو قدیم و جدید میں امتزاج چاہتے ہیں - جیسا کہ آقائے اسحاق کی مندرجہ بالا تقسیم سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے - غزل - قصیدہ - مثنوی وغیرہ سب اصناف سخن زیر مشق ہیں - طرز خراسان اور طرز عراق کا قدیم مباحثہ بھی از سر نو تازہ ہو رہا ہے - لیکن چونکہ اب ملک و قوم کو سیاسیات اور وطنیات کی طرف زیادہ توجہ ہے - اس لئے اکثر لوگ وطنی مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں - خواہ اس کے لئے جدید طرز کو اختیار کریں یا پرانی طرز کو موضوع بہرحال وطنی اور سیاسی اور معاشری ہوتا ہے -

خالص مغربی اثرات شعر و شاعری پر

ایران کی ادبیات علی الخصوص ایران کی شاعری پر یورپ نے جو اثرات ڈالے اگرچہ وہ عرب کی طرح انقلاب انگیز نہیں ہیں - تاہم ان کے شدید طور پر موثر ہونے میں شبہ نہیں - یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی دنیا عام طور پر فرانس کے تمدن اور کلچر سے بہت موثر ہوتی رہی ہے - مصر اور ایران دونوں ملکوں میں فرنچ ادب کو جس ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے - وہ انگریزی اور دوسری زبانوں کے معاملے میں نہیں دیکھا جاتا - باوجودیکہ ان ہر دو ممالک کا تعلق سیاسی طور پر انگریزوں کے ساتھ زیادہ دیر تک قائم رہا - ایرانیوں نے جنگ بین الملی کے دوران میں جرمنی میں جو اقامت گاہیں بنائی تھیں - وہ کسی حد تک ایران پر جرمن اثرات ڈالتی رہیں - اور روس اور ترکی کی طرف سے، ہمسایہ قوم ہونے کے اعتبار سے جو روابط اس ملک کو رکھنے پڑے وہ بھی کسی قدر اثر انداز ضرور ہوئے - لیکن یہ واقعہ ہے - ایران جس قدر فرانس سے سے متاثر ہؤا - ان ممالک میں سے کسی ملک سے نہیں ہؤا - مالیر Moliere .

لافونتین اور وکٹر ہیوگو کی کتابوں اور نظموں کے ترجمے عرصے سے ایران میں ہوکر لوگوں کے دلوں کیلئے کشش کا باعث بن چکے تھے۔ اور ان کی لذت کے مقابلے میں انہیں یورپ کی کسی زبان کے شہ پارے اپنی طرف مائل نہیں کر سکتے تھے۔

جدید ماحول میں سب سے بڑی تبدیلی یہ آئی۔ کہ ایرانی شاعروں نے مصنوعی طرز کی شاعری تقریباً ترک کر دی اور انہوں نے ان مضامین کے متعلق لکھنا شروع کیا۔ جن کا تعلق ان کے اوضاع و اطوار زندگی، ان کی معاشرت، ان کے ذہنی اور نفسیاتی تجربات سے تھا۔

شعرا نے اپنی قدیم روش اور اسلوب، پرانے موضوع و مباحث اور فرسودہ طریق ادائے مطالب میں بے شمار تغیرات پیدا کئے۔ اغلاق تقلید اور مشکل پسندی جو قدیم خصوصیات میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ علما و فضلا کے نزدیک اب کوئی پسندیدہ چیز نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی جگہ سادگی اور سلاست نے لے لی ہے۔ اسلوب میں صفائی، صراحت اور با مطلب ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ اور موضوع و مباحث کا انتخاب کسی قلبی واردات اور روحانی داعیہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

جب ایران میں تجدد کی ہوا چلی تو اس نے شروع شروع میں نوجوانوں کے دماغوں کو بہت مسموم کیا۔ اور ان کے ایک انتہا پسند طبقے کے دل میں ایران کے قدیم شعرا کے متعلق تنقیص کا خیال پیدا ہو گیا۔ یعنی ان میں مغرب کے لٹریچر کے ساتھ اس درجہ شیفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ کہ وہاں کے شعرا کے مقابلے میں وہ اپنے شعرا کو حقیر سمجھنے لگے تھے۔ تاہم اس طبقہ کا اثر بہت محدود رہا۔ اور اب تو یہ جماعت بہت کم ہو رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ فارسی میں اب بھی مغربی زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن غالباً ان الفاظ سے کسی صورت میں مفر نہیں۔ اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ان میں سے بعض عادتاً اور غیر ارادی طور پر شامل کئے جا

رہے ہیں۔ اور ان میں کچھ مجبوری نہیں۔ روحانی کی جو نظم "ظاہر سازی" کے عنوان سے آقای اسحاق نے اپنی کتاب کے ص ۱۱۵ پر شائع کی ہے۔ فرنچ الفاظ سے لبریز ہے تنہا اس نظم میں دس پندرہ الفاظ ایسے موجود ہیں۔ جن کے بغیر بخوبی کام چل سکتا تھا مثلاً مُد و شیک mode: chic تابلوی Tableau اینورسیتہ Universite فاکولتہ Faculte وغیرہ

ایرانیوں نے غالباً یورپ سے کوئی نئے بحور و اوزان اور کوئی نئی صنف شاعری اخذ نہیں کی۔ بلکہ زیادہ تر امتزاج سے کام لیا گیا ہے۔ اور ان اشکال اور اصناف کو جو یورپ کی کسی خاص طرز کے مماثل ہیں پہلے سے زیادہ فروغ دیا۔ اب تک غزل، مثنوی اور رباعی کا بہت رواج تھا۔ لیکن مسمط اور مستزاد کی طرف توجہ نسبتاً کم تھی۔ ایران جدید نے مسمط اور مستزاد کو ایک فرانسیسی طرز کے قریب سمجھتے ہوئے زیادہ رواج دیا ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز کو نقصان پہنچا۔ وہ قصیدہ ہے، کیونکہ شعرا انقلاب اور بیداری ایران کے بعد اُمرا اور بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹ کر جمہور کی بیداری اور وطن کی خدمت کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ قصیدہ کی جگہ وطنیات نے لے لی ہے۔ اور ہجو نے افراد کی مذمت کے بجائے سوسائٹی کی تنقید اور نکتہ چینی کی شکل اختیار کر لی ہے مستزاد کے علاوہ جو طرز آج کل بہت مقبول ہے۔ اس کا ایک بند بطور نمونہ درج ذیل ہے

ای غنچۂ ناشگفتہ در باغ ای نو گل زیب بوستانی
ای جلوہ باغ و رونق راغ وای ہمدم روح آسمانی
وای قلب تو پاک تر ز گوہر
وای عطر صفای دل معطّر

یہ ہماری مسدس سے کسی قدر مشابہ ہے۔ اختلاف صرف اس قدر ہے

کہ اس میں پہلے دو شعروں میں پہلے شعر کا پہلا مصرعہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اور دونوں شعروں کے دوسرے مصرعے آپس میں ہم قافیہ۔

یورپ کا اثر جس قدر ہوا اس نے ایرانیوں کو اپنے ماحول سے منقطع نہیں کیا۔ اس تجدد اور جدت پسندی کے باوجود ایران میں قدیم اور جدید روش کے علم بردار بدستور موجود ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بالکل درست ہے کہ ایران کی فطرت قدیم طرز سے زیادہ مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اور جدید خیالات کے اعلان اور اس کے سلسلے میں جوش و خروش کو ایک مستعار سرمایہ پر افتخار کے مترادف سمجھا جاتا ہے[1]۔ دنیا میں ہر جگہ قدیم اور جدید کے درمیان جو جنگ اور نزاع جاری ہے۔ وہ ایران میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات نہایت ہی دلچسپ ہے کہ ایران میں ایک معتدل اور معقول گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اس قدیم و جدید کے درمیان امتزاج چاہتے ہیں اور خاصتاً مغرب کے اثرات سیاسی و ادبی کو اختیار کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ دیوان عارف قزوینی کے فاضل مقدمہ نگار[2] نے قدیم و جدید کے امتزاج کی ضرورت پر جن فیصلہ کن اور خوبصورت الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کا مطالعہ ہر صاحب ذوق کے لئے ضروری ہے

شاعری کے نئے موضوع، حیات اجتماعی

یورپ کے اثرات کا اتنا اعجاز تو ضرور ہوا کہ اس کے طفیل ایران کی شاعری میں ایک مقصد اور منہاج پیدا ہو گیا اب شعرا جو کچھ لکھتے ہیں۔ اس میں وہ اپنی روحانی اور نفسیاتی تحریک کے مطابق عالم انسانیت کے نام ایک پیغام دے رہے ہوتے ہیں۔ مشرقی شاعری کے مخالفین عام طور پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس شاعری میں شاعری محض دماغی ورزش کا نام ہے

---

[1] سخنوران عصر حاضر دیباچہ [2] دیوان عارف۔ ص ۲۶

اور اس سے حیات اجتماعی کی اصلاح یا کم از کم ترجمانی کا کام نہیں لیا جاتا۔ اگرچہ یہ اعتراض فارسی شاعری کے تمام ادوار پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ بلاشبہ ایسے ادوار بھی ہیں جن میں ایرانی شعر و شاعری سے یہ کام لیا گیا ہے، اور اس سے قوم کے احساسات اور سپرٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انقلاب ایران سے پہلے کئی صدیوں سے ادبیات کے ہر شعبہ اور صنف میں تقلید اور لفظ پرستی کو اس درجہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا کہ دیوانوں کے دیوان کسی بڑے شاعر کے الفاظ و معانی کی نقل اور پیروی میں وقف ہیں۔ پس یہ امر بالکل مسلّم ہے کہ ایرانی شاعری علی العموم حیات اجتماعی کی آئینہ دار نہیں تھی۔ نہ اس میں کوئی صمیمیت Sincerity تھی نہ مقصد، نہ پیغام، خدا کا شکر ہے کہ جدید شعرا نے اس عیب کو رفع کرنے کے لئے اہم اصلاحات کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ اب ایران کے شعرا غیر موجود باتوں کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ وہ مسائل جن سے انہیں شب و روز دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان کے ذہن و فکر ان کی تعبیر و توجیہ کے لئے وقف ہیں۔ زندگی کی گتھی اور مختلف طبقات معاشرت کی تصویر کھینچنا اپنی روحانی مشکلات اور اضطراب کو ظاہر کرنا اور نفس کے ان لاینحل عقدوں کو حل کرنا جو انسان ضعیف البنیان کو ہمیشہ سے پریشان رکھتے چلے آئے ہیں۔ جدید شعرا کے مقاصد عظیمہ میں شامل ہیں وہ نئے موضوع جن کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے یہ ہیں :-

۱۔ مظاہر کائنات پر غور، مقامی ماحول سے تأثر اور مناظر قدرت کی تصویر کشی۔

۲۔ اوضاع و اطوار معاشرت پر نکتہ چینی۔

۳۔ وہ فلسفیانہ معمے اور نفسیاتی مسائل جن کے متعلق عقل انسانی ہمیشہ متحیر رہی۔ اور جن کی تعبیر و توجیہ میں ہمیشہ اختلافات رہے۔

مناظر قدرت ہمارے قدیم شعرا کے کلام میں نیچر کے مختلف مظاہر پر کبھی کبھی سخن آرائیاں ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں لفاظی کو بہت دخل حاصل ہے۔ قصاید کے شروع میں بعض دفعہ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے میں فرخی اور منوچہری کے قلم نے وہ گلکاریاں کی ہیں کہ روح انسانی ان کو سنکر رقص کرنے لگتی ہے۔ لیکن ان سے صمیمیت نہیں ظاہر ہوتی بلکہ مبالغہ اور تصنع کا اظہار ہوتا ہے۔ جدید شعرا اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے البرز اور الوند کے دامن میں چاندنی راتیں حسن وجمال کی بہترین تصویریں ہیں ملک الشعرائے بہار۔ دماوند کو "مادر سرسپید" کہکر پکارتے ہیں۔ اس سے اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس کے سامنے عصر کی شکایت کا دفتر کھولتے ہیں۔ اور اس کو اپنا شریک حال بناکر اس سے مدد کے طالب ہوتے ہیں[1]

اے دیو سپید پاے در بند　　　ای گنبد گیتی اے دماوند
اے سیم بسر یکے کلہ خود　　　زاہن بمیاں یکے کمربند
تا چشم بشر نہ بیندت روی　　　بنہفتہ بابر چہر دلبند
تا وارہی از دم ستوراں　　　دین مردم نحس دیو مانند

ای مادر سرسپید بشنو　　　این پند سیاہ بخت فرزند
ابری بفرست برسر ری　　　بارانش زہول وبیم و ترفند
برکن زبن این بنا کہ باید　　　از ریشہ بناے ظلم برکند
زان بیخرداں سفلہ بستاں　　　داد دل مردم خردمند

قدرت کی ہر شے شاعر کے دل پر اثر کرتی ہے۔ بہار آتی ہے۔

---

[1] ایرانی۔ شعراے دوران پہلوی۔ ص ۱۹۲

گل و لالہ کے فرش بچھ جاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی دلفریبیوں کی طرف بلاتی ہے۔ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ صبح کا سہانا موسم[1]۔ چاندنی راتوں کی چمک[2]، درخشاں تارے، آبشاروں کا نوحہ[3]، شبنم کی دلآویزی[4]، برگ زرد کی مایوسی[5]، بلبل سے دو دو باتیں[6]، جنگل کی ایک رات[7]، وہ مضامین ہیں جن پر ہمارے شعرا قلم اٹھاتے ہیں۔ سب سے زیادہ رشید یاسمی نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔ چنانچہ شبے در جنگل شہاب، فوارہ کا ذکر محض بطور مثال کافی ہوگا۔ جن سے یہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ موجودہ شاعر مادر فطرت سے کہاں تک اکتساب کرتے ہیں۔ "آئینہ سیال" میں فرماتے ہیں۔

چہ خوش باشد بروے آب دیدن　　بر او رقصیدن مہتاب دیدن
بہ بیداری چناں خاطر فریبد　　کہ شام وصل یاران خواب دیدن

نسیم آید ازو پرچین شود آب　　بلرزد قرص ماہ چون لوح سیاب
وزم گردد چو روی مہ جبینی　　کہ ناگاہش برانگیزند از خواب

سپہری برزمین گسترده بینی　　زبادش چہرہ پرچیں کردہ بینی

[1] ایرانی شعرائے دوران پہلوی ص ۸۰، یحییٰ دولت آبادی کی نظم۔ "صبح"۔
[2] گلہائے ادب۔ ص ۳۰، حشمت زادہ کی نظم "یک شب ماہتاب"
[3] گلہائے ادب۔ ص ۱۲۴۔ اشتری کی نظم۔ "آہنگ آبشار"
[4] گلہائے ادب۔ ص ۹۱۔ احمدی بختیاری کی نظم۔ "افکار یک شب مہتاب"
[5] گلہائے ادب۔ ص ۱۰۴۔ نظام وفا کی نظم۔ "برگ زرد"
[6] گلہائے ادب ص ۶۶۔ جودی لنگرودی کی نظم۔ "ای بلبل"
[7] گلہائے ادب۔ ص ۱۲۰۔ رشید یاسمی کی نظم۔ "شبی در جنگل"

جمال بوستان آسمان را گہی بی پردہ گہ در پردہ بینی

درخت و کوہ و ابر و ماہ و انجم
دریں آئینہ گہ پیدا گہی گم
تو گوئی رنگ ریزان طبیعت
جہانے راہمی شویند در خم

صدای لطمۂ امواج آرام
کہ بر ساحل رسد از صبح تا شام
بود چون سیلیے یاران طنّار
بروی چہرہ عشّاق ناکام[1]

رشید یاسمی[2] باغ کی تعریف و توصیف میں کہتے ہیں :-

صبحدمی گفت مرا باغبان
زانچہ بتان چمنی کردہ اند
گفت ہرآن خو کہ نہان داشتند
دوش بخلوت علنی کردہ اند
قمریگان قصّہ سرا بودہ اند
بلبلگان خوش سخنی کردہ اند
چوں ملک بحری فوّارگان
شب ہمہ شب آب تنی کردہ اند
برگ درختان ز نسیم سحر
بر سر گل بادزنی کردہ اند
گفتی در رہگذر باد صبح
تودۂ مشک ختنی کردہ اند
بید بتان در بر وزندہ باد
در ورزش و مشق بدنی کردہ اند

معاشرت اور تنقید معاشرت

جدید شعرا نے جس طرح مناظر قدرت پر نظمیں لکھنے میں ایک نئی شاہراہ پر گامزنی کی ہے۔ اسی طرح سوشل معاملات پر جن کے متعلق تمدّن مغرب نے مشرقیوں کے خیالات میں یک گونہ تغیر پیدا کیا ہے۔ بہت توجہ مبذول کی ہے چونکہ یہ مسئلہ وطنیات سے ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ اور مجلسی امور کی ترمیم و اصلاح ملک کے مسائل مہمّہ میں

---

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۹۹ [2] ایضاً۔ ص ۹۷

سے ہے اس لئے شاعری کا بیشتر حصہ ان ہی افکار و خیالات پر مشتمل ہے - پردہ، تعدد زوجات کی خرابیاں، تعلیم نسواں، عورت کا درجہ سوسائٹی میں اور اس قسم کے دوسرے موضوعوں پر بکثرت طبع آزمائی کی گئی ہے۔ جیسا کہ تمام اسلامی ممالک میں دیکھا گیا ہے۔ ایران میں بھی مغربی تمدن کے اس پہلو کے متعلق مفکرین و مصلحین قوم میں اختلاف موجود ہے۔ ملک الشعرا بہار، ایرج میرزا مرحوم، عشقی اور عارف اس جماعت کے ممتاز افراد ہیں۔ جو یورپ کی تقلید میں حجاب وغیرہ کو یکسر ترک کرنے کے حق میں ہیں۔ مرزا بہاء الدین حسام زادہ[1] کہتے ہیں:-

دختر عزب بستر نگہ مقصود رسید   عرق شرم ز رو بیت نچکیدہ است ہنوز
بچمن سنبل بخت تو ز بد بختی ماست   کہ نروئید ہنوز و ندمیدہ است ہنوز
خیز و این چادر شومت ز سر افگن بکنار   گر عمر ز دستت نرہیدہ است ہنوز

عشقی نے "کفن سیاہ" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے وہ ان جدید جذبات سے لبریز ہے۔ عشقی عورتوں کیلئے مردوں سے شرم کرنے کی کوئی وجہ خاص نظر نہیں دیکھتے ؎

زن چہ کردہ است کہ از مرد شود شرمندہ

حسام زادہ اور عشقی کی اس تلقین کے علی الرغم ایک دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو ابھی تک معتدل پردہ کو ضروری سمجھتا ہے اور اسے عفت اور پاکبازی کیلئے اولین شرط قرار دیتا ہے۔ دکتر محمود خان افشار[2] جو جرمنی سے سند فضیلت حاصل کر کے آئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

پردہ زنہار میفگن ز رخ چوں قمرت   تا مبادا رسد از چشم بد کس نظرت
کمتر از خانہ بروں پای منہ بی مادر   بخیابان و بہ بازار اگر افتد گذرت
پس نگہ دار نظر را و نگہ دار ہوس   کہ ہمیں بوالہوسی افگند اندر خطرت

---

[1] آقای اسحاق۔ سخنوران عصر حاضر ص ۷۷ [2] ایضاً ص ۸۱

چونکہ از بہر زر و زیور باید زر و سیم | بہم آن است کہ عصمت برود از بہر زر
بہترین زینت دختر نہ مگر عفت اوست | خود تو دانی چہ بگویم من ازین بیشتر

پروین اعتصامی جو جدید ایران کی شاعرات میں سے ہیں۔ اس اہم مسئلہ پر جس کا تعلق ان کی اپنی جنس کے ساتھ ہے۔ بہت کم اظہار خیالات کرتی ہیں۔ غالباً پروین ضرورت سے زیادہ تجدد کو پسند نہیں کرتیں[۱]۔ بلکہ مرد اور عورت ہر دو کو اس کش مکش حیات میں ایک دوسرے کا لازم ملزوم خیال کرتی ہیں:۔

وظیفہ زن و مرد اے حکیم دانی چیست | یکی است کشتی و آن دیگریست کشتیبان
بروز حادثہ اندریم حوادث دہر | امید سعی و عمل ہاست ہم ازین ہم ازان
ہمیشہ دختر امروز مادر فرد است | ز مادر است میسر بزرگی پسران

اگرچہ ایران کے نوجوان طبقہ پر بالعموم اس تجدد کا اثر نظر آتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود وہ سوسائٹی اور فیملی کے انتشار کے قایل نہیں۔ وہ ایک گھر کو جس کی چھوٹی چھوٹی راحتوں اور مصروفیتوں میں انسان اُلجھ کر اکثر کلفتوں کو بھلا دیتا ہے۔ تمدن کے لئے ضروری سمجھتے ہیں[۲]۔ رشید یاسمی فرماتے ہیں:۔

خرم آں ساعت کہ زی خانہ شوم ہنگام شب | دل ز کار روز م افسردہ روان اندر تعب

آدمی را چو مرغاں آشیانی درخور است | کاندران مصروف گردد مال و نان مکتسب
تا نہ داری خانہ کی دانی بہائے ملک و دین | تا نداری ریشہ کی گردی بہا غی منتسب

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بار بار اس بات کی صراحت آچکی ہے۔ ایران کے ایک محدود طبقہ کے علاوہ، فضلا اور ارباب بصیرت کا ایک جم غفیر یورپ کی اندھی

---

[۱] ایضاً۔ ص ۳۸ [۲] ایرانی۔ شعرائے دوران پہلوی ص ۳۰۰

تقلید کا دشمن ہے۔ اور قوم کو جدید تمدّن کی مادہ پرستانہ سپرٹ سے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں وحید دستگردی، حیدر علی کمالی اصفہانی سب سے زیادہ اپنا زور کلام اس بات پر صرف کر رہے ہیں۔ کسروی تبریزی جو ایک بلند پایہ مصنف ہیں۔ معاشرت، مذہب اور ادبیات غرض ہر چیز میں یورپ کی تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "آئین کسروی" میں اس موضوع پر نہایت جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس موضوع پر سید حیدر علی کمالی کی اس نظم سے بہتر کوئی قطعہ شاید نہ لکھا گیا ہو گا جس کا عنوان یہ ہے:ـ "خوانند بہار مہرگاں را":ـ

اے عصر جدید ایکہ خود را / زاعصار خجستہ می شماری
انصاف بدہ کہ گوئیمت تا / از عدل جوی خبر نداری
در ما بقدیم و عہد وسطیٰ / ہرگز نبُد این سیاہکاری
آوخ کہ بعنف یا بعمدا / گر عمر بدین نمط گذاری
وحشت کدۂ کنی جہاں را[1]

فکاہیات اس موقعہ پر میرزا غلام رضا خان روحانی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن کی فکاہی نظمیں اس زمانے میں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو سید اشرف الدین "نسیم شمال" کی دورۂ انقلاب اور جمہوریت میں۔ ان نظموں سے زیادہ مقصود یہ ہے۔ کہ ظرافت کے رنگ میں معاشرت اور سوسائٹی کی تنقید کی جائے۔ اور ایرانی امرا اور عوام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ان کی لطیف پیرایے میں مذمت کی جائے ہجو میں جدید زمانے میں جو خوشگوار تبدیلی ہوئی ہے۔ اس کی بہترین مثال یہی ہے۔ روحانی کا "اراجیف الاجنۃ" اور "ادارہ نامۃ" اس موضوع کی بہترین کتابیں ہیں۔ جو جستہ جستہ ایران کے بعض فکاہی رسالوں مثلاً "امید" اور "گل زرد" میں

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۱۱۲

شائع ہوئیں۔ اہل ایران کی کسالت اور کاہلی کے متعلق کہتے ہیں:۔

اروپائی اگر از صفحۂ خاک — رود با آسمان پیما بلا فلاک
از وکم نیست ایرانی کہ دایم — کند سیر فلک باچرس وتریاک
اثاثی در سرائی کشور جم — نماند از غارت دزدان چالاک
سخن از فضل و دانش چند گوئی — بقومی بے خبر از عقل وادراک
لب از گفتار روحانی فرو بند — دہانت را بزن مہر و بکن لاک

اہل ایران میں "افیون خوری" کا مرض عام ہے۔ روحانی نے اس کے خلاف کئی طریقوں سے آواز بلند کی ہے۔ حافظ کی ایک مشہور غزل کی تضمین کرتے ہیں:۔

مُردیم از خمارے ہمشیرگان خدارا — از یک دولت شیرہ سازید شادمارا
دور روزہ مہر گردوں افسانہ ایست افسوں — مرفین بجائے افیون تزریق سازد مارا
آسایش دوگیتی تفسیر این دو حرف است — باشیرہ مروت بالنگی مدارا
فیوریاں برنا بخشند گان عمراند — ساقی بشارتے دہ پیران پارسارا
تریاک وشیرۂ مفت صد بار ہست خوشتر — از ہستی دو عالم تریاکیے گدارا

"اراجیف الاجنہ" میں "داد از دست زنم" کے عنوان سے منزلی زندگی کے ایک پہلو کا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے اس مستزاد کے پہلے دو شعر یہ ہیں:۔

شب عید است وگرفتار زن خویشتنم — داد از دست زنم
او ست جفت من و من جفت ملال و محنم — داد از دست زنم
ہم کرپ[1] ژرژت[2] ہم من خواہد دہم ژرسہ و وال — مد[3] و فرم[4] امسال
خود نہ شلوار بہ پا یم نہ قبای بہ تنم — داد از دست زنم

---

[1] کریپ۔ [2] جیٹ۔ جرسی۔ وائل کپڑوں کے فرنچ نام ہیں۔
[4] form فرم [3] mode مد

سیاسیات و وطنیات | سیاسیات و وطنیات کی تاریخ پر جو کچھ Press and Poetry. میں مرحوم پروفیسر براؤن نے لکھا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ سیاسی بیداری سے لے کر انقلاب اور دورۂ مشروطیت تک جو خدمات شعرائے وطن نے انجام دیں۔ ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ملے گا۔ یہاں مجملاً بعض جدید خیالات اور افکار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نوجوان شعرا میں حبیب یغمائی[1] جدید ترین تحریکات سیاسی سے بہت زیادہ متأثر معلوم ہوتے ہیں۔ حبیب پرانے نظام میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا وجود کمزور اور ضعیف انسان کی ترقی کے لئے سخت مضر ہے۔ آپ ان الفاظ میں انقلاب کی تلقین کرتے ہیں۔

ز انقلابی سخت جاری سیل خون بایست کرد — وین بنای سست پی را سرنگون بایست کرد
از برای نشر آزادی زبان باید گشود — ارتجاعیون عالم را زبون بایست کرد
تا که در نوع بشر گردد تساوی برقرار — سعی در الغاء القاب و شئون بایست کرد
ثروت آنکس که می باشد فزون باید گرفت — وانکه کم از دیگران دارد فزون بایست کرد
منزل جمعی پریشان مسکن قومی ضعیف — قصرهای عالی اشراف دون بایست کرد
هر که پارازیت[2] و تنبل می شود بایست کشت — آری از تن خون فاسد را برون بایست کرد

حبیب سوشلزم کو مساوات انسانی کے قیام کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور سرمایہ کی بنا پر پیدا شدہ امتیازات کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔

مالک و دهقان، غنی و بی نوا، شاه و گدا — محو باید گردد از روی زمین این نامها

حبیب عمل کو زندگی کا مترادف قرار دیتے ہیں۔

در مذهب من بدنام بهتر بود از گمنام — جبریل امین از نیست شیطان لعین باشد

---

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۲۶۴۔ [2] Parasite.

صبح و شام کی رسمی اور افسردہ زندگی نہایت ناقابل برداشت ہے۔

زین زندگی یک شکل افسردہ دلم ای کاش　　یا بہتر ازین گردد یا بدتر ازین باشد

ضعیفوں کی بہتری کے لئے شاید لینن کا دستور ہی کچھ کارگر ثابت ہو سکے۔

شاید کہ ضعیفاں را اوضاع شود بہتر　　در گیتی اگر مجری دستور لینن باشد

وضع غنی و درویش آن بہ کہ شود تبدیل　　یک چند چناں می بود یک چند چنین باشد

حبیب کی اس نظم پر جو بچوں کے لئے سادہ زبان میں "وطن" کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ علامہ اقبال کی کسی بین الاسلامی نظم کا دھوکا ہوتا ہے۔

کشور ایران کہ نزید جاوداں　　ہست وطن بر ہمہ ایرانیاں

رشت و قم و ساوہ و طہران یکیست　　مشہد و تبریز و صفاہاں یکے ست

اہل وطن زادۂ این مادر اند　　یاور و غم خوار بیکدیگر اند

ڈاکٹر محمود خاں افشار کا ایک اور قطعہ اشتراکیت اور سوشلزم کے متعلق ہے۔ جو انقلاب روس سے پہلے لکھا گیا تھا۔[1]

پاینده باش نزار رغ بدبخت رنجبر　　ای آنکہ زندگانی مادر بقای تست

در نزد خلق اگرچہ گدائی و بے نوا　　در چشم من تو شاہی و سلطاں گدای تست

گر مردم از رضای تو غافل نشستہ اند　　خوشنودی و رضای خدا در رضای تست

جان حقیر من نبود لایق نثار　　ور نہ زری صدق و ارادت فدای تست

فرخی یزدی[2] جنہیں آزادی ایران اور عقاید سیاسیہ کی خاطر بہت قربانیاں کرنی پڑیں۔ ایک اہم انقلاب کے آرزو مند ہیں۔

گر خدا خواہد بجو شد بحر بے پایان خون　　می شوند این ناخدایان غرق در طوفان خون

باسرافرازی نہم پا در طریق انقلاب　　انقلابی چوں شوم دست من و دامان خون

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۸۱ [2] سخنوران عصر حاضر ۱۳۲

کلبۂ بی سقف دہقانرا چو آدم در نظر   کاخہای سر بکیوانرا کنم ایوان خون
فرخی راشبہ گیر انقلابی خوانده اند   زانکه خورد از شیر خواری شیر از پستان خون

فرخی ماسکو میں انقلاب کی دسویں سالگرہ کے جشن میں شامل ہوئے۔ ان کی مسمطات اور مستزاد ین وطنیات کے متعلق بہت شہرت رکھتی ہیں۔

ایرانی عصبیت کا احیا پور داؤد کی وطنی نظموں کے ذکر سے یہ مقالہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ ان کے کلام کا انتخاب مرحوم براؤن کی کتابوں میں آ چکا ہے۔ اس لئے قارئین کرام کو ان کتابوں کیطرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ پوراندخت نامہ بھی بمبئی میں طبع ہو چکا ہے۔ پور داؤد ان تجدد پسند ایرانیوں میں سے ہیں۔ جو تحریک احیائے ایرانِ قدیم اور عربوں کے خلاف ایرانی عصبیت کے علمبردار ہیں۔ اگرچہ ایرانِ قدیم کو دوبارہ زندہ کرنے کی تحریک پر کوئی جائز اعتراض نہیں ہو سکتا تاہم بعض ایرانیوں میں عربوں اور عربیت کی بلاوجہ مخالفت خود وہاں کے معقول گروہ کو ناپسند ہے کچھ عرصہ پہلے فارسی زبان سے عربی الفاظ نکالنے کا جو رجحان پایا جاتا تھا۔ وہ بھی اب سرد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں کوئی صفحہ ایسا نہ ہوگا۔ جو عربی الفاظ سے پُر نہ ہو۔ پھر بھی زیر بحث دور میں ایسے لوگ ضرور موجود ہیں۔ جنہیں عربیت سے سخت نفرت ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسلام کا تسلط ایرانی قومیت کے لئے باعث بربادی ہوا۔ یہ جماعت ایران کے قدیم مشاہیر کی عظمت کے ترانے گاتی ہے۔ اور پرانے اولیا اور بزرگانِ دینی مثلاً زرتشت کے متعلق عقیدت کے رشتوں کو جوڑ رہی ہے۔ پور داؤد ان احساسات و جذبات کے اظہار میں سب سے زیادہ بے باک ہیں۔ "بہاره و بہدین" کے عنوان سے انھوں نے جو نظم لکھی ہے۔ اس میں ان عقاید کی تشریح نہایت صفائی اور صراحت سے کی ہے۔[1]

---

[1] شعرائے دوران پہلوی۔ ص ۲۵۲

حسام زادہ نے "چند قطرہ اشک بروی آثار مخروبہ پازار گاد"[1] کے عنوان سے شاہان قدیم کی ایک راجدھانی کی عربوں کے ہاتھوں بربادی پر بہت نوحہ کیا ہے۔ اس نظم سے بھی ان مخصوص ایرانی محسوسات کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

یک مرتبہ ہم اے دل بگذر تو بپازرگاد　　ماتم زدہ بین سروش بگرفتہ دل وناشاد
دستش بسما افراز روحش زندی فریاد　　گوید کہ بمن از چرخ رفتہ است بسے بیداد
عزو شرف و شانم دادند ہمہ برباد
صد داد ازین بیداد و از جور زماں صد داد!

آخری بند یوں ہے۔

این خاک کہ بُد مہد شاہنشہی ایران　　بے سُود سر شوکت روزی بسر گیہان
آتشکدہ زردشت آرامگہ یزدان　　امروز شدہ یکسر جولانگہ خناسان
مہد و وطن خوباں جاکردہ دراد دیوان
آں شوکت و فرو جاہ آوخ کہ برفت ازیاد

دکتر محمود خاں افشار کی نظم "در راہ اصفہان"[2] بھی قریب قریب اسی جذبہ کا اظہار کرتی ہے۔ شاعر جب شیراز سے اصفہان جاتے ہوئے پرانی یادگاروں کے پاس سے گذرتا ہے۔ تو خون کے آنسو بہاتا ہے۔ اور سیروس کے مقبروں کی ویرانی سے متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ آتشکدہ ہائے ایران کی خاموشی سے بھی وہ انگاروں پر لوٹتا ہے۔

خاموش اگر گردید آتشکدہ ہائے پارس
در سینہ ما از غم آتشکدہ سوزان بود

فرہنگ اپنی نظم "خاک ایران"[3] میں اوستا اور دینداد کے مردہ ہوجانے پر اشک حسرت

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۸۳ [2] شعرائے دوران پہلوی ص ۱۰۰ [3] شعرای دوران پہلوی ص ۳۳۹

بہاتے ہیں اور ایران کے آتش کدوں کی معدومی پر متاسف ہوتے ہیں۔

جب فرخ خراسانی[1] ۱۳۴۵ھ میں عراق عرب کی طرف گئے تو انہیں بعض جرائد میں ایرانیوں کے متعلق نامناسب اشارات نظر آئے۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں:۔

یارب عرب مباد و دیار عرب مباد　　　این مرز شوم و مردم دور از ادب مباد

این قوم دون دزد گدا راز کردگار　　　جز لعنت و عذاب و بلا و غضب مباد

تنہا ہمیں عراق نہ ہر جا عربکدہ　　　نجد و حجاز و تونس و مصر و حلب مباد

بعض مختصر ڈرامے — بعض نئی طرز کی چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر پروفیسر براؤن مرحوم اپنی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ ان میں سے عارف قزوینی کی "تصنیفات" بہت شہرت رکھتی ہیں اور ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ عشقی کے بعض مختصر ڈراموں کا یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو علاوہ ایک جدید اختراع ہونے کے وطن پرستانہ جذبات سے بھی پر ہیں۔

ان میں سے ایک "کفن سیاہ ۔ سرگذشت یک زن باستانی ۔ خسرو دخت و سرنوشت زنان ایرانی" ہے۔ اس نظم میں حجاب اور پردہ کی رسم کے خلاف ایک خیالی قصہ لکھا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں خرابہ ہای مداین کے ارد گرد ایک گاؤں کے ویران سے گھر میں وارد ہوا اور اپنے اندرونی احساسات سے متاثر ہو کر اس ویرانے میں گردش کر رہا تھا کہ ایک عورت مجھے نظر آئی۔ جس نے سیاہ کفن پہنا ہوا تھا۔ اس کی گفتگو نے یہ حقیقت واضح کی کہ وہ ملکۂ ایران ہے اور سلطنت عجم کے انقراض کے وقت سے اس نے سیاہ کفن پہن رکھا ہے۔ عشقی جب صبح کے وقت ان کھنڈروں سے نکلا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ تمام ایرانی عورتوں نے

---

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۲۹۸

وہی کفن سیاہ پہن رکھا ہے۔ شاعر اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایران کی عورتیں عہد ساسانی میں پردہ نہیں کرتی تھیں اس کے بعد سے اس کو بطور ایک ماتمی لباس کے انہوں نے اوڑھ رکھا ہے۔ اس حکایت (یا ڈرامہ) کے ۹ ۵ بند ہیں۔ ہر بند میں پانچ ہم مصرعہ قافیوں کے بعد ایک شعر ہم قافیہ لایا گیا ہے۔

عشقی کی ایک دوسری نظم "ایدہ آل" (Ideal) بھی اس سے کم دلچسپ نہیں۔ جس کے تین منظر یا تابلو ہیں۔ یہ دراصل ایک پیر کہن سال کی داستان ہے۔ جس کے دو لڑکے راہ آزادی و مشروطیت میں ہلاک ہوئے۔ اس کی ایک لڑکی مریم طہران کی مبتذل سوسائٹی میں اپنے آپ کو کھو چکی ہے اس داستان میں عشقی ایران کی اجتماعی زندگی پر تنقید کرتا ہے۔ ہر بند پانچ مصرعوں کا ہے۔ اور پانچواں مصرعہ پہلے چار ہم قافیہ مصرعوں سے الگ ہے۔ ہر بند کا پانچواں مصرعہ ہم قافیہ ہے

تابلو اول۔ در شب ماہتاب اس میں مریم اور ایک نوجوان کی ملاقات ہوتی ہے

تابلو دوم : روز مرگ مریم

تابلو سوم : سرگذشت پدر مریم

ان تین مناظر کے اندر ایران کی اخلاقی حالت اور ملکی ذہنیت کی خرابیوں پر دردناک طریق پر تبصرہ کیا ہے۔ ایک اپرا (Opera) "رستاخیز سلاطین ایران" کے عنوان سے لکھا ہے جس میں ایران قدیم کے احیا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ عشقی نے تمہید کے طور پر لکھا ہے کہ ۱۳۳۴ھ میں میں نے مداین کے بعض کھنڈروں کی زیارت کی اس گہوارۂ تمدن کی حالت کنونی کو دیکھ کر میں بے خود ہو گیا۔ یہ اپرا انہی آثار کہنہ و شکستہ کی یاد میں لکھا گیا ہے۔ اشخاص اپرا یہ ہیں۔

خوانندہ اوّل: میرزادہ عشقی بالباس سفر در خرابہ ہای مداین

خوانندہ دوم : خسرو دخت باکفن

خوانندہ سوم : داریوش

خوانندہ چہارم : سیروس

خوانندہ پنجم : انوشیروان

خوانندہ ششم : خسرو پرویز

خوانندہ ہفتم : شیریں ملکہ قدیم ایران

خوانندہ ہشتم روان بشت زردشت

اس اپرا میں مندرجہ بالا افراد باری باری ظاہر ہوئے ہیں۔ اور سر زمین ایران کی بربادی پر ماتم کرتے ہیں۔ اس کے بعد زردشت کی روح نکلتی ہے جو ایران کی تقدیر پر کچھ تبصرہ کرتی ہے۔

اختتام پر میرزادہ عشقی[1] یوں کہتا ہے۔

آنچہ من دیدم دراین قصر خراب بُد بہ بیداری خدایا یا بخواب

بادشاہاں راہمہ اندوہگین دیدم اندر ماتم ایران زمین

ننگ خود دانند ماں اجداد مان ایخدا دیگر برس بر داد مان

وعدہ زرتشت را تقدیر کن دیدہ عشقی خواب و تو تعبیر کن

(پردہ می افتد)

غزل اور عشقیہ شاعری | یہ سمجھنا غلط ہے کہ ایران میں اب غزل گوئی کا رواج کم ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گل و گلزار کی سرزمین عشق اور غزل گوئی کے لئے فطری طور پر سازگار ہے۔ جدید خیالات و طریقے جو آج کل کسی قدر زیادہ اشاعت پا رہے ہیں۔ سیاسی ہیجان کی یادگار ہیں۔ امن و امان

---

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۲۴۹

کا دَور جتنا طویل اور لمبا ہوتا جاے گا۔ اسی قدر طبائع کا میلان غزل گوئی کی طرف زیادہ ہوگا۔ کیونکہ آخر کار عشق و محبت فطرت انسانی کا لازمہ ہی تو ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں طرز قدیم کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ دور حاضر کے بے شمار شاعر پُرانے انداز پہ غزل کہتے ہیں اور ملک میں ان کی غزلیں اچھی خاصی مقبول ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ غزل میں بعض ایسی اصلاحات ضرور کر دی گئی ہیں جنہوں نے غزل کے بہت سے نقائص کو دور کر دیا ہے۔ مثلاً پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ غزل کا ہر شعر دوسرے شعر سے مختلف مضمون رکھتا ہو یعنی ہر جزو میں ایک مستقل مضمون و موضوع کا لحاظ رکھا جائے۔ قطع نظر اس بات کے کہ پچھلے شعر میں اس سے مختلف و متناقض مضمون آچکا ہو۔ جس سے غزل مختلف اور متضاد مضامین اور واردات کا پتہ دیتی تھی۔ جو واقعیت اور صداقت کے خلاف ہے۔ شاعر ایک ہی وقت میں ہجر کی صعوبتیں بھی برداشت کر رہا ہے۔ اور وصل کی لذتوں سے بھی بہرہ در ہوتا ہے محبوب کی عنایات کا شکر گزار بھی ہے اور اس کی بے التفاتیوں کا گلہ مند بھی۔ غرض اس طرح غزل ایک مصنوعی ہجر و وصل، بناوٹی حکایت و شکایت کا مرقع بن گئی تھی۔ بعض جدید شعرا نے کوشش کی ہے۔ کہ غزل میں مضمون مسلسل اور مربوط ہو۔ اور ساری غزل ایک واردات اور ایک حالت کی مظہر بن جاے۔ ایک اصلاح اس سے بھی عمدہ ہوئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو غزل میں محدود کرنے کی بجاے شعرا نے عشقیہ قطعات کو بھی رواج دیا ہے۔ جس میں اپنی دردمندی اور مجبوری پر پرسوز اشعار کہے ہیں۔

آخری صدی میں ایرانی شاعری میں جو ابتذال آگیا تھا۔ اس کی کچھ مثال قاآنی کے اشعار میں ملتی ہے۔ اور یہ ایسا رنگ تھا جس کو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ شاعری بہرحال اس زمانے کی معاشرت کا عکس ہی تھا۔ لیکن زمانے

کی سپرٹ اور اخلاقیات کے تبدیل ہونے کے بعد شاعری کے اس مکروہ پہلو میں بھی خوشگوار تغیر آگیا - چنانچہ اس نئے دور میں ہم ان فحش اور ننگے اشارات سے شاعری کو خالی پائیں گے۔جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے

جدید ایران میں عشق و محبت کا موضوع مونث ہے نہ کہ مذکر۔ پرانے شعرا نے جن رعنائیوں سے مونث کو مخاطب نہ کیا تھا۔وہ شاید اب وزنی نہیں رہیں۔ اور اب زیادہ فطری اور قدرتی طریق تخاطب اختیار کر لیا گیا ہے۔سعادت نوری کہتا ہے۔

مطرب امشب سرخوش است وطرز دیگر می زند
نیک بخت آنکس کہ با محبوبہ ساغرے زند

بعض شعرا نے عشقیہ قطعات میں سیاسی اصطلاحات استعمال کرنے کو رواج دیا ہے جس میں ایک غرابت اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔گلشن ایرانپور اصفہانی نے ایک قصیدہ یا عشقیہ قطعہ میں یورپ کے اکثر ممالک کے نام استعمال کئے ہیں بعض اشعار بطور نمونہ یہ ہیں :-

جنگ جو ترکِ من اے چشم تو با تیر و کماں — فتنۂ دولتِ ترک آفتِ ملک ایران
آلمانی تیم اے برلنِ خوبی را شاہ — سوی پاریسِ دلم لشکرِ بیداد مران
زپیلن ہای غمت دمبدم می بارد بمب — تا کہ چون بندر ریگا کندم از بنیان
خوبرویاں ہمہ جمع آمدہ در استھکلم — تا پس از جنگ پی صلح کشایند زبان
ادقیانوس سرشکم متلاطم آمد — تا کہ شد توپ غمت بر دلم آتش افشان
رخ بریتانی و گیسوی تو ہندوستانی — خال زنگی مژہ خونخوار چو خیل افغان
ہمچو امریک بود گرچہ لبت صلح طلب — لیک ندید چو بریطانی چشم تو امان
موقع قہر چو روسی و گہ مہر فرانس — موقع صلح چو امریک و گہ جنگ آلمان

موجودہ دور کے غزل گو شعرا میں سے سالار، شباب کرمانشاہی، شوریدہ شیرازی

غمام ہمدانی اور فرخ خراسانی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں صرف شوریدہ شیرازی کی بعض غزلیات کا نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو ایک نابینا شاعر تھا۔ اور جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ذیل کی غزل میں اس واقعہ کو غزل کے دوران میں کتنا ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ کہ نابینا شاعر جب حسن کو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تو اس سے متاثر کیسے ہوتا ہے؟

روی بنمائی و دل از منِ شوریدہ بائی — تو چہ شوخی کہ دل از مردم بی دیدہ ربائی
حسن گویند کہ چون دیدہ شود دل برباید — تو بدین حسن دل از دیدہ و نادیدہ ربائی
خاطرِ خلق بدین روی پریوار ستانی — طاقتِ جمع بدین موی پریشیدہ ربائی
آنکہ اورا نتوان دل بدو صد شیوہ ربودن — تو بدین روی خوش و خوی پسندیدہ ربائی
تو کہ خود فاش توانی دلِ یک شہر ربودن — دلِ شوریدہ روا نیست کہ دزدیدہ ربائی

ایک اور غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:۔

ہر چہ کنی بکن بکن ترکِ من ای نگارِ من — ہر چہ بری ببر مبر سنگدلی بکار من
ہر چہ کشی بکش مکش بادہ ببزم مدعی — ہر چہ خوری بخور مخور خونِ دل فگارِ من
ہر چہ دہی بدہ مدہ زلف بباد ای صنم — ہر چہ نہی بنہ منہ دام برہگذار من

ساری غزل اسی طرح ہے۔

ایک اور غزل یوں ہے:۔

آں پریروی از درم روزی فراز آید؟ نیاید — من ہمی خواہم کہ عمر رفتہ باز آید؟ نیاید!
پیش ازیں کایام در پیچد بہم طومار عمر — نامۂ از کوئی یار و لنواز آید؟ نیاید!

صنایع بدایع کا استعمال اگرچہ کم ہوگیا ہے۔ اور دقت پسندی کی بجائے طبیعتیں سہولت اور سلاست کی طرف مایل ہوگئی ہیں۔ پھر بھی صنایع وغیرہ کا استعمال بعض قدیم اسلوب کے متبعین کے کلام میں نظر آتا ہے۔ حافظ اور سعدی کا تتبع بھی اکثر کیا

جاتا ہے۔ جن کے تفاصیل کے لئے آقائے اسحاق وغیرہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

نظریۂ زندگی | شاعری کے ضمن میں اب ایک اہم بحث رہ گئی ہے اور وہ نفسیات انسانی کے ان پہلوؤں سے متعلق ہے۔ جن میں روح ایران ہمیشہ ایک خاص قسم کے مظاہر دکھاتی رہی ہے۔ تصوف ایرانی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور یہ رجحان کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں کی سیرت کے ساتھ شامل رہتا ہے۔ طبعی یاس اور قنوط بھی شاید تصوف ہی کی طرح ایرانی فطرت میں مرکوز ہو چکا ہے۔ جس کو آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ زمانے میں جو نئے اثرات تمدن اور معاشرت پر پڑے انہوں نے کم از کم عارضی طور پر اس رجحان کو تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب تصوف کی بجائے لاادریت اور مادہ پرستی نے لے لی ہے، لیکن اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ بے عملی کی تعلیم و تلقین سے لاادریت بہر حال بہتر ہے۔

طول کلام سے بچنے کے لئے یہاں صرف ایک مسئلہ کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایرانی شاعری میں خصوصاً اور مشرق میں عموماً دنیا کو اور زندگی کو حقیر چیز سمجھا جاتا ہے۔ بے ثباتی عالم اور مذمت دنیا، ترک علایق اور شکایت روزگار ایک اچھا خاصہ پامال مضمون ہے۔ غالباً بہت کم شاعر ایسے نکلیں گے۔ جنہوں نے اس مضمون پر نہ لکھا ہو۔ اور غالب خیال یہی چلا آیا ہے۔ کہ زندگی اچھی چیز نہیں موجودہ دور میں بھی ایران کے اکابر شعرا میں ایک مناظرہ شعری ایک عرصے تک مجلہ ارمغان میں جاری رہا۔ جو "نکوہش و ستایش روزگار" کے مضمون پر تھا۔ سید احمد ادیب پشاوری جو اب وفات پا چکے ہیں اس دور کے اکابر شعرا میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

یکے گل دریں نغز گلزار نیست　　　که چیننده را زاں دو صد خار نیست

منہ دل برآوای نرمِ جہاں — جہاں راچو گفتار کردار نیست
مشو غرّہ برعہد و زنہار وے — کہ نزدیک وی عہدو زنہار نیست
فروبند جنبدہ لب از گلہ — کہ این بد کنش راز کس عار نیست
کسے کو گلہ آرد از بدگہر — ہم از بدگہر کم بمقدار نیست

ادیبؔ کے اس قصیدہ کے جواب میں پہلے پہل بہارؔ نے ایک قصیدہ لکھا
جس میں فرماتے ہیں :۔

جہاں جز کہ نقش جہاندار نیست — جہاں رانکوہش سزاوار نیست
سراسر جمالست و فرّ و شکوہ — براں ہیچ آہو پدیدار نیست
جہاں راجہاندار بنگاشتہ است — بشکلی کزاں خوبتر کار نیست
چو پیغارہ رانی ہمی بر جہاں — چناندان کہ جز برجہاندار نیست
چنندۂ گُل ارخارش انگشت خست — گنہ بر چنندہ است برخار نیست
تو گوئی فسانہ است کار جہاں — ہمیدوں مرا باتو پیکار نیست
کداین فسانہ است کاں پیش تو — بیکبار خواندن سزاوار نیست

ایک اور شاعر صغیرؔ اسی موضوع پر بہارؔ کی تائید میں لکھتے ہیں :۔

بلی پیش نابخرداں بر جہاں — بغیر از نکوہش سزاوار نیست
نہاں راز بہ پیش اہل مجاز — کہ او از حقیقت خبردار نیست
جہاں رانکوہش کند گر ادیبؔ — روا باشد و جای انکار نیست
کہ ناداں اگر مدح آں بشنود — دگر از جہاں دست بردار نیست
درین حال زیبد کہ گوید ادیبؔ — یکے گل دریں تغز گلزار نیست

اس دلچسپ مضمون پر شعرا نے کافی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے
کہ ملک الشعرا اور اس کے مویدین نے اس مسئلہ کو جس نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا

ہے۔ وہ کسی حد تک نئے نظریۂ زندگی کے ماتحت ہے اور بہ جرأت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ میلان، ایران کے قدیم پختہ رجحان طبع سے بہت مختلف ہے۔ جس سے ایرانِ جدید کی ذہنیت اور شعور اجتماعی کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ امر واقعہ صرف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ ادبیات کے باقی شعبوں پر بھی صادق آتا ہے۔ جس پر آئندہ فرصت میں ہم تبصرہ کریں گے +

سیّد محمد عبداللہ یونیورسٹی لائبریری لاہور
۱۶ فروری ۳۷ء

فرخی سیستانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو بھی میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

ممدوحین فرخی یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی بن ناصر الدین سبکتگین - ابو احمد محمد بن سلطان محمود - سلطان ابو سعید مسعود ولیعہد و ابن محمود غزنوی - عضد الدولہ امیر ابو یعقوب یوسف سپہ سالار و برادر محمود غزنوی - ابو علی حسنک میکال نیشاپوری وزیر - شمس الکفاۃ خواجہ ابو القاسم احمد بن حسن میمندی وزیر - وزیر زادہ میر ابو الفضل جلیل عبد الرزاق فرزند سید الوزرا - وزیر زادہ ابو الحسن علی بن فضل المعروف بالحجاج - خواجہ ابو الحسن منصور بن حسن میمندی - خواجہ ابو الفتح فرزند وزیر خواجہ ابو بکر علی بن حسن عمید الملک قہستانی عارض سپاہ محمودی - عبد اللہ بن احمد وزیر امیر ابو یعقوب یوسف - خواجہ ابو سہل احمد بن حسن حمدوے - خواجہ ابو سہل عراقی - خواجہ عمید سید ابو احمد تمیمی - خواجہ سید ابو طالب بن طاہر - خواجہ عمید حامد بن محمد - حسین بن علی - امیر ایاز ادیماق محبوب سلطان محمود - ابو المظفر فخر الدولہ احمد بن محمد والی چغانیاں - خواجہ عمید اسعد کدخدائے امیر ابو المظفر والی چغانیاں گورنر بلخ منجانب محمود غزنوی - ابو منصور دوانی - فراتکین حاکم گرجستان - خواجہ ابو بکر عبد اللہ بن یوسف حصیری سیستانی

سلطان محمود کی اکتیس سالہ حکومت میں تین آدمیوں کو وزارت کا منصب ملا۔ سب سے پہلے فضل بن احمد اس منصب پر فائز ہوا۔ ابتداء میں سامانی خاندان کا میر منشی تھا۔ پھر سبکتگین کے دربار میں وزارت کے مرتبہ پر پہنچا۔ سبکتگین کے بعد سلطان محمود نے اس کا عہدہ بحال رکھا۔ علم و فن سے بے بہرہ تھا لیکن مہمات سلطنت کے انصرام میں خداداد ملکہ رکھتا تھا۔ دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے بربنائے رقابت اسے معزول کر دیا۔ اسکے بعد حسن میمندی وزیر ہوا۔ اٹھارہ برس کے بعد وہ بھی معزول ہوا۔ اور حسن بن محمد کو مسند وزارت عطا ہوئی۔

ندیم سلطان محمود۔

شعرائے معاصرین فردوسی طوسی۔عسجدی مروزی۔عنصری بلخی ملک الشعراء زینی علوی۔منوچہری دامغانی۔غضائری رازی۔اور دوسرے شعراء محمودی جن کا شمار چار سو سے بھی زیادہ بتایا جاتا ہے۔اور اُن کا مقتداء ملک الشعراء عنصری مانا جاتا ہے۔

آثار فرخی اُس کی تصنیف سے ترجمان البلاغۃ فن صنائع شعریہ میں ہے جسے رشید الدین وطواط نے دیکھا ہے۔اور اپنی کتاب حدائق السحر میں اس کا ذکر کرکے اُسے لغو اور مہمل بتایا ہے۔اب یہ کتاب دستیاب نہیں ہوتی۔ایک شعر میں محمود کے حالات دیکھنے کے لئے دولت نامہ دیکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

ہر کہ خواہد کز کرامتہاے او آگہ شود　　گو ز دولت نامہ برخواند ہمی بیتے ہزار

مگر اس شعر سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اُس کی تصنیف سے ہے۔یا کسی دوسرے کی۔

ایک دیوان جس میں دوسو آٹھ قصائد۔تین ترجیع بند (دو چوبیس چوبیس بند کے اور ایک سات بند کا) چار قطعات۔اٹھائیس غزلیات۔اور چوبیس رباعیات پر مشتمل ہے۔کل تعداد اشعار اس دیوان مطبوعہ ایران ۱۳۱۱ھ میں نو ہزار پانسو چونسٹھ ہے۔

وفات تاریخ ولادت فرخی کسی تذکرہ سے معلوم نہ ہوئی۔آتشکدہ آذر میں سن وفات چار سو ستر مرقوم ہے۔اور مرزا رضا قلی ہدایت شیرازی اپنے تذکرہ مجمع الفصحا میں چار سو اُنتیس سن وفات بتاتے ہیں۔اور یہی قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ آخر زمانہ حکومت مسعود بن محمود میں اس نے انتقال کیا ہے۔

علی بن عبدالرسول ایرانی مدون کلام فرخی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک نسخہ دیوان فرخی مشتمل بر شش ہزار بیت ناقص و نادرست اغلاط سے پر اور تصحیف و

تحریف سے مملو ایران میں چھپا تھا - جو قابل استفادہ نہیں اور اب وہ بھی کمیاب بلکہ نایاب ہے - اُنہیں چند نسخے قلمی دیوان فرخی کے ملے یہ نسخہ مطبوعہ مطبع مجلس ایران بماہ آبان ۱۳۱۱ھ کی کئی بار تصحیح اُن نسخوں سے کی ہے - ان نسخوں میں سے ایک جو بظاہر زیادہ قدیم معلوم ہوتا تھا - اُسی کو اصل قرار دیا - اور دوسرے اختلافات نسخ جو بعض مقامات پر اصل سے بھی زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے اُن کو فٹ نوٹس میں لکھا ہے - تاکہ ارباب طبع سلیم و ذہن مستقیم جسے پسند کریں - اختیار کرلیں -

ان نسخہائے قلمی میں علاوہ اس کے کہ وہ ناقص ہیں خلط ومزج بھی بکثرت ہے یعنی دوسروں کے قصائد کو فرخی سے منسوب کر دیا ہے - بعضے تذکرہ نویسوں کو بھی ایسا اشتباہ ہوا ہے - وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے :-

چو برکندم دل از دیدار دلبر نہادم مہر خورسندی بدل بر

فرخی کا سمجھا - چنانچہ ہدایت شیرازی نے مجمع الفصحا میں ترجمہ فرخی کے ذیل میں لکھا کہ یہ پہلا فرخی کا قصیدہ ہے جو فرخی نے فخر الدولہ ابو المظفر چغانی کی مدح میں لکھا ہے - اس نسبت کے صحیح نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے - کہ اختلاف اسلوب زبان پایا جاتا ہے - اسی وجہ سے عوفی نے لباب الالباب میں اس قصیدہ کو طیبی کا بتایا ہے - اور اسی کا خیال صحیح ہے -

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قصیدہ کو دیوان منوچہر دامغانی میں منوچہر کا سمجھ کر لکھا گیا ہے - نیز اکثر نسخوں میں یہ قصیدہ لامعی جرجانی کا بتایا گیا ہے اور بعض نسخ میں ازرقی ہروی کا

ایک نسخہ میں غزل ذیل فرخی کے نام سے دیکھی گئی :-

بر وعدہ مرا شکیب فرمائی تا کے کنم اے صنم شکیبائی

از بہر سہ بوسہ مستمندے را　　خواہی کہ سہ سال صبر فرمائی
راز دل خویش با تو بگشادم　　باشد کہ بر این رہی ببخشائی
بر برگ سمن بمشک بنوشتی　　تا راز مرا بہ خلق بنمائی
بد مہر بتی و سنگدل یاری　　لیکن چہ دل و چہ دیدہ در پائی
سزاوار تہی ۱۲

ایک اور نسخہ میں اشعار ذیل فرخی سے منسوب دیکھے گئے

لطفے اگر کنی بنگا ہے چہ میشود　　خوشنود اگر شوم زنو گا ہے چہ بیشود
سیراب اگر شود زنوائے ابر مرحمت　　درخشک سال ہجر گیا ہے چہ بیشود

تصحیح نسخہ ایرانی دیوان فرخی بقدر نصاب منشی فاضل و ایم۔ اے پنجاب یونیورسٹی برائے ۱۹۳۶ء و مابعد

صفحہ ۲

چو دو دین آتشے کا بے بر او اند ر زنی ناگہ ٭ میں نے یوں ترمیم کی ہے ؎ چو دو دین آتشے کا بے بروے اوزنی ناگہ ۔ ملک سہم و ملک سیما بادشاہ کی ایسی ہیبت اور رعب ہے ۔ بادشاہ کا ایسا باشان چہرہ ہے ۔ یا ۔ ملک چہر فرشتہ کا ایسا چہرہ ہے اور فرشتہ کا سا منظر و دیدار ہے ۔

صفحہ ۴ ۔ بادسخا ۔ یادست سخا چو بر دریا ۔ تو بر دریا

صفحہ ۶ ۔ بادشاہا چون توئی از بادشاہان جہان ٭ اے بادشاہ جیسے تم منجملہ شاہان جہان ہو ۔ یا ۔ بادشاہا چون توئی نے بادشاہے در جہان ٭ فردگر داند زخالی ناگہ چین از قریب ٭ محشی ایرانی نے اس پر حاشیہ دیا کذا فی جمیع النسخ میں نے اس کی یوں تصحیح کی ہے ؎ فردگر داند حالی ناگہ چین از عرب ٭

صفحہ ۸ ۔ گرد ماہ حلقہ اور گھیرا قمر کا ۔ یا ۔ قرص ماہ

صفحہ ۹ ۔ بے رنج و ذل شاید " بے رنج دل " اس سے بہتر ہو

تیغ او اندر غلاف و تیر او اندر قراب۔ غلاف بمعنی نیام ہے مگر قراب بمعنی ترکش نہیں دیکھا اور غلاف قراب سے عام تر ہے اس لئے مصرع یوں بنا دیا ؎ تیرش اندر ترکش و شمشیر او اندر قراب +

سپیدہ جامہ۔ سپید جامہ نور کا تڑکا

صفحہ ۱۲۔ بیاب محشی لکھتے ہیں بتقدیم باء موحدہ بر تحتانی بر وزن ثیاب مرادف خراب و بمعنی بے آب است۔ محشی نے اسے لفظ فارسی بے آب سمجھا حالانکہ بتقدیم یاء تحتانی بر باء موحدہ لفظ عربی ہے اور مترادف خراب ہے۔ اس عربی لفظ کے معنے بے آب کے نہیں۔

صفحہ ۱۳۔ کہ بے گزند بود چون بر او زنی بشتاب + محشی بہ نسخہ ؎ کہ بید رنگ بود گر زنی بر او بشتاب + لکھ کر فرماتے ہیں کہ درنگ بقول جہانگیری بمعنی رنج و محنت ہے۔ اور اسی شعر کو بطور شاہد پیش کیا ہے۔ ہر دو صورت میں زدن بمعنی حملہ کردن ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ بجائے " بشتاب" کے نُشّاب پڑھا جائے۔ جس کے معنی تیر کے ہیں۔ اس لفظ سے شعر کے معنے بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ اور گزند کی جگہ " بید رنگ " لفظاً یا معناً کسی طرح اچھا نہ تھا۔

صفحہ ۱۸۔ ندانم شدن۔ یا۔ نتانم شدن۔ تانم بمعنی توانم کواکب و مثقب صحیح کواکب مثقب چنانچہ نجم زحل ہمت مرترا مرکب + مرزائد ہے اور طباعت کی غلطی ہے۔ ستارشان صحیح ستارہ شان

صفحہ ۲۰۔ کافر نعمت و نسپاس گشت وزن جاتا رہا۔ یوں چاہیئے ؎ کافر نعمت شدہ نسپاس گشت۔

صفحہ ۲۲۔ سکونے و یکو نے نہ۔

صفحہ ۲۳۔ یوسف پسر ناصر الدین الف لام وزن کو بگاڑتا ہے۔ لہذا اسے نکال ڈالو

اوسخت سخی مہتر وچاکر داریست صحیح اوسخت سخی مہترے وچاکر داریست ۔
صفحہ ۲۵ ۔ این فضل واین مروت این نعمت آشناست ۔ ہر سہ این کی جگہ زین چاہیئے
حشمت خدا ۔ یا ۔ دادۂ خداست
صفحہ ۲۷ ۔ کہ من دلشدہ ۔ یا ۔ گو منم ۔ دردلم ۔ بردلم
صفحہ ۲۹ ۔ مراجان وجہان دربراوست ۔ میری جان اور میری دنیا اس کے پاس ہے ۔ یا ۔ بجائے جہان جنان یعنی دل ۔ سوزش تب ۔ یا ۔ سوزش وتب ۔
صفحہ ۳۰ ۔ دریاے دمان راوگراست ۔ دریاے دمان ویگرہست ۔
صفحہ ۳۱ ۔ بشاخ سرو بر کلام قدما میں ایک اسم پر دو دو حرف جار لانا کثیرالوقوع ہے جیساکہ شیخ سعدی دیباچہ گلستان میں فرماتے ہیں " وبشکر اندرش مزید نعمت " اس جگہ سروبن بھی پڑھ سکتے ہیں ۔ اعداے دین زانکس بجاے زانکس ازبیم ۔ یا ۔ ازغم
صفحہ ۳۲ ۔ ولی چون روے او ..... وگرچہ ..... مجھے چون کی جگہ ۔ تا ۔ اور وگرچہ کی جگہ چنانکہ اچھا معلوم ہوتا ہے ۔
صفحہ ۳۳ ۔ چگونہ ہول حیوانے زبالا درثریاں پیلے + کجا پیلے ثریاں زوتا جہان باشد جہان باشد ۔ بہ بالا چون اور پیلے کی جگہ پیل اضافت کے ساتھ مصرع ثانی بین ۔ اور ۔ زو ۔ کی جگہ ۔ کو ۔ سے شعر صاف ہوجاتا ہے ۔ اصل سے بھی معنے ہیں ۔ زبالا در یعنی دربالا ۔ ز ۔ زیادہ ہوگی ۔
صفحہ ۳۶ ۔ پدید گشت کہ آن ازچہ روے وازچہ نہاد + کہ کی جگہ ۔ نہ ۔ صاف ہے ۔ یعنی ممدوح کی پیشین گوئی کرنا علل واسباب کی بنا پر نہیں بلکہ محض کرامت ہے ۔ کاف کے ساتھ شاید یوں ہوگا ۔ کہ آن کرامت ازچہ روے وازچہ نہاد پدید گشت ۔
صفحہ ۴۰ ۔ گرکوہ اُحُد برفتد وبرجگر آید + گر کی جگہ ۔ گو ۔ یا ۔ ہم صاف ہے ۔
صفحہ ۴۵ ۔ ہرکہ اوتیز ہوش تر زادب + ز ۔ کی جگہ ۔ بہ ۔ بہتر ہے

صفحہ ۴۶ - گل برویدز آذر و خرداد ، بہ آذر و خرداد

صفحہ ۴۷ - کاخ تو چونکہ کنشت چونکہ - سے - مثل - صاف ہے

صفحہ ۵۲ - گوہر اندر زیر گنجوران زیر جوتے کا تلا - یہ معنی زیر کے شاید قدیم نہیں - لہذا - پاے - پڑھو - یہ بھی ہوسکتا ہے کہ - اندر زیر - میں اندر زائد اور زیر کے معنے تحت کے ہوں -

صفحہ ۵۳ - سیاہ شاہ انگار "چومن" کے ساتھ سیاہ شاہ اچھا نہیں - اس سے بہتر سیاہ سام ہے جو مدون نے فٹ نوٹ میں لکھا ہے - اور اس سے بہتر سیاہ شام بمعنی ستارگان ہے

صفحہ ۵۴ - بباغے چو پیوستن مہر خرم - مہر کی جگہ یار زیادہ مناسب ہے

صفحہ ۵۶ - براہل سلاسل نکرداست حیدر ، سلاسل جمع سلسلہ بمعنی زنجیر - اس لفظ کی خوبی بلکہ معنے میں نہ سمجھ سکا اس لئے - براہل بہود آن نکرداست حیدر - یا - براہل اُحُد آن - تجویز کرتا ہوں -

خوشا کاخ و باغے کہ داری - بشادی درین کاخ مے خور وزین کاخ برخور

ظاہر ہے کہ مصرع ثانی میں بجاے کاخ ثانی - باغ - چاہئے -

صفحہ ۵۹ - برمیان شان حلقہ بند کمرہا شمس زر حلقہ کمر شمس زر کے معنی ڈاب (کمر پیٹی - بگلوس) کا کھٹکا (نرمادگی) - یا - اول و آخر ہر دو شبین معجمہ بمعنی سبیکہ و شوشہ زر - ڈلا یا سلاخ سونے کی - مصرع ثانی یوں بھی پڑھ سکتے ہیں ؎ زیر ران باساز زرین مرکبان راہوار ،

شمس زر کا ترجمہ انگریزی میں (رانگوٹ آف گولڈ) ہے

صفحہ ۶۲ - طریقہاش چو نرم آبہاے سیل از گل ، اس کے الفاظ کی نشست دقت میں ڈالتی ہے - اس طرح صاف ہوجاتا ہے ؎ طریقہاش ہمہ نرم ز آب سیل چو گل خوار صحیح خار

صفحہ ۶۳ - فرو فگندہ بموج مدوّن نے فرو فتادہ ببرج بھی نسخہ لکھا ہے - اور ہیں فرا رسیدہ بچرخ تجویز کرتا ہوں -

مال تجار بھی جمع قلت تاجر ہے - اور اگر مال و تجار عطف کے ساتھ پڑھیں تو مال کے معنے اُونٹ اور تجار بفتح کے معنی گھوڑے کے ہوں گے -

زآب گنگ ہمانا گذشتہ نیست دوبار - یوں بہتر ہے ع زآب گنگ ہمانا گذشت نے یکبار -

صفحہ ۶۵ - چہ آبہاے تا گنگ رفتہ از کہسار - باوجود مذبذب ہونے کے یوں ترمیم کرتا ہوں ع چہ آبہائے از گنگ رفتہ تا کہسار -

صفحہ ۶۸ - بصد پے اندر دہ جاے ریگ چون سرمہ - بجاے سرمہ - پشتہ بھی پڑھ سکتے ہیں -

ستاکہاے درخت وپشیز ہاے کمر - واو کی جگہ - از - چاہئے - یعنی یوں لکھا ہے کہ درخت کی شاخوں میں پھنس گئے تھے - جس سے شاخیں پائے باز کی طرح پر از جلاجل ہوگئی تھیں

صفحہ ۶۹ - ہیچو نیلوفر - یا - برگ نیلوفر

صفحہ ۷۳ - گرفت راہ زرہ باز رفتگان دگر - یوں واضح تر ہے ع گرفت رہ زرہِ باز رفتگان دیگر - یک ماہ راہ یک ماہہ راہ - کرندے از کرانہ حذر یا - کرندے ازمیانہ حذر - بفال نیک شہ پر دل آب رابگذاشت - یا - بفال نیک شہ پُردل اسب رابگذاشت - بہادر بادشاہ نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا

صفحہ ۷۵ - عقل چو جہل - علم چو جہل

صفحہ ۷۶ - ہمایو شہریار - ہمایوں شہریار

صفحہ ۷۸ - کودکانرا کوکنار - اگرچہ کوکنار کے ساتھ کودک مناسب ہے - مگر بدسگالان کے ساتھ دوستداران موزون معلوم ہوتا ہے - نیز بیدار کے ساتھ تشبیہ خوابیدہ کی اچھی

نہ معلوم ہوئی - یا یوں مانیں کہ تشبیہ فعل بیم اور فعل کو کنار میں ہے - نہ خواب و بیداری میں
صفحہ ۹، کنگرۂ کاخ - کنگرہ کاخ بلا اضافت ظاہر - مگر اضافت بباطن اضافت متعدد
جگہ اس ایرانی ایڈیشن میں ہمزہ برائے اضافت ایسی (ۂ) پر چھپ گیا ہے -
صفحہ ۸۲ - روز و شب بر رخش از - روز و شب روے اواز - گلنار بر رخش اچھا نہ
معلوم ہوا -
نوگیرو مے نوش گوار - نوگیرمے نوشگوار (از سر نو بگیر)
صفحہ ۸۴ - چون یار آراستہ و زیبا - یا ہموار (یہ نسخہ خود فٹ نوٹ میں موجود ہے)
کورا بھمہ حال صحیح اورا بکند آوری گوے بر دی ز آزر محشی لکھتے ہیں کہ کند آوری
بمعنی شجاعت و دلیری با آزر بتگر مناسبت ندار د متحمل است ایں مصرع تحریف و تصحیف
شدہ باشد (بیشک ایسا ہی ہے) و در بعضے از نسخ آذر بذال معجمہ بود آنہم معنی درست ندارد۔
میں نوذر تجویز کرتا ہوں - جو منوچہر کا بیٹا تھا - معنے ترکیبی پسر دلیر کے ہیں ٭
صفحہ ۸۶ - خنگ اشقر بہتر ہے کہ خنگ و اشقر عطف کے ساتھ پڑھا جائے
صفحہ ۸۸ - شیران سیہ افریقہ کے شیر - یہاں مراد شجاعان سیہ فام - یا - شیران سپہ بمعنی
دلیران فوج -
صفحہ ۹۰ - باد نیز تیری خدمت میں میری بھی زندگی ہو - یا - بجاے نیز - دیر - پڑھو -
صفحہ ۹۱ - آن کس کہ وہد خلق جو اخلاق کو راہ دے گا وہ ممدوح کے فضل کا اقرار
کرے گا (۲) جو ذات (خدا) مخلوق کو پیدا کرتی ہے - اس کو بھی اس کی فضیلت کا اقرار
ہے - ان جھگڑوں سے تو یہ بہتر ہے کہ یوں پڑھا جائے ؎ آنرا کہ بود عقل بفضلش ہمہ اقرارش
یا - بود اقرار
تا در بلغار - تا - دژ بلغار - دژ بمعنے قلعہ
صفحہ ۹۲ - بنالید ملک بہتر ہے کہ - بنالیدہ ملک پڑھیں اور ملک سے مراد اہل ملک

ممکن ہے کہ نیوروس سال بادشاہ کا کوئی مرگیا ہو اور بادشاہ رویا ہو
درماندہ بماند ماندن کو متعدی ماننا پڑے گا اس لئے گذاشت ۔یا ۔کرد پڑھو
چہ بارست چہ چندین گفتار چہ بارست وچہ چندین گفتار مع عطف
صفحہ ۹۳ ۔ ریزہ خوار گردد خوار خفتی آن خفتن ۔یا ۔خفتنی خفتی کز خواب
صفحہ ۹۴ ۔خفتن بسیار ایخسرو خوے تو نبود ۔یا ۔خوے تو خفتن بسیار نبُد اے خسرو
صفحہ ۹۶ ۔آنرا کا بین بہ تیغ ......اس مصرع نے عاجز کر دیا ۔فرہنگ میں عقلی گدّے لگائے ہیں ۔
صفحہ ۹۷ ۔مسمار چوب نقارہ ۔اس کی جگہ حاشیہ میں خود ہی مزمار نسخہ ہے
دشت وچو پرنیان صحیح چون وشی و پرنیان
صفحہ ۱۰۱ ۔چو درا پشت وپناہ وامن رایسر ولیسار قصیدہ کی بحر رمل مخبون ہے ۔اور اس مصرع کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہوتا ہے ۔اگر مخبون میں لائیں تب بھی تیسرا رکن فاعلاتن رہتا ہے ۔جو میرے علم سے باہر ہے (مگر میرا علم ہی کیا) تیسرا رکن بروزن مفعولن بوجہ تسکین اوسط مجنون میں دیکھا گیا ہے ۔چونکہ میں اُس وزن سے نابلد تھا ۔اس لئے یوں بنالیا ہے جو درا پشت وپنہ بہرامان یُسر ولیسار ۔
صفحہ ۱۰۳ ۔دشت باغے گشت ۔یا دشت کشمر گشت ۔کشمر شہرے حسن خیز کہ زردشت دران سروے کاشتہ بود ۔ہمہ کم گشتگان ہمی کشتند ہمہ کی جگہ ہیچو ۔گشتند کے فاعل بزہاے کوہی ۔
صفحہ ۱۰۴ ۔گشتہ صحیح گشتہ نشاط کردن وچوگان ورزم وبزم وشکار پہلے مصرع میں چار چیز کو منتخب خسرو کہا ہے ۔اور یہاں پانچ ہو جاتی ہیں ۔لہذا نشاط کردن چوگان بغیر واو پڑھو ۔یعنی نشاط کردن بچوگان ۔
صفحہ ۱۰۵ ۔مصافی چون مصافے چو ۔یہاں مصاف مطلق میدان کے معنے ہیں ۔

آ ہوئے آہوے ۔کشوار کچھ پتہ نہ چلا کو شیار بروزن فاعلات حکیمے گیلانی اوستاد بوعلی سینا ۔مگر اس مصرع میں بروزن فعلات پڑھنے سے موزون ہو گا ۔اس لفظ کا بھی تلفظ ہے ۔

صفحہ ۱۰۶ - اندوہ دل براین بگسار اندوہ دل ازین بگسار کہ کس چو بشنید کہ کس نہ بشنید رسد بجائے رسید جائے

صفحہ ۱۱۰ - دولت راثیا بست محشی نے ثبات نسخہ لکھا ہے اور میں دثار تجویز کرتا ہوں ۔

بس نپاید بہت قیام نہ کرے گی ۔یا ۔بس نپاید بہت دیر نہ ہوگی ۔

صفحہ ۱۱۱ - زشرم دو رخ او زرد گشت چون دینار بجائے زرد ۔سرخ ۔ہونا چاہئے ۔ کیونکہ شرم سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور خوف سے زرد جیسا کہ مقولہ مشہور ہے الحمرۃ للخجل والصفرۃ للوجل ۔وہ خود بھی آگے چل کر کہتا ہے ۔ چون شاکرے از نعمت او شکر گزارد ٭ از شرم دو رخسار کند ہمچون گلنار ٭ اور دینار کا رنگ سرخ اور زرد دونوں مانتے ہیں ۔یا دینار کی جگہ بھی گلنار بنالو ۔

صفحہ ۱۱۳ -وگر زراست مگر زراست ..... ؟

صفحہ ۱۱۴ -سرور ۔یا ۔مہتر ہمچو یا اظہار واو کے ساتھ یا ہمچون

صفحہ ۱۱۵ - آئین مہ و مہر مراد جہانگیری ۔یا ۔آئین مہ مہر ۔مہ مہر =ماہ مہرگان آئین مہ مہر سے مراد خز پوشی و میخواری ۔موسم سرما میں میخواری زیادہ لطف اور مزہ دیتی ہے ۔

اے عرض تو بر چشم اے عرض تو در چشم ۔

صفحہ ۱۱۹ -زیادا او نظرش زیادہ از نظرش ۔

صفحہ ۱۲۰ - بترسد از قلم و تیر بجائے تیر بلحاظ مصرع اوّل تیغ مناسب ہے ۔

صفحہ ۱۲۱ -پدید آے ۔پدید آر ۔ربایدیا بدید آے ۔بدید آر ۔ستاند ۔

صفحہ ۱۲۲ - وایزد بود - زایزد بود آنرا کہ تو را گوید آن کس کہ ترا گوید -
صفحہ ۱۲۳ - حال حذر حال قابل اجتناب - یا - جان بضرر - یا - جان بحذر -
صفحہ ۱۲۴ - جلوہ کردہ بماہ محشی نے بناز نسخہ لکھا ہے اور میں چو ماہ بھی تجویز کرتا ہوں -
صفحہ ۱۲۵ - گرکہ سرمایۂ ہی گرچہ سرمایہ ہی ہنر است -
صفحہ ۱۲۶ - کہ زمردم بداند کہ زمردم بدارد این مقدار ؟
صفحہ ۱۲۷ - بباد پرچم بود صحیح بباد بر جم بود (ہوا پر سلیمان ہیں)
گرہی شیر گشت شرزۂ نر کہ ہی گشت شیر شرزۂ نر ؛ یا
دیدی او را بدین جوانمردی گہ چنین گشت شیر شرزۂ نر
صفحہ ۱۲۸ - راست گفتی جدا ے گشت بتیر ؛ راست گفتی جدا شدست بتیر ؛
صفحہ ۱۳۲ - بہ روز رزم حدیثے بجاے رزم - بزم چاہیئے - کلای تو صحیح کلاہ تو
چہ ابر باکف دینار بار تو چہ گرد بجاے گرد اگر مہ بمعنے کہرا ہو تو بحر اور شمر کی طرح
ابر اور مہ ایک صنف یا مقابل کی چیزیں ہو جاتی ہے -
صفحہ ۱۳۴ - گو بدرگاہ میر ما بگذر - یا - گو ز درگاہ میر ما گذر ؛ اے تجاوز مکن
صفحہ ۱۳۵ - زدہرۂ تیز زدہرہ تیز بغیر اضافت -

(باقی دارد)

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

منوچہری اور اُسکا کلام

تمہید۔ نویں صدی عیسوی کے اخیر پر فارسی ادبیات کے دلکش چمن میں موسم بہار کا آغاز تھا۔ بتدریج اس چمن میں نہایت خوشنما پودے قدرت کی آبیاری سے بڑھنے شروع ہوئے اور پھلے پھولے اور صدیوں تک یہ باغ ہرا بھرا اور لہلہاتا رہا جس کی باغبانی کے لئے بہت سے اہل کمال اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ غزنوی دورِ حکومت وہ زمانہ تھا جب اہلِ علم و فضل کی بہت تلاش اور قدر کی جاتی تھی۔ نیشاپور۔ غزنی۔ بخارا کے علاوہ جنوب مغربی علاقہ میں اور کئی ایک ادبیات کے مرکز تھے۔ جن میں سے رَے یا اصفہان میں دربار صاحب اسمٰعیل بن عبّاد۔ بخارا میں دربار سامانیہ۔ طبرستان میں دربار شمس المعالی قابوس بن وشمگیر اور خیوا کا دربار خوارزمشاہی بہت مشہور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے مفصّل حالات پر قلم اٹھانا ایک لمبا کام ہے۔ تاہم اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے عام حالات اور سلطان محمود کے دربار کی مجمل کیفیت سے مطلع ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو سکے کہ ہمارے شاعر نے کس ماحول میں زندگی بسر کی۔

عام طور پر مشہور ہے۔ کہ سلطان محمود خود بھی کبھی کبھی شعر کہا کرتا تھا۔ چنانچہ عوفی مصنف لباب الالباب۔ نے اسے ان ملوک کے شمار میں دوسرے درجہ پر رکھا ہے جو اتفاقیہ شعر کہا کرتے تھے مستشرق ایتھے کا خیال ہے کہ اس کی طرف چھ غزلیں منسوب ہیں۔ عوفی نے چھوٹے چھوٹے دو قطعے نقل کئے ہیں۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان محمود اہلِ ہنر کا بڑا قدردان تھا اور اس کے درباری شعرا کی ایک طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ صاحب تذکرہ کا خیال ہے کہ محمود

کے دربار میں کم از کم چار سو[1] شاعر مستقل طور پر دادِ سخنوری دیا کرتے تھے عنصری ان سب کا سرگروہ تھا محمود نے اسے ملک الشعرا کا خطاب دیکر اس کے ذمہ یہ فرض عاید کیا ہوا تھا۔ کہ ملک کے مختلف اطراف سے اچھے اچھے شعرا کو تلاش کر کے دربار میں حاضر کیا کرے۔ جو محمود کی علمی قدردانی کی بین دلیل ہے۔ صاحب مجمع الفصحا لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان مسعود خراسان سے غزنی کو آیا۔ اور تمام شعرا نے اپنے اپنے قصاید پیش کئے جس پر سلطان محمود نے ہر ایک کو بیس ہزار درہم اور زینتی اور غضائری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ اس واقعہ سے بھی محمود کی علمی قدر شناسی کا اندازہ ہو سکتا ہے منوچہری کو محمود کے سبعہ سیارہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ دراصل وہ سلطان محمود کے بیٹے مسعود کا درباری شاعر تھا لیکن عام طور پر اسے محمود ہی کے شعرا میں گنا جاتا ہے

یہ مضمون دو حصوں پر منقسم ہے۔ اول مختصر سوانح منوچہری۔ دوم اس کی شاعری پر ریویو۔ اخیر میں ملحقات منضم کئے گئے ہیں۔ حتی الوسع کوشش یہ کی گئی ہے کہ شاعر کے دیوان سے جو واقعات اخذ ہو سکیں ان کو زیادہ قابلِ حجّت قرار دیا ہے۔ کیونکہ عموماً تذکرہ نویس کسی واقعہ کے متعلق متفق الرائے نہیں ہیں۔ صرف ان واقعات یا روایات میں تذکروں سے استمداد کی گئی ہے جن پر جمہور کا اتفاق ہے۔ دراصل کسی مصنف کے اصلی حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے اپنے تصانیف سے بڑھ کر اور کوئی ماخذ زیادہ قابلِ صحت نہیں ہو سکتا فنقول و باللہ التوفیق۔

حصۂ اوّل (سوانح منوچہری)

نام اور جاے ولادت | حکیم ابو النجم احمد بن یعقوب دسویں صدی ... عیسوی

[1] تذکرہ۔ ایڈیشن پروفیسر براؤن صفحہ ۴۴-۴۵

کے اخیر دامغاں میں پیدا ہوا جیسا کہ وہ ایک شعر میں کہتا ہے ؎

سوئے تاجِ عمرانیاں ہم بدینساں   بیامد منوچہرئی دامغانی

مگر صاحب تذکرہ کا گمان ہے کہ اس کا اصل وطن[1] بلخ تھا۔ لیکن اس نے اپنے اس قول کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ منوچہری کے سلسلۂ نسب کے متعلق ہمارے معلومات کسی حد تک محدود ہیں۔ عوفی نے اس کا سلسلہ اس طرح بیان کیا ہے۔ ابوالنجم[2] احمد بن قوص بن احمد منوچہری لیکن باقی تمام مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے والد کا نام یعقوب تھا۔ ہاں یہ یقینی امر ہے۔ کہ وہ شاہی خاندانِ سامانیہ کی اولاد میں سے تھا چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

منم از نژادِ بزرگانِ سامان   کہ بودند شاہانِ چتر و کواکب

منوچہری اپنے استاد عنصری (متوفی ۱۰۴۰ عیسوی) کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۱۰۴۱ء میں فوت ہوا۔ اس امر کا اقرار کہ وہ عنصری کا شاگرد تھا۔ اس نے خود ایک قصیدہ میں کیا ہے جو اس کی مدح میں کہا گیا ہے ؎

اوستادِ اوستادانِ زمانہ عنصری   عنصرش بے عیب و دل بے غش و دینش بے فتن

کو جریر و کو فرزدق کو زہیر و کو لبید   رؤبہ و عجاج و دیک الجن و سیفِ ذویزن

گو فراز آیند و شعرِ اوستادم بشنوند   تا غریزی روضہ بینند و طبیعی نسترن

آں رسولِ مرسلِ ایں شاعرانِ روزگار   شعر او فرقان و معنیہاش سرتاسر سنن

میر تقی کاشی صاحب خلاصۃ الافکار اور رضا قلی[3] خاں کا خیال ہے کہ منوچہری امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن محمد الجوینی کا شاگرد تھا۔ جو امام حجۃ الاسلام غزالی کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ صفحہ ۴۰ [2] لباب الالباب مرتبہ پروفیسر براؤن جلد دوم صفحہ ۵۳ [3] مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۵۴۲۔

لقب منوچہری عام طور پر شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہے۔ مؤرخین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں چنانچہ جمہور کا خیال ہے کہ چونکہ اس کے پاس اونٹوں اور بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ اس لئے وہ شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ یہاں شصت کا لفظ عدد معین کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے معنی میں مستعمل ہے۔ بعض محققین لفظ گلہ کو بکاف عربی مفتوح اور لام کو مشدد پڑھتے ہیں۔ اور اسے عربی کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ جس کے معنی تلوار کند کے ہیں اور شصت بمعنی برانگشت۔ یعنی چونکہ اس کا انگوٹھا کرم خوردہ تھا۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہوا۔ بعض دیگر لفظ گلہ کو بضم کاف عربی اور بہ تخفیف لام مفتوح ٹوپی کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیاں کرتے ہیں کہ اس کے پاس ساٹھ قسم کی ٹوپیاں تھیں۔ لیکن کوئی صاحب فراست اس دوراز قیاس توجیہ کو ایک آن کے لئے تسلیم کرنے کی نیار نہیں۔ ان تمام احتمالات میں سے پہلے معنی سب سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف محمد بن علی بن سلیمان الراوندی مولف کتاب راحتہ الصدور و آیتہ السرور (تاریخ آل سلجوق) کا خیال ہے کہ سرے سے یہ لقب[1] منوچہری کا نہیں بلکہ بارھویں صدی عیسوی کے ایک اور شاعر کا ہے جس کا نام شمس الدین احمد بن منوچہر ہے اس خیال کے مطابق یہ لقب یا تو عمداً منوچہری دامغانی کے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اور یا احمد اور منوچہر کے دو ناموں کے اشتراک کی وجہ سے متاخرین کو دھوکا لگ گیا ہے۔ ایک لحاظ سے راوندی کی یہ روایت زیادہ قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ شمس الدین احمد بن منوچہر کا ہمعصر تھا۔ تاہم اس خیال کو سوائے پروفیسر براؤن کے اور کسی نے صحیح نہیں مانا۔

---

[1] راحتہ الصدور و آیتہ السرور صفحہ ۵۷ و ۴۷-۴۷۷

عوفی اس بارہ میں بالکل خاموش ہے۔ لیکن رضا قلی خاں۔ امین رازی۔ آذر۔ دولت شاہ۔ شبلی اور مظفر حسین تمام اس پر متفق ہیں کہ یہ لقب منوچہری دامغانی کا تھا۔ جمہور کے خیال کے خلاف ہونا اس روایت کی صداقت کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

تخلص منوچہری ابوالفرج سیستانی (متوفی ۱۰۰۲ء) کے پاس تکمیل تعلیم کر کے امیر منوچہر بن قابوس بن وشمگیر والیٔ جرجان (متوفی ۱۰۲۹ء) کے دربار میں آیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے اس نے منوچہری تخلص اختیار کیا۔

ہجرت غزنی جب ۱۰۲۹ء میں امیر منوچہر نے وفات پائی تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد منوچہری رَے سے غزنی میں آ گیا۔ اور ملک الشعراء عنصری کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جو بالعموم قصیدۂ شمع کے نام سے مشہور ہے۔ عوفی[1] اور دولت[2] شاہ نے اسے نقل کیا ہے اور پروفیسر[3] براؤن نے بھی قریباً ۲۵ شعر کا ترجمہ دیا ہے۔ آذر[4] اور شبلی[5] نے بھی چند اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ چونکہ یہ قصیدہ کئی لحاظ سے عجیب و غریب ہے اس لئے ہم بھی اس کے چند اشعار نقل کرتے ہیں ؎

اے نہادہ بر میانِ فرق جانِ خویشتن	جسم ما زندہ بجان و جانِ تو زندہ بتن
ہر زماں روحِ تو لختے از بدن کمتر کند	گوئی اندر روحِ تو منضم ہمی گردد بدن
گر نہ کوکب چرا پیدا نگردی جز بہ شب	ور نہ عاشق چرا گرئی ہمی بر خویشتن
کوکبی آرے ولیکن آسمانِ تست موم	عاشقی آرے ولیکن ہست معشوقت لگن
پیرہن در زیرِ تن پوشی و پوشند ہر کسے	پیرہن بر تن تو تن پوشی ہمی بر پیرہن

۱؎ لباب الالباب جلد دوم ۲؎ تذکرہ صفحہ ۴۱ ۳؎ تاریخ ادبیات ایران جلد دوم صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶ ۴؎ آتشکدہ بمبئی ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۷ھ صفحہ ۲۹۶ ۵؎ شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۸۶

چون بمیری آتش اندر تو رسد زنده شوی	چون شوی بیمار بهتر گردی از گردن زدن
تاهمی خندی همی گریی و این بس نادر است	هم تو معشوقی و عاشق هم بُتی و هم شمن
بشگفی بے نوبهار و پژمری بے مهرگان	بگریی بے دیدگان و باز خندی بے دهن
تو مرا مانی بعینه من ترا مانم درست	دشمنِ خویشیم هردو ـ دوستدارِ انجمن
خویشتن سوزیم هردو بر مراد دوستان	دوستان در راحت انداز ما و ما اندر حزن
هردو گریانیم و هردو زرد و هردو در گداز	هردو سوزانیم و هردو فرد و هردو ممتحن
آنچه من در دل نهادم بر سرت بینم همی	آنچه تو بر سر نهادی در دلم دارد وطن
رازدارِ من توئی همواره یارِ من توئی	غمگسارِ من توئی من آنِ تو ـ تو آنِ من
روی تو چون شنبلید نوشگفته بامداد	روی من چون شنبلید پژمریده در چمن
از فراق تو بگشتستم عدوِّ آفتاب	وز وصالت بر شبِ تیره شدستم مفتتن
من دگر یارانِ خود را آزمودم خاص و عام	نے سه تن شان رازدار و نے وفا اندر دو تن
تو همی تابی و من بر تو همی خوانم بمهر	هر شبے تا روز دیوانِ ابوالقاسم حسن
اوستادِ اوستادان زمانه عنصری	عنصرش بے عیب و دل بے غش و دینش بے فتن
شعرِ او چون طبعِ او هم بے تکلف هم بدیع	طبعِ او چون شعر او هم با ملاحت هم حسن
زین فروتر شاعران دعوی و زو معنیٰ پدید	این حکیمانِ دگر یک فن و اُو بسیار فن
در زغن هرگز نباشد فرِّ اسپِ راهوار	گرچه باشد چون صهیلِ اسپ آوازِ زغن
تاهمی خوانی تو اشعارش همی خائی شکر	تاهمی گوئی تو ابیاتش همی بوئی سمن
مجلس استادِ تو چون آتشے افروخته است	تو چنان چون اشترے بے خواستار اندر عطن

ایک اور قصیدہ میں سے جو عنصری کی مدح میں ہے چند اشعار یہ ہیں ؎

بنام خداوندِ یزدانِ اعلیٰ	که داراے دهر است و دادار مولیٰ
ملیکِ السمٰوات و خلاقِ ارضین	بفرمانِ او هرچه علوی و سفلی

نشستم برآن ناقۂ آل پیکر | فگندم براو لطع و د لوِ مصلّیٰ
سپردم بدین ناقہ چونیں قفارے | چو دانا کہ دارد بجدے و ہزلی
چو سہلے بریدم رسیدم بوعرے | چو وعرے بریدم رسیدم بوعرے
برامیدِ دیدارِ استاد فاضل | چراغِ ہدایات و نورِ تجلّی
ہمش کنیت نیک وہم نام فرّخ | ہمش نام پیغبر رب اعلیٰ
یکے نام دارے کہ ازپشتِ آدم | نیامد بافضالِ او ہیچ فضلی

بعض تذکرہ نویسوں کی غلط خیالی صاحب مجمع الفصحا[1] اور مولانا شبلی کے[2] خیال کے مطابق منوچہری سلطان محمود کے حلقۂ شعرا میں ملک الشعراء عنصری کی وساطت سے شامل ہو گیا اور اپنے نئے ممدوح (سلطان محمود) اور اس کے بیٹوں محمد اور مسعود کی مدح میں قصیدے لکھے۔

تبصرہ مندرجہ بالا خیال درست نہیں۔ کیونکہ شاہزادہ منوچہر سلطان محمود[3] سے پہلے مرا ہے۔ چونکہ دیوان میں محمود کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ منوچہری ۱۰۳۰ء سے پہلے غزنی میں نہیں آیا چونکہ محمود اسی سن میں مرا ہے۔ لیکن چونکہ دیوان میں بعض قصائد سلطان مسعود کے وزراء کے علاوہ خواجہ حسن میمندی کی مدح میں جو ۱۰۳۲ء میں مرا پائے جاتے ہیں۔ اس لئے منوچہری یقیناً ۱۰۳۲ء سے پہلے غزنی آگیا تھا۔ پس ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ

---

[1] جلد اول صفحہ ۵۴۲۔ [2] شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۸۶-۷۔

[3] شبلی نے شاہزادہ منوچہر کی تخت نشینی اور وفات کی تاریخیں ۳۸۶ھ ہجری یعنی ۹۹۵ء اور ۴۱۱ھ ہجری یعنی ۱۰۲۰ء باترتیب دی ہیں۔ لیکن پروفیسر براؤن نے ۱۰۱۲-۱۳ء اور ۱۰۲۸-۲۹ء تاریخیں دی ہیں اور یہی درست ہیں۔

۴۲۱ھ میں غزنی آیا۔

تاریخِ ہجرت کے متعلق اندرونی شہادت

اس کے علاوہ دیوان میں اور بعض مقامات سے بھی اسی تاریخِ ہجرت کی مزید تائید ہو سکتی ہے مثلاً ؎

خواست از رَے خسروِ ایراں مرا بر شفقت میل
خود تو ہرگز نیندیشید در حین سنین

واقعہ یہ ہے کہ ۱۰۳۰ء میں جبکہ سلطان مسعود ساری اور آمل سے رستہ غزنی کو آرہا تھا۔ تو منوچہری اس وقت رَے میں تھا اور مسعود نے اسے دربار میں آنے کی فرمائش کی چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

دانی کہ من مقیم بر درگہِ شہنشہ تا باز گشت سلطان از لالہ زارِ ساری
با او شدم بہ بیدم وین کوہ ہا پیادہ دو پائے با جراحت دو دیدہ گشتہ تاری

اس بات کا ثبوت کہ وہ غزنی آنے سے پہلے رَے۔ جرجان۔ شروان اور ... وغیرہ میں پھرتا رہا۔ ایک اور شعر سے بھی ملتا ہے ؎

شاعرا ترا در رَے وگرگان و در شروان کہ دید
بدرۂ عدلے بہ پشت پیل آوردہ بزین
آنچہ ایں مہتر دہد روزے بکہتر شاعرے
معتصم ہرگز بعمر اندر نداد و مستعین

اس میں کچھ شک نہیں کہ عنصری کی شہرت۔ ہر دلعزیزی اور ملک الشعرائی کی وجہ سے غزنی اور دیگر شہروں میں اس کا بہت اثر تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مختلف بلاد و امصار کے شعرا کو دربار میں متعارف کرانا اور منوچہری کا اس کی مدح میں قصائد لکھنا وغیرہ تمام امور اس بات کا خیال دلاتے ہیں کہ

منوچہری کی دربار غزنوی میں رسائی بھی عنصری ہی کی وساطت سے ہوئی لیکن منوچہری کے اپنے اشعار بتلا رہے ہیں۔ کہ وہ خاص سلطان مسعود کی ذاتی فرمائش پر غزنی میں آیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کے علاوہ منوچہری کا یہ کہنا کہ اس نے غزنی آکر سوائے سلطان مسعود کے اور کسی کی مدح نہیں کہی اور اس کے ساتھ ہی سلطان محمود کی مدح میں تمام دیوان بھر میں کوئی قصیدہ نہ ہونا رضا قلی خاں اور شبلی کے اس خیال کو کہ منوچہری محمود کے دربار[1] میں تھا باطل ثابت کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ محمود جیسے قدردان پادشاہ کے دربار میں اس کی قدر نہ ہوئی حالانکہ محمود جو کہ عموماً علم و ہنر کا پایہ شناس تھا۔ غیر ممالک کے علما و فضلا کی طرف غیر معمولی توجہ مبذول کیا کرتا تھا پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ منوچہری کی کیوں قدر نہ کرتا جس پر منوچہری کی مدح سرائی محمود کی قدر شناسی کو چار چاند لگا دیتی۔ اس لئے صرف محمود کی مدح میں دیوان بھر میں کوئی قصیدہ نہ ہونا ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ منوچہری محمود کی وفات کے بعد غزنی میں آیا۔

منوچہری کی علمی قابلیت

جب منوچہری غزنی میں آیا تو وہ ابھی عالم شباب میں تھا۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ع

حاسدم گوید کہ ما پیریم و تو برناتری

لیکن وہ بالکل نوجوان بھی نہ تھا کیونکہ علم دین۔ نحو اور طب اور بالخصوص عربی نظم کے متعلق اسے جو واقفیت حاصل تھی جس پر وہ بدیں الفاظ فخر کرتا ہے۔ ع

من بدانم علمِ دین و علمِ نحو و علمِ طب

---

[1] شبلی کا بیان ہے کہ منوچہری نے سلطان محمود کے بیٹے محمد کی مدح میں قصائد کہے لیکن دیوان سے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ منوچہری دربار غزنوی میں محمد کے دور حکومت کے بعد آیا ہے جیسا کہ ہم اوپر مفصل لکھ چکے ہیں+

اور ع من بسے دیوانِ شعر تازیان دارم زبر

وہ غزنی میں آنے سے پہلے اُس کی تکمیل کرچکا تھا۔ اسے غزنی میں بلائے جانے کا بجز اس کے اور کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ کہ وہ فطری ذہانت اور قابلِ رشک شاعرانہ اوصاف کا مالک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وہ نظمیں جو اس نے غزنی میں آنے کے بعد کہیں فصاحت و بلاغت کے زیور سے آراستہ ہیں۔ جن سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ شاعر نے بہت وسیع مطالعہ کیا ہُوا ہے۔

دربار شاہی میں رسوخ

جب منوچہری دربار غزنی میں آیا تو ان دنوں سلطان مسعود کا دورِ حکومت تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے عام ہر دلعزیزی کے علاوہ دربار میں اس درجہ تک رسائی حاصل کرلی کہ وہ جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کرسکتا تھا۔ یعنی منصب ترخانی حاصل تھا۔ سلطان مسعود ۴۳۰ھ میں تخت پر بیٹھا اور دس سال تک حکمران رہا۔ اس مدت میں منوچہری اس کے دربار میں رہا۔ اور درحقیقت منوچہری سے بڑھ کر اور کوئی شاعر مسعود کا مصاحب ہونے کے زیادہ قابل بھی نہ تھا کیونکہ وہ اس کے اندرونی جذبات و عادات کا بہت گہرا مطالعہ کرچکا تھا۔ جن کا وہ پوری طرح اظہار کرسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دولتمند ہوتا چلا گیا ؎

من بندہ را برحمت کردی بزرگ شاہا پاینده باد تخت پاینده بختیاری

ہجرت غزنی سے پہلے زمانہ کا کلام

غزنی میں آنے سے پہلے زمانہ کے کلام میں سے دیوان میں صرف دو تین نظمیں ملتی ہیں۔ لیکن ہر ذی ہوش اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک درباری شاعر کا صرف یہی سرمایہ نہیں ہوسکتا اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس زمانہ کے

کلام کا بیشتر حصّہ خواہ شاعر کے اپنے ہاتھوں اور خواہ مؤلفین دیوان کی لاپروائی کی وجہ سے ضائع ہوگیا ہے۔ کما سیأتی

چونکہ امیر منوچہر سلطان محمود کا داماد تھا اس لئے غالباً منوچہری نے جو مدحیہ قصاید منوچہر کی مدح میں کہے ان میں منوچہر کے خسر یعنی محمود کا بھی ذکر کیا ہوگا۔ جیسا کہ سلطان مسعود کے وزراء کی مدح میں جو قصیدے موجود ہیں۔ ان میں مسعود کی بھی مدح پائی جاتی ہے۔ لیکن محمود اور مسعود کی مخالفت کوئی چھپی ہوئی بات نہ تھی جیسا کہ خود منوچہری اس کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

گوئی محمود بود پیش ز مسعود   نے نے مسعود ہست پیش ز محمود

ہمچو سلیمان کہ بود پیش ز داؤد   پیشتر از زال بود رستم زال

اسلئے منوچہری غزنی میں آئے اور مسعود کی مدح کرنے کے بعد وہ اشعار جن میں محمود کی بالواسطہ مدح پائی جاتی تھی۔ دیوان میں باقی نہ رکھ سکتا تھا کیونکہ مسعود کی مدح محمود کی ہجو اور محمود کی مدح مسعود کی ہجو کے مترادف تھی

اس کے علاوہ منوچہری علانیہ کہہ رہا ہے کہ میں نے دو ممدوح اختیار نہیں کیے۔

جز بر در شہنشہ بر در گہے نرفتم   نہ بر در حجازی نہ بر در بخاری

چون تو نیم کہ خدمت کمتر کنی و مہتر

ان امور کی بنا پر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ منوچہری کا ابتدائی کلام ضائع ہوگیا ہوگا اور غالباً اس نے خود عمداً اس کو نیست و نابود کردیا ہوگا۔ یہی امر اس بات کی وجہ ہے کہ اس کا دیوان دیگر شعرائے فارسی کے دواوین کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔

منوچہری کی زندگی کے آخری ایام

منوچہری اپنے ممدوح مسعود[1] کے بعد تھوڑے عرصہ زندہ رہا۔ گو مسعود کی وفات پر کوئی مرثیہ یا اس کے

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ منوچہری اور سلطان مسعود نے ایک ہی سن میں وفات پائی

جانشین کی تخت نشینی پر کوئی قصیدہ دیوان میں موجود نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مسعود کے قتل (۴۳۲ھ) کے بعد کے پُر آشوب زمانہ میں شعر گوئی کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی +

کلام کی تالیف اس کے کلام کا جو مجموعہ ہم تک پہنچا ہے وہ بیشتر قصائد و مسمطات پر مشتمل ہے۔ جس میں تین ہزار کے قریب شعر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل دیوان تیس ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ موجودہ دیوان رضا قلی خاں ہدایت مصنف تذکرۂ مجمع الفصحاء کی کاوش کا نتیجہ ہے جو اس نے مختلف بلاد و امصار خصوصاً طہران و شیراز وغیرہ سے تفحص کے بعد تالیف کیا جیسا کہ وہ اس مجموعہ کے دیباچہ میں کہتا ہے۔

"میں مدت سے منوچہری کے کلام کی تلاش میں تھا۔ ۱۲۴۷ھ ہجری میں مجھے شیراز میں اس کا ایک مختصر سا مجموعہ ملا۔ جس میں سے بعض میں سے بعض اشعار میں نے اپنی کتاب مجمع الفصحاء میں نقل کئے ہیں +

دیوان کی اشاعت منوچہری کے دیوان[1] کی اشاعت عام نہیں ہوئی صرف تین ایڈیشن ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ (۱) مطبوعہ مشہد ۱۸۹۴ء۔ یہ ایڈیشن نامکمل ہے۔ (۲) مطبوعہ طہران شائع کردہ میرزا حسن خوانساری ۱۸۷۹ء اور (۳) مطبوعہ پیرس ۱۸۸۶ء۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں پورا ترجمہ اور نہایت مفید نوٹ جرمن زبان میں موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن ہے +

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیوان منوچہری کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ جس کا نمبر A Pi VI 3 B ہے۔ اس کی تاریخ نقل ۱۲۴۹ھ ہجری ہے۔ اس کے

---

[1] چند ایک قطعات بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد انگلیوں پر شمار ہو سکتی ہے [2] تعجب ہے کہ دولت شاہ لکھتا ہے کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۰)

کے اوراق ۱۳۴ اور صفحے ۲۶۸ ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصۂ اول از آغاز تا ورق ۸۶ یعنی ۱۷۲ صفحے۔ اس میں صرف قصائد ہیں۔ حصۂ دوم از ورق ۸۷ تا ۱۳۴ یعنی ۹۶ صفحے۔ اس حصہ میں مسمطات۔ رباعیات۔ قطعات۔ غزلیات اور افراد اسی ترتیب سے موجود ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک شعر ہے۔ پہلے حصہ کے آخر میں کاتب لکھتا ہے:۔

"گویند حکیم ابوالنجم احمد منوچہری را دیوان اشعار مشتمل بر سی ہزار بیت بود - تا اکنون کہ ہشتم صفر المظفر ۱۲۴۹ سنہ ہجری می باشد زیادہ ازیں قصائد و مسمطات دیدہ نشد۔"

اس نسخہ میں قصائد حروف ہجا کے مطابق مرتب ہیں۔ کاتب کا نام مذکور نہیں۔ حاشیہ پر کہیں کہیں متن کی عبارت پر مختصر نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ ایک غزل اور تین افراد اور قصیدہ ۵۳ کا ایک شعر جو مطبوعہ نسخوں سے زائد اس نسخہ میں پائے جاتے ہیں۔ ہم نے تتمہ ج میں دے دئے ہیں +

اس کے علاوہ ایک قلمی نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے۔ جس کے متعلق مفصل حالات کتب خانۂ مذکورہ کی عربی و فارسی کتب قلمی کی مطبوعہ فہرست کے صفحہ ۱۴ پر مل سکتے ہیں۔

مطبوعہ ہر سہ ایڈیشنوں میں بعض جگہ قراتیں مختلف ہیں۔ ہم نے تمام اختلافات کی فہرست تتمہ ا میں دیدی ہے۔ پیرس ایڈیشن میں بعض فاحش اغلاط بھی ہیں۔ جن کی تفصیل تتمہ ب میں دے دی گئی ہے۔ تتمہ د میں منوچہری کے تمام ممدوحین کی فہرست دی گئی ہے +

(باقی دارد)

صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

پرتھی راج راسا

سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء

ستی کی صدای بازگشت

مصنف کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور کنیزیں اپنے آقاؤں اور خاوندوں کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دیجاتی ہیں۔ چنانچہ حسین کتھانویں داستان میں چترریکھا حسین کی لاش کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے۔ دھیرپنڈیر ۶۴ ویں داستان میں شہاب الدین کا خواص سیرن شہاب الدین کی گرفتاری کے وقت اپنی پیاری جان لے کر غزنین بھاگ جاتا ہے۔ جب اپنے گھر پہنچتا ہے۔ اس کی بیوی ملامت کے لہجہ میں اس سے کہتی ہے۔ اگر تو میدان جنگ میں قتل ہو جاتا اور میں تیری نعش کے ساتھ دفن ہوتی۔ مجھے یہ حالت تیرے اس فرار ہونے اور جان بچانے سے ہزار درجہ زیادہ گوارا ہوتی۔ یہ صدای بازگشت ہے ستی کی رسم کی جو ہندوؤں میں رائج تھی۔ یہ ہندو بھاٹ اس وہم میں مبتلا ہے۔ کہ جہاں ہندو عورتیں زندہ جلا دیجاتی ہیں۔ مسلمان عورتیں زندہ دفن کیجاتی ہیں

بخشی

میں یہاں بعض دفتری اصطلاحوں کا ذکر کرتا ہوں جو راسا میں مل جاتی ہیں۔

ان میں ایک اصلاح 'بخشی' (تنخواہ دہندۂ فوج) ہے مصنف اس کو 'بگسی' لکھتا ہے۔ راجپوتانہ میں آج بھی غیر تعلیم یافتہ ہنود سے یہی تلفظ مسموع ہوتا ہے۔ سلکھ جدھ تیرہویں داستان میں آتا ہے ۔

سلطان کھبری ایہ سین پائی بگسی سہاب برنی سنائی (چھند ۲۰ صح $\frac{۵۲۱}{۵}$)

ایک اور موقع پر آتا ہے ۔ بیجل خاں بگسی بھیو (چھند ۱۱۸ صح $\frac{۱۱۹۵}{۱۰}$)

مگر یاد رہے کہ بخشی ہندوستان میں مغلوں کی آمد تک رواج میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ مغل ہیں جن کے ساتھ یہ اصطلاح اس ملک میں آتی ہے بلکہ ریاستوں میں آج بھی یہ عہدہ موجود ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کی جگہ 'عارض' آتا ہے۔

بخشی کے متعلق تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل سنسکرت کا لفظ بھکشو بمعنی بھکاری اس کی قدیم شکل ہے جو بدھ مت والوں کے ساتھ چین میں پہنچا۔ اور وہیں سے مغولستان پہنچ گیا۔ چنگیزیوں میں یہ ایک اہم عہدہ تھا۔ اور انہیں کے ساتھ ایران میں آیا۔ جہاں سے دسویں صدی ہجری میں بابر کے ساتھ واپس ہندوستان پہنچتا ہے۔ بہر حال راسا میں بخشی کا استعمال ہمارے نزدیک اس تالیف کے جدید العہد ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے +

شاگرد پیشہ

جس طرح بخشی مغلیہ عہد کی دفتری اصلاح ہے۔ اسی طرح 'شاگرد پیشہ' ہے۔ جس سے مقصد بجز خدمتگاران شاہی ہیں۔ شاگرد پیشہ کے لئے بہار میں آتا ہے:۔

"لفظی است مستعمل دفاتر و دربار سلاطین ہندوستان و در ایران عملہ بجای آن گویند"

راسا میں یہ لفظ بھی موجود ہے چنانچہ: پچیس سہس ساگر دپیس (چھند ۲۰ صح $\frac{۵۲۱}{۵}$ سلکھ جدھ ۱۳ ویں داستان)

عرضداشت

عرضداشت ایک اور دفتری اصلاح ہے۔ جو متاخرین میں تو بہت زیادہ مستعمل ہے۔ بہار عجم میں اس کے متعلق تحریر ہے:۔

"درہندوستان پادشاہزادگان و امرا بجناب عالی و خوردان بخدمت بزرگان نویسند۔

راسا میں یہ اصلاح بصورت 'ارداس' موجود ہے چنانچہ سے تب نثار ارداس لکھی ۱۱

(چھند ۲۹۲ صفحہ ۲۰/۷ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

اسی داستان میں ایک اور موقعہ پر آتا ہے:۔

لکھی ارداس نثار خاں آپہی بیروچار ۱۱ (چھند ۳۰۵ صفحہ ۲۴/۷ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

ڈاک چوکی

"ڈاک چوکی" ایک اور اصلاح ہے جو اکبری عہد کے مورخین کے ہاں عام استعمال میں آرہی ہے۔ مثلاً:۔

"شہزادہ دمشقی بتقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ درانداختند کہ سلطان تغلق نماند (منتخب التواریخ بدایونی صفحہ ۵۸ نولکشور)

لیکن قدیم لفظ اس کے لئے یا تو فارسی الاغ ہے یا ہندی دھاوہ چنانچہ فرشتہ اس کی طرف ایما کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"دراثنای این حال ڈاک چوکی کہ باصطلاح آن مردم الاغ میگفتند با فرمان از دہلی رسید" (صفحہ ۱۳۱ نولکشور

برنی نے ایک موقعہ پر دونوں لفظ دیے ہیں:۔

"کارہای ملک در دہلی بگشت وغیرے بر تختگاہ دہلی متمکن گشت و راہ الاغ ودھاوہ بکلّی منقطع شد۔

ایک اور موقع پر علاء الدین خلجی کے حالات میں بتقریب مہم دکن برنی لکھتا ہے۔

"بسبب آنکہ یک دو تھانہ از راہ برخاستہ بود راہ لشکر منقطع شدہ والاغ و قاصدے دھاوہ از لشکر در دہلی نرسید"۔

اس سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاک چوکی کوئی قدیم اصطلاح نہیں ہے۔ مگر مغلوں میں اس کا رواج بہت عام ہے۔ اسی اثر میں ہم دیکھتے ہیں کہ راسا میں بھی استعمال میں آرہی ہے چنانچہ:-

ہ آین ڈاک چوکی لورکھن ॥ چھند ۲۹۸ صح ۷۲۳ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان

اردو

اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر اصلاح اُردو ہے۔ جسے مصنف بشکل اُردھ لکھ رہا ہے۔

(۱) دو سین ساجے راجے رودھ ٹھڈے سو آئے آسور اُردھ (چھند ۹۲۷ صح ۲۲۶/۱۹ بڑی لڑائی چھیاسٹھویں داستان)

(۲) لوہا نو مد موندا بان مُکّے بہو بھاری ॥ چھُٹی سو ٹھُر جوان اپچھ اُردھ نکاری ॥
چھند ۱۱۷ صح ۹۰۶/۸

اردو کے تعلق میں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مغلوں سے قبل کے ہندوستان میں یہ لفظ رواج عام میں نہیں تھا۔ اور یہ جو بعض تاریخوں میں ایک آدھ جگہ مل جاتا ہے۔ مثلاً طبقات ناصری و تاریخ فیروز شاہی شمس سراج میں تو یہ ہمارے نزدیک قدما کی تحریر میں متاخرین کی فروگزاشت کا پرتو ہے یعنے جب اکبری عہد میں یہ کتابیں نقل ہوئیں۔ سہو کتابت سے یہ لفظ بعض موقعوں پر متن میں شامل ہو گیا۔ البتہ

تغلق نامہ میں امیر خسرو اس کو بشکل 'اُرد' لکھ رہے ہیں۔ جس کی شکل راسا کے 'اُرَدھ' سے بہت ملتی جلتی ہے۔ مثالیں ذیل میں عرض ہیں:-

~ زاُرد خاص تا دروازۂ قصر ہمہ تیغ و سنان بدباشہ عصر ص۱۳۶ شعر ۲۶۱۷ تغلق نامہ

دیگر ~ جو بشکست آن سپاہ و رفت ہرسوی ملک آورد سوی ارد گہ روی ص۱۳۱ شعر ۲۵۲۰ " "

ہمیر

راسا میں کئی موقعوں پر ایسے نام ملتے ہیں۔ جن میں ہمیر کا لفظ موجود ہے۔ مثلاً ہنساوتی دیاہ ۳۶ ویں داستان میں منگل گڈھ کے راجا ہاڑا ہمیر کا ذکر آتا ہے۔ اور کانگڑہ جدھ ۳۵ ویں داستان میں ہاہولی رای ہمیر کا نام آتا ہے جو پرتھی راج کا ایک سادنت ہے۔ مصنف ہمیر کو بالتشدید ہمّیر لکھتا ہے۔ اور یہ اس کی ناواقفیت یا بے پروائی پر مبنی ہے اس میں شک نہیں کہ اکثر اوقات شاعر کو ہم الفاظ کے توڑنے مروڑنے اور ان کے گھٹانے بڑھانے میں مصروف دیکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہمیر نام ہندوؤں میں کب سے رائج ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں وہ رنتنبھور کے چوہان راجہ کا نام ہے۔ جو ہمیر دیو کے نام سے بہت مشہور ہے اور جس کے حالات میں ہمیر راسا اور ہمیر کاویہ وغیرہ ہندی تصنیفات موجود ہیں۔ مگر یاد رہے کہ 'ہمیر' مسلمانی لفظ ہے اور لفظ امیر کی بگڑی شکل ہے۔ سب سے پہلے بخط ہندی مسکوکات پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سب سے قدیم خود سلطان معز الدین محمد بن سام کے سکّے ہیں۔ جن پر "سری ہمیر" کی شکل میں ملتا ہے 'سری ہمیر' سے مقصد امیر المومنین خلیفۂ بغداد ہے۔ یہ ہندی کلمہ سلطان معز الدین۔ شمس الدین التتمش۔ رکن الدین فیروز۔ سلطان رضیہ وغیرہ کے مسی سکوں پر نظر آتا ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عین پرتھی راج کا زمانہ ہے۔ جب یہ مسلمانی لفظ مسکوکات میں شائع ہو کر ہندوؤں میں

روشناس ہونے لگا ہے۔ بحیثیت علم اس کا اختیار کیا جانا بہت بعد کی بات ہے اس لئے یہ خیال کرنا کہ پرتھی راج کے عہد میں ہندو قوم نے بحیثیت اسم اس لفظ کو اختیار کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خود پرتھی راج کے ایک سامنت کا نام ہمیر تھا۔ بیحد غیر اغلب اور ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے۔

ہتھنار

بیشمار موقعوں پر اس رزمیہ میں ہتھنار یعنے ہتھنال کا ذکر آتا ہے مثلاً گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان میں آتا ہے :۔

؎ سوا گیں ہتھناری اُپار سجن | رتن دیکھت کاٹر دور بھجن || (چھند ۱۶ صفحہ ۹۴۸/۹)

ہتھنال سے مراد ایسی توپ ہے جسے ایک ہاتھی آسانی سے لیجا سکے۔ اکبر کی اور ایجادات کے علاوہ جس میں بعض توپیں ٹکڑے کر کر کے لیجائی جاتی تھیں اور بعض میں سترہ توپوں کے لئے ایک پلیتہ درکار تھا۔ ایک ایجاد یہی ہتھنال ہے۔ یعنے ہاتھی کی توپ جس کا نام اکبر نے گج نال رکھا تھا آئین اکبری میں آتا ہے۔

"و نیز چنان بر ساخت کہ یک فیل بآسانی کشد وآنرا گج نال نامند۔

(ج اول صفحہ ۱۴۳ نولکشور ۱۸۶۹ء)

اکبر کے عہد سے قبل اس گجنال یا ہتھنال کا کتب تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ جب راسا میں ہتھنال کا ذکر آرہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف اکبر کے عہد سے بعد کی ہے۔ کیونکہ گج نال و ہتھنال میں گجنال قدیم ہے۔

کمان یا کمند

ایک انوکھی رسم یعنی کمان کے ذریعہ سے گرفتاری راسا کے صفحات میں کئی جگہ

ملتی ہے۔ مثلاً پدماوتی سمے بیسویں داستان میں آتا ہے کہ عین گھمسان کے معرکہ میں پرتھی راج نے کمان ڈال کر شہاب الدین کو گرفتار کر لیا۔ ریوا تٹ سمیو ستائیسویں داستان میں پھر مذکور ہے کہ پرتھی راج نے کمان ڈال کر شاہ کو اسیر کر لیا۔ اور گھگھر کی لڑائی انتیسویں داستان میں مرقوم ہے کہ کنہ چوہان نے میدان جنگ میں کمان ڈالکر شاہ کو کھینچ لیا۔ بہرحال یہ تین موقعے تو صاف طور پر مجھے معلوم ہیں۔ اور موقعے بھی ہوں تو تعجب نہیں۔ اس گرفتاری کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ کو کمان کے ذریعہ سے اسیر کیا جاتا ہے۔ لیکن کمان کے ذریعہ سے دشمن کی گرفتاری کمان کا بالکل جدید استعمال ہے۔ جو صرف راسا میں پایا جاتا ہے۔ ایرانی اور مسلمانی اقوام میں گرفتاری کے لئے کمند کا بالعموم استعمال رہا ہے۔ مگر مصنف راسا کمند کا کام کمان سے لے رہا ہے۔ اگر ہمیں سچی بات کہنے کی اجازت دیجائے تو کہینگے کہ مصنف راسا کو کمان اور کمند میں التباس ہو گیا ہے۔

طبیب

چوتھی داستان لوہانا آجان باہو سمے اس کہانی سے شروع ہوتی ہے کہ پرتھی راج کو ایک دن یہ عجیب شوق چرّایا کہ اپنے ساونتوں کو بتیس ہاتھ اونچے چھجّے سے کدائے ساونت راجہ کی اس انوکھی فرمائش پر حیرت زدہ رہ گئے۔ لوہانا آجان باہو راجہ کے حکم کی تعمیل میں بلا پس و پیش کود پڑا۔ اور غریب کے چوٹ آگئی۔ راجہ نے فوراً طبیبوں کی حاضری کے لئے حکم دیا۔ وہ آئے اور علاج کے واسطے لوہانا کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

تب طبیب تسلیم کری اسے گھر آئے لوہان ۱۱ چھند ۶ صفحہ ۲۷۶/۳

ذرا پرتھی راج کے عہد کی اس زبان پر بھی غور کر لیا جائے۔ اگر آج یہ فقرہ اردو میں لکھا جائے تو یوں ہوگا:۔

تب طبیب تسلیم کر [کے] لوہانا [کو] گھر لے آئے۔

اسی طرح یہ امر بھی قابلِ لحاظ معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے پاس چھٹی صدی ہجری کے وسط میں جب کہ وہ ناگور میں مقیم ہے۔ مسلمان طبیب بھی موجود ہیں۔ جو راج کنوار پرتھی راج کو تسلیم کر کے لوہانا کو علاج کی غرض سے اپنے گھر لیجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرتھی راج کے عہد میں خصوصاً راجپوتانہ جیسے الگ تھلگ مقام پر طبیب موجود نہیں تھے۔ اور ہندوستان میں ان کی مقبولیت اس عہد سے بعد کی بات ہے مگر چونکہ مصنف کی آنکھوں میں اس کے اپنے عہد کی زندگی کا نقشہ پھر رہا ہے۔ جب طبیب ہندوستان کی زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے رزمیہ میں ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہوا۔

لاڈنوں اور کھٹو

راسا میں جن شہروں اور موضعوں کے اسما ملتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً سانبھر۔ اجمیر۔ ناگور۔ سارونڈا۔ اچل پور۔ پارس پور۔ پنچوسر۔ در پور۔ لاڈنوں اور کھٹو۔

لاڈنوں فی زمانہ ایک جاگیری قصبہ ہے جو اس کے لکھ پتی بنیوں کی بنا پر دور دور مشہور ہے۔ یہ قصبہ جودھ پور ریلوے کی اس شاخ پر ایک اسٹیشن ہے جو سجان گڈھ اور ڈیگانہ جنکشنوں کے درمیان چلتی ہے۔ راسا جو اپنے لئے اس قدر قدامت کا مدعی ہے۔ تعجب ہے کہ لاڈنوں کو اس کے جدید تلفظ سے یاد کرتا ہے یعنے لاڈنوں۔ حالانکہ اس کا قدیم تلفظ جو آئین اکبری میں محفوظ ہے۔ بصورت لاڈوں ملتا ہے (آئین ص ۲۷۲ جلد دوم)

(باقی پھر) (محمود شیرانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

علم کلام اور نظریہ "استطاعۃ"

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

(۲) علیٰ ہذا القیاس حضرت فاروق نے کوفہ میں عجم کو دینی تعلیم دینے کا بھی فیصلہ کیا اور اس کی زمام انتظام حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے اعلم بکتاب اللہ (قال ابن مسعود انی لاعلمہم بکتاب اللہ ۔ استیعاب بر حاشیہ اصابہ صفحہ ۳۲۱) واقفہ امت صحابی کے سپرد کی - جن کے متعلق حضرت حذیفہ صاحب السر فرماتے ہیں - ما اعلم احداً اقرب سمتاً و ہدیاً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام عبد ۔ حلیہ و استیعاب - وکان صاحب الوساد والسواد والسواک والنعلین ۔ حلیہ واقبل ابن مسعود ذات یوم وعمر جالس فقال کنیف ملئ فقہاً ۔ حلیہ و استیعاب قالوا لعلی اخبرنا عن عبداللہ بن مسعود قال علم القرآن والسنۃ ثم انتہی وکفی بذالک علماً ۔ حلیہ وقد قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت مؤمراً احداً من غیر مشورۃ لامرت ابن ام عبد ۔ استیعاب - حضرت فاروق نے ان ابن مسعود کو کوفہ میں معلم و مبلغ بنا کر بھیجا - قال ابن عبدالبر بعثہ عمر بن الخطاب الی الکوفۃ مع عمار بن یاسر وکتب الیہم انی قد بعثت الیکم بعمار بن یاسر امیراً و عبداللہ بن مسعود وزیراً و معلماً وہما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من اہل بدر - فاقتدوا بہما واسمعوا من قولہما وقد اثرتکم بعبداللہ بن مسعود علی نفسی ۔ استیعاب صفحہ ۳۲۳ - ابن مسعود نے کوفہ پہنچ کر تعلیم دینا شروع کیا اور ایسے شہرۂ آفاق تلامذہ پیدا کئے جنہوں نے نہ صرف ابن مسعود کا نام روشن کیا - اور ان کے علوم کو زندہ کیا - بلکہ بعد میں جب حضرت علی مرتضیٰ کوفہ میں تشریف

لائے تو اُن کے قضایا اور فتاوی کو بھی پوری احتیاط سے از بر کر کے شائع کیا۔ اگر اصحاب ابن مسعود نہ ہوتے تو علیؓ کے قضایا و فتاوی صحیح طور پر ضبط نہ ہوتے۔ سوائے تلامذۂ ابن مسعود کے اور لوگ اس قابل نہیں کہ اُن کی بات سُنی جائے۔ چہ جائیکہ اُن سے روایت ہو۔ الا ما صرح المحدثون بتوثیقہم ورووا عنہم کما لایخفی علی ماہر الفنّ

اَقضاکم عَلیؓ | بنابریں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد "اَقضاکم علیؓ" سے مراد علی مرتضی کے وہی فتاوی و قضایا ہو سکتے ہیں جو بذریعہ اصحٰب ابن مسعود مروی ہوئے ہیں۔ "اقضاکم علی" میں سے وہی فیصلے مراد ہیں جو اصحاب ابن مسعود سے مروی ہیں۔ اس کو حکیم الہند شاہ ولی اللہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں مختلف مقامات پر خوب واضح کیا ہے۔ فلیراجع ھناک۔

ستہ متناسبہ یا اصحاب ابن مسعود | فقہ عراق کے سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ ابن مسعود کے ان مشہور تلامذہ کا مختصر سا تذکرہ کر دیں۔ جنہوں نے نہ صرف عبداللہ بن مسعود کے نام کو اُچھالا۔ اور اساتذہ کوفہ کے اصولوں کو زندہ جاوید کیا۔ بلکہ علی مرتضی کے علوم و فنون کو بھی ہم تک بلا کم و کاست پہنچایا۔ یوں تو کروڑوں انسانوں نے عبداللہ ابن مسعود سے فیوض علمی حاصل کئے۔ مگر ان کی تمام علمی کوششوں کا نچوڑ چھ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے دُنیائے علم و عمل میں لازوال شہرت حاصل کر رکھی ہے۔

عن ابراہیم النخعی کان اصحاب عبداللہ الذین یقرؤن الناس ویعلمونہم السنۃ ویصدر الناس عن رایہم ستۃ۔

(ترجمہ) ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ ابن مسعود کے وہ شاگرد جو لوگوں کو تعلیم دیتے۔ اور اُن کو احادیث نبویہ

علقمۃ والاسود و ذکر الباقین تہذیب التہذیب صفحہ ۲۷۷ | پڑھاتے تھے۔ اور تمام مسلمان انہیں کی رائے کا اتباع کرتے تھے۔ وہ چھ اشخاص تھے۔ علقمہ۔ اسود وغیرہ ھ

وقال ابن سیرین ادرکت الناس بالکوفۃ وھم یقدمون خمسۃ من بدء بالحارث ثنی بعبیدۃ ومن بدء بعبیدۃ ثنی بالحارث ثم علقمۃ لاشک فیہ ھ تہذیب صفحہ ۲۷۷ | (ترجمہ) امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ علما میں سے پانچ افراد کو مقتدا شمار کرتے تھے۔ البتہ اتنا اختلاف تھا کہ کوئی حارث کو مقدم کرتا۔ اور عبیدہ کو دوم نمبر پہ رکھتا۔ اور کوئی اس کے برعکس۔ مگر علقمہ بالاتفاق سوم نمبر پر تھے۔"

ذیل میں ان چھ یگانہ ہائے دہر کا مختصر تذکرہ حروف ھجا کی ترتیب سے دیا جاتا ہے:۔

(۱) اولہم اسود بن یزید النخعی الکوفی من الزہاد الثمانیہ ھ حلیہ روی عن ابی بکر وعمر و علی و ابن مسعود وحذیفۃ وعائشہ وغیرھم۔ وعنہ ابن اختہ ابراہیم بن یزید النخعی۔ ذکرہ ابراہیم فی من کان یفتی من اصحاب ابن مسعود۔ قال ابن حبان فی الثقات کان فقیہا زاہداً ھ تہذیب حج الاسود ثمانین حجۃ ھ حلیہ۔

(۲) وثانیہم الحارث بن سوید التیمی الکوفی، روی عن ابن مسعود وعمر و علی و عنہ ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی الکوفی [وھو غیر ابراہیم بن یزید النخعی الامام] قال ابن معین " ابراہیم التیمی عن الحارث بن سوید عن علی " ما بالکوفۃ اجود اسناداً منہ۔ قال ابن عیینۃ کان الحارث من علیۃ اصحاب ابن مسعود۔ وثقہ ابن معین وابن حبان والعجلی ھ تہذیب۔

(۳) وثالثہم شریح بن الحارث الکوفی القاضی۔ کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولم یسمع منہ، استقضاہ عمر علی الکوفۃ واقرہ علی۔ واقام علی القضاء بہا ستین سنۃ وقضی بالبصرۃ سنۃ، روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً وعن عمر وعلی وابن مسعود وغیرہم۔ وعنہ ابن سیرین وابراہیم النخعی وغیر واحد۔ قال شریح ولیت القضاء لعمر وعثمان وعلی ومن بعدہم الی ان استعفیت من الحجاج۔ وکان عمرہ (۱۲۰) سنۃ قال لہ علی انت اقضی العرب ھ ت

(۴) ورابعہم عبدالرحمٰن بن یزید النخعی الکوفی، روی عن اخیہ الاسود وعمہ علقمۃ وعن حذیفۃ وعثمان وابن مسعود وعائشۃ وغیرہم۔ وعنہ ابراہیم بن یزید النخعی وغیرہ۔ قال ابن معین ثقۃ۔ قال الدارقطنی ہواخوالاسود وابن اخی علقمۃ وکلہم ثقات ھ ت

(۵) وخامسہم عَبیدۃ بن عمرو السلمانی [نسبتہ الی سلمان مدنیۃ باذربیجان] المرادی الکوفی، اسلم قبل وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بسنتین، روی عن علی وابن مسعود وروی عنہ ابراہیم النخعی وعامر الشعبی وغیرہما۔ قال الشعبی کان شریح اعلمہم بالقضاء وکان عبیدۃ یوازیہ وکان من اصحاب علی وابن مسعود ھ ت۔

(۶) وسادسہم علقمۃ بن قیس النخعی الکوفی ربانی ہذہ الامۃ ھ حلیہ وہو اعلم بعبد اللہ قال ابن المدینی اعلم الناس بعبداللہ علقمۃ، قال ابوالمثنی ریاح اذا رایت علقمۃ فلا یضرک ان لا تری عبداللہ اشبہ الناس بہ سمتا وہدیاً۔ واذا رایت ابراہیم فلا یضرک ان لا تری علقمۃ، روی عن عمر وعثمان وعلی وابن مسعود وغیرہم۔ وعنہ ابن اخیہ عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس وابن اختہ ابراہیم بن یزید النخعی وعامر الشعبی۔ وکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون علقمۃ ویستفتونہ ھ تہذیب وحلیہ [1]

---

[1] ہم نے وہ ستہ متناسبہ ذکر کردئے جن کا تعلق ہر دو بزرگوں سے ہے یعنی علی اور ابن مسعود مولانا مہاجر نے کتاب التمہید میں علقمہ، اسود، ربیع بن خثیم، عمرو بن میمون اودی لکھے آخرالذکر ہر دو بزرگ صرف ابن مسعود سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ علی مرتضی سے۔ تہذیب میں ان کے تراجم ملاحظہ ہوں ۱۲ نورالحق غفرلہ

امام الفقہ ابراہیم نخعی | مذکورہ بالا حضرات نے اپنی تعلیم و تربیت سے ابراہیم نخعی جیسی ہستی تیار کی۔ فی التہذیب ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی، الفقیہ، روی عن خالیہ الاسود و عبدالرحمن بن یزید، و علقمۃ وشریح و کان مفتی اہل الکوفہ صالحاً فقیہا۔ قال الشعبی ما ترک ابراہیم احداً اعلم منہ رای عائشۃ و انساً ولم یسمع منہما شیئاً۔ یکثر من الارسال وجماعۃ من الائمۃ صححوا مراسیلہ، وخص البیہقی ذلک بما ارسلہ عن ابن مسعود ہ ص ۱۷۷/۱ تہذیب التہذیب۔

حماد بن ابی سلیمان | ابراہیم نخعی نے حماد بن ابی سلیمان جیسی ہستی تیار کی۔ قال الحافظ فی التہذیب حماد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری الکوفی الفقیہ، روی عن انس و سعید بن المسیب و ابراہیم النخعی والشعبی وعنہ شعبۃ والثوری والامام ابوحنیفہ والاعمش وہم من اقرانہ، قال مغیرۃ قلت لابراہیم ان حماداً قعد یفتی، فقال وما یمنعہ ان یفتی وہو وحدہ قد سألنی عما لم تسألونی کلکم عن عشرہ۔ ثقۃ، افقہ اصحاب ابراہیم ہ ص ۱۶/۳ وقال ابن عبدالبر و ابوحنیفۃ افقہ الناس بحماد ہ جواہر ص ۳۰ وقال ابوحنیفۃ ما مددت رجلی نحو دار حماد تعظیما لہ۔ وکان بینہما سبع سکک ہ مفتاح السعادۃ ص ۶۹/۲

امام ابوحنیفہ۔ امام الروایۃ والدرایۃ | حماد بن ابی سلیمان کی سعی سے امام ابوحنیفہ بروئے کار آئے۔ کوفہ کا مرکزی نقطہ امام اعظم کا وجود باجود ہے۔ اور بس جیسے سلسلہ مدینہ میں امام مالک اسی شان کے مالک ہیں

حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امام ہمام کو حفاظ حدیث کے طبقہ پنجم میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں فقیہ العراق الامام ابوحنیفۃ رای انس بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ رواہ ابن سعد عن سیف بن جابر انہ سمع اباحنیفۃ یقولہ ہ ص ۱۵۸/۱ + وقال ابو عمر ذکر الواقدی ان اباحنیفۃ رای انس بن مالک وعبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی ھکذا ذکرہ وسکت عنہ ہ جواہر ص ۲۷/۱

وكان قد ادرك اربعة من الصحابة هم انس بن مالك بالبصرة (؟) وعبدالله بن اوفى بالكوفه (؟) وسهل بن سعد الساعدي بالمدينة۔ و ابو الطفيل عامر بن واثلة بمكة ھ مراۃ الجنان لليافعي صہ ۳۱ + وحدث ابو حنيفة عن عطاء ونافع والاعرج وعمرو بن دينار وخلق كثير۔ وتفقه به زفر بن الهذيل وداؤد الطائي والقاضي ابو يوسف ومحمد بن الحسن واسد بن عمرو والحسن بن زياد اللؤلؤي ونوح الجامع ومطيع البلخي وعدة۔ وكان تفقه بحماد بن ابي سليمان وغيره وحدث عنه وكيع ويزيد بن هارون وسعد بن الصلت وعبدالرزاق وابونعيم وبشر كثير۔ وكان اماماً ورعاً عالماً عاملاً۔ قيل ليزيد بن هارون ابو حنيفه افقه ام سفيان؟ قال ابو حنيفه افقه وسفيان احفظ للحديث، قال ابن المبارك ابو حنيفة افقه الناس۔ قال ابوداؤد ان ابا حنيفة كان اماماً ھ تذكره صہ ۱۵۸ بعد۔

قال الامام ابوالمحاسن الحنفي سبط ابن حجر الحافظ۔ المتوفى ۸۷۴ھ شذرات۔ تفقه الامام بحماد وغيره حتى برع في الفقه والرائ وساد اهل زمانه بلامدافعة في علوم شتى۔ سئل ابن المبارك مالك افقه ام ابو حنيفة قال ابو حنيفة ھ نجوم زاهره ۱۲/۲ قال يحيى بن معين سمعت يحيى بن سعيد القطان يقول لانكذب كم من شئ حسن قال ابو حنيفة وربما استحسنا الشئ من رايه فاخذنا به، قال يحيى بن معين وكان يحيى بن سعيد يذهب في الفتوى مذهب الكوفيين ھ كتاب الانتقاء از امام المغرب ابوعمر بن عبدالبر صہ ۱۳۲ وقال ابن معين سمعت يحيى القطان يقول والله جالسنا ابا حنيفة وسمعنا منه وكنت والله اذا نظرت اليه عرفت انه يتقي الله ھ جواہر نقلا عن الخطيب صہ ۲۱۲/۲ وقال على بن عاصم لووزن علم ابي حنيفة بعلم اهل زمانه لرجح عليهم۔ وقال حفص بن غياث كلام ابي حنيفة ارق من الشعر لايعيبه الا جاهل ھ صہ ۱۲/۲ نجوم زاہره۔ قال عبد ان سمعت ابن المبارك وقد طعن رجل في مجلسه في ابي حنيفة فقال له اسكت والله لورايت ابا حنيفة لرايت عقلاً ونبلاً۔ وعن ابن المبارك مارايت احداً اعقل

من ابی حنیفۃ۔ وکان یقول اذا اجتمع ہذان علی شیئ فتمسک بہ یعنی الثوری وابا حنیفۃ ھ
کتاب انتقاء ص۱۳۲ ص۱۳۳۔ وقال ابو یوسف سفیان الثوری اکثر متابعۃ لابی حنیفۃ
منی ھ کتاب انتقاء ص۱۲۸ ص۱۴۶

وقال ابن عبدالبر المالکی (المتوفی ۴۶۳ھ) فی کتاب "الانتقاء" قال ابوداؤد
السجستانی ان اباحنیفۃ کان اماماً وان مالکاً کان اماماً وان الشافعی کان اماماً وکلام الائمۃ
بعضھم فی بعض یجب ان لا یلتفت الیہ ولا یعرج علیہ فی من صحت امامتہ وعظمت
فی العلم غایتہ ھ ص۳۲ وجواہر ص۳۰/۱ وقال ابو مقاتل حفص بن سلم کان ابو حنیفۃ
امام الدنیا فی زمانہ فقہا وعلماً وورعاً۔ قال وکان ابوحنیفۃ محنۃ" یعرف بہ اہل البدع
من الجماعۃ ھ کتاب الانتقاء ص۱۶۷

توثیق امام از شعبہ وابن معین | امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ کان شعبۃ بن الحجاج
وعلی بن المدینی وکفی بہم اماماً وفخراً | حسن الرای فی ابی حنیفۃ ھ انتقاء ص۱۲۶۔ وسئل
یحیی بن معین عن ابی حنیفۃ فقال، ثقۃ۔ ما سمعت احداً ضعفہ ہذا شعبۃ بن الحجاج
یکتب الیہ ان یحدث، ویامرہ۔ وشعبۃ شعبۃ ھ کتاب انتقاء ص۱۲۷ قال الحافظ
عبدالقادر القرشی فی الجواہر ص۲۹/۱۔ قلت شعبۃ اول من تکلم فی الرجال ھ وقیل
لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابو حنیفۃ کان یصدق فی الحدیث؟ قال نعم صدوق،
وقال ابن عبدالبر قال ابن المدینی ابو حنیفۃ ثقۃ لا باس بہ ھ جواہر ص۲۹/۱

وقال ابن عبدالبر فی کتاب العلم۔ قال یحیی بن معین اصحابنا یفرطون فی
ابی حنیفۃ واصحابہ۔ فقیل لہ اکان ابوحنیفۃ یکذب؟ فقال کان انبل من ذلک ھ
ص۱۴۸/۲۔ وقیل لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابوحنیفۃ کان یصدق فی الحدیث؟ قال
نعم صدوق، وکان شعبۃ حسن الرای فی ابی حنیفۃ۔ وقال علی بن المدینی ابوحنیفۃ
روی عنہ الثوری وابن المبارک ووکیع بن الجراح، وہو ثقۃ لا باس بہ ھ ص۱۲۹/۲

یہ ہیں تین ائمۂ جرح و تعدیل، جو امام ہمام کے معاصر، اور آپ سے صحبت رکھنے والے ہیں۔ ان کی توثیق کے بعد متاخرین اہل حدیث کی جرح ہمارے یہاں "شبہ" لاشئی سے بھی فروتر ہے مثلاً امام بخاری کی سب وشتم اپنی تاریخ صغیر میں (دیکھو کتاب انتقاء صـ ۱۴۹) اور خطیب کی جرح تاریخ بغداد میں' یہ سب رجم بالغیب ہیں۔ ہم علے الاعلان کہتے ہیں کہ تعصب مفرط کی وجہ سے ان متاخرین کی یہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جرح جماعتی جرح یا رقابتی جرح ہے اور بس۔ جس کی توضیح آ رہی ہے۔

نکتہ بدیعہ کوفہ اور مدینہ کے سلسلہ میں اس نکتہ کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ ان ہر دو فقہوں کا مرکز اور اصل ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی مذہب عمرؓ و فقہ فاروق اعظم، یہ ہر دو اسی مذہب و فقہ کی شاخیں اور اس کے اجمال کی تفصیل ہیں حکیم الہند شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے "ازالۃ الخفاء" میں مذہب فاروق کو ایک مبسوط رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس رسالہ کی تصحیح اور تخریج کی جائے۔ اور بعدہ اس کو دیدہ زیب صورت سے شائع کرایا جائے اس کے بعد اس کو داخل درس کر کے اس کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ اور اس کی تعلیم ایسے علما کے سپرد کی جائے۔ جو فلسفہ جمع المذاہب میں حاذق ہوں۔ اور طلبہ کو یہ سمجھانے کے اہل ہوں کہ فقہ حجاز اور فقہ عراق مذہب فاروق سے کیونکر نکلی ہیں۔ وہ کیونکر اصل ہے۔ اور یہ کیونکر اس کی فروع ہیں۔ تاکہ اس گئے گزرے وقت میں بھی وہ سماں نظر آنے لگے جس کو جمیل بن معمر عذری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ؎

كَأَنْ لَمْ تُحَارِبْ يَا بُثَيْنَ لَوَ انَّهَا ۔۔۔ تُكَشَّفُ غُمَّاهَا وَ أَنْتِ صَدِيْقُ

ورنہ اب تو یہ حالت ہے جیسے حافظ شیراز بیان کی ہے ؎

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ۔۔۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(باقی آئندہ)

پنجاب میں اُردو

اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۴ء میں میرا ایک مضمون بعنوان بالا شائع ہو چکا ہے۔ وہاں میں نے ایک اُردو نگار پنجابی شاعر اشرف نوشاہی کا مختصر حال درج کیا تھا۔ اور اس کی چند غیر مطبوعہ غزلیں بطور نمونہ دی تھیں۔ اس کے بعد مختلف بیاضوں سے مجھے اس کے مآثر میں سے ذیل کی غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جنہیں ناظرین میگزین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور آخر میں خلدی نام ایک شاعر اور دوسرے چند مجہول الاسم اُردو نویسان پنجاب قدیم کا کلام بھی تبرکاً درج کرتا ہوں۔ حاشیے میں پنجابی الفاظ کے معنی اردو میں دیئے گئے ہیں۔

مستزاد اشرف

جب پہر[۱] قبا تنگ مرا یار کرم سوں — جاتا ہے چمن میں
غیرت سوں پڑے داغ سبھی دردِ الم سوں (کذا) — لالے بدن میں
اس حسن دِگلو سوز کی تعریف نہ ہووے — ہر چند لکھوں میں
کہتا ہوں میں یہ بات تیرے آگے قسم سوں — نہیں کچھ فرق سخن میں
کیا کامل استادؔ[۲] دیا سبق جفا کا — اس شوخ میرے کوں
عاشق کوں پکڑ قتل کرے تیغ عدم سوں — اک رمز نین میں
جب شوخ کمر باندھ چلے بانکی دھج سوں — با لشکر غمزہ
رستم کے بدنؔ[۳] لرزہ پڑے تیغ دعلم سوں — در گور و کفن میں
اشرف ہمہ شب کرتا ہے یہ نالہ وزاری — در پیش خداوند

---

[۱] پہن [۲] یعنی استاد نے [۳] بدن میں

یا پیر غلام اپنے کوں دیہ[1] لطف و کرم سوں آرام وطن میں

غزل ریختہ

آیا نہیں وہ شوخ نہ جانو کیا سبب[2] ہے
چر کیوں لگا ہے اتنا کوئی واسطہ[3] عجب ہے

دن رین ہے یہ جھوراتن[4] کھا گیا وچھوڑا[5]
فریاد کر پکاروں پر کار کا ادب ہے

پھیرا نہ یار پایا کیا اس کے دل میں آیا
ہن[6] ڈھونڈ[7] اس چرن کی دلمیں ہی طلب ہے

تم اے صبا ہے جائیو میرا پیام لائیو
لکھ سیں مجھے بتائیو آون[8] تمہارا کب ہے

وعدہ کیا تھا پرسوں گئے گذر سال برسوں
قیامت تلک بھی آئیہ بھی قرار[9] جب ہے

اشرف خودی جوار و (؟) سب دور کر کے ڈارو
پھر آنکھ کھول دیکھو سبھی رب رب رب ہے

غزل ریختہ

بہار آئی ہے اے بلبل چمن میں آشیاں کیجے
گلوں کے آونے[10] کی تہنیت ورد زبان کیجے

چمن میں جام ہے مے ہے سجن ہے اور ساقی ہے
چلو یارو شتابی سیں چمن میں جا مکاں کیجے

نہ کیجو بے وفائی سوں غرورت[11] حسن کی ہرگز
وفاداری میں ہر لحظہ بہار بے خزاں کیجے

تلی[12] پرے کھڑا ہوں جان تیرے کے تصدق کو
اگر نہیں مانتا مجھ کوں تو آ کر امتحاں کیجے

ملامت کا نشانہ ہو رہا اشرف ترے در پر
نگہ سوں تیر آرش اور ابرو کی کماں کیجے

یہ ملمع غزل بھی اشرف کی تصنیف ہے۔ اس میں اس نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر مصرعہ کا ایک حصہ فارسی میں ہے اور باقی حصہ اس کا ترجمہ اردو میں ہے۔

---

[1] دے [2] دیر [3] سبب [4] فکر۔ تشویش۔ غم
[5] فراق [6] اب [7] ڈھول غبار [8] آمد۔ آنا [9] اقرار
[10] آنا [11] غرور [12] ہتھیلی

اے دلبر شیریں سخن (میٹھی تمہاری بات ہے) | در روز و شب خوانم ترا (یہ ورد دن اور رات ہے)
یک دم گر آئی اے صنم (اک پل میرے دل آئے تو[1]) | دارم بتو یک دو سخن (تجھ ساتھ اک دو بات ہے)
دیری مکن زودی بیا[2] (جھب آ تو[3] چیر لائیں نہیں) | امشب شب قدر است ایں (آج رات کو شبرات ہے)
در شش در اندیشہ ہا (شبہے کے گھمن گھیر میں) | افتاد خصم[4] با خجل (وَیری بڑا بذات ہے (کلا)

اشرف بگو میرد عدو (کہ تا مرے وَیری مرا)
ہست ایں خبیث بد صفت (وَیری بڑا بدذات ہے)

غزل عرفانی

محبت میں نہیں لائق طریقہ خود نمائی کا | خودی کوں دور کر دل سوں پکڑو[5] رہ پارسائی کا
جسے[6] دل میں دوستی ناہیں[7] زباں کی کیا محبت ہے | منافق ہو طریقت میں وسیلہ ہے جدائی کا
جسے[8] نہ مطلب ہے ملنے کا تاں[9] بے مطلب ہوا ہیں | غرض مطلب کی ہے مانع تری مطلب روائی کا
مربی کی توجہ بن نہیں مرتا نفس کافر | نفس کا تازیانہ ہے یہی ٹکڑ[10] گدائی کا
تیری اے شیخ گذری عمر ساری بت پرستی میں | ...... بتخانہ میں طعنہ بے حیلی کا
عشق میں محو ہونا خوب ہے کیا.... پھرتے ہو | نہیں منظور اس رہ میں علم طبع آزمائی کا
جو اسکے غیر عالم[11] میں ہے ہو تو اس سے بیگانہ | کہ ہے اس ساتھ بیگانے کے رشتہ آشنائی کا
پڑھے زاہد جو دوگانہ کرے اس رہ سے بیگانہ | ہزاروں زہد سے بہتر ہے اک دم بے ریائی کا
لیا ہو تو ریاضت میں یہ سیماب نفس یارو | تجھے جسے[12] آرزو ہے دل میں کسب کیمیائی کا

کہے اشرف سنبھل کر پار کھو دریائے وحدت میں
نہو مغرور اس دریاء میں علم آشنائی کا

---

[1] طرف　[2] جلدی　[3] دیر نہ لگانا　[4] بیری دشمن
[5] پکڑو　[6-8] جو۔ اگر　[7] نہیں　[9] تو
[10] ٹکڑا　[11] ماسوی اللہ　[12] جو۔ اگر

غزل

سجن نے رُخ اُوپر وہ زلف پیچا پیچ ڈالی ہے
کہو کیا چاند چودس پر گویا یہ رات کالی ہے

مجھے امید تھی اس ماہ رو سیں کام پاؤں گا
نچانا تھا یقین کر کے کہ آخر چاند خالی ہے

تیرے بن باغ میں لگتا نہیں دل آشناواں[1] کا
نظر میں چشم نرگس کے یکایک دام جالی ہے

مویاں[2] بھی نام دلبر کا نہیں ہوتا جدا دل سیں
کہ دل کی نخل تاب عشق کے پانی سیں پالی ہے

ہزاراں[3] عاشقاں کوں دیکھ اسکوں جاں بلب آوے
کوئی واقف نہیں جاں کا کہ کس[*] بدسیں نکالی ہے

میں اس زلف مسلسل کوں کیا معلوم راز اپنا
بحمد اللہ ہویا[4] واقف کہ یہ قرعہ رمالی ہے

نہیں فہمید جو سمجھو یں ان بڑوں[5] کیاں رمزاں
قصیدہ حسن میں جاتا[6] کہ وہ شہ بیت عالی ہے

کہوں ظالم کوں کس مظلوم کا پیتا ہے خوں امروز
کہ آگے سے زیادہ اُن لباں پر خوب لالی ہے

تیری اس خوش ادائی سیں رقیبوں کو نہیں پروا
کہ اشرف عشق تیرے میں دیوانہ لاابالی ہے

غزل

دیدم شبے درخواب خوش استادہ جاناں یکطرف
فریاد عاشق یکطرف شور رقیباں یکطرف

شاید کہ مسجد میں کہیں اس شوخ کی تی[7] ہے گذر
زاہد تڑپتا یکطرف تسبیح و قرآں یکطرف

ٹھاکر دوارے میں جو کھو ہے عشق اسکا برقرار
چیلا گوسائیں یکطرف گھنٹی و مالا[8] یکطرف

میخانہ میں جا کر دِکھا وس خوبرو کا عشق ہے
خم یکطرف مے یکطرف ساقی پریشاں یکطرف

گلزار میں جا دیکھیا[9] اس گلبدن کے واسطے
بلبل پکارے یکطرف قمری ہے نالاں یکطرف

لالہ کھڑا ہے باغ میں سینہ میں اُنکے داغ ہے
سوسن چنبیلی یکطرف نرگس بھی حیراں یکطرف

مکتب میں جا کر دیکھیا[10] ہے کس طرح سیں وہ خبر آب
چفتی ملطفہ یکطرف تختی گلستاں یکطرف

---

[1] آشناؤں [2] مرنے پر [*] طرح [3] ہزاروں [4] ہوا [5] بڑوں کی رمزیں
[6] جانا [7] پیا ہے [8] کی ہے صحیح معنی کیا ہے [9] مالا [10] دیکھا [11] دیکھا ہے۔

عاشق بچارہ در اوپر گھائل کھڑا ہے سر بسر　　سر یکطرف پا یکطرف تن یکطرف جاں یکطرف

اشرف سجن کے نام پر ایسا دوانہ ہو رہیا[2]

کاغذ سیاہی یک طرف قینچی قلمداں یکطرف

اشرف

اب پیا بن دیکھو سکھی کیا دکھ مجھے جرنا[3] پڑا　　ڈونگھا[4] سمند پریم کا اب با ہیلی ترنا[5] پڑا

پیا پیالہ پریم کا جیوڑا نہ رہیا وا کہیں　　سر انا الحق بول کر سولی اوپر چڑھنا پڑا

جب سے گیا وہ چھوڑ کے نینن ہیں نیند آئی نہیں　　جاؤ سیو گھر آپنے[6] اب بے اجل مرنا پڑا

اب اس پیا کے واسطے جیوڑا کیا اب اپنا کیا　　لیلے پیالہ کوئی[7] یہ خون مُڈ کرنا پڑا

دل بھی حوالے کر دیا پر جان بن راضی نہیں　　یہ سیس اپنا کاٹ کر اس پاؤں پر دھرنا پڑا

چاہ زنخداں دیکھ کے بر جانہ رہیا[8] دل مرا　　یارو خدا کیواسطے اس پڑن[11] میں پڑنا پڑا

لے رہی حیا اب نہ کیا کیا دوس دیجے غیر کوں　　قابل کا چاونا[12] سر اٹھا کھڑنا[13] پڑا (کذا)

جس طرف دیکھوں جائے کے دلبر نظر آتا نہیں　　اوس ماہ کنعانی صفت جا کھوہ[14] میں جھڑنا پڑا

نہ لیاوے[15] مالن باغ سیں یہ گل چنبیلی کیوڑا　　مجھ کوں پیا بن چھیج[16] پر جو تجھ میں سڑنا[17] پڑا

پوتھی کتابان[18] دیکھیاں[19] مقصد نہ کچھ حاصل ہوا　　یہ سبق ادکھا[20] پریم کا آخر مجھے پڑھنا پڑا

اشرف نہ کر یہ گفتگو اب اس پیا کے روبرو

مرشد جو کامل عشق دا[21] دامن ایہو پھڑنا[22] پڑا

---

[1] دیوانہ [2] ہو رہا [3] برداشت کرنا [4] گہرا [5] تیرنا۔
[6] دل قابو ہیں نہ رہا [7] اپنے [8] کوئی [9] شراب
[10] نہ رہا [11] افتاد [12] اٹھانا [13] لے جانا [14] کنوئیں میں
گرنا پڑنا [15] لاوے [16] سیج [17] جلنا [18] کتابیں [19] دیکھیں
[20] مشکل [21] حرف اضافت کا [22] پکڑنا۔

ذیل کی یہ ناتمام غزل بھی کسی پنجابی شاعر کی تصنیف ہے

مسافر ہو کے رہنا تھا دُنی[1] کا درد سہتا تھا | سارا دن روز کہتا تھا کہ آخر خاک ہو جانا
جنہاں[2] گھر پالکی گھوڑے زری زربفت کے جوڑے | او نہاں[3] کو موت نہ چھوڑے کہ آخر خاک ہو جانا
جنہاں گھر جھولتے ہاتھی ہزاروں لوک تھے ساتھی | اُنہاں کو کھا گئی ماٹی کہ آخر خاک ہو جانا
جنہاں کے لاکھ[4] ہیں پلّے وہ خالی دست ہو چلّے[5] | اونہاں جا جنگلیں[6] ملے کہ آخر خاک ہو جانا
جنہاں کے باغ ہیں رستے وچھاندے[7] ریشمی بستے[8] | اوہ بہندے کھٹّے[9] ہستے کہ آخر خاک ہو جانا
سجن کے وال ہیں کالے ملایاں[10] دودھ سیں پالے | اُپر سب خاک سیں ڈالے کہ آخر خاک ہو جانا
بنا کر کفن کا چولا اٹھا کر لے چلے ڈولا | نہیں ساتھی بجز مولا کہ آخر خاک ہو جانا

یہ دو شعر بھی ایک بیاض میں سے نقل کئے جاتے ہیں۔ غالباً کسی پنجابی شاعر کے ہیں

ارے یارو عجب دیدم کراڑی[11] خوب نتھ والی
شنیدم غلغل جھنجر گرفتہ ہاتھ موں تھالی
یکے من نازنین دیدم کہ تھم تھم پیر دھرتی ہے
کمر زنبور سے پتلی وہ آپوں[12] ٹوٹ پڑتی ہے

اس بیاض میں یہ تین شعر بھی درج ہیں۔ مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔ لیکن انداز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی پنجابی بزرگ کی جولانئ طبیعت کا نتیجہ ہیں

چشم کرتی تجھ دیکھن[13] کو زاریاں | رات دن لیتی لہویں تاریاں[14]

---

[1] دنیا [2] جن کے گھر میں [3] ان کو [4] جن کے قبضے میں لاکھوں روپے تھے [5] چلے [6] جنگلوں میں جا بسیرا کیا [7] بچھاتے [8] بستر [9] وہ زمین پر بیٹھے [10] بالائیوں [11] ہندو عورت [12] خود بخود [13] تیرے دیکھنے کو [14] تیرنا سے حال صد

مسکرا کر مجھ کو رونا زار زار — اور ناں[۱] کو جا کرے دلداریاں
وعدہ کر کر بے وفا ہوتا صنم — اس طرح ہرگز نہ ہوتیاں[۲] یاریاں

پروفیسر شیرانی نے "پنجاب میں اردو" کے ص ۱۲۷ پر امیر خسرو کی طرف منسوب کی ہوئی ایک غزل بحوالۂ بیاض پروفیسر سراج الدین آذر درج کی ہے۔ مجھے اس سے ملتی جلتی ایک اور غزل امیر خسرو کے نام پر ملی ہے وہ بھی درج کرتا ہوں۔

نقد دلم دزدیدہ صندوق سینہ پھوڑ کر — پکڑوں قیامت میں تجھے آگے خدا کے چور کر
غرہ مشو بر حسن خود دن پانچ دس مہمان ہے — محبوب یوسف سے گئے وہ زیب و خوبی چھوڑ کر
میرا جو تم نے من لیا تم نے جوے غم کو دیا — غم نے مجھے ایسا کیا جیسا پتنگا شمع پر
از بہر تو دیوانہ ام آوارہ گشتہ خانہ ام — یہ دوست کیا انصاف ہے ہنسنا ہمیں منہ موڑ کر
خسرو کہے باتاں عجب دلبر پیاوے اک قدر — قدرت خدا کی یہ عجب ہیں جی دیا پر لاے کر

تیسرا اور آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہے۔ پروفیسر صاحب کے ہاں موجود ہیں۔ اور یہ دونوں شعر ردیف و قافیے کے لحاظ سے باقی تین اشعار سے مختلف ہیں۔

عبدالرحمٰن خلدی کی ایک غزل پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۷ پر درج کی ہے اور اس کی دو غزلیں میں اپنے محولہ بالا مضمون میں دے چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھے ایک بیاض سے خلدی کی یہ ایک اور اردو غزل ملی ہے۔ جو اس نے ولی کے تتبع میں لکھی تھی:

آ جدائی نکر خدا سیں ڈر — غم فزائی نہ کر خدا سیں ڈر

---

[۱] اوروں کو [۲] ہوتیں

آگ برہوں کی آگ ہی ہے تمیز (کذا) — اب ہوائی نہ کر خدا سیں ڈر
دلبری دلبراں کوں لایق ہے — جاں ربائی نہ کر خدا سیں ڈر
تیرے سادے وہ نیں خونی ہیں — سرمہ سائی نہ کر خدا سیں ڈر
منہ در آیا نہ بول عاشق کوں — ژاژ خائی نہ کر خدا سیں ڈر
ہیچ غمزہ کو قتل کر جاوے — اب دہائی نہ کر خدا سیں ڈر

سُن وؔلی کا سوال خلدی گفت
" بیوفائی نہ کر خدا سیں ڈر "

فضل حق



مرقع داراشکوہ اور اُس کا مقدمہ

ذیل کا مضمون ہمارے عنایت فرما مسٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی نے پیرس سے بھیجا ہے۔ مضمون اُن کے خاص "جناتی" خط میں لکھا ہوا ہے۔ اور وہ مصر ہیں کہ اس کو ضرور شائع کیا جائے۔ مکرمی حافظ محمود شیرانی صاحب نے توجہ فرما کر اس کی تصحیح میں کوشش کی ہے۔ مگر نتیجہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

"قدم قدم پر صاحبِ مضمون کی بدحواسی عیاں ہے۔ کتبوں اور تصاویر کی فہرست ہی اوّل تو نامکمل دی ہے۔ اور بیان بہت کچھ تشنہ ہے۔ دوسرے داراشکوہ کا دیباچہ اس سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ چغتائی صاحب کے جناتی خط کے پڑھنے میں خاصہ کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی میں عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ آپ خود دیکھ لیں مجھے جگہ جگہ استفہامیہ سے کام لینا پڑا ہے۔ آخری اشعار کو بصورت نثر لکھا ہے۔ دیباچہ کی عبارت کئی جگہ سے غیر مربوط ہے جس میں ربط پیدا کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ چغتائی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے نگارستان منیر کے خاتمہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مجھے منیر کی کوئی تصنیف جو نگارستان کہلاتی ہو معلوم نہیں۔ کارستان منیر میرے پاس ہے مگر اس میں یہ دیباچہ موجود نہیں اور نہ وہاں کوئی اس کا موقعہ ہے۔ ممکن ہے کہ منیر کی انشا میں ہو۔ میں نے تو نگار نامہ بھی اُٹھا کر دیکھ لیا۔ اس میں صرف خطوط ہیں اور کچھ نہیں۔"

ان حالات میں مضمون سے پورا فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا۔ تاہم چغتائی صاحب کی محنت کو سرتاسر ضائع کر دینا بھی مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس لئے

اس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے :-

"ایڈیٹر"

یہ بات[1] ہر شخص جانتا ہے کہ شہزادہ دارا شکوہ ایک عمدہ شاعر اور خوشنویس ہونے کے علاوہ بے شمار کتب تصوف کا مصنف تھا۔ اس نے اپنے زمانۂ شہزادگی میں علوم و فنون کی طرف بھی خاصی توجہ دی تھی۔ اس کے بے شمار ثبوت کیا بلکہ نمونے ملتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کے دیوان کا ایک نسخہ جو کسی قدر نامکمل ہے آگرہ میں محترم سید ظفر الحسین، خان بہادر کے پاس دیکھا۔ شہزادہ دارا شکوہ قادری تخلص کرتا تھا۔ جو بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کلام کے اعتبار سے یہ نسخہ واقعی لاجواب ہے۔ اسی طرح تلاش سے اس کے متعلق دیگر علمی چیزیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ چنانچہ قیام لندن کے زمانہ میں مجھے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کے مملوکہ ایک مرقع تصاویر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور حیران ہوا کہ یہ بیش بہا خزانہ جو مغلی عہد کی تصویر کشی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے یہاں موجود ہے۔ اگرچہ سابق میں اس سے متعلق مفصلاً قبلہ پروفیسر شیرانی سے سن چکا تھا اور دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ میں اس کی ایک مختصر سی کیفیت ذیل میں درج کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میری یہ سعی علمی کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگی :-

مرقع دارا شکوہ

پہلے صفحہ پر سید علی الحسینی کتابدار حضرت خلد آشیان اورنگ زیب عالمگیر کی مہر ہے۔ جس کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

"سید علی الحسینی مرید بادشاہ عالمگیر ۱۰۶۹ سنہ"

---

[1] میں اس مضمون کو بہت پھیلا کر لکھنا چاہتا تھا۔ مگر سردست دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے صرف ایک فہرست پر اکتفا کرتا ہوں۔ ع ہے یہ مثل کہ پھول نہیں پنکھڑی سہی ۔

صفحہ ۲ پر جو عبارت ہے سنہری زمین پر مرقوم ہونے کی وجہ سے اس کی سیاہی ماند پڑ چکی ہے اور پڑھی نہیں جاتی۔ مگر یہ بے ربط الفاظ پڑھے جاتے ہیں:۔

این مرقع نفیس پاس (؟) ھمدم و ھمراز ۔۔۔۔۔ خاص

نادرہ بیگم داد"

"محمد دارا شکوہ ابن شاہ جہان بادشاہ غازی ۱۰۵۱ھ"

یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نادرہ بیگم داراشکوہ کی بیوی کا نام تھا۔ عبارت بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ مرقع ہذا شہزادہ موصوف نے اپنی بیوی کو ہدیہ میں دیا تھا۔ اور داراشکوہ نے خود اس پر یہ عبارت اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

مرقع ہذا کا ہر ورق پہلے صفحہ پر تصویر اور دوسرے صفحہ پر اساتذہ کی خطاطی کے نمونہ کا حامل ہے۔ میں یہاں صرف وہی عبارت نقل کرتا ہوں جو ان اساتذہ نے اپنا العبد لکھتے وقت رقم کی ہے،۔

ع ۲ نمونہ کتابت محمد صالح قدیمی۔

ع ۲۰/۲ "العبد علی کاتب"

ع ۲۱/۱ "الفقیر المذنب میر علی الکاتب"

ع ۲۱/۲ ایک ایرانی نوجوان کی تصویر ہے۔ جام بھر رہا ہے۔ تصویر ہذا پر درج ہے "علی محمد خاں مصور ۱۰۴۳ھ"۔

ع ۲۱/۱ نہایت عمدہ تصویر ہے۔ جو ایرانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

ع ۲۷/۲ "الفقیر عبدالحیینی ۱۰۱۵ھ"

ع ۲۸/۱ فقیر عبدالرحیم عنبریں قلم"

ع ۲۹/۱ "کتبہ العبد محمد حسین زریں قلم جہانگیر شاہی۔

ع ۲۷/۱ ایک مغل تصویر نہایت عمدہ ہے۔ کوئی شہزادہ کسی درویش کے پاس بیٹھا ہے۔

ع ۳۹/۱ نمونہ کتابت از سلطان محمد خنداں

ع ۳۸/۲ " محمود بن اسحاق شہابی "

ع ۴۰/۲ " نمونہ کتابت فقیر محمد الکشمیری "

ع ۴۱/۲ و ع ۴۱/۱ پودوں کی نہایت عمدہ تصویریں -

ع ۴۸/۱ کسی امیر کی تصویر ہے - اور ہردو طرف ؛ فقیر علی و میر علی لکھا ہے -

ع ۵۶/۲ وصایای اردشیر بابکان -

ع ۶۰/۲ نمونہ کتابت شاہ محمود کاتب -

ع ۶۲/۲ کتبہ زین الدین محمود " یہ سبز سیاہی میں لکھا ہے -

ع ۶۵/۲ " فقیر محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی "

ع ۶۷/۱ و ع ۶۷/۲ پرندوں کی بہت عمدہ تصاویر ہیں -

ع ۶۸/۱ " فرنگی عورت کی تصویر ہے جو کسی دوسرے فرنگی سے ملاقات کر رہی ہے -

ع ۶۹/۱ مشقہ سلطان محمد لوز تجاوز اللہ عنہ " کتابت سفید سیاہی میں سیاہ زمین پر ہے اور نام گلابی رنگ میں ہے -

اخیر میں پھر سید علی الحسینی کی مہر ہے

یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مرقعوں کے مقدمے لکھے جاتے تھے - چنانچہ مجھے تین چار مقدموں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے - ان ہی سے ایک وہ ہے جو دارا شکوہ نے خود اپنی عبارت میں تحریر کرایا اور مجھے نگارستان منیر کے نسخہ کتب خانہ ملی پاریس میں دستیاب ہوا اس لئے میں مرقع دارا شکوہ کی مختصر کیفیت مندرجہ بالا کے ساتھ اس کا درج کرنا بھی یہاں مناسب سمجھتا ہوں -

(لہ) دیباچہ مرقع کہ از زبانِ دارا شکوہ رقم زدہ (ورق ۱۰۶)

لہ یہ دیباچہ کتب خانہ ملی پاریس ع ۱۰۶/۲ سے نقل کیا گیا ہے اس کے دو اور نسخے دیکھنے میں آئے - مگر وہ اتنے صاف نہ تھے - اگرچہ یہ بھی کوئی معدہ نہیں لکھا ہوا - ایک نسخہ بوڈلین اوکسفورڈ میں اور ایک نسخہ کتبخانہ مولوی عبدالحق صاحب اورنگ آباد میں دیکھا تھا - اور یہ نگارستان منیر کے ساتھ ملا ہوا ہے -

حمدی که قلم از تحریر آن قاصر است و خیال از تصویر آن عاجز بر آرندهٔ خط زخطان و نگارندهٔ صورت بتان را که اوستاد قدرتش ورق آفتاب را بجداول طلامی طراز د- نقاش صنعتش نیمرخ ماه را مستقبل میساز د زیبیان در هر قطعه زمین اورا میخوانند و آسمانیان هر صورت نامش بر زبان میسرایند- مثنوی

نقش بند صحیفهٔ گلزار چهره پرداز شاهدان نگار
شده از صنع کلک او جاوید خط روی بتان خط خورشید
معنی آسا بصورتش کار است زان بهر صورتے نمودار است
قلم قدرتش نهد ز حباب نقطهٔ آبدار بر خط آب
گشته از وی جهان نمود پذیر چون زنقاش مجلس تصویر

درودی که از زبان قلم بیرون تراود در صحیفهٔ دل نقش پذیرد اولین حرف دیباچه شهود(؟) و آخرین نقش کارنامه وجود(؟) را که بقلم بتان خطے بهر صفحه قمر کشید و قمر را بصورت دو پیکر گردانید ے

محمد آن شبیه ایزد پاک کزد صورت گرفته کار افلاک
بود ممتاز اجسام و جواهر که از وی صورت حق گشته ظاهر

و هزاران ثنا بر چهار یار او باد که چهار لوح مرقع خلافت اند و چهار چمن حدیقه شرافت و بر جمیع پیروان او که سر بر خط فرمانش نهاده اند و نقش ایمانش را در دل جای دارند خصوصاً چهره پرداز صور الهام خط شناس صحیفه ایام آئینه نگارین مرقع انداخته رمح خطی قلم را سرکرده ام و قلم و خط را بدست آورده ام خط شناسان هفت اقلیم یکقلم سر بر خط نهاده اند و خوش نویسان روی زمین در هشتم پشت انگشت بر زمین گذاشته اند دستِ اوستادانِ این فن را بر بسته ام و ازین دست کار دست بسته کرده ام این کارنامه را از خط آبدار خود زینت داده ام و این روش چمن را از رشحاتِ کلک خویش طراوت بخشیدم-

بنام ایزد عجب کارنامه که صحبت خطش با تصویر خوش بر آمد و نقش تصویرش با خط درست نشسته خطش دائره نواز است و تصویرش صورت و معنی است زهی بادشاه گیتی ستان که قلمرو هندوستان از فیض لطفش بهره یابست و خهی شاهنشاه والامکان که خط جبینش سرمشق آفتابست شبیهش را صورت تاجداران بر سرگذاشته و صورتش را آئینه ضمیران در دل نگاشته اند کارشرع از وصورت گرفته و نقش و نگار اسلام از و درستی پذیرفته سرمشق نویس عدالت است و صورت نگار جلالت سرلوح صحیفه اقبال است و منشأ صورت اجلال

قطعه

صاحبقران ثانی شاه جهان اوّل — آن شه که صورت دین گشته از و مکمل
صاحبقران اوّل چون او نبود آری — نقاش نقش ثانی بهتر کشد ز اوّل

و لبعده منکه دارا شکوه ابن شاه جهانم روزگاریست که بدستیاری قلم خطه خط را آباد ساخته ام و طرح این بدعوی حسن خطی بر آورده و بر خطش از روی لطافت صورتے پیدا کرده از شرم قطعه اش قطعه سخن رنگ باخته قطعه فردوس بے آب شد؛ از خجالت خطش خط آب ترگشته و خط آفتاب از درجه اعتبار افتاده تصویرش چون عزیمت گران در خط نشسته و خطش چون صورت پرستان دل بصورتے بزبان حال اسم بامنصور خوانده حسن تصویرش از حسن محبوبان ش (کذا) است و نقطه خطش با خال خوبان خویش پیوند

قطعه

بلطف ایزد پاک این مرقع رنگین — زسعی خامهٔ من یافت صورت اتمام
نگه زفیض تماشای او شود سرمست — از انکه هست خطش نشأه بخش چون خط جام
بحسن صورت زانگونه دلفریب بود — که در خطند زشرمش بتان سیم اندام
ازان بخطش دارند چشم اهل نظر — که چشم انجم روشن شود ز سرمهٔ شام

خطش چو خط رخ ماه طلعتان زیباست همیشه باد از وزیب صفحهٔ ایام
سیه جردگان سواد سخن که از نهانخانهٔ دل بدر دو وات؟ لب رسیده اند و از کوچهٔ قلم بفضای صفحه خرامیده بدست کاتب سیه کار گرفتار شده اند که چون او غلط نویسی درین جزو زمان در هیچ قلمرو نیست و به بهانهٔ تقطیع بعضے را پاره پاره ساخته وبتقریب دران؛ برخی را بر سنگ زده از جهل مرکب یکقلم غلط مینویسد و در سهو القلم هیچ خط رخطائی نمیکند سخن از جور خطش جامهٔ کاغذ پوشیده و صفحه از سرزنش کلکش روی خود خراشیده خطش قابل ریخت بلکه شائستهٔ تراشیده میخواستم که دست آن سیه کار را قلم کنم تا قلم بر ورق زندگانی نوخطان نکشد ـ اما چکنم که قلم رفته را علاجی نیست

خوشنویسی بیت نظمم را نوشته آنچنان کز دل اهل تماشا گرد کلفت رفته است
اندران خط یک الف افزائشت آراسته؛ راست گوئی در چمن رعنا نهالے خفته است
میکشاید مدعی بر من زبان اعتراض کین الف را شاعر کج طبع چون کج گفته است[1]

محمد عبد اللہ چغتائی

---

[1] اس نظم پر یہ نسخہ ختم ہوتا ہے اور خاتمہ پر یوں لکھا ہے :۔ "تحریراً فی التاریخ پنجم شہر صفر المظفر بوقت عصر روز جمعہ ۱۲۴۱ھ بفضل خدای عز وجل باتمام رسید"

تنقید و تبصرہ

طب العرب نمبر

آج سے سترہ اٹھارہ برس قبل انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر براؤن نے عربی طب (اریبین میڈیلین) کے موضوع پر کالج آف فزیشن میں چار مقالے پڑھے تھے۔ جو ۱۹۲۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر براؤن اپنی محنت و کاوش، تحقیق اور دقت نظر کی وجہ سے مستشرقین میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنے ان چار خطبات سے عربی علم الطب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ لیکچر نہایت تحقیق و تفحص سے تیار کئے گئے تھے۔ علمی دنیا میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ اور کئی زبانوں میں ان گراں منفعت خطبات کے تراجم شائع ہوئے۔ چنانچہ فرانسیسی ترجمہ ۱۹۳۳ء میں پیرس میں طبع ہوا۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی۔ کہ ان لیکچروں کو اردو میں منتقل کیا جائے۔

حکیم نیر واسطی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس اہم ضرورت کی طرف توجہ فرمائی۔ اور پروفیسر براؤن کے پہلے لیکچر کو اردو کا جامہ پہنا کر رسالہ "شمس الاطباء جڑی بوٹی" کے خاص نمبر طب العرب میں شایع کیا۔ حکیم صاحب نے محض

ترجمہ ہی پیش نہیں کیا، بلکہ بعض جگہ فاضل مستشرق سے اختلاف کیا ہے۔ اور حواشی اور معلومات کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ حکیم صاحب کے استدلال یا نتائج سے ہر مقام پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا تاہم ان کی سعی مستحسن ضرور ہے۔

جہاں تک افادیت کا تعلق ہے۔ مضمون بہت مفید اور قابلِ قدر ہے۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک طباعت و صحت کی جانب بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اچھی خاصی علمی اور ادبی چیزوں کو طباعت اور کاغذ کے نقص کی وجہ سے بالکل بے قیمت بنا دیا جاتا ہے۔ اس گراں منفعت رسالے کو بھی ردی کاغذ، کتابت اور طباعت نے ایک بازاری ناول کی حیثیت سے بڑھنے نہیں دیا۔ اس کے علاوہ صحت کے معاملے میں بھی نہایت بے پرواہی برتی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ جب یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے مندرجۂ ذیل اغلاط کی صحت کر لی جائے گی۔ ان سے بعض تو ایسی ہیں جو سہو کاتب کا نتیجہ ہیں :-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱	نیچے سے چھ	اذخر تک	آذخر تک
۱۲	۶	عصائہ	عصائۃ
۱۹	۱۵	ابن ابی صیبعہ	ابن ابی اصیبعۃ
۱۹	۱۶	۶۸۵ھ	۶۵۸ھ
۲۲	۳	نشراہ	نشراد
۲۲	۱۸	۶۸۷ھ	۹۸۷ھ
۶۴	۴	۲۳۶ھ	۲۲۶ھ

مستشرقین کے نام زیادہ احتیاط اور صحت کے محتاج ہیں ص۱۹ پر براکلمن کو براکلین اور وُسٹن فیلت کو ووسٹن فیلڈ، اور ص۵۲ پر فان کریمر کو وان کریمر لکھنا پسند کیا گیا ہے۔ جو قرینِ صحت نہیں۔

ترجمہ بحیثیت مجموعی قابلِ قدر ہے۔ مگر بعض جگہ مفہوم و ترجمہ اصل الفاظ سے ذرا دور ہو گیا ہے۔ مثلاً ص۲۱ سطر اسوشل کا ترجمہ "تمدنی" ضرور ناپسندیدہ ہے۔ اسی طرح ص۲۲ حاشیہ Edited کا ترجمہ "مطبوعہ" صحیح نہیں۔

ص۲۳ سطر اول پر یوں مرقوم ہے: اُن میں آج ہزاروں میں صرف ایک باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی نہایت خراب و خستہ حالت میں" حالانکہ اصل الفاظ یہ ہیں:

"Of the books there enumerated it would be hardly an exaggeration to say that not one in a thousand now excists even in a most fragmentary form".

اصل انگریزی عبارت کو پڑھئیے، دونوں عبارتوں کا فرق آپ پر نمایاں ہو جائیگا۔ ص۲۵ کے حاشیہ میں Ibid (جیساکہ انگریزی لیکچروں میں ہے) لکھ دیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ اس جگہ ایضاً پسند کیا جاتا۔

ص۴۶ سطر ۹ Cupping حجامت (سینگی لگانا) ہے

ص۵۹ سطر ۸ Antioch کا ترجمہ انطاکیہ ہونا چاہئے تھا۔ "اندیو" غیر مناسب ہے۔

ص۶۱ سطر ۱۱ حوالہ "عربین میڈیسن" کا دینا چاہتے ہیں۔ مگر صفحہ و سطر پیش نظر رسالہ کا تحریر کیا گیا ہے۔

ص۱۶۱ سطر ۲ نیچے سے 'ایڈیسہ (Edessa) کی بجائے رُہا لکھنا زیادہ مناسب تھا
ص۶۵ حاشیہ نولڈیک کی بجائے نلدکے چاہیئے۔
ص۴۷ پر حرانی بکسر الحاء صحیح نہیں۔ بفتح الحاء چاہیئے۔

(عبدالقیوم)

علیگڈہ کالج میگزین

ہمارے مخدوم جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بالقابہ نے جب سے مسلم یونیورسٹی کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ جہاں یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں میں اصلاح وترقی نظر آتی ہے۔ وہاں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آرہی ہے۔ کہ یونیورسٹی سے متعلقہ رسائل واخبارات بھی نئی نئی خصوصیات کے حامل ہورہے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر "علی گرڈھ میگزین" بابت جنوری ۱۹۳۷ء ہے جس کے مضمون نگاروں میں طلبہ یونیورسٹی کے علاوہ بعض نامور اساتذہ کے نام بھی شامل ہیں علی گرڈھ میگزین کا مقصد جیسا کہ جناب ایڈیٹر نے اپنے تمہیدی شذرات میں تصریح فرمائی ہے۔ یہ ہے کہ وہ یونیورسٹی کے طلبہ میں ایک زندگی پیدا کردے اور ان کے جمود وسکوت کو دور کرکے ان میں علم وعمل کی روح پھونک دے۔ اس میگزین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے۔ اور جیسا کہ ایک یونیورسٹی میگزین کو ہونا چاہیئے۔ اس کے مضامین میں تحقیق وتدقیق اور ادب لطیف دونوں شامل ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے مطالعہ سے اعلیٰ درجہ کے تحقیق پسند اور "ٹیگوری اردو" کے شایقین ہر دو کو بڑی حد تک مایوسی ہوگی۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ ہمارا صحیح نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ ہم ان دونوں راہوں کے درمیان ایک تیسری راہ کی تلاش کریں۔ جہاں ادب وانشا کے ساتھ مضامین کی افادی اور علمی حیثیت کو بھی برقرار رکھا جاسکے۔

تحقیقی مضامین یہ ہیں :-

۱- دہلی کی اولین ترکی سلطنت - از جناب عزیز احمد صاحب ایم اے - ریسرچ سکالر -

۲- لسانیات - از جناب ابواللیث صاحب صدیقی متعلم بی اے (آنرز)

۳- صوبہ بہار میں اردو کی پہلی تصنیف - از ایڈیٹر

۴- مکتب - جناب مولانا احسن مارہروی -

ان ہر چار مضامین کا پایہ تحقیق اچھا خاصہ ہے - تاہم بادب گذارش کی جا سکتی ہے - کہ جناب عزیز احمد صاحب ایم اے کے مضمون میں زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان میں بہت سی الجھنیں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ فاضل مقالہ نگار نے اصلی کتابوں کو دیکھنے کی بجائے غالباً ایلیٹ وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے - چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے - مثلاً یاقوت کو "یعقوت" اور ابن بطوطہ کو " ابن بطوطہ" لکھا ہے ص ۴۷ پر سلطان قطب الدین ایبک کو سخت دل بے رحم اور ظالم قرار دیا ہے - حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے - اور زمانے کی سپرٹ اور ذہنیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسا نتیجہ کسی حالت میں نہیں نکالا جا سکتا -

مولانا احسن صاحب مارہروی نے مکتب کے متعلق جو دلچسپ مقالہ لکھا ہے - اس میں نصاب پر جامعیت کے ساتھ بحث نہیں کی گئی -

ادبی اور مزاحی مضامین میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مضمون ملاح حسب معمول دلچسپ ہے -

میگزین کی کتابت اور طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے - اور کاغذ نفیس باہتمام قاضی شریف الحسن بلگرامی ڈسٹرکٹ گزٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا (س م ع)

مجلۂ عثمانیہ | جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں شمارہ ۳ و ۴ شامل ہیں۔ اردو حصّہ ۲۱۶ اور انگریزی ۱۴۱ ۲ صفحات کو محیط ہے۔ اردو حصّے میں تاریخ، سیاسیات، معاشیات و عمرانیات، فلسفہ تحقیقی مقالات، حسن کاری، اور ادبیات کے مختلف شعبوں کے متعلق بہت اچھے مضامین نظر آتے ہیں۔ جو جامعہ کے نئے پرانے طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے قلم کا بھی نتیجہ ہیں۔ رسالہ اپنی ظاہری خوبیوں کے لحاظ سے قابل داد ہے بلکہ اُردو کے بہت سے عام ادبی رسالوں سے زیادہ شاندار ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی اس کے مضامین کا بیشتر حصّہ لکھنے والوں کی محنت و جانفشانی کی داد کا طلبگار ہے ہم جامعہ عثمانیہ کے طلبہ اور خصوصاً مجلہ کے مدیر سکندر علی وجد اور صاحبزادہ میکش کو ان کی خوش مذاقی اور ادبی ذہانت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

مجلہ کا چندہ ۲ روپیہ ہے اور دفتر مجلہ عثمانیہ۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

مجلّۂ عثمانیہ کا جشن سیمین نمبر۔ مذکورہ بالا رسالہ کا جشن سیمین نمبر بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک اردو اور دوسرا انگریزی۔ اردو حصّہ ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور انگریزی ۱۰۲ صفحات پر۔ حضور نظام شاہی خاندان کے افراد اور اعیان مملکت آصفیہ کی ایک درجن سے زائد تصاویر بھی زینت رسالہ ہیں۔

رسالہ محنت اور قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ فاضل مضمون نگاروں نے حیدرآباد کے متعلق بہترین معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اور بہت سی مفید چیزوں کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ جو بعض اوقات بڑی دقت اور تلاش سے بھی بمشکل ملتی ہیں۔ حضور نظام کا کلام ملوک الکلام کی حیثیت سے زینت رسالہ ہے۔

حصّہ اُردو کے بعض مضامین مثلاً حیدر آباد کی تعلیم اور اردو، عہد عثمانی میں حیدر آباد کی اُردو مطبوعات، عہد عثمانی میں علوم عربیہ کی خدمات، حیدر آباد میں جدید علمی اور ادبی تحریکات، حیدر آباد میں فن مرغ بانی کی ترقی، حیدر آباد میں دیہی تنظیم، حیدر آباد میں زرعی وسائل، نظام ساگر وغیرہ قابل ذکر ہیں
انگریزی حصے میں بھی بعض مضامین قابل دلچسپ ہیں۔ جن میں حیدر آباد میں اخبار نویسی، مرہٹی ادب پر ایک نظر اور حیدر آباد میں تحریک امداد باہمی خاص طور پر پُر از معلومات ہیں۔
سالانہ چندہ ۶ روپے۔ فی پرچہ ۲ روپیہ
ظاہری زیب و زینت خاصی اور تصاویر عمدہ، کتابت و طباعت نفیس۔

ساربان غلام احمد خاں بی۔ اے کی ادارت میں ہر ماہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اسمیں زیادہ تر سیاسی معاشرتی اور اقتصادی معاملات کے بارے میں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ جو اردو کے دوسرے رسالوں کی ہم رنگی کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہیں۔ کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی ہے چندہ سالانہ تین روپے "منیجر ساربان" کشمیر بلڈنگ لاہور سے طلب کریں۔

ادبی دنیا کا سالنامہ ۱۹۳۷ء ادبی دنیا منصور احمد صاحب کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ زیر نظر نمبر اس کا سالنامہ ہے، اور ۲۴۶ صفحات کو محیط ہے مضامین میں زیادہ تر ڈرامے افسانے اور نظمیں نظر آتی ہیں۔ نظم کا حصّہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ متعدد تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ قیمت رسالے پر درج نہیں۔
ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ "ادبی دنیا" لاہور

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۵۰

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این منتر نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاو ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا۔ اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے۔ حصہ اول عربی فارسی پنجابی بحروف فارسی۔ حصہ دوم سنسکرت ہندی پنجابی بحروف گورکھی۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے +

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر فروری مئی اگست[1] میں شائع ہوگا +

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۲ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کیوقت وصول ہوگا +

کسی سہ ماہی کے رسالے کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہوسکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے +

خط وکتابت وترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط وکتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے +

قلم تحریریہ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے +

جہان آرا بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف

صاحبیہ

جہان آرا بیگم کا شمار ان تیموری بیگمات میں سے ہے۔ جنھوں نے علم و فن کی سرپرستی و قدردانی میں امتیاز حاصل کیا ہے۔ اس کی گوناگون خوبیوں کا ذکر "بادشاہ نامہ" اور "عمل صالح" کے صفحات پر جابجا موجود ہے۔ وہ ان خوش نصیب مغل شاہزادیوں میں سے ہے جنھیں صاحب تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ بچپن سے ہی اس کا طبعی میلان اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مقدس گروہ کی طرف تھا۔ اور اسی میلان نے آہستہ آہستہ اس کے بھائی داراشکوہ کے اثر سے ایک غیر فانی شوق کی صورت اختیار کر لی تھی یہی فطری ذوق اس بات کا محرک ہوا کہ جہان آرا نے بزرگان دین کے سوانح و حالات کو اپنی تصنیفات کے لئے منتخب کیا۔ اس کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف مونس الارواح[1] ہے جس میں اس نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات لکھے ہیں۔ لیکن آج میں اس کی ایک دوسری تصنیف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے اور جسے بیگم نے مونس الارواح کی تالیف سے دو سال پہلے لکھا تھا۔

جہان آرا کی اس گمنام تالیف کا نام صاحبیہ ہے۔ اس مختصر رسالے میں جس کے کل اُنیس اوراق ہیں۔ اس نے اپنے پیر و مرشد ملا شاہ بدخشی کے حالات قلمبند کئے ہیں اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ احمد آباد کے ایک کتاب خانہ میں موجود ہے۔ اس کتاب خانہ کا نام آپا راؤ بھولا ناتھ لائبریری ہے۔ اور اس کی بنیاد ۱۸۶۰ء میں رکھی گئی تھی۔ آپا راؤ کے دادا سارا بھائی مہتہ نے مرہٹہ گردی کا پُر آشوب زمانہ دیکھا تھا۔ اس کے فارسی خطوط کا ایک مجموعہ دو جلدوں میں معدن الانشاء کے نام سے اسی کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کی

[1] اصل نسخہ دستخطی بیگم صاحبہ لکھنؤ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

ایک دوسری کتاب کا نام تاریخ مرہٹہ در گجرات ہے۔ سارا بھائی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تاریخ مظفر شاہی کا نادر نسخہ بھی اسی کتاب خانہ میں موجود ہے۔

بیگم نے رسالے کے شروع اور آخر میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا نام "صاحبیہ" لکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ شہزادی بیگم صاحب[۵] کے لقب سے مشہور تھی۔

اس رسالے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے جہان آرا کے روحانی ذوق اور ذہنی کیفیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اسے اولیائے کرام اور بالخصوص خواجہ اجمیری سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اس عقیدت کا صحیح اندازہ مونس الارواح کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے یہ خواجہ صاحب کی محبت اور عقیدت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ بیگم کسی چشتی بزرگ کی مرید ہونا چاہتی تھی۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہ منظور نہ تھا۔ اور بیگم کو بحالت مجبوری قادری مشرب میں شریک ہونا پڑا۔ جس میں اس کا بھائی داراشکوہ پہلے سے داخل تھا۔ ملاشاہ کا مرید ہونے سے پہلے بھی جہان آرا کا یہ حال تھا۔ کہ جہاں کہیں اسے کسی بزرگ کی موجودگی کا علم ہوتا فوراً وہاں پہنچتی۔ اور نذر نیاز پیش کرتی۔ چنانچہ اس رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی داراشکوہ کے کہنے پر شہر گجرات (پنجاب) کے مشہور بزرگ شیخ دولہ کی خدمت میں نیاز بھیجی اور ان سے فیض چاہا۔ اسی طرح اس نے حاجی عبداللہ صاحب سے بھی فیض کی درخواست کی۔ جو تال جلال گکھر کے حوالی میں رہتے تھے۔

اس رسالے میں جہان آرا بیگم نے ملاشاہ بدخشی کے اوصاف و محاسن پر پوری روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے لباس اور خوراک تک کا بھی پورا حال لکھا ہے۔ اس نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بھی کسی قدر تفصیل سے درج کیا ہے۔ یہ عجیب

---

[۵] عمل صالح جلد اول صفحہ ۸۰ مرتبہ یزدانی صاحب۔ اس کتاب میں جا بجا جہان آرا کو بیگم صاحب کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

حسن اتفاق ہے۔ کہ اگرچہ جہان آرا کی اس تصنیف کا سُراغ کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔ لیکن میکڈونلڈ نے اپنی مشہور کتاب اسلام[1] میں دینی زندگی اور مسلک (The-religious life and attitude in Islam) میں فان کریمر کے حوالے سے ملاشاہ بدخشی کے ایک دوسرے مرید توکل بیگ کے کسی رسالے کا ذکر کیا ہے۔ جس میں توکل بیگ نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک شہزادی فاطمہ نامی کے مرید ہونے کی رودادبھی درج کی ہے۔ لیکن یہ روداد شہزادی کے اپنے الفاظ میں نقل کی گئی ہے فاطمہ کا لفظ میکڈونلڈ کے لئے ایک لاینحل معمّا بن کر رہ گیا ہے لیکن پروفیسر گالڈ[2] زنگو کا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ توکل بیگ نے جہان آرا کو فاطمۃ الزّمانی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور ان کے خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جہان آرا کے یہی الفاظ بعینہٖ رسالۂ صاحبیہ میں پائے جاتے ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ توکل بیگ نے یہ عبارت جہان آرا کے رسالے سے نقل کی ہے میکڈونلڈ کی انگریزی عبارت اور جہان آرا کے اصلی الفاظ میں ایک فرق بہت نمایاں ہے اور وہ یہ کہ اس فقرہ "اے ملاشاہ چراغ تیموریہ را تو روشن کردی" کا ترجمہ میکڈونلڈ کے یہاں اس طرح ہے۔ ("O Molla Shah for what reason did you illumine that Timuria") (تم نے اس تیموری کو کیوں روشن کیا؟)

شاہجہان کے متعلق اس کے عہد میں یا اس کے بعد جتنی بھی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں داراشکوہ اور جہان آرا کے درمیان دلی محبت واتحاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس اجمال کی تفصیل جہان آرا کے قلم سے دیکھنے کے قابل ہے۔ وُہ اپنے بھائی کو عارف کامل۔ نورعین وعین نور اور مملکت باطن وظاہر کا ولی عہد کہکر یاد کرتی ہے۔ جب داراشکوہ قندھار کی مہم کے لئے روانۂ کابل ہوتا ہے۔ تو یہ عارضی

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۹۵ سے ۲۰۵ تک [2] اسلام میں دینی زندگی اور مسلک صفحہ ۲۰۴۔

جُدائی دونوں پر بہت شاق گذرتی ہے۔ اور جب کچھ مدت بعد جہان آرا بھائی سے کابل میں جاملتی ہے۔ تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ شروع شروع میں دارا شکوہ ہی اس کا مرشد و رہبر تھا۔ اور بیگم نہایت واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بیگم کا مندرجہ ذیل فقرہ ان کے انتہائی اتحاد و یگانگی کا آئینہ دار ہے: "ما ہر دو یک روحیم کہ در دو قالب دمیدہ شدہ و یک جانیم کہ در دو جسم آمدہ"۔

بیگم نے یہ رسالہ ۲۷ ر رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۱ھ میں لکھا۔ عام طور پر خط نستعلیق ہے۔ لیکن کہیں کہیں شکستہ آمیز بھی ہے۔ ایک صفحہ پر کوئی سترہ سطریں ہونگی۔ رسالہ کا اکثر حصہ کرم خوردہ ہے۔ کوئی تعجب نہیں۔ اگر یہ رسالہ بیگم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ کتابت کی نمایاں غلطی ایک ہی ہے۔ جہاں مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا کو اَنْتَ مُوتُوا کرکے لکھا گیا ہے۔ پہلے صفحے پر سرِ تحریر کے طور پر ھوالفرد لکھا ہے۔ اور رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔ "حمد و سپاس نامحدود مر خدائے را کہ بذات خویش احد و مطلق است"۔ رسالے کے آخر میں بیگم نے کچھ اشعار ملا شاہ کی تعریف میں لکھے ہیں۔ جن میں انہیں اپنا پیر و خدا۔ دین و پناہ اور شاہ والا کہکر یاد کرتی ہے۔ رسالے کا اختتام اس دُعا پر ہوتا ہے کہ بیگم کے وجد و استغراق اور معرفت میں روز بروز اور ساعت بساعت اضافہ ہوتا رہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد رسالۂ صاحبیہ" کے مطالب اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں:۔

مولانا شاہ کے اوصاف و کمالات حد شمار سے باہر ہیں۔ لیکن بیگم نے حصول سعادت کی خاطر یہ رسالہ لکھا ہے۔ اور اس نے اپنے حالات کتاب میں اس لئے درج کر دیئے ہیں۔ تاکہ اس کا نام اس کے پیر و مرشد کے نام کے بعد لکھا جائے اور ان کے نام کی برکت سے خدا اسے بخش دے۔ اور ان کے طالبوں اور عقیدتمندوں

کے زمرے میں اُٹھائے۔

مولانا شاہ کا مولد و وطن موضع ارکسا ہے جو بلدۂ رستاق کا ایک گاؤں ہے اور روستاق مملکت بدخشاں کے توابع میں سے ہے چنانچہ مولانا شاہ خود فرماتے ہیں۔

ملک من از ملکہا ملک بدخشان آمدہ — از بلاد از روستاق واز قُرا از ارکسا

آپ کے والد کا نام مولانا عبدی بن مولانا سلطان علی بن حضرت قاضی فتح اللہ ہے۔ اور آپ کے اسلاف میں سے ہر ایک قاضی کے لقب سے ملقب ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی قضاءت کے فرائض سرانجام نہیں دیئے۔ بلکہ ہمیشہ ان کا پیشہ رضا و تسلیم رہا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت بی بی خاتون ہے وہ عارفۂ کاملہ اور رابعۂ دہر تھیں۔ اور اس دنیائے فانی سے رحلت فرما چکی ہیں۔ مولانا شاہ کے دو بھائی ہیں۔ اور ایک بہن۔ بہن حضرت سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اور اپنے وطن ارکسا میں سکونت رکھتی ہیں۔ دو بھائی ملّا نیک محمد اور ملّا سلطان علی ہیں۔ یہ دونوں معرفت الٰہی کے حصول کے لئے ہندوستان میں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے وطن واپس چلے گئے۔

مولانا شاہ نے اپنا دیوان بلاغت نشان جس میں قصائد اور حقیقت سے بھری ہوئی غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ مجھے عنایت کیا ہے۔ دن رات اس کتاب کو میں اپنے ہاتھ میں اور اپنے پیش نظر رکھتی ہوں۔ اور اس کو ورد زبان بناتی ہوں میرا اعتقاد ہے کہ اس زمانے میں حضرت کی طرح کسی دوسرے نے توحید کو بیان نہیں کیا۔ اور نہ کریگا۔ بیگم نے اپنے پیر کی کچھ رباعیاں اس رسالے میں نقل بھی کی ہیں۔

مولانا شاہ بچپن سے لے کر اکیس برس تک موضع ارکسا میں رہے اور آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد آپ علوم ظاہری کی تحصیل کے لِئے بلخ تشریف لے گئے۔ آپ نے ان علوم میں بہت جلد دسترس حاصل کر لی۔ لیکن

چونکہ حقیقت کا شوق آپ پر غالب تھا۔ آپ بلخ میں زیادہ نہ ٹھہر سکے اور وہاں سے ہندوستان فردوس نشان میں تشریف لائے۔ اور سب سے پہلے کشمیر کو اپنے نور سے منور کیا۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ کشمیر میں تین سال تک آپ نے طالب علموں کی سی زندگی بسر کی۔ بعدازاں شیخ کی تلاش میں کشمیر سے لاہور پر نور میں وارد ہوئے۔ اُس وقت لاہور حضرت میاں میر صاحب کے وجود مسعود سے منوّر تھا۔ اور جب مولانا شاہ کو حضرت میاں جیو کا علم ہوُا۔ تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سال تک طلب وشوق کی آزمائش کے لئے میاں میر صاحب نے ملا شاہ سے استغنا برتا۔ لیکن ملا شاہ کمال عقیدت واخلاص سے میاں میر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب میاں میر صاحب کو یقین ہو گیا۔ کہ ان کی طلب صادق ہے تو آپ نے اپنی پوشیدہ دلی عنایت ومہربانی کو آشکارا کر دیا۔ اور انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیا۔ ملا شاہ نے انیس برس میاں میر صاحب کی خدمت میں اس طرح گذارے کہ سردی کے زمانے میں لاہور میں رہتے تھے۔ اور موسم گرما میں اپنے پیر کی اجازت سے کشمیر تشریف لیجاتے تھے۔ اور کشمیر میں گرمی کا زمانہ بسر کرنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کا مزاج بہت گرم تھا۔ اس زمانے میں آپ نے بہت ریاضتیں کی ہیں۔ اور آپ کی ریاضت شاقہ کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ ان اُنیس برسوں میں اور اس مدت سے چند سال پیشتر اور میاں میر صاحب کی وفات کے بعد پانچ سال تک آپ نے پہلو زمین پر نہیں لگایا۔ اب اگرچہ پہلو زمین پر لگاتے ہیں لیکن خواب کا نام نشان نہیں۔ دُنیا کی فانی لذتوں سے آپ نے مُنہ موڑ رکھا ہے۔ غیریت کے تمام پردے دُور ہو چکے ہیں۔ اور آپ مطلب اعلےٰ اور مقصد اقصےٰ کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت اپنے مریدوں کو ریاضات شاقہ اور ترک وتجرید کی تلقین نہیں کرتے۔ آپ زیادہ زور اس بات پر دیتے ہیں کہ ماسوا سے دلی ترک وتجرید ضروری ہے۔ ہاں قسب

بیداری کے لئے اپنے مریدوں کو کچھ تاکید ضرور کرتے ہیں۔ آپ اپنے عقید تمندوں اور اخلاص کیشوں کے علاوہ کسی دُوسرے سے صحبت نہیں رکھتے۔ اور آپ کی محفل میں ہر وقت معرفت وحقیقت کے چرچے رہتے ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے آپ کی صحبت اور زبان میں بہت تاثیر دے رکھی ہے۔ اکثر شیعہ حضرات آپ کی گفتگو سُن کر اہل سنت کے حلقے میں آگئے ہیں۔ اور کئی غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کے ارادت کیش حضرت سرور دو عالم صلعم کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ بعض مریدوں کو آپ کے فیض باطنی سے پہلے روز ہی کشف حاصل ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہیں کہ میری نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی میں کبھی ایسے عارضے میں مبتلا ہوُا ہوں۔ کہ میری نماز فوت ہوگئی ہو۔ میں نے ہمیشہ وقت پر نماز ادا کی ہے۔ آپ نماز باجماعت کے بہت حامی ہیں ما اور جب تک ملا محمد سعید جو آپ کے خاص مُریدوں میں سے ہیں۔ حاضر ہوں۔ آپ کسی دُوسرے کو امامت کے لئے حکم نہیں دیتے۔ اگر کبھی ملا محمد سعید موجود نہ ہوں۔ تو آپ خود امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ آپ ایک سالک کے لئے شریعت اور طریقت دونوں کو ضروری قرار دیتے ہیں آپ اہل دُنیا بالخصوص سلاطین وامراسے نذر نیاز قبول نہیں کرتے۔ ہاں اپنے مریدوں سے معمولی نیاز مثلاً ایک دو روپے قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس رقم کو غربا و مساکین پر صرف کر دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک یا دو خادم رہتے ہیں۔ آپ پر اکثر تجرید و تفرید کا غلبہ رہتا ہے۔

آپ اکثر دو زانو اور کبھی چہار زانو اور کبھی تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور کبھی پاؤں لمبے کرکے اور کبھی چاندنی میں اور کبھی تاریکی میں۔ دُنیا داروں کی صحبت سے اجتناب فرماتے ہیں۔ جب کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تو آپ کا معمول یہ ہے کہ اس سے اس کا نام اور محل سکونت دریافت فرماتے ہیں۔

آپ خوش وقت۔ شگفتہ۔ خنداں اور متبسم رہتے ہیں کبھی کبھی قہقہہ بھی فرماتے ہیں اور کبھی حضرت رسُول مقبول صلعم کی سنّت کے اتباع میں اپنے مخلصوں سے مزاح بھی کرتے ہیں لیکن یہ ہنسی کھیل بھی عین معرفت و توحید ہوتی ہے آپ کے چہرے پر کسالت و کاہلی کا نشان کبھی نہیں ہوتا۔

آپ کے وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اکثر اپنے ہاتھ سے پانی ڈالتے ہیں۔ اور وضو کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ خادم آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالے۔

آپ خرقہ نہیں پہنتے۔ بلکہ چادر پہنتے ہیں۔ اور ولایتیوں کی طرح گول پگڑی باندھتے ہیں۔ اور ہمیشہ آپ کی پگڑی سفید ہوتی ہے۔ رنگین پگڑی آپ کو پسند نہیں۔ پگڑی کے نیچے طاق ہوتا ہے۔ اور کبھی گرمی زیادہ سخت ہو تو سر پر خالی طاق رکھتے ہیں اور کبھی طاق کے اُوپر سر پیچ بھی لپیٹ لیتے ہیں۔

آپ کے قیام گاہ پر کچھ پکایا نہیں جاتا۔ جو کچھ مرید لاتے ہیں۔ آپ تناول فرما لیتے ہیں۔ کبھی دن میں ایک وقت اور کبھی دو وقت جس قسم کا کھانا آئے کھا لیتے ہیں۔ اور اگر کچھ نہ ملے۔ تو دو تین دن کھانے کے بغیر ہی گذر جاتے ہیں۔ چُونکہ آپ کی طبیعت گرم ہے۔ اس لئے اکثر ٹھنڈی چیزیں آپ کو مرغوب خاطر ہیں۔

چُونکہ کشمیر کے سرسبز و شاداب اطراف و جوانب دلپذیری اور دلکشی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ اس لئے مولانا شاہ صنعت ایزدی کے شاہکار دیکھنے کے لئے کبھی کبھی دیہات کی طرف چل نکلتے ہیں۔ آپ کبھی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اور کبھی بے تکلفانہ پیدل سیر کرتے ہیں۔ چُونکہ کشمیر کی سواری کشتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی کشتی میں بھی سوار ہو جاتے ہیں۔

آپ کے خوارق و کرامات بے شمار ہیں۔ اگر کوئی ان کو لکھنے بیٹھے تو ایک کتاب بن جائے چونکہ آپ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں کہ آپ کی کرامتیں ظاہر ہوں۔ اس لئے ان کے لکھنے سے منع فرماتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے۔ کہ جو کچھ طالب کے دل میں ہوا سے فقط

ایک ہی نظر میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ آپ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اگرچہ خدا نے آپ کو یہ قدرت بھی دی ہے کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ظاہری مردہ کو بھی زندہ کر دکھائیں لیکن آپ کی توجہ ان کرامتوں کی طرف بہت کم ہے۔ آپ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ آپ کی کرامتیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔

تیس سال سے آپ کشمیر میں سکونت پذیر ہیں۔ اور یہ رباعی آپ نے کشمیر کے بارے میں لکھی ہے:

افتاد بگوشہ علم عالمگیرم　　زان گوشہ بکشمیر بود تعبیرم
شمعے بدرون کوزہ روشن شد　　ماہی بدرون چاہ شد دلگیرم

مُرید: اگرچہ ایک دُنیا آپ سے فیض یاب ہے اور آپ کے عقیدتمند بیشمار ہیں لیکن سب سے زیادہ ممتاز مرید ملا محمد سعید ہیں۔ جن کا وطن رستاق بدخشان ہے اور جن کو حضرت سے ظاہری اور باطنی دونوں نسبتیں ہیں۔ ان کا مکان حضرت کے مکان کے متصل ہے حضرت ان کے بچوں سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے مرید ملا مسکین بھی بدخشان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر مرید جو طریقۂ سلوک کی تلقین کے لئے آتے ہیں پہلے ملا محمد سعید اور ملا مسکین سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ملا مسکین کا اصلی پیشہ سپاہگری تھا۔ آپ نے سپاہگری ترک کر کے دس سال تک حق کی جستجو کی۔ چند مرتبہ مرید بننے کے خیال سے حضرت میاں میر صاحب کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے لیکن حضرت نے انکار کر دیا۔ ملا شاہ کے پاس بھی پہلے کئی بار آئے لیکن آپ بھی رضامند نہ ہوئے۔ آخری مرتبہ آپ نے انہیں اپنا مرید بنا لیا۔ اب ملا مسکین کامل و عارف ہیں۔ اور اُنہوں نے کشمیر کو ہی اپنا وطن بنا لیا ہے۔ ایک اور مرید محمد حلیم نامی ہیں۔ ان کے باپ کا نام گل بیگ ہے۔ اُن پر ملا شاہ کی بہت مہربانی اور توجہ ہے۔ ان کے علاوہ ملا محمد امین کشمیری۔ ملا عبد النبی کشمیری اور ملا حبیب اللہ ہیں۔ جو سب کے سب ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ ہیں۔ ملا شاہ نے اس جماعت کی تعریف میں یہ رُباعی لکھی ہے:۔

اے تافتہ بر روئے تو نوری ز الٰہ　　زان نور بروے ہمہ بکشائی راہ

یارانِ تو اولیائے وقت اند ہمہ　　نازم بتو شاہِ اولیاء مُلّا شاہ

آن کے علاوہ ملا شاہ کے مریدوں کی تعداد ان گنت ہے۔لیکن یہ مختصر رسالہ ان کے ذکر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔اس لئے ان بزرگوں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے

جہاں آرا کے اپنے حالات اگرچہ اپنے پیر و مرشد کے احوال کے ساتھ ساتھ اپنے حالات لکھنا ادب کے منافی ہے لیکن چونکہ اوپر مریدوں کا ذکر آچکا ہے۔اس لئے میں نے اپنے آپ کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا ہے۔

بیس سال کی عمر سے مجھے خواجگان چشت کے سلسلۂ عالیہ سے عقیدت وارادت ہے اور خواجہ معین الحق والملت والدین کا حلقۂ مریدی میرے گوش جان میں ہے۔چند سال پیشتر میں حضرت کے روضۂ منورہ کی زیارت کر چکی ہوں۔اور یہ عقیدت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے میرے دل میں ذوق وطلب پیدا کیا ہے اور میرے بھائی نے جو عارف کامل ہیں۔اس آتش شوق کو اور بھی تیز کر دیا ہے سنہ ۱۰۴۹ھ[۵۱] میں میں اپنے والد بزرگوار خلد اللہ ملکہ وسلطانہٗ کے ہمراہ لاہور پہنچی۔مجھے اپنے کامگار بھائی سلطان محمدؐ دارا شکوہ قادری سے انتہائی محبت اور صوری ومعنوی اتحاد تھا۔اور ہے۔ہم دونوں ایک رُوح ہیں جو دو قالبوں میں جلوہ گر ہے۔اور ایک جان ہیں۔جو دو جسموں میں جاری وساری ہے۔اسی سال والد بزرگوار نے بھائی کو کابل[۵۲] کی طرف روانہ کیا۔اور تھوڑی مدت کے لئے ہم میں ظاہری جدائی واقع ہوئی۔چونکہ ہمیں ایک دُوسرے سے حد درجہ محبت تھی اس لئے ہم پر یہ عارضی جدائی بہت شاق گذری۔وداع کے وقت مجھ پر گریہ وبے تابی کا ہجوم تھا اور بھائی پر زبردست رقّت کا عالم طاری تھا۔روانگی کے وقت بھائی نے مجھے نفحات الانس

---

۵۱ عمل صالح جلد دوم صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۷ پر شاہجہان کا ورود لاہور سنہ ۱۰۴۸ھ میں دیا گیا ہے۔

۵۲ ایضاً صفحہ ۳۰۳۔دارا شکوہ سنہ ۱۰۴۸ھ میں روانۂ کابل ہوتا ہے۔

کے مطالعے کے لئے تاکید کی ۔ میں اس کتاب کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتی تھی ۔ اور اس سے روحانی فائدہ حاصل کرتی تھی ۔ اسی اثناء میں والد بزرگوار نے بھی کابل کی طرف کوچ شروع کیا بھائی ہمیشہ خط لکھا کرتے تھے ۔ انھوں نے راستے میں دو بزرگ دیکھے تھے ۔ اور اُن کے متعلق مجھے لکھ بھیجا تھا ۔ ان میں سے ایک شیخ دولہ تھے ۔ جو قصبہ گجرات خورد میں سکونت پذیر ہیں ۔ اور دُوسرے حاجی عبداللہ تھے جنھوں نے تال جلال لکھر کے حوالی میں ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے ۔ جب میں گجرات پہنچی ۔ تو ایک خواجہ سرا کے ہمراہ میں نے شیخ دولہ کے پاس نیاز بھیجی اور فیض کی خواہش ظاہر کی ۔ لیکن جو کچھ میں ان سے چاہتی تھی وہ مجھے حاصل نہ ہوا ۔ جب تال جلال لکھر کے نزدیک ہمارا قیام ہوا ۔ تو حاجی صاحب کی خدمت میں بھی نذر نیاز بھیجی اور فیض کی درخواست کی ۔ انھوں نے نذر قبول نہ کی ۔ اور تسبیح اور رسمی ذکر کے لئے حکم کیا اور ایک جانماز جو انھوں نے اپنے ہاتھ سے سی تھی ۔ اور دو روٹیاں میرے لئے بھیجیں ۔ وہ کسب حلال کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ میں نے ان روٹیوں میں سے ایک ٹکڑا کھایا ۔ کھانے کے ساتھ ہی میرا دل منوّر ہو گیا ۔ اور میرے باطن میں جمعیّت و حضور محسوس ہوا ۔ میں نے تین دن تک اس روٹی کو محفوظ رکھا ۔ اور اپنی اکثر خادماؤں کو اس میں سے ٹکڑے دیئے ۔ حاجی عبداللہ صاحب نے تیس سال سے اپنے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا ۔ غرض کچھ مدّت کے بعد حسن ابدال میں جو ایک نفیس جگہ ہے اپنے بھائی سے میری مُلاقات ہوئی اور میں نے ان سے فیض حاصل کیا ۔ اور انھوں نے مجھے مشائخ کے حالات پڑھنے کی تاکید کی ۔ میرا اکثر وقت انھی کتابوں کے مطالعے میں گذرتا ہے ۔

انھی ایّام میں کہ جوانی کا وقت ہے میں اپنے اعضاء کی قوّت کو روز بروز کم ہوتا دیکھتی تھی ۔ اور اکثر بیمار رہا کرتی تھی ۔ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوئی ۔ کہ اس وجود کے لئے فنا لازم ہے تو میں نے اپنے دل میں ٹھان لی ۔ کہ اب مناسب یہی ہے ۔ کہ اس حدیث نبوی مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا پر عمل کر کے دل کو اس ذات مقدّس کی طرف لگاؤں ۔ پس

قضا شدہ نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ اور چھوٹے ہوئے روزوں کی تلافی کی کوشش کی جب ہم کابل پہنچے تو بھائی بھی تھوڑی مدت بعد تشریف لے آئے۔ اور والد بزرگوار نے تسخیر مملکت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس پر میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا۔

کچھ عرصہ بعد والد بزرگوار کابل سے عازم لاہور ہوئے۔ اور ۲۴ رجب ۱۰۴۹ھ کو اس شہر میں داخل ہوئے۔ چونکہ لاہور میں بہت سے مشائخ واکابر تھے۔ میں نے مرشد کی تلاش شروع کی۔ میں خاصکر چشتیہ مشرب کے مشائخ کی جستجو میں تھی۔ اور جہاں کہیں کسی گوشہ نشین اور شیخ کا نام سنتی تھی۔ آدمی بھیجکر تحقیق کرواتی تھی۔ لیکن مجھے کسی سے فائدہ حاصل نہ ہوا حضرت میاں میر صاحب کے مریدوں میں سے خواجہ بہاری بہت مشہور تھے لیکن کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ ایک ایسا شیخ جس سے تشفی حاصل ہو مجھے نہیں ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ زمانہ اولیاء اللہ سے خالی تھا۔ دنیا ان کے بغیر کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟ اگرچہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ کہ میں سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہوں۔ اور اگرچہ اس وقت بڑے بڑے چشتی مشائخ موجود بھی تھے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے کو مستور الحال رکھتے تھے۔ ناچار میں نے فیصلہ کیا۔ کہ کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرلوں۔ خواہ ان کا تعلق کسی سلسلے سے ہو میری عمر اب ستائیس برس کی ہو چکی تھی۔ اور میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اسی سال والد بزرگوار کشمیر تشریف لے گئے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ ۱۰ ذی الحجہ کو کشمیر پہنچی۔ ہمارے قیام کے اوائل میں معلوم ہوا۔ کہ ملا شاہ کشمیر میں تشریف فرما ہیں۔ اور آپ سلسلۂ قادریہ میں حضرت میاں میر صاحب کے مرید ہیں۔ میرے بھائی حضرت میانجیو سے نسبت ارادت رکھتے ہیں۔ انھوں نے حضرت ملا شاہ کی تعریف کی اور میں دل وجان سے ان کی معتقد ہو گئی۔ میں نے گستاخی سے کام لیتے ہوئے تھوڑے دنوں میں ہی اخلاص و عقیدت سے پُر دو تین عریضے آپ کی خدمت میں بھیجے۔ اور یہ شعر بھی درج کر دیا ؎

لہ عمل صالح جلد دوم صفحہ ۳۱۹۔

گر میسر شود آن روی چو خورشید مرا بادشاہی چہ کہ دعوائے خدائی بکنم

یہ خیال کرتے ہوئے کہ نذرو نیاز بھیجنا بے ادبی میں شامل ہوگا۔ میں نے پہلی مرتبہ عریضے کے ساتھ اپنے ہاتھ سے روٹی اور ساگ پکا کر خواجہ غریب کے ہمراہ بھیجا۔ پہلے تو ایک ماہ تک آپ نے کمال بے نیازی سے جواب نہ دیا۔ لیکن عریضوں کو پڑھتے اور فرماتے کہ ہمیں دُنیا داروں اور بادشاہوں سے کیا سروکار ہے۔ میں خط بھیجتی رہی آخر جب اُنھوں نے کشف باطنی کے ذریعے مجھے طلب و جستجو میں سچا پایا۔ تو پھر میرے عریضوں کا جواب کچھ کچھ دینے لگے اور میری ڈھارس بندھ گئی۔ کہ اب مجھے پوری ہدایت سے سرفراز کریں گے۔ ان کے گھر پہنچ کر میں نے ان کو دُوسری جگہ سے دیکھا۔ اور میری حق بین آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اور میں نے اپنے بھائی کی وساطت سے دست انابت ان کے ہاتھ میں دے کر ان کو اپنا مُرشد حقیقی بنالیا۔ آپ نے مجھے سلسلۂ قادریہ کے ذکر و شغل کی تلقین کی۔ پیشتر اس کے کہ میں آپ کا جمال ظاہری طور پر دیکھوں۔ میرے بھائی نے آپ کی ایک تصویر مجھے دے رکھی تھی۔ جس کو ان کی سرکار کے مصور نے ایک کاغذ پر کھینچا تھا۔ میں اس مبارک شبیہ کو ہمیشہ اخلاص و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اور مخصوص اوقات میں ان کی صُورت کا تصور کرکے مراقبے میں مشغول ہوتی تھی۔

پہلے روز ہی جب میرے بھائی نے مجھے سلسلۂ قادریہ میں مشغول کیا اور میرے مُرشد کی شبیہ اور حضرت رسالت پناہ صلعم اور چار یار اور دُوسرے اولیاء اللہ کے تصور کا طریق میرے دلنشین کیا۔ میں نے غسل کرکے نئے کپڑے پہنے۔ اور روزہ رکھا۔ اور شام کو اس چیز سے روزہ افطار کیا جو میرے مُرشد نے ازراہ کرم میرے لئے بھیجی تھی۔ اور ملا محمد سعید کے گھر کے کھانے سے جسے اکثر ملا شاہ بھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کچھ تھوڑا سا کھایا۔ اپنے گھر والی مسجد میں نصف شب تک بیٹھی۔ اور مسجد میں نماز تہجد ادا کرکے گھر میں آئی۔ اور ایک گوشے میں قبلہ رُو ہوکر بیٹھ گئی۔ اور مُلا شاہ کی شبیہ پر توجہ مبذول کرکے اور حضرت رسول کریم صلعم اور صحابہ اور اولیاء اللہ کا تصور کرکے مشغول ہوگئی۔ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ میں سلسلۂ چشتیہ

میں مُرید ہوں۔ اور اب کہ میں قادری مشرب میں شریک ہوئی ہوں مجھے کشائش حاصل ہوگی یا نہیں۔ اور حضرت مُلّا شاہ کی تلقین و ہدایت سے مجھے کچھ فائدہ پہنچیگا یا نہیں ؟ اسی اثنار میں مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ جو نہ بیداری تھی اور نہ خواب میں نے حضرت رسالت پناہ صلعم کی مجلس مقدّس دیکھی۔ جس میں صحابۂ کرام اور اولیائے عظام بھی شریک تھے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما ہیں۔ اور چار یار اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مُلّا شاہ بھی اِس مجلس میں موجود ہیں اور اُنہوں نے اپنا سر رسُول اللہ صلعم کے مبارک قدموں پر رکھا ہے اور آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ کہ اے مُلّا شاہ تو نے تیموری چراغ روشن کر دیا۔ جب میں اِس حالت سے لوٹی۔ تو میرا دل اس خوشخبری سے باغ باغ ہو گیا۔ میں نے درگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور یہ رُباعی میری زبان پر تھی :۔

شاہا توئی آنکہ می رساند ز صفا　　　فیض نظر تو طالبان را بخدا

بر ہر کہ نظر کنی بمقصود رسد　　　نور نظر تو شد مگر نور خدا

اپنے مُرشد کی برکت سے میں نے آنحضرت صلعم اور یاران بزرگوار کی مجلس دیکھی اور آنحضرت صلعم کی مبارک زبان سے کلام سُنا کہ "اے مُلّا شاہ! چراغ تیموریہ را تو روشن کردی"۔ میں سمجھ گئی کہ میرے شبہ کو دُور کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

امیر تیمور کی نسل سے صرف ہم دو بہن بھائی اس سعادت سے مشرف ہوئے ہیں ہمارے اسلاف میں سے کوئی بھی خدا طلبی اور حق جوئی کی راہ پر گامزن نہیں ہوا۔ اس دولت عظمٰے کے ملنے پر میں نے ہزار شکر کیا۔ اور میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مُلّا شاہ سے میری عقیدت بہت بڑھ گئی۔ اور میں نے ان کو دُنیا و عقبٰے میں اپنا مقتدا و پیشوا بنایا۔ میں اس مرتبہ کشمیر میں دو روز کم چھ ماہ ٹھہری۔ اس دوران میں اپنے پیر و مرشد کو خط لکھتی رہتی۔ اور آپ اکثر ازراہ عنایت مجھے جواب سے سرفراز کرتے۔ اگرچہ آپ

دُنیا و عقبیٰ کی لذتوں سے بے نیاز تھے۔ پھر بھی حصُول سعادت کے خیال سے میں
مختلف قسم کی خوشبوئیں اور قسم قسم کے کھانے اپنے ہاتھ سے پکا کر بھیجتی تھی۔ اگرچہ
غیر شرعی اُمور سے میں نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ لیکن جب سے میں نے مُرشد
کامل کے جمال سے اپنی آنکھوں کو منوّر کیا ہے۔ میں بحرِ حقیقت و سرچشمۂ معرفت
سے سیراب ہوئی ہوں۔ ان کے گرامی ناموں سے مجھے پُورا فائدہ پہنچا ہے۔

جب کشمیر سے میرے روانہ ہونے میں دو تین روز رہ گئے تھے۔ تو پنج شنبہ
کی رات کو نماز مغرب کے بعد میں حضرت کے شبیہ مبارک کے تصور میں مراقبے
میں بیٹھی۔ میں نے حضرت کو دیکھا۔ اور آپ سے وہ دوپٹہ مانگا جو آپ کے
کندھے پر تھا۔ آپ نے مجھے وہ دوپٹہ عنایت فرمایا۔ علی الصباح جب میں اُٹھی
تو مَیں نے چاہا۔ کہ ایک عریضے کے ذریعے وہ دوپٹہ ظاہر طور پر بھی مانگوں۔ اسی
اثنا میں میرا خواجہ سرا جو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا۔ آیا اور اس نے
کہا۔ کہ کل شام میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوُا تھا۔ نماز مغرب کے بعد
آپ نے دوپٹہ دوش مبارک سے اُتار کر مجھے دیا۔ اور فرمایا۔ کہ فلاں کے لئے لے جاؤ
میں نے خواجہ سرا سے دوپٹہ لے کر آنکھوں سے ملا۔ اور مجھے بہت سرور حاصل ہوُا۔
اس قسم کی کرامت آپ کی ادنےٰ کرامات میں سے ہے۔ اور آپ ان کے اظہار سے
ہمیشہ اجتناب فرماتے ہیں۔ ایک شاعر نے میری فرمائش پر حضرت کی تعریف میں
یہ رُباعی کہی ہے:-

اے ہستی تو ہستی مطلق گشتہ۔　　　اسرار نہان بر تو محقق گشتہ
حاجت نہ تو خواستن حق خواستن است　　　چون جملہ صفات صفت حق گشتہ

میں دو مرتبہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوئی۔ پہلی دفعہ کا ذکر میں اُوپر کر آئی
ہوں۔ دُوسری دفعہ میں نے آپ کی زیارت اُس دن کی جب کہ میں کشمیر سے لاہور

آرہی تھی۔ میں نے عریضہ بھیجکر درخواست کی کہ چونکہ میں کشمیر سے روانہ ہو رہی ہوں۔ آپ مجھ پر مہربانی فرمائیں۔ تاکہ میں آپ کا دیدار کر سکوں۔ آپ نے اِس درخواست کو شرف قبولیّت بخشا۔ اور ازراہ کرم اس راستے پر جہاں سے میں گذرنے والی تھی۔ ایک توت کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ میں ہاتھی کی عماری پر تھی۔ جب اس درخت کے برابر پہنچی۔ تو ہاتھی کو نزدیک لے جاکر کھڑی ہوگئی اور آپ کے "جمال گیتی آرا" کو دیکھا۔ جو "بدر آسمان و خورشید تابان" تھا۔ آپ کی خدمت میں تین آدمی حاضر تھے۔ ایک محمدؐ حلیم جسے آپ نے فرزندی کے خطاب سے سربلند کیا ہے۔ اور دو کشمیری خادم خضر اور حسن جو آپ کے پیچھے تھے۔ ان دو میں سے ایک نے گھوڑا پکڑا ہوا تھا۔ میں نے گلاب کا ایک شیشہ اور کچھ پان اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ بھیجے۔ اور اسے کہا۔ کہ شیشۂ گلاب حضرت سے چکھوا کر واپس لا۔ میں حضرت کی خدمت سے "بادیدۂ گریان و دل بریان" روانہ ہوئی۔ اور آپ بھی سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف متوجہ ہوئے۔

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ پیر دستگیر اور مُرشد کامل کے فیض و توجّہ سے مجھے ایمان حقیقی حاصل ہوا۔ جو عبارت ہے۔ عرفان و فنا سے۔ جو شخص اس حقیقت سے آگاہ نہیں۔ وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ بلکہ اس کا شمار اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کے زمرے میں ہے۔ جو کوئی اس سعادت عظمےٰ سے مشرف ہوا۔ وہ انسان کامل اور افضل موجودات ہے۔ اس کی ہستی، ہستی مطلق میں گُم ہو جاتی ہے۔ گویا وہ سمندر کا ایک قطرہ۔ آفتاب کا ایک ذرّہ اور کُل کا جزو ہوتا ہے۔ پس اِس حالت میں وُہ مرگ و عذاب۔ اور بہشت و دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ جس کسی کو ذات مطلق سے عشق و محبّت ہے۔ وُہ انسان کامل ہے۔ اگرچہ وہ عورت

ہو۔ شیخ عطار قدس سرّہٗ حضرت رابعہؒ کے حق میں فرماتے ہیں:۔

آن نہ یک زن بود بل صد مرد بُود   پائے تا سر جملہ عزق درد بُود

انہی ایّام میں یہ چند شعر میں نے شوق و وجد سے بغیر کسی فکر و تامّل کے کہے تھے۔ اس رسالے کے آخر میں انہیں درج کرتی ہوں:۔

اینہا ہمہ را ظہور حق مے بینم
ذاتست یکے جملہ صفت (کذا) می بینم

نقش است فنا بقاست بےرنگیٔ یار   بیرنگ بشو و رنگہا را مشمار

یار آمد در بغل بے محنت شبہائے ہجر   عاشق و دیوانہ بودم اشتیاقم داد اجر

شوق تو مرا در بر مے گیرد و مے مالد   ہر لحظہ و ہر لمحہ این ذوق تو مے مالد

پیر من و خدائے من دین من و پناہ من   نیست کسے بغیر تو شاہ من و الٰہ من

امروز ندیدیم کسے ثانیٔ تو   مائیم بروز عید قربانیٔ تو

اے شاہ زیک نظر بکردی کارم   شاباش بتوجہ خوش نمودی یارم

خوشا ہجرے کہ باشد آخرش وصل   خوشا فرعے کہ گردد عین آن اصل

تاثیر زبان خاصۂ شاہ من است   تقریر عیان خاصۂ ماہ من است

دریاب رہے کوچہ آن ملّا شاہ   کو ہست خزینہ دار توحید اللہ

محمد ابراہیم
گجرات کالج۔ احمد آباد

انیسویں صدی کا ایک مفکّر اور مصنّف

سر سیّد احمد خان

(۲)

تفسیر القرآن کی تنقید تفسیر القرآن کے مضامین و مباحث کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں سے صرف تفسیر حقانی میں عالمانہ استدلال اختیار کیا گیا ہے۔ مولوی امداد علی صاحب اور مولوی علی بخش خان نے بھی اپنے اپنے انداز میں ان خیالات و عقاید کے ابطال کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی مخالفت، مذہبی اور علمی ہونے کی بجائے ذاتی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی کوششوں کا چنداں اثر نہ ہؤا۔ اور سید کا مشن روز بروز ترقی پذیر ہوتا گیا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے مقدمہ تفسیر میں معجزہ، جن و ملائکہ، معراج وغیرہ اخلاقی مسائل پر اس زمانے کے ماحول اور معلومات کے مطابق محققانہ بحث کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے۔ کہ سر سید کے خیالات، اسلامی ماحول کی روشنی میں جتنے بھی دور از کار کیوں نہ ہوں۔ ابھی تک تجزیہ اور تنقید کے محتاج ہیں۔ اور ہنوز ان کی چھان بین اس اسلوب پر نہیں کی گئی۔ جس پر ہونی چاہئے تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ سر سید ہر مذہبی مسئلہ کو عقل کی روشنی میں دیکھتے اور پرکھتے تھے۔ وہ یورپ کے اس گروہ کی تقلید میں جسے "نیچر کا پرستار" کہا جاتا تھا۔ نیچر اور مذہب میں تطبیق کے خواہاں تھے قرآن میں جو باتیں "مافوق العقل" آئی ہیں انہوں نے ان کو عقلی تمثیلوں کے ساتھ حل کیا ہے۔ اور جو معاملات تاریخ اور جغرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان پر اس زمانے کی اثری اور تاریخی تحقیقات کے مطابق بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن اور بائبل کے قصّوں کو آپس میں تطبیق بھی دی ہے۔

سرسید کے استدلال کی خصوصیات ان مباحث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ سیّد کی تحقیقات کی ممتاز خصوصیتیں یہ تھیں :-

۱ - مذہبی عقائد کو "نیچر اور عقل" کی کسوٹی پر پرکھنا۔

۲ - مذہبی مسائل اور علوم طبعی (سائنس) میں موافقت پیدا کرنا۔

۳ - "موجودہ" انجیل کی اصولی صحت کا قائل ہونا اور قرآن کے مندرجات کے ساتھ اس کے مضامین کا موازنہ۔

۴ - جغرافیائی اور تاریخی علمی تحقیقات سے قرآن کے حل کرنے میں مدد لینا۔

ہمارے اپنے زمانے میں بعض تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ جن میں سرسید کے اس طریق کا اثر بدرجہ غایت نظر آتا ہے۔ مثلاً بیان القرآن مصنفہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور، بیان القرآن مصنفہ مولانا احمد دین امیر جماعت مسلمہ۔ تذکرہ مصنفہ مولانا عنایت اللہ خان مشرقی اور تفسیر قرآن مصنفہ حکیم احمد شجاع۔ نیز ترجمان القرآن مصنفہ مولانا ابو الکلام آزاد جن میں سے ۲، ۳، ۴ پر سرسید کے پورے پورے اثرات نظر آتے ہیں۔ اور ۱، ۵ پر غیر محسوس عکس دکھائی دیتا ہے۔ البتہ موخّر الذکر دونوں کا ماحول اسلامی ہے اور ان کی دلیل اور توجیہ کے ماخذ بھی اسلامی ہیں۔

عقلی استدلال کی خامیاں افسوس ہے۔ کہ آج سرسیّد زندہ نہیں ہیں۔ ورنہ وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچتے۔ کہ انہوں نے مذہبی مسایل کو حل کرنے میں جس عنصر سے سب سے زیادہ مدد لی یا جس کی حیثیت کو انہوں نے دیرپا اور مستقل جان کر اس پر اپنا محاذ قائم کیا۔ وہی ان کی پوزیشن

کو سب سے زیادہ کمزور اور بودا قرار دے رہی ہے۔ عقلیات اور سائنس دونو اس قدر بدل رہی ہیں۔ کہ ان کی تبدیلی اور جلد جلد تغیر پذیر ہونا ہی ان کی کمزوری کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ بلاشبہ انیسویں صدی میں یورپ کے مفکرین اور سائنس دانوں کا رجحان مادہ پرستانہ تھا۔ اور انھوں نے مذہب کے بخیئے ٹانکے اُدھیڑنے میں سائنس اور جدید تحقیقات سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری۔ کہ انیسویں صدی کے نظریات و انکشافات تقویم پارینہ کی طرح بیکار قرار دیئے جا چکے ہیں۔ ڈارون کی کتاب Origin of Species اور Descent of man کا بہت چرچا ہے۔ اور "ارتقا" اور "بقاء اصلح" کی صدا سے اب بھی بعض حلقے گونج رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ اب سائنس دانوں کی ایک جماعت اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ ہمارے ہندوستان میں علامہ مشرقی "ارتقا" کا ثبوت قرآن سے دینے کی ایسے وقت میں سعی فرما رہے ہیں۔ جب کہ اس مسئلہ کے واضعین اسے پرانا سمجھ کر پھینک رہے ہیں چنانچہ سپنگلر بھی ارتقائی طریق تخلیق کی بجائے خاص تخلیق (Special Creation) کے قایل ہیں۔

فلسفہ و سائنس کا جدید رجحان جن لوگوں کو سائنس اور فلسفہ کے موجودہ رجحانات کا علم ہے۔ یا جنھوں نے سر جیمز جینز Sir James Jeans اور سر آرتھر ایڈنگٹن Sir Arthur Eddington کے خیالات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ سائنس اور فلسفہ دونو اپنے پرانے محاذ سے ہٹ چکے ہیں۔ اور سائنس جسے مذہب کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا تھا۔ اب اس مادہ پرستانہ میلان چھوڑ کر بہت سے مسائل کے متعلق روحانی زاویہ نگاہ اختیار کر چکی ہے۔

ہمارے اسلامی فلسفی اقبال نے بھی اپنے مدراس لیکچرز میں عقل اور فلسفہ کی اسی تنگ دامانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک لیکچر میں فلسفہ کی ان کوتاہیوں پر جو محققانہ اور عدیم النظیر بحث کی ہے۔ وہ اس موضوع پر قطعی اور آخری رائے ہے۔ مذہب کیا ہے؟ ہمارے ضمیر کی گہرائیوں میں اس کائنات کی نامعلوم علت و معلول کے متعلق ایک غیر فانی اور غیر محسوس خالق سے وابستگی! سو یہ وہ میدان ہے جس میں عقل اور علم کا راہوار گذر نہیں پا سکتا۔ جب تک سلسلۂ اسباب کی ابتدائی کڑی پر انسان قدرت نہیں پا سکتا۔ اور جب تک ہماری ضمیر جذبات و حسیات، غم اور خوشی سود اور زیاں سے متاثر ہوتی رہے گی اور اس کے اتفاقات کو رفع کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گی۔ اس خدائے کائنات سے ہماری بالغیب وابستگی قایم رہے گی۔ مادّہ پرستی کی تحریکیں صرف ہماری پریشانی اور انتشار خیال میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ مگر ہماری فطری اور بنیادی خدا پرستی کو نہیں مٹا سکتیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ کہ سر سید احمد خان آتنی روحانیت کے بھی قایل نہ تھے۔ نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک خدا پرست اور متقی انسان تھے۔ تاہم عقل انسانی کی شوخیاں بعض اوقات ایسی بوالعجبیوں کا باعث ہوتی ہیں۔ کہ انسانی ضمیر دھوکے میں پڑ جاتی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان ایک ایسے خدا کا قایل ہو۔ جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر با ایں ہمہ وہ معجزہ اور 'خرق عادت' پر قادر نہیں!

بائبل اور قرآن کی تطبیق

بائبل اور قرآن میں تطبیق دینے کا مسئلہ اصولی حیثیت سے تو درست ہے۔ کیونکہ سر سید قرآن کی طرح بائبل کو موجودہ صورت میں بھی منزّل من اللہ مانتے تھے۔ پس جب دونوں مقدس کتابوں کا مأخذ ایک ہی ہے۔ تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ سر سید

نے کوشش مستقل طور پر اپنی ایک اور کتاب تبیین الکلام میں کی ہے ۔اور کہا جا سکتا ہے ۔کہ اس میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے تاہم یہاں پھر انہوں نے اپنے ہی مسلک کی مخالفت کی ہے ۔کیونکہ علوم طبعی کی روشنی میں بائبل کے بہت سے واقعات اور باتوں پر غلط ہونے کا اعتراض وارد کیا گیا ہے ۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ کے محققین نے مذہب اور بائبل پر مختلف اطراف سے جو حملے کئے ہیں ۔ان کی روشنی میں سرسید کا استدلال کم از کم یورپ کے محققین کو مطمئن نہیں کر سکتا ۔ ۱۸۶۲ء میں "بشپ کلنسو" نے اپنی ایک کتاب میں طوفان نوح کے واقعہ ہونے اور بنی اسرائیل کی ہجرت مصر کے واقعہ پر نہایت سختی کے ساتھ جرح کی اور ثابت کیا ۔کہ تاریخی استدلال کی رُو سے ایسے واقعات کا ہونا ممکن ہی نہیں ۔بیالوجی ، فلسفہ ،جیالوجی ، فلسفۂ تاریخ اور آرٹ کے پرستاروں نے اپنے اپنے رنگ میں مذہب اور انجیل پر شدید حملے کئے ہیں ۔ پس جب تک علوم طبعی اور مذہب کے تعلق کے متعلق ایک محفوظ پوزیشن نہ اختیار کی جائے ۔ اور علوم طبعی کو مذہب کے اختیارات پر نکتہ چینی کرنے کے ناقابل نہ سمجھا جائے ۔ بائبل بلکہ کوئی مقدس کتاب ان عقلی اعتراضات سے نہیں بچ سکتی ۔جو ۱۸ اور ۱۹ ویں صدی میں متواتر کئے گئے ۔یہاں پھر سرسید کی کوششیں (قرآن کو یورپ کے اعتراضات سے بچانے کی ، غالباً مشکور نہیں ہو سکتیں ۔کیونکہ وہ ایک طرف تو انجیل کے موجودہ نسخوں کی صداقت کے قایل ہوتے ہوئے ان کو قرآن سے ملاتے تھے ۔اور دوسری طرف عقلیات اور سائنس کو مذہب پر رائے زنی کا اختیار دیتے تھے ۔جس سے مراد سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے ۔کہ بائبل اور قرآن دونوں ان اعتراضات کا یکساں طور پر نشانہ بن سکتے ہیں ۔سرسید نے مذہب اور روحانیات کو عقل اور سائنس کے دریچے سے دیکھنا چاہا ۔ یہ غلطی کی ! لیکن اپنے زمانے کی سپرٹ کے مطابق دین اور مذہب کی زیادہ مقبول اور معقول توجیہ پیش کرنے کی سعی کی ۔یہ ان کی دیانت کی

مثال ہے! قصور رائے کا ہے ۔ضمیر کا نہیں! کوتاہی استدلال کی ہے ۔نیت کی نہیں!

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

خدا مرحوم ومغفور کو جنّت الفردوس میں جگہ دے ۔!

قرآن مجید کے جغرافیائی مقامات کی تحقیق یقیناً ایک محمود اور مستحسن کوشش تھی۔ چنانچہ وہ بہت مقبول بھی ہوئی۔ سرسیّد کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں سرسیّد کے خیال کو ہی جاری رکھنے کی کوشش کی ہے ۔اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مقامات اور افراد کی تعیین میں وہ کامیاب بھی ہوئے ۔تاہم قرآن کی تشریح اور حل کرنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔پھر بھی یہ حقیقت ظاہر ہے ۔کہ جب تک تحقیقات کا سلسلہ جاری رہے گا ۔اس وقت تک یہ تشریحیں بدلتی رہیں گی ۔چنانچہ سرسیّد جس ذوالقرنین کو چی وانگٹی فغفورچین قرار دیتے ہیں ۔اُسے جدید اثری تحقیقات کی روشنی میں مولانا ابوالکلام "سائرس" قرار دے رہے ہیں ۔جس کا مجسمہ اصطخر کے آثار قدیمہ میں دستیاب ہُوا ہے (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۰۱) ان دونوں میں سے کون سا خیال درست ہے؟ یہ معلوم نہیں!

خطبات احمدیہ

سرسیّد کی تمام تصنیفات میں سے ہمیں خطبات کے ساتھ جو دلچسپی ہے ۔اور اس کے اوراق میں جو لذّت ملتی ہے ۔وہ شاید کسی اور کتاب سے نہیں ملتی ۔غالباً اس کی وجہ یہ ہے ۔کہ اس عظیم الشان تالیف کی تحریک ایک بے لوث بے آمیز جذبۂ مخلصانہ سے ہوئی ۔جس کے ساتھ کوئی ذاتی ،یا نیم سیاسی غرض وابستہ نہیں کی جاسکتی ۔اس کی ہر ہر

سطر میں صداقت، عشق اور ولولۂ محبت مستور نظر آتا ہے۔ اور شاید یہی خوبیاں ہیں کہ سر سیّد کا کوئی مخالف بھی اس کتاب کی عظمت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب انگلستان میں مرتب ہوئی۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اس کے لئے مواد کافی مقدار میں نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی ترتیب اور تکمیل میں جو مشکلات پیش آئیں۔ اور ان مشکلات کو جس مردانہ اولوالعزمی اور عاشقانہ ثبات و استقلال کے ساتھ دُور کیا گیا۔ اس کی مختصر سی داستان خود سر سیّد کی زبان سے سن لینی چاہیئے۔

ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتے ہیں:۔

"ان دنوں ذرا قدرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا۔ اور مصمم ارادہ کرلیا۔ کہ آں حضرت صلعم کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہوجائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہوجاؤں تو بلا سے میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کردی ہیں چٹھیات روانہ ہوگئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیکن کی خریدلیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا۔ جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

مواعظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے۔ اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔ سود اور روپیہ میں ادا کردونگا۔ .... ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے۔ اور لکھ دیا ہے

کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو ...... کیا کہیے - اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے - خدا مدد کرے"

خطبات کی صمیمیت مندرجہ بالا خطوں کے بین السطور میں عشقِ رسولؐ کا جو جذبہ صادق نظر آتا ہے - وہ ہمارے مصنّف کے مقصد اور غایت پر بخوبی گواہ ہے - سر سیّد کی یہ تصنیف محض خدمت علم کے لئے نہیں بلکہ والہانہ عقیدت اور ضمیر کی دعوت پر لکھی گئی ہے - سر ولیم میور جن کی کتاب کے بعض مضامین کا یہ جواب ہے - ان دنوں صوبہ کے حاکم اعلیٰ تھے - لیکن دنیا دی حاکموں کا خوف سر سیّد کی محبت اور عشق کے راستے میں حایل نہیں ہوا - بلکہ انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھنا باقی سب چیزوں کی نسبت زیادہ ضروری سمجھا کیونکہ اس کے معاملے میں کمزوری اور مسامحت ضمیر کی کمزوری کی علامت ہوتی -

اگرچہ خطبات کو ریسرچ کا دعویٰ نہیں تاہم اس کے مصنّف نے تحقیق میں کوئی کمی نہیں کی - بلکہ بیاگرافی لکھنے کے لیئے اردو زبان میں ایک نیا اسلوب قائم کیا - چونکہ یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے - اس لیئے اس کا فائدہ بجائے محدود ہونے کے اور بھی وسیع ہو گیا ہے - جیسا کہ اس کے مضامین سے واضح ہوگا - اس میں سیرت رسول اللہ کے مآخذ اور ان کی چھان بین کے موضوع پر سب سے زیادہ توجہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے - کہ آپ کی بیاگرافی کے ضمن میں ہم کیوں ایک روایت کو قبول اور دوسری کو نظر انداز کر سکتے ہیں - اگرچہ متقدمین کی کتابیں ان مباحث سے پُر ہیں لیکن اردو میں پہلی مرتبہ اسی کتاب کے ذریعے اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے - اور سب سے بڑی بات یہ ہے - کہ سر سیّد کا ماحول اسلامی ہے - وہ اپنے دلایل خارجی دنیا سے نہیں لاتے - بلکہ خود اسلام کا لٹریچر ان کی رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے -

اس کتاب میں اسلام کا بلحاظ نظام تمدن کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا گیا ہے اور عقلی دلایل سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کے بعض تمدنی اور معاشرتی قوانین کیوں عام انسانیت کے لئے مفید ہیں۔

خطبات کے مضامین

خطبات کے مضامین کا مختصر خاکہ فایدہ اور موضوع کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خطبہ اول :۔ عرب کا تاریخی جغرافیہ۔

خطبہ دوم :۔ عرب کے عادات اور رسوم اسلام سے پہلے، اس میں جاہلیت کے اشعار سے استفادہ کیا گیا ہے۔

خطبہ سوم :۔ عرب کے مذاہب قبل از اسلام۔

خطبہ چہارم :۔ اسلام انسان کے لئے رحمت ہے۔ اور تمام انبیا کے مذاہب کی پشت و پناہ ہے۔

خطبہ پنجم :۔ مسلمانوں کی کتب مذہبی یعنی کتب احادیث، کتب سیر، کتب تفسیر اور کتب فقہ کے بیان ہیں۔

خطبہ ششم :۔ مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان کے رواج کی ابتدا۔

خطبہ ہفتم :۔ قرآن مجید اور اس کے متعلق غلط بیانیوں کا ازالہ۔

خطبہ ہشتم :۔ خانہ کعبہ اور اس کے گذشتہ حالات اسلام سے پہلے۔

خطبہ نہم :۔ آنحضرت صلعم کے نسب نامے کے بیان ہیں۔

خطبہ دہم :۔ ان بشارتوں کے بیان ہیں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

خطبہ یازدہم :۔ شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان ہیں۔

خطبہ دوازدہم :۔ آنحضرتؐ کی سوانح بارہ برس کی عمر تک۔

خطبات کا موضوع مندرجہ بالا فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ سرسید کی یہ کتاب کسی ایک متعین موضوع پر نہیں۔ نہ اس سے مقصود محض حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھنا تھا۔ بلکہ اسے اگر "مبادیات سیرت" یا "تمہید سیرت" کہیں تو بجا ہے۔ ان خطبات میں سرسید نے سیرت نگاروں کو بتایا ہے۔ کہ سیرت لکھنے کے لئے علاوہ واقعاتِ زندگی کی ترتیب کے اور کیا کچھ کرنا چاہیئے۔ اور تنقید اور تحقیق کے کن اصولوں پر کام کرنا چاہیئے۔ علی الخصوص حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھتے وقت کن کن اصول و مبانی پر عمل پیرا ہونا چاہیئے پس یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ جس طرح سرسید نے امور دین میں نقد و تبصرہ کا اصول رائج کیا۔ اسی طرح تاریخ اسلامی میں بھی نقد اور جرح کے اصول قایم کئے۔ اور اس بات کی ضرورت پر خاص زور دیا۔ کہ روایات کو قبول کرنے سے پہلے انہیں عقلی اور تاریخی منطق کے معیار پر پرکھا جائے۔

خطبات میں مذہبی رواداری کے اس اصول کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ موجودہ انجیل اور توریت اسی شکل میں منزّل من اللہ ہیں۔

اگرچہ اس زمانے میں سرسید کا اختلاف علماے وقت سے اتنا کھلا اور واضح نہ تھا تاہم معراج وغیرہ کو رؤیا ماننے سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں معقول پسندی کا رجحان ہو چلا تھا۔

مناظرہ یا تردید کے لئے جو طریقہ اب تک چلا آتا تھا۔ سرسید نے اس سے اجتناب کرتے ہوئے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا۔ جو معقول اور دلنشین تھا۔ انہوں نے الزامی جوابات سے عام طور پر احتراز کیا ہے۔ تعدد ازدواج کی بحث میں مُناظِروں کے طریقے کے مطابق یہ نہیں کہا۔ کہ حضرت سلیمان کی اتنی بیویاں تھیں۔ اور حضرت داؤد کی اتنی۔ بلکہ یہ ثابت کیا ہے۔ کہ تعدّد ازدواج فطرت کے عین مطابق ہے۔ اور

مظاہر کائنات سے ایسے شواہد پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ قدرت کا منشا یہی ہے کہ بعض اوقات مرد تعدد ازدواج کی طرف مایل بلکہ مجبور ہوتا ہے۔

خطبات کے اہم مسایل خطبات میں وہ نئے نظریئے جن پر سر سید نے خاص توجہ دی ہے۔ معدودے چند ہیں۔ مثلاً جبل فاران کا شام میں نہ ہونا جس کے بارے میں ولیم میور نے خاص توجہ مبذول کی ہے۔ کیونکہ بائبل کی بعض پیش گوئیوں کی رو سے فاران سے نور نبوت کے طلوع کی خبر دی گئی تھی قدیم عربوں کی شاعری سے قدیم عربی تمدن کا پتہ چلانا جو مستشرقین کا ایک خاص اسلوب ہے۔ مذہب اسلام کی فوقیت اس کے نظام تمدن کے اعلیٰ ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر چوتھے خطبے میں لکھا گیا ہے۔ اور خوبی سے نبایا ہے۔ اسلام کا دنیا میں بین المذاہب رواداری کا جذبہ پیدا کرنا۔ اور دوسرے مذاہب کے حق میں مفید ہونا حدیث تفسیر اور فقہ کا قطعی اصول دین میں سے نہ ہونا اور روایت کا نقد و تبصرہ کا محتاج ہونا۔ مسلمانوں کی ترجمہ قرآن مجید سے بے اعتنائی اور اس کے نتائج اس امر کی تردید کہ آنحضرت بنی اسمٰعیل میں سے نہ تھے معراج وغیرہ کا حالت رؤیا میں ہونا۔

ان محققانہ مباحث سے علم و فن کے جن اہم مسایل پر روشنی پڑتی ہے یا جن موضوعوں پر لوگوں کو زیادہ سوچنے کی دعوت ملی وہ یہ ہیں :-

۱- مآخذ سیرۃ رسول اللہ کی تنقید۔
۲- بائبل سے تطبیق اور مذاہب عالم کی اصولی وحدت۔
۳- عرب کا جغرافیہ تاریخی اور نسلی تحقیق۔
۴- ریسرچ کے لئے مغربی محققین کی محنتوں سے فائدہ اٹھانا۔
۵- اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی نظام کے۔

مولوی چراغ علی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا شبلی اور دیگر مصنفین نے سر سید

کے خطبات سے بہت اثر قبول کیا۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ بائبل سے قرآن مجید کی تطبیق کے موضوع کو علی العموم کوئی خاص مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے۔ اس خاص مسئلہ پر سرسید کے بعد بہت کم مصنفین نے توجہ کی صحف سماوی کی طرز کی کتابیں ضرور لکھی گئیں۔ لیکن ان کی بنیاد ذرا مختلف ہے

خطبات سرسید کا شاہکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں صداقت اور عشق کا جوہر موجود ہے۔ دنیا میں بعض نہایت مختصر کتابیں ایک مصنف کی عظمت کو روشن کرتی ہیں۔ خطبات بھی انہی مختصر کتابوں میں سے ہے۔ جنہوں نے جدید طرز پر سیرۃ رسول اللہ کی ترتیب کی طرف توجہ دلائی۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس موضوع پر لکھتے وقت کوئی مصنف سرسید کی ان تمہیدی کوششوں کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔

آئندہ فرصت میں تبیین الکلام، آثار الصنادید اور تہذیب الاخلاق پر تبصرہ کیا جائے گا۔ اور ان نمایاں افکار اور خیالات کو پیش کیا جائے گا۔ جو تعلیم اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق سرسید کی زبان اور قلم سے نکلے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ (باقی دارد)

خاکسار سید محمد عبداللہ

یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور

فرخی سیستانی

(سلسلہ کیلئے اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ مئی ۳۷ء دیکھئے)

حل بعض اشعار مشکلہ فرخی موافق ایڈیشن مبارک علی

صفحہ ۲ زخشمش تلخ تر چیزے نباشد در جہاں ہرگز زتلخی خشم او نشگفت اگر بلوا شود حلوا

بلوا۔ آزمائش۔ محنت۔ مصیبت۔ آفت۔ جس طرح ہائے مختفی پر سے وقت اضافت کسرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قدما۔ ی۔ پر سے بھی کسرۂ اضافت ساقط کر دیتے ہیں۔ تلخی خشم در اصل تلخیِ خشم تھا۔ المعنی۔ اوسکے غضب سے بڑھ کے دُنیا میں کوئی چیز تلخ نہیں ہے۔ لہذا اگر اوسکے زہر غیظ کیوجہ سے حلوا محنت و آفت بنجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

صفحہ ۴ ہر آنکس کو زباں دارد ہمیشہ آفریں خواند بر آنکو آفرین تو بیک لفظے کند املا

جو کوئی تیری تعریف ایک لفظ میں بھی کرے تو جسکو اللہ نے زبان دی ہے وہ اس تعریف کرنیوالی کی تحسین کریگا۔

صفحہ ۵ فرقت پردۂ تو گشت مرا پردۂ بر دو دیدۂ بینا

تیرے سراپردہ کی جدائی میری دونوں بصارت والی آنکھوں پر ماڑا بن گئی ہے۔

یعنی تیری جدائی میں اندھا ہوگیا ہوں۔

صفحہ ۷ در بر این سوے دگر فرمان دہد شمشیر تو فرد گرداند حالی ازگہ چین تا عرب

این سوے دگر سے مراد سمت مشرق ہے۔ المعنی۔ اگر بجانب مشرق تیری تلوار حکم دے تو عرب سے لیکر مقام چین تک مقامات کو خالی اور ویران کر دیں +

صفحہ ۱۰ سپید جامہ برد جامہ کز نماتش بود سپید صورت او ہمچو صورت مُشوب

سپید جامہ کنایہ از سپیدۂ صبح۔ نور کا تڑکا۔ مُشوب جسے شیب لاحق ہو۔ یعنی بڈھا المعنی جب صبح اپنا جامہ اتار دیتی ہے یعنی نور پھیل جاتا ہے تو اوسکی ہستی ظاہر ہونے سے اوسکی سپید صورت بڈھے کی ایسی صورت دکھائی دیتی ہے۔ (سپیدی میں تشبیہ ہے)

صفحہ ۱۸ مُغرمان روزہ بپوسید و تبہ کرد وبسوخت بو کہ باز بزیر ہمی راست کند رود و رباب

مُغرَم دوستدار و حریص المعنی حریصاں روزہ کو روزہ نے فرسودہ اور تباہ کر دیا۔ اور حدت گرسنگی سے جل گئے۔ ہوسکتا ہے کہ بربط و رباب پھر سے انہیں ٹھیک اور درست کر دے۔ راست ایک راگ کا بھی نام ہے۔

صفحہ ۱۸ برنیاید برضاے ملک از چنگ ملوک ملک دیرینہ چو مرغ زدہ در چنگ عقاب

اگر مصرع اول بطور استفہام پڑھیں تو یہ معنے ہونگے۔ وہ ملک دیرینہ جو اونکے قبضہ میں اس طرح پھنسا ہے۔ جیسے عقاب کے پنجہ میں کوئی پرندہ ہو۔ کیا بادشاہ کی اگر مرضی ہو تو وہ ملک اون بادشاہوں کے قبضہ سے نہیں نکل سکتا۔ استفہام نہ ہو۔ تو مصرع اول میں بجاے چنگ جنگ پڑھو اور معنی یہ ہوں گے۔ جس ملک دیرینہ پر ہمارا ممدوح قبضہ کئے ہوئے ہے دوسرے بادشاہ جنگ کرکے اوس سے نہیں لے سکتے۔ ہاں اوسکی مرضی ہو تو وہ بخش سکتا ہے۔ مگر مصرع اول اس طرح پڑھنا ہوگا

برنیاید زید شاہ من از جنگ ملوک

صفحہ ۲۰ برہنہ گشتن روے مہ از نقاب کبود حلال کرد بما بر حرام کردۂ رب

نقاب کبود کنایہ از آسمان حرام کردۂ رب کنایہ از شراب المعنے۔ رمضان گذر کر ہلال ماہ عید کے نمایاں ہونے نے شراب ناجائز ہمارے لئے جائز کر دی۔

صفحہ ۲۰ ستارگان ہمہ خوانند نام او کہ بوند بزیر مرکب او بر کواکب و مثقب

کوکب سیدالقوم و فارسہم مثقب الخبیر الفطن ذوالرائے ۔ یا۔ کواکب مثقب ستارہ ہائے روشن المعنیٰ ستارے اوس ممدوح کا نام لیتے ہیں۔ کیونکہ ممدوح کے آسمان سیر گھوڑے کے پاؤں کے نیچے ہوکر شہسواران خبیر پر۔ یا۔ ستارگان روشن پر انھیں فوقیت حاصل ہوجاتی ہے۔

صفحہ ۲۱ وانکہ دوتا باشد باتو بدل تا دل فرزنداں با او دوتا ست

جس کسی کا دل تم سے منافق ہوتا ہے۔ تو اس کی اولاد کا بھی دل اوس سے منافق ہوجاتا ہے۔

صفحہ ۲۶ ہنگام خزانست وخزانرا بدراندر تو نور بُنے زرین برجاے بہارلیست

زمانہ خزاں کا ہے۔ اور خزان کے لئے کوہ ودشت میں تو درخت نور بجلے بہار ہے۔

صفحہ ۲۶ بگذار حق مہر مہ ایشہ کہ مہ مہر نزدیک تو از بخت تو پیغام گذارلیست

مہر مہرگان۔ ماہ خزاں۔ جاڑوں میں شرابخوری زیادہ لطف دیتی ہے حق مہر جو کوئی خوشخبری لاتا ہے۔ اوسے امرا انعام دیتے ہیں۔ ماہ مہرگان کا انعام میخواری ہے۔ المعنی جاڑا چونکہ تمہاری خوش بختی کا پیغام لایا ہے۔ لہذا اوسکا انعام ادا کرو یعنی شراب پیو۔

صفحہ ۲۸ وز جود وز فضل تنہا نیست در ہمانند خویشتن تنہاست

ہمانند اشباہ وامثال (المعنیٰ) وہ صرف بخشش وفضیلت ہی میں بے نظیر نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اقران وامثال میں بھی فرید و وحید ہے۔ صرف لفظ ہمانند کیوجہ سے اس شعر کو اختیار کیا۔

صفحہ ۳۲ نتواں گفت کہ دریاے دمان دیگرہست نتواں گفت کہ دریاے دگر جز در اوست

دیگر ہست بوجہ شعر مافوق بمعنی غیر دل ممدوح المعنی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ دریاے

جوشان وخروشان دل ممدوح کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ انجاح مرام کے لئے بجز در ممدوح کوئی اور دروازہ ہے۔ (دل ممدوح کو دریائے جوشان فیاضی کے لحاظ سے کہا ہے)

صفحہ ۳۲ چگونہ ہول حیوانے زبالا چوں ژیان پیلے کجا پیل ژیان زوتا جہاں باشد جہاں باشد

ہُول بالضم بمعنی راست و درست و بمعنی بلند۔ یا ہول بالفتح زید عدل کی طرح بمعنی ہولناک المعنی وہ گینڈا کسطرحکا بلند حیوان ہے۔ کہ بلندی قامت میں لکھنا ہاتھی یا بڑھایا ہوا ہاتھی معلوم ہوتا ہے۔ بڑھایا ہوا ہاتھی اوسکے مقابلہ میں کیا چیز ہے وہ تو دنیا کے اوس سرے تک چھلانگیں مارتا جاتا ہے۔

صفحہ ۳۸ بر آنکس کونہ محمودی ست مذمومی بود بیشک کہ باشد آنکہ زین جملہ نواند بود آن باشد

محمودی بیرو محمود۔ و بمعنی قابل ستائش۔ انہیں دونوں معنوں سے مفہوم شعر ہے۔ المعنی جب کوئی بیرو محمود اور قابل ستائش نہیں۔ تو ضرور قابل مذمت ہے۔ کون ایسا شخص ہے کہ محمودی ہوسکنے پر مذمومی بنے۔

صفحہ ۳۹ برفت بردم آن روشنی واز پے آن بجستجوے سواران جلد ابغر ستاد

دم بالفتح پاس۔ نزدیک۔ و بالضم بمعنے عقب۔ اس جھگڑے سے بہتر ہے۔ پس پڑھا جائے۔ اور لفظ جستجو کے آخر میں یائے تحتانی زائد ہے برائے اضافت نہیں۔ المعنی۔ دھنے ہاتھ کی طرف جو روشنی دکھائی دی۔ اوسکی طرف چلا۔ اور اوس روشنی کے پیچھے تلاش میں چست و چالاک سوار بھی بھیجے۔ جَلد شدید القوی (منجد) چست و چالاک (منتخب)

صفحہ ۴۱ وآنزا کہ نخواہد کہ دریں خانہ بود ملک اندر ہمہ ملک نہ خان باد و نہ مان باد

دریں خانہ در دار دنیا المعنی جو شخص بھی ممدوح کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ تمام دنیا میں اوس کی حکومت ہو۔ دنیا بھر میں یا ممدوح کی حکومت میں اوس کا

خان و مان نر ہے

صفحہ۱۴ دل عاشق آنست کہ بے عشق نباشد   اے دوست دلے کو را بے عشق برآید

مصرع ثانی اس طرح بھی ہے

اے واے دلے کو زپے عشق برآید

المعنی ہر دل اسبات کا خواہاں ہے کہ بے عشق نہ رہے۔ اے مخاطب دوست ایسا دل کسکو میسّر ہے جسکی بغیر عشق نبھے۔ معنے بلحاظ نسخہ۔ با ایں ہمہ اوس دلپر افسوس ہے۔ جو عشق کے پیچھے پڑے۔ کیونکہ تکالیف عشق ناقابل برداشت ہیں۔ یا برآید کے معنی الگ ہوجائے۔ یعنی اوس دلپر افسوس ہے جو عشق سے الگ رہے۔

صفحہ۵۶ گل بجنبد ز یاد این بر سنگ   آب گردوز درد آن پولاد

گل سے مراد گل لالہ سنگ کی مناسبت سے المعنی محمد بن محمود کی یاد میں کوہ پرلالے بھی اہتزاز اور نشاط میں آجاتے ہیں اور محمود کی موت کے درد سے فولاد بھی آب آب ہوجاتا ہے۔

صفحہ۷۶ سوار با سر اندر شدے بد و وازاں   بروں شدے ہمہ تن چون ہزار پلے بسر

سوار سر لیکے ممدوح کے سامنے آتا ہے مگر پھر اوسکے سامنے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا ہے۔

صفحہ۹۲ چو قدرت تو نگہ کرد و عجز خویش بدید   چو آبگینہ شد آب اندر و ز شرم و حجر

حجر کا عطف آبگینہ پر ہے نہ شرم پر (المعنی) جب سمندر نے تیری قدرت اور اپنی عاجزی دیکھی تو شرم کے مارے شیشہ اور پتھر کیطرح جم کے رہگیا۔

صفحہ۹۶ گر کسے خواہد کہ در گیتی چو تو کارے کند   چون کند۔ چون در ہمہ گیتی نیابد ہیچ کار

اگر کوئی شخص دنیا میں تمہارا ایسا کام کرنا چاہے تو کیسے کر سکتا ہے۔ جب دنیا میں اوسے کوئی کام کرنے کو ملے ہی گا نہیں۔ کیونکہ تمام کام تو تم نے ختم کر ڈالے۔

صفحہ ۹۷ بارغم و اندیشہ ہمہ زین دل برخاست تامشک سیہ دیدم کافور ترا بار

تمام بار فکر و غم میرے اس دلسے دور ہوگیا۔ رہا۔ اوٹھ کھڑا ہوا) جبسے کہ کالی کالی زلفین تیرے گورے چہرہ پر بکھری دیکھین یا بار بجاے بار پڑھو۔

صفحہ ۹۷ کار دل من ساختہ بوداست نبود امروز بکام دل من گشتہ ہمہ کار

پہلے جو کام دلکا نہ بنا تھا وہ اب بنگیا۔ فی الحال میرے مقصد دلی کے موافق سب کاروبار ہے۔

صفحہ ۱۰۱ زینت و قیمت و مقدار جہان ز تو بود عمر خویش از چہ قبل بر تو نبرداست بکار

دنیا کی زینت و قدر و منزلت تجھی سے تھی۔ پھر زمانہ نے اپنی عمر تجھے کیوں نہ دیدی۔

صفحہ ۱۰۲ صدر مظالم بتو نداد ے بر خیر گر تو بنو دی بصدر ملک سزاوار

محکمہ خیرات کے ساتھ محکمہ تعزیرات تمکو کبھی ندیتا اگر تم صدر سلطنت کے سزاوار نہوتے

صفحہ ۱۰۳ بار خدایا خدایگانا شاہا شعر مرا سہل برگذارہ کن ایں بار

اے میرے آقا اے میرے مالک اے میرے بادشاہ اس مرتبہ میرے اشعار کو نظر سہولت سے دیکھئے۔

صفحہ ۱۰۶ بوبکر عندلیب نوارا بخواں گو قوم خویش را چو بیائی بیار

ابو بکر گویا جو بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ اوسے بلاؤ اور یہ بھی کہدو جب خود آئے تو اپنے ساتھ اپنے طائفہ کو بھی لائے۔

صفحہ ۱۱۰ از پرستیدن آن شاہ کہ دست و دل اوست جود را پشت و پنہ بہر اماں یُسر و یسار

یُسر سہولت و آسانی یَسار توانگری۔ دست چپ کنایہ از قدرت و اعانت و مدد۔ المعنی۔ اے معشوق میرے جسم کے ساتھ اور جو جی چاہے کر مگر اوس بادشاہ کی پرستش سے نروک جو سخاوت کا پشت و پناہ اور امان کے لئے سہولت اور قوت ہے۔

صفحہ۱۱۱ چون ملک شان بدید ازان سہ یکے بخشم داد و مابقی بہ حشر

راست گفتی ز بہر ایشان بود آن شکار گرفتہ گرد نگر

جب بادشاہ نے اون شکار کئے ہوئے جانوروں کو دیکھا تو ایک تہائی اپنے

نوکر چاکر کو دیدئے۔ اور باقی ہمراہیوں کو سچ تو یہ ہے کہ وہ شکار جمع کیا ہوا انہیں

لوگوں کے واسطے تھا۔

صفحہ۱۱۴ رمضان رفت و رہے دور گرفت اندرہ خنک آنکو رمضانرا بسزا بردبسر

ماہ رمضان گذر گیا اور اس نے خشکی میں دور کا راستہ اختیار کیا۔ اوسکا دل

ٹھنڈا ہے۔ جسنے رمضانکو مناسب طور سے بسر کیا یعنی روزے رکھے۔

صفحہ۱۱۴ دستہا کردہ برنگ نو و پا کردہ بلند آنکہ چون چشم نگار است و چو زلف دلبر

دست برنگ نو کردن یا تھونپر مہندی لگانا۔ پا بلند کردن پابند ہونا انجمن کرانا

جلد ہی چلنا۔ دور نا بہار چشم یہ شراب کی تعریف میں ہے۔ المعنی۔ وہ شراب

بہت جلد آئی جس نے اپنے رنگ سے دست ساقی یا میخوار کو رنگین کردیا۔ اور وہ

شراب مثل چشم یار سرخ ہے اور مثل زلف نگار معطر ہے۔

صفحہ۱۱۶ تو بگفتی بچہ ماند کہ من ایدون گفتم کہ بمہ ماند و مہ راز ستارہ لشکر

ماہ ازان گفتم کاندر لغت و لفظ عرب چشمۂ روز بود مادہ و مہ باشد نر

چشمۂ روز شمس زبان عربی میں مونث سماعی ہے۔ اور قمر مذکر ہے۔ المعنی۔

اے مخاطب تو نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا ممدوح کس چیز سے مشابہت رکھتا ہے

میں نے فوراً کہا کہ قمر سے مشابہ ہے اور ماہ کا لشکر ستاروں کا ہوتا ہے۔ یعنی کثیر

قمر سے میں نے اس لئے تشبیہ دی کہ لغت عرب میں شمس مونث ہے اور قمر مذکر۔

اگر شمس مونث نہوتا تو شمس کہتا جو اظہر آیات الٰہی ہے۔

صفحہ۱۱۷ ہر درختے پرنیان پیچی اندر سر کشید پرنیان خرد نقش سبز بوم لعل کار

بہار کے زمانہ میں ہر درخت نے ایسی پرنیان چینی کی چادر اوڑھ لی ہے۔ جس پر چھوٹے چھوٹے بوٹے ہوں زمین (متن) کا رنگ سبز اور اوسپر سرخ کام کیا ہؤا ہو۔

صفحہ ۱۱۸ بس نپاید کو بپرواز اندر آید گرم جوش گر بپرواز اندر آید مملکت گیرد قرار
وہ ہملے رایت بہت نہیں ٹھہرتا۔ کہ پھر گرمجوشی کے ساتھ پرواز کرنے لگتا ہے اور جب وہ پرواز کرتا ہے تو سلطنت کو استقرار اور استقلال ہو جاتا ہے۔ (یا بس نپاید = بہت دیر نہو گی)

صفحہ ۱۲۶ ناوک اوچو برون جستے از پہلوے رنگ سفرے کردے چندانکہ کند چشم سفر
اوسکا تیر جب بز کوہی کے پہلو کو توڑ کے باہر نکل جاتا تھا۔ تو اتنی دور جاتا تھا۔ کہ جہانتک نگاہ کام کرے۔

صفحہ ۱۲۷ غرم دیدم چو خسک کردہ زبس پیکان پشت کرگ دیدم چو سغر کردہ زبس ناوک بر
غرم بضم غین میش کوہی کرگ مخفف کرگدن گینڈا سغر خار پشت۔ سیہی المعنی۔ کثرت سے پیکان لگنے کی وجہ سے میش کوہی کی پیٹھ گوکھرو کی ایسی معلوم ہوتی ہے اور بکثرت تیر لگنے کیوجہ سے گینڈے کا جسم خار پشت کا ایسا دکھائی دیتا ہے۔

صفحہ ۱۳۰ اے از در دیدار بدید آئے وبدیدار آن روے کزو رنگ ستاند گل بربار
از در سزاوار گل بربار وہ پھول جو شاخ میں لگا ہوا اور توڑا نگیا ہو۔ المعنی۔ اے سزاوار دیدار دیکھنے میں آ اور اپنا وہ چہرہ دکھا جس سے گل ناچیدہ رنگ حاصل کرتا ہے۔

صفحہ ۱۳۱ چندین شرف و فضل و بزرگیست خرد را اے از خرد آنجا کہ خرد را نبود بار
عقل کو بہت شرف اور فضیلت اور بزرگی دیجاتی ہے۔ اے ممدوح تم

اپنی عقل کامل کی وجہ سے اوس بلند مقام پر پہنچے ہوے ہو کہ جہانتک خود
ذات عقل بھی نہیں پہونچ سکتی ۔

صفحہ ۱۳۲ تا ترا دیدہ ام ایماہ دگرسان شدہ ام　　با خلل گشت ہمی حال من وجان بحذر

اے ماہ جب سے مین نے تجھے دیکھا ہے میرا رنگ اور ہی ہوگیا ہے۔ میری
حالت مین خلل واقع ہوگیا ہے اور جان قابل احتراز ہے۔

صفحہ ۱۳۶ راست گفتی قضاے نیکستی　　برنشستہ مکابرہ بقدر

سچ جو پوچھو تو تم قضاء نیک ہو اور قدر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو

صفحہ ۱۴۳ راست گفتی بباد بر جم بود　　گر بود باد را ستام بزر

تم تیز رفتار گھوڑے پر کیا سوار ہو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان ہوا پر ہیں۔
لیکن یہ تشبیہ اوسوقت درست ہوگی جب ہوا کی لگام سونیکی ہو۔ چونکہ ایسا نہیں
لہذا تمہارا گھوڑا ہوا سے بہتر ہے۔ اسکو تشبیہ تفضیل کہتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۵ نیزۂ سازداوز دہرہ تیز　　ازیک اندر نشاختن بہ دگر

نشاختن نشاندن۔ چھیدنا۔ چبھونا۔ دہرہ۔ اہل دیلم وطبرستان کا ایک حربہ
ہے جسکا پھل ہنسئے کی طرح نہایت تیز ہوتا ہے۔ اور اوسکا دستہ لوہے کا
ہوتا ہے۔ المعنی اپنا نیزہ خنجر سے بھی زیادہ تیز رکھتا ہے۔ تاکہ ایک مخالف کو
توڑکے دوسرےکو بھی چھیدے۔

صفحہ ۱۵۵ حشم ولشکر بیدل شدہ بودند ہمہ　　ازغم واندہ دیر آمدن اوز سفر
شکر ایزد را کان اندہ وآن غم بگذشت　　کار چون چنگ شد واندہ ہیچون آذر

مسعود بن محمود کے ایران سے جلد واپس نہ آنے پر حشم ولشکر کے سب
لوگ بیدل ہورہے تھے اور اس بات کا ان لوگون کو غم تھا۔ کہ سفر ایران سے
واپس آنے میں کیوں دیر ہوئی۔ اللہ کا شکر کہ اونکے آجانیسے غم واندوہ دور

ہوگیا۔ اور کام مثل ساز چنگ پر نشاط و طرب ہوگیا۔ اور اندوہ آگ کی طرح سوختہ ہوکے رہ گیا۔

صفحہ ۱۵۶ وز رعیت نہ عجب نیز گزیں دور نیند مرغ و ماہی چہ بہ بحر اندر و چہ اندر بر

رعیت سے بھی تیری دوستی عجیب بات نہیں کیونکہ پرندے خشکی میں اور مچھلیاں سمندر میں تیری دوستی سے باہر نہیں۔

صفحہ ۱۵۸ بقاء شہ بود تا از بد اندیش نباید ہیچ مستے را استغفار

بادشاہ اوسوقت تک زندہ رہے جب تک کہ کسی مست کو اپنی میخواری کی عادت بد سے توبہ کرنا ضروری نہو۔

صفحہ ۱۲۶ تو خورشیدی از بہر تو بر بگردوں گراں گہ گذارند بالاے محور

گہ مخفف گاہ بمعنی تخت المعنی۔ تم عین خورشید ہو تمہارے لئے آسمان کے محور پر کارکنان قضا و قدر بھاری تخت بچھائینگے۔

دیوان فرخی بقدر نصاب مین میرے نزدیک سوا سو اشعار قابل توجہ ہیں جنکے معانی میں نے فرہنگ دیوان فرخی میں لکھدے ہیں۔ جو چھپ چکی ہے ❖

سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۷) جیمز ویل سٹڈ

James Wellsted.

جیمز ویل سٹڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں ایک بحری افسر تھا۔ وہ پہلا مغربی سیاح ہے جس نے عُمان کے علاقہ میں دُور دُور تک سفر کیا۔ اور پھر اپنے سفرنامہ کے ذریعہ سے مغربی دنیا کو عرب کے اس حصہ کے جغرافی طبعی اور دیگر حالات و کوائف سے آگاہ کیا۔ یہ سیّاح عمان میں داخل ہونے سے پہلے عرب کے مغربی اور جنوبی ساحلوں کی مساحت کر چکا تھا۔ اور جزیرہ سقوطرہ میں بھی دریافت حالات کے لئے سفر کر چکا تھا۔ اُس نے حضرموت میں بھی داخل ہونے کی ناکام کوشش کی تھی۔

۱۸۳۵ء کے آخر میں ویلسٹڈ مسقط میں اُترا۔ اور امام مسقط کی اجازت سے اور اس کی حفاظت میں اس نے مختلف جہات میں دور دور تک سفر کیا۔ سب سے پہلے اس نے عمان کے انتہائی جنوبی حصہ کی سیاحت کی اور وہاں کے بدوؤں کے ساتھ ساحل سے اندرون ملک میں دو منزل تک گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساحلی علاقہ کے باشندوں کا گزارہ چوپانی اور ماہی گیری پر ہے۔ اور کبھی صرف لوٹ مار پر۔ اس کے بعد اس نے شمال کی طرف عمان کے وسطی پہاڑوں کا رُخ کیا۔ اور راستہ میں فنات یا فلج (فارسی کاریز) یعنی زیرزمین دوز آب رسان نالیوں

کو دیکھا اور اُن کی ساخت پر حیران ہُوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ میں نے کئی ایک پانی کی نالیاں دیکھیں جو تقریباً چالیس فٹ کی گہرائی پر بہتی تھیں۔ جس جہت میں پانی لے جانا مقصود ہوتا ہے۔ اس طرف خفیف سا ڈھلوان رکھتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر روزن ہوتے ہیں۔ جن میں سے اتر کر نالی کو صاف رکھتے ہیں۔ اس طریق سے پانی میلوں تک لے جاتے ہیں۔ قنات کا ایک یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ سورج کی تمازت اور تبخیر سے پانی ضائع نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اہل عمان نے یہ طریقہ اہل فارس سے سیکھا ہو۔ جن کے ہاں کاریز کا عام رواج ہے۔

عمان کے درمیان میں ساحل سے فاصلہ پر مگر اس کے متوازی پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ شمالاً جنوباً چلا گیا ہے۔ شہر مسقط کے بالمقابل حصہ کوہستان کو جبل خضر کہتے ہیں۔ ویلسٹڈ نے دیکھا کہ جبل اخضر واقعی طور پر اسم بامسمّٰی ہے۔ دامانِ کوہ کی شادابی اور لہلہاتے کھیت دیکھ کر اس نے دل میں تعجب کیا کہ آیا یہ بھی ملک عرب ہی کا حصہ ہے جو عام طور پر اپنی بیابانی کے لئے مشہور ہے۔ تِلّے اور گنّے کے ہرے بھرے کھیت کھڑے تھے۔ ہر طرف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ اور مزارعین کے چہروں سے اطمینان اور بشاشت ٹپک رہی تھی۔ ویلسٹڈ نے اس کوہستان میں اِدھر اُدھر بہت سے چکر کاٹے۔ اگرچہ پہاڑوں کی چوٹیاں اور بالائی حصے بالعموم عریاں تھے۔ مگر اُن کی درمیانی وادیاں شاداب تھیں۔ جہاں غلّوں کے علاوہ انواع واقسام کے پھلوں کے درخت اُگ رہے تھے۔

ویلسٹڈ نے ساحلی علاقہ کی بھی سیر کی تھی۔ جسے باطنہ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ مسقط سے لے کر شمال کی طرف راس مسندم تک چلا گیا ہے۔ پانی کی افراط کے سبب سے نہایت زرخیز ہے اور مسلسل آباد ہے۔ اور بے شمار نخلستانوں سے معمور ہے۔ جن کی کھجوریں کثیر مقدار میں دساور جاتی ہیں۔

ویلسٹڈ کا سفرنامہ (Travels in Arabia) کے عنوان سے ۱۸۳۹ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔

(۸) فون وریدے

Adolf von Wrede.

فون وریدے ایک جرمن صاحب السیف تھا۔ جس نے کچھ مدت مصر میں بسر کی تھی۔ یہ پہلا مغربی سیاح ہے۔ جس نے حضر موت کے علاقہ میں سیاحت کی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ویلسٹڈ اس علاقہ میں داخل ہونے میں ناکام رہا تھا۔ یہی باشندوں کے شک وشبہ اور اُن کے تجسس سے بچنے کے لئے فون وریدے نے عربی نام اور عربی لباس اختیار کیا۔ پہلے عدن پہنچا، پھر مکلّا آیا جو کہ بحیرہ عرب کے ساحل پر حضر موت کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ اور جنوب عرب میں عدن سے اتر کر اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہے۔ یہاں اس نے چودہ پندرہ بدوی ساتھ لئے اور ظاہر کیا کہ وہ حضرت ہودؑ کی قبر کی زیارت کو جا رہا ہے۔ جس کا حضرموت میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ۲۶ جون ۱۸۴۳ء کو روانہ ہو کر نو دس دن کے سفر کے بعد وادی دؤان میں پہنچا جو نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ یہاں بہت سے گاؤں آباد تھے۔ جو نخلستانوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے بڑا گاؤں خریبہ نامی تھا۔ وہاں کا شیخ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور اُسی نے اُسے اِدھر اُدھر مختلف جہات میں سیر و سیاحت کرنے میں امداد دی۔ شمال کی طرف وریدے ربع الخالی کے کنارے تک پہنچا۔ جس کے حضر موت کے بالمقابل حصہ کو بحر الصافی کہتے ہیں۔ وہاں سے واپس آ کر اُس نے قبر ہودؑ کی طرف رُخ کیا۔ مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب سے اُسے راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ آخر کار ستمبر میں وہ

واپس مکلا آ پہنچا۔

فون وریدے کے حالات سفر اور نتائج سیاحت کی مختصر روئداد ۱۸۴۴ء میں انگلستان کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو بھیجی گئی تھی۔ مگر اس کا پورا سفرنامہ اس کی وفات کے بعد بیرن مالٹزن نے ۱۸۷۰ء میں Brunswick کے مقام سے بمعہ نقشہ اور حواشی کے شائع کیا۔

وریدے کے سفر سے علمی دنیا نے حضرموت کے طبعی و دیگر حالات سے اطلاع پائی۔ اس کی سیاحت سے یہ منکشف ہوا کہ تمام ملک ایک سطح مرتفع ہے۔ اور اس کے بیچوں بیچ ایک بڑی وادی ہے۔ جو پہلے تو مشرق کی طرف بہتی ہے۔ پھر اس کا رُخ قدرے جنوب کی طرف ہو گیا ہے۔ اور بالآخر سیحوت کے مقام پر سمندر کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اس بڑی وادی کے متوازی اور بہت سی معاون وادیاں ہیں۔ جو بڑی وادی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ یہ سب وادیاں ملک کی سطح مرتفع کو بڑی گہرائی تک کاٹتی ہیں۔

وریدے کے بعد متعدد جرمن اور انگریز سیاحوں نے حضرموت کی سیاحت کی اور وہاں کے جغرافی، مذہبی، اقتصادی اور معاشری حالات دریافت کئے۔ ان سب کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔ ابھی پچھلے سال ایک انگریز خاتون Freya Stark نامی نے وہاں کا سفر کیا ہے۔ اور واپسی پر وہاں کے حالات پر ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

(۹) ارنو

Arnaud.

جس زمانہ میں وریدے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر حضرموت میں سفر

کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک فرانسیسی شخص ارنو نامی اس کے مغرب میں بلاد مأرب کی تاریخی سرزمین میں مصروف سیاحت تھا۔ اہل مغرب میں سے ارنو پہلا شخص ہے جس نے مأرب کے کھنڈروں کو برأی العین مشاہدہ کیا۔

یہ شخص پہلے خدیو مصر کے ہاں ملازم تھا۔ پھر سلطان صنعاء کی ملازمت میں چلا گیا۔ اُن دنوں فرینسل نامی ایک عالم جدّہ میں فرانس کی طرف سے قنصل مقرر تھا۔ اس کی فرمائش اور تحریص سے ارنو نے مأرب کے قدیم کھنڈروں کو برای العین دیکھنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اور چند ایک عرب رفیقوں کے ساتھ ۱۸۴۳ء میں صنعاء سے مشرق کا رخ کیا۔ اور راستہ میں بہت سے خطروں کا سامنا کر کے بالآخر سبا کے کے کھنڈروں تک پہنچا۔ اور وہاں سے ایک وسیع وادی میں سے گزرتے ہوئے جہاں اب بھی مشرق اور جنوب کی طرف ندی نالے بہتے ہیں۔ سد مأرب پر جا پہنچا۔ اور وہاں کے کتبات اور نقوش کو دیکھا اور تقریباً ساٹھ حمیری کتبوں کی نقول حاصل کر کے واپس لوٹا۔ جو ژورنل ازیاتیک میں شائع ہوئے اور جن کو Osiander نے پڑھا اور حل کیا۔ ارنو نے اپنے حالات سفر رسالہ مذکورہ کی پانچویں جلد بابت ۱۸۴۵ء میں لکھے تھے اور اسکے ساتھ سد مأرب اور اسکے نواحی کے نقشے اور خاکے بھی شائع کئے تھے۔

اگرچہ ارنو کو کتبات کے حصول میں بلحاظ زمانہ سبقت حاصل نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے متعدد کتبے دریافت ہو چکے تھے۔ اور نہ ہی اس نے کوئی طویل سیاحت کی تاہم وہ اہل علم کے شکریہ کا اس لحاظ سے مستحق ہے۔ کہ اس نے محض علمی تحقیقات کے لئے ایک ملک بے آئین میں سفر اختیار کر کے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ بعد میں گلازر وغیرہ نے اسی علاقہ سے ہزاروں کتبے جمع کئے۔ مگر اُسے ترکوں کی حفاظت اور حمایت حاصل تھی۔ ارنو اس لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ کہ اس کے مشاہدات اور فراہم کردہ معلومات سے جنوبی عرب کے اثریات کے متعلق ہمارے علم میں ایسے وقت میں معتدبہ

اضافہ ہوا۔ جب کہ ابھی اس موضوع پر ہماری معلومات کا ذخیرہ بہت کم تھا۔

(۱۰) والن

G. A. Wallin

جیسا کہ بیان بالا سے ناظرین پر ظاہر ہو چکا ہوگا۔ ایک عرصۂ دراز تک دیارِ عرب کے جنوبی حصّے اور حجاز کے حرمین مغربی محققوں کی جولانگاہ بنے رہے۔ اور شمالی عرب کی طرف کسی سیّاح نے رخ نہ کیا۔ پہلا مغربی سیاح جس نے پچھلی صدی کے تقریباً وسط میں وہاں کے تمام مشہور اور اہم مقامات کو دیکھا۔ اور پھر علمی دُنیا کے افادہ کے لئے اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا۔ سویدی نسل کا ایک عالم وَالِن نامی تھا۔

والن اُن معدودے چند نہایت قابل افرنگی علماء میں سے تھا جنھوں نے عرب کی سرزمین پر علمی تحقیقات یا سیاسی اغراض سے قدم رکھا ہے۔ اول تو وہ عربی زبان میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ عرب کی سیاحت کے بعد وہ Helsingfors کی یونیورسٹی میں عربی کا استاذ مقرر ہو گیا۔ دوسرے وہ ایک نہایت دیدہ ور شخص تھا جس کی نگاہ سے عرب کی جغرافی فضاء اور وہاں کی معاشرت سے کوئی ضروری بات نہ بچی تھی۔ مابعد کے سیاحوں کے تذکروں سے مقابلہ کرنے سے اس کے بیان کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں ایک ایسے محقق کی تلاش اور جستجو ظاہر ہوتی ہے۔ جو محض علمی اغراض سے سفر کرے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خدیو مصر نے وسط عرب اور خصوصاً حائل کی ریاست کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بہرحال وہ قاہرہ سے اپریل ۱۸۴۵ء میں ایک مسلمان شیخ کی صورت بنا کر روانہ ہوا۔ اور معان کے راستہ سے الجوف میں وارد ہوا۔ جہاں وہ دو مہینے تک مقیم رہا۔ اس نے یہاں کے حالات اس تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ کہ بعد کے سیّاح اس پر کچھ زیادہ اضافہ نہیں کر سکے۔

الجوف سے روانہ ہو کر اس نے صحراء النفود کو قطع کیا اور جبل اجأ و سلمیٰ کے

علاقہ میں پہنچا۔ جس کو آج کل بحیثیت مجموعی جبل شمر کہتے ہیں۔ حائل کا شہر یہیں واقع ہے جس نے پچھلی صدی میں نجد کے حریف ہونے کی حیثیت سے بہت شہرت اور اہمیت حاصل کی تھی۔ جس زمانہ میں والن وہاں پہنچا تو بنو رشید نے وہاں ایک منظم اور طاقتور ریاست قائم کر رکھی تھی۔ شہر صاف ستھرا اور خوب آباد تھا۔ منڈیاں مال تجارت سے بھری پڑی تھیں اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔

قیام حائل کے بعد والن نے ایرانی حاجیوں کے ساتھ حجاز کا عزم کیا۔ افسوس کہ اس نے حرمین کے حالات تفصیل سے نہیں لکھے۔

اس کے بعد والن واپس قاہرہ چلا آیا۔ اور اپنے حالات سفر شائع کرنے سے پہلے دوبارہ عرب کا رُخ کیا۔ اس دفعہ وہ سمندر کے راستہ سے مدین کے بالمقابل ساحل پر اترا اور وہاں سے تبوک پہنچا۔ پھر شمالی حجاز کی مشہور نخلستانی بستی تیماء میں وارد ہوا۔ جہاں آج تک کسی مغربی سیاح کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ تیماء صحرا سے محصور ہے۔ اور اس کی شادابی تمام تر بئر الھُدَّاج پر موقوف ہے۔ جو ایک بہت بڑا کنواں ہے جس سے لوگ اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔

تیماء میں ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد وہ دوبارہ حائل میں وارد ہوا۔ جہاں امیر عبداللہ فوت ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ والن نے یہاں مہینہ بھر قیام کیا۔ مگر ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے یہ وقت کن مشاغل میں صرف کیا۔ چونکہ امیر عبداللہ کی وفات کے بعد ملک میں پورا امن نہ تھا۔ اس لئے وُہ آس پاس کے علاقہ میں بغرضِ تحقیق سیر و سیاحت نہ کر سکا۔ اور بالآخر ایک قافلہ کے ساتھ اُس نے عراق کا رُخ کیا۔ اور وہاں سے واپس وطن چلا گیا۔

والن چار سال بعد فنلینڈ میں فوت ہو گیا۔ اس نے اپنے دونو سفروں کے حالات

انگریزی زبان میں لکھ کر انگلستان کی شاہی جغرافی انجمن کو بھیجے تھے۔ جو انجمن مذکور کے رسالہ کی بیسویں اور چوبیسویں جلد میں شائع ہو گئے تھے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان دو مقالوں کے علاوہ اُس نے اور کوئی روئداد اپنی سیاحت کی نہیں چھوڑی۔

(باقی دارد)

عنایت اللہ

از ملتان

پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۷ء)

کھٹّو کا ذکر راسا میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ پرتھی راج کی چہیتی شکارگاہ معلوم ہوتی ہے جہاں متعدد موقعوں پر وہ شکار کھیلتا دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ (۱) جب جیبن پناہ لینے کے لئے پرتھی راج کے دربار کا رُخ کرتا ہے۔ اس وقت پرتھی راج کھٹّو پور میں جس سے مقصد یہی کھٹّو ہے شکار میں مصروف تھا (جیبن کتھا نویں داستان چھند ۹ صفحہ ۳۵۸) (۲) سلکھ جدھ ۱۳ ویں داستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ پرتھی راج شہاب الدین سے زر فدیہ وصول کرکے اور اس کو آزاد کرکے کھٹّو بن شکار کو چل دیتا ہے۔ (۳) آکھیٹک چوک برنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھٹّو بن میں شکار کو جاتا ہے۔ شہاب الدین کو جاسوسوں کے ذریعہ سے یہ اطلاع غزنیں پہنچ جاتی ہے۔ شاہ لشکر لے کر پہنچ جاتا ہے۔ اور بن کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے (۴) جیت راو جدھ ۲۴ ویں داستان۔ دلی پہنچنے سے ڈھائی سال بعد پرتھی راج کھٹّو بن شکار کو جاتا ہے۔ اس کی اطلاع نیت راو کھتری شہاب الدین

کو پہنچا دیتا ہے ۔ (۵) ہنساوتی و واہ ۶۳ ویں داستان ۔ شاہ کو جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ پرتھی راج کھٹو پر شکار کو گیا ہے (چھند ۱ ص ۱۰۵۴/۹) (۶) کیماس جدھ ۳۴ ویں داستان ۔ دھرمائن کایستہ پرتھی راج کے کھٹو بن جانے کی اطلاع شہاب الدین کو پہنچاتا ہے (چھند ۵ ص ۱۱۰۸/۱) ۔ (۷) دھن کتھا ۲۴ ویں داستان ۔ پرتھی راج اسی کھٹو کے بن سے ایک خزانہ نکالتا ہے ۔ یہ داستان راسا کی مقتدر داستانوں میں سے ہے ۔

راسا کی روایات میں کھٹو کے اس قدر اہم ہونے کی وجہ سے ہم مطلق تاریکی میں ہیں ۔ اس کے بیانات سے تو ایسا واضح ہوتا ہے ۔ کہ سندر بن اور کجلی بن کی طرح کھٹو بن بھی کوئی بہت بڑا بن ہوگا ۔ جس میں پرتھی راج مہینوں شکار کھیلتا رہتا ہے حتیٰ کہ شہاب الدین غزنیں سے آکر اسے گھیر بھی لیتا ہے ۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ مصنف نے کھٹو کا فقط نام سن رکھا ہے ۔ وہ اس مقام کے طبعی اور جغرافیائی حالات سے بالکل ناواقف ہے ۔ کھٹو تمام تر ریگستانی علاقہ ہے ۔ یہ موضع ایک پہاڑ کے ضلع میں جو تین میل لمبا ہے آباد ہے ۔ پانی اس قدر نایاب ہے ۔ کہ اس علاقہ میں کسی وقت بھی کوئی وسیع و عریض جنگل محفوظ نہیں رہ سکتا ۔ اور نہ شکاری جانور آباد ہو سکتے ۔ شیر ۔ تیندوا ۔ چیتا سانبھر جھانک وغیرہ ان اطراف میں نہیں پائے جاتے ۔ ہرنوں کی اقسام میں صرف چکارہ ملتا ہے ۔

کھٹو نام کے دو موضعے ہیں ۔ جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہیں ۔ ایک کو دوسرے سے ممیز کرنے کے لئے مغربی قصبہ کو آج کل بڑی کھاٹو اور مشرقی قصبہ کو چھوٹی کھاٹو کہتے ہیں ۔ راسا کا مصنف صرف ایک قصبہ سے واقف ہے ۔ جو اس کے نزدیک کھٹو ہے ۔ کھٹو اس میں شک نہیں قدیم تلفظ ہے ۔ اور کھاٹو جدید ۔ راقم نے اس قصبہ کے متعلق جس قدر پرانے فرامین اور کتبے دیکھے ہیں ۔ ان پر بصورت کھٹو نام ملتا ہے کھٹو کلاں قدیم الایام میں نہایت اہم مقام ہوگا ۔ وہاں کا سب سے قدیم کتبہ جو سابق

میں کسی تالاب پر واقع تھا۔ سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی عہد کی ایک جامع مسجد بھی موجود ہے۔ کھٹو میں شیرانیوں کا قبیلہ نہایت قدیم زمانہ سے آباد معلوم ہوتا ہے۔ ان کے متعلق سب سے قدیم تلمیح کتاب "مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول" میں ملتی ہے۔ جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی ایک تالیف ہے۔ کھٹو کی شہرت وہاں کے پتھر اور بابا اسحٰق مغربی کے مزار نیز ان کے مرید شیخ احمد کھٹو کی بنا پر ہے۔ جن کا مزار سرکھیج احمد آباد میں ہے۔ کھٹو پرگنہ ناگور میں شامل ہے اور بڑی کھاٹو کے نام سے ریلوے اسٹیشن بھی ہے جو ڈیگانہ اور سجان گڈھ لائن پر آتا ہے۔ محمد شاہی عہد سے یہ تمام علاقہ ریاست جودھپور کے قبضہ میں چلا گیا ہے۔ تب سے موضع کھٹو چانپاوت راجپوتوں کی جاگیر میں ہے۔

پدماوت

پدماوتی سے بیسویں داستان کے بعض خط و خال محمد جائیسی کی پدماوت کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ جو شیر شاہ متوفی ۹۵۲ھ کے زمانہ کی تالیف ہے۔ دیکھا جاتا ہے۔ کہ دونوں کہانیوں میں شہزادیوں کا نام پدماوت ہے۔ دونو شہزادیوں کے پاس طوطے ہیں۔ جائسی کے ہاں طوطا پدماوت کے حسن و جمال کی تعریف کرکے رتن سین والی چتوڑ کو اس کا عاشق بنا دیتا ہے۔ راسا میں طوطا پرتھی راج کی تعریفیں کر کر کے پدماوتی کو اس کا نادیدہ شیدائی بنا دیتا ہے۔ دونوں کہانیوں میں طوطا قاصد کا کام دیتا ہے۔ رتن سین بھی جاکر مندر میں ٹھیرتا ہے۔ پرتھی راج بھی پدماوت کو لانے کے وقت مندر میں پہنچتا ہے۔

ان کہانیوں میں واقعات و حالات کا یہ اشتراک اتفاقی نہیں مانا جا سکتا۔ ضرور ہے کہ ایک دوسرے سے لے رہا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ راسا کا مصنف جائسی

کے چراغ سے اپنا چراغ جلا رہا ہے۔

سوالک

پدماوتی کے بیسویں داستان میں یہ چھند آتا ہے:۔

سوالکھ اوذرسُل / لمکوں گڈھ دو رنگ ۱۱ (چھند ۲۶ صفحہ $\frac{۶۳۴}{۶}$)

اس چھند کا مطلب ہے کہ شمال کی طرف کوہستان سوالک میں کماؤں کا ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ موجودہ نقشوں میں کوہستان سوالک ہردوار اور ڈیرہ دون کے مابین دکھایا جاتا ہے۔ ٹائمز انسائیکلو پیڈیا میں ہردوار۔ ریاست ناہن اور ضلع ہوشیار پور کے درمیان بتایا ہے۔ لیکن واقعات بابری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابر کے عہد میں تمام ہمالیہ پر سوالک کا اطلاق ہوتا تھا۔ چنانچہ

"بمجرد گذشتن از دریای سندھ درین کوہستان از توابع کشمیر ولایتہاست مثل پکلی وبھمنک اکثری اگرچہ الحال اطاعت کشمیر میکنند امابیشترہا داخل کشمیر بودہ۔ بعد از گذشتن کشمیر درین کوہ بی نہایت ایل والوس وپرگنہ وولایتہاست تابنگالہ وکنار دریای محیط باین کوہ پیوستہ است۔۔۔۔۔۔ متاع مردم این کوہ نافہ مشک وقوتاس بحری وزعفران وسرب ومس است۔ این کوہ را مردم ہند سوالک پربت گویند۔ بزبان ہند [سوا] ربع لک صد ہزار [و] پربت کوہ [را] بیگویند یعنے ربعے [و] صد ہزار کوہ کہ یک صد وبیست وپنج ہزار کوہ باشد۔ درین کوہ ہا برف ہرگز برطرف نمی شود۔" (صفحہ ۹ طبع بمبئی)

جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ سوالک کا ذکر سب سے پیشتر تیمور کے حملۂ ہند میں آتا ہے۔ قلعہ میرٹھ کی فتح کے بعد گنگا عبور کر کے تیمور کوہستان سوالک میں گھس جاتا ہے۔ اور جمنا سے پار اتر کر پہاڑیوں سے جنگ کرتا ہوا کانگڑہ کا رُخ کر لیتا ہے۔ وہ ایک ماہ کے عرصہ میں کوہستان سوالک وکوہ کوکہ طے کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیمور کے ہاں سوالک

کا استعمال ایک خاص حصّہ کوہستان تک محدود ہے۔ جو ہردوار سے شروع ہو کر کانگڑہ پر ختم ہوتا ہے۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ پرتھی راج اور اس سے قریب تر زمانہ میں سوالک کا استعمال ایک بالکل مختلف خطۂ زمین پر ہو رہا تھا۔ جو غالباً ہانسی وسرستی منڈور و ناگور کے مابین محدود تھا۔ طبقات ناصری میں جو ۶۵۸ھ کی تالیف ہے۔ کئی موقعوں پر سوالک کا تذکرہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے بہرام شاہ غزنوی م ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء کے حالات میں ایک فقرہ محمد باجلیم والی ہندوستان کے متعلق یہ آتا ہے:۔

"و ولایت ہندوستان تمام او را داد و او بار دیگر عاصی شد و قلعۂ ناگور در ولایت سوالک بحد بیرہ بنا کرد" صفحہ ۲۴۔ ملوک نیمروز کے ذکر میں تاج الدین ینال تگین خوارزمی کے متعلق لکھا ہے:۔

"و این تاج الدین در خدمت ملک کریم الدین حمزہ بود در ناگور سوالک۔ ناگاہ فرصتے جست و خواجہ نجیب الدین را شہید کرد"

ترائن کی دوسری جنگ کے موقعہ پر جس میں پرتھی راج مارا جاتا ہے۔ پھر سوالک کا نام ہمیں ملتا ہے۔ چنانچہ

"و دار الملک اجمیر و تمام سوالک چون ہانسی و سرستی و دیگر دیار فتح شد" صفحہ ۱۲۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوالک کے ذیل میں ہانسی وسرستی بھی شامل ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء کے بیان میں بذیل ۶۲۴ھ یہ فقرہ مرقوم ہے:۔

"و بعد از ان بیک سال در شہور سنہ اربع و عشرین و ستمایہ عزیمت قلعۂ مندور کرد از حدود سوالک۔ حق تعالیٰ آن فتح او را میسّر گردانید" صفحہ ۱۷۲

منڈور مارواڑ کی پرانی راجدھانی ہے۔ جو موجودہ شہر جودھپور سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

طبقات کے ان فقروں سے ایسا مفہوم ہوتا ہے۔کہ سوالک ایک بڑی قسمت کا نام ہے۔جس میں ناگور اور منڈور سے لے کر ہانسی اور سرستی تک کا تمام علاقہ شامل ہے لیکن یہ بیان اس خطہ کی حدبندی کے لئے بڑی حد تک مبہم اور ناکافی معلوم ہوتا ہے۔البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے۔کہ غزنوی دور میں سوالک کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ ناگور کے واسطے ہو رہا ہے۔ناصر الدین محمود ۶۴۴-۶۶۴ھ ۱۲۴۶-۱۲۶۵ء کے عہد میں ہانسی اور ناگور کا علاقہ غیاث الدین بلبن کی جاگیر میں تھا۔منہاج سراج اس جاگیر کو بعض موقعوں پر ہانسی و سوالک کے نام کے ساتھ یاد کرتا ہے چنانچہ

"الغ خان را فرمان داد تا بسر اقطاع خود بطرف سوالک و ہانسی برود" ص۲۱۷

ایک اور مثال یہ ہے :۔

چون بخطۂ ہانسی رسید بر سبیل ہرچہ تمام تر فرمان داد تا جملہ لشکر ہای سوالک - ہانسی و سرستی و جیند و بروالہ و اطراف آن بلاد در مدت چہار دہ روز جمع شدند ص۳۰۵ [اور برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے :۔"و سوالک تا جالور و ملتان تا مرلیہ و از پالم تا لوہور (ص۲۶۹ و دیگر)" کرت دیگر سہ چہار امیران تمن مغل باسی چہل ہزار سواران مغل سر زدہ در سرزمین سوالک کو را کور در آمدند" (ص۳۲۱ تاریخ فیروز شاہی)

ان فقروں میں سوالک سے مقصد یہی ناگور رہے ہیں یہاں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔کہ آج بھی پرگنۂ ناگور کو مقامی تقسیم کے مطابق جو یقیناً کسی قدیم روایت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔مارواڑ کے لوگ سوالک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ان کی ایک ضرب المثل ہے۔کہ سوالک کے بیل عمدہ ہوتے ہیں۔ایک مشہور دوہرہ میں اہل سوالک کی مذمت یوں کی گئی ہے :۔

سو بیٹی ندیجے سوالکیا جے دیجے تو جوئے   روٹی دے ہے جوار کی پُولو دے ہے روئے

ایک اور دوہرہ سنیئے :۔

؎ سوالکیوں کی ڈیکری پڑی پول میں پیسے　　اوڑن کالی لوکڑی ڈاکن ہو جوں دیسے
جب پرتھی راج کے زمانہ میں سوالک کا استعمال ناگور و ہانسی کے علاقوں پر ہو رہا ہے۔ تو تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی عہد کی ایک تالیف میں جیسا کہ راسا کے واسطے دعویٰ کیا جاتا ہے سوالک کو ایسے معنوں میں لایا جاتا ہے جو پرتھی راج کے زمانہ سے دو ڈھائی صدی بعد رواج میں آئے ہیں۔

آئین وضوابط دربار

راسا میں درباری اور شاہانہ زندگی کے جو بعض مناظر دکھائے گئے ہیں۔ وہ مغلیہ زمانہ کی رسوم دربار سے اس قدر ملتے جلتے ہیں۔ کہ ہمیں ان میں اختلافی عنصر کی تلاش میں بڑی دقّت محسوس ہوتی ہے۔ جو لوازمے مغلوں کے ہاں دیکھے جاتے ہیں۔ وہی پرتھی راج اور جے چند کے درباروں میں کسی قدر ضمنی اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔ نقیب ہیں۔ نوبت نقارہ ہے۔ چتر اور چتر دار علیٰ ہذا چونری بردار و چوبدار ہیں۔ دربار فرش و فروش اور قیمتی قالینوں سے آراستہ ہے۔ دیواروں پر پچّی کاری کا کام ہو رہا ہے۔ امرا کی باقاعدہ نشستیں مقرر ہیں۔ اہل نغمہ و نشاط ہیں۔ موسیقی ساز بج رہے ہیں اور خوشبوؤں سے تمام دربار مہک رہا ہے۔ سلام اور درباری تسلیم کا بھی رواج ہے۔ نوبت نشان بجتا ہے ؎ نوبت نشان دربار بجّے چھند ۱۹۵۸ ۱۷۱

دلّی ورنن انسٹھویں داستان میں نگبودھ گھاٹ پر جمنا کے کنارے ایک باغ کا ذکر آتا ہے۔ جہاں بسنت کے ایام میں پرتھی راج علی الصباح دربار کرتا۔ میٹھے سروں والے ساز بجتے اور گویّے اپنی شیریں اور دلکش آوازوں میں عمدہ عمدہ راگ اور راگنیاں چھیڑتے عنبر عبیر اور گلال کی لپٹوں سے تمام دربار بس جاتا۔ وسط میں مہاراج پرتھی راج کا سنگھاسن (تخت) ہوتا۔ آس پاس ساونتوں کی نشستیں ہوتیں۔ راجہ کے دائیں بائیں

خدمت گار چنور لئے کھڑے ہوتے ۔ بائیں طرف گوبند رای بڈر راور سلکھ پرمار بیٹھتے اور دائیں طرف سومیشور کا سگا بھائی کنہ چوہان بیٹھتا جس کی آنکھوں پر ہمیشہ پٹی بندھی رہتی ۔ تخت کے پیچھے گرو رام پروہت کا آسن ہوتا اور سامنے کوی چند بیٹھتا ۔ چند پنڈیر ۔ چامنڈ رای ۔ لکھن بگھیلا وغیرہ سامنت اپنے اپنے آسنوں پر ادب سے بیٹھے ہوتے ۔ فرش پر گدی تکیے لگے ہوتے جن پر زری کا کام ہوتا ۔ دیواروں میں نیلم یاقوت وغیرہ رنگین جواہرات کی پچی کاری ہوتی :-

؎ پچی لِلّی نِلّی مانکین اَرَتنن جَتَنن منی تیج کین ۱۱ (چھند ۳۰ طبع ۱۵۵/۱۴ ۔ دلی ورنن ۵۹ ویں داستان)

دوپہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا ۔ بن بیر پڑہیار آتا اور ہاتھ جوڑ کر اطلاع دیتا کہ کھانا طیار ہے ۔ اس پر راجہ مع اپنے ساونتوں کے جاکر دسترخوان پر بیٹھتا اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ قیلولہ کرتا اور پھر دربار میں جا بیٹھتا ۔

بسنت پنچمی کے موقعہ پر راجہ بسنت کے دربار سجانے کا حکم دیتا ہے حکم ہوتے ہی ملازموں نے "زینت استھان" آراستہ کرنا شروع کیا جشن کے لئے سارا ضروری سامان نکالا ۔ بات کی بات میں منوں اگر عبیر اور گلال لاکر حاضر کیا ۔ ہرے ہرے پتوں شاخوں ۔ بیلوں اور بوٹوں سے مجلس کو سجایا ۔ سوتی ۔ ریشمی زرتار اور قسم قسم کے بسنتی رنگ کے کپڑوں سے دربار کے مقام کی آرایش کی گئی ۔ زعفران ۔ مشک ۔ اگر اور صندل کی خوشبو بسائی ۔ زمین پر جاجم اور انمول دلیچے (زیلچے) بچھائے ۔ گلاب کا چھڑکاؤ ہوا اور عبیر کی گرد اڑنے لگی ۔ درمیان میں گوپال لال جی کا سنگھاسن قایم کیا گیا ۔ پوجا کا وقت آتے ہی گھنٹے ۔ سنکھ ۔ جھالر ۔ مردنگ ۔ جنتر ۔ نفیری ۔ بھیری ۔ تنہائی چنگ ۔ ڈھول مُہنگ ۔ دمامہ ۔ بنسی وغیرہ ساز بجنے لگے ۔ پوجا کے اختتام پر راجہ بھی اپنے مقام سے اٹھ کر گوپال لال کے سنگھاسن کے پاس آبیٹھے ۔ اب مجرا شروع ہوا ۔ ارباب نشاط

نے اپنا اپنا کمال دکھایا۔آدھی رات کے وقت دربار برخاست ہوا اور راجہ انعام دے کر زنانہ محل میں چلے گئے۔

جے چند کے دربار میں بھی جس کا نقشہ شاعر نے قنوج سے اٹھویں داستان میں کھینچا ہے۔قریب قریب یہی کیفیت نظر آتی ہے۔رنگین قالینوں کے تھان کے تھان بچھے ہیں۔جن کو دیکھ کر قوس قزح کے رنگ شرماتے ہیں۔ریشمی دھاگے سنہری تاروں کے ساتھ گُتھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔جیسے زمین سورج کی شعاعوں سے منور ہو جائے۔نیلم اور یاقوت کی چٹّی ایسی خوش آیند نظر آتی ہے۔گویا دریائے نیل میں مچھلی تیر رہی ہے۔

سہ برن تھان تھانن ڈیبچے وِراجے　　تِنَن دیکھِ رنگن دھنن پنتی لاجے
گُتھے رَکت پٹّن سوی ڈوری ہیمَن　　منُو جھم رَوِکرَن مل نچل ہی تیمن
چرے رکت نیلَن نگن پٹّ ساہی　　منو آورے بندھو دھر نیل ماہی

(چھند ۶۳-۴-۶۵ صفحہ $\frac{1660}{14}$ قنّوج سے)

جے چند کے سر پر ایک خواص چاندی کی ڈنڈی کا چتر لئے کھڑا ہے اور دائیں بائیں دو چونری بردار ہیں:-

سہ سِر سَبت چھتر منڈیو سو بھوپ　　بہو ویس رڈی بھوتاس روپ
دو ہو پِٹھ ساجی در چنور ڈھار　　رجی روپ جانی اسونی کمار

(چھند ۲۱-۵۱۹ صفحہ $\frac{1654}{14}$)

چوبدار بھی موجود ہیں:-

سہ پان دھار چھر چھکر　　راج گرہی　　بر بھٹّ

(چھند ۸۴۴ صفحہ $\frac{1642}{14}$ قنوج سے ۱۶ ویں داستان)

نقیب بھی ہیں جو حکم احکام پہنچاتے ہیں:-

سہ حکم نقیبن کہہ پھرے | ڈیرا ڈیرا گاہے | چھند ۲ صفحہ $\frac{1206}{11}$ چوانلیسویں داستان

ہیں بخوف طوالت صرف انہی چند امور پر قناعت کرتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں کہ دربار کی آراستگی اور تکلّف کے ساتھ اس کی سجاوٹ مغل سلاطین کے ہاں ایک مقبولہ روایت رہی ہے قیمتی اور اعلیٰ اعلیٰ قالینوں اور ریشمیں پردوں سے وہ اپنے درباروں کو سجاتے بلکہ جشنوں کے موقعوں پر عام آئین بندی کرتے تھے میں یہاں ایک مختصر بیان بدایونی کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں جو ۲۸ سنہ جلوس اکبری کے جشن نوروز کے متعلق ہے۔

"آئین بندی ہر دو دیوان خانہ خاص و عوام بانواع قماشہاے لطیف فرمودہ اشیای قیمتی گوناگون ترتیب نمودہ درپردہای فرنگی وتصویر ہای بے نظیر گرفتند وسراپردہای اعلیٰ افراشتند و بازار آگرہ و فتح پور را نیز بایں دستور آراستہ تا ہژدہ روز و شب جشن عالی داشتند واقسام طوائف اہل نغمہ و ساز ہندی و فارسی و ارباب طرب از مرد و زن ہزاران ہزار طلبیدہ"۔ (صفحہ ۲۳۸ نولکشور ۱۸۶۸ء)

بلکہ ارباب موسیقی تو ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ آئین اکبری سے یہ فقرہ سنیئے:۔

"شمشیر بازان چابکدست و پہلوانان ہر سرزمین در انتظار فرمایش یای خدمت افشرند وخنیاگران مرد و زن آمادۂ فرمان پذیری باشند۔ شعبدہ بازان شگفت آور وبازیگران نشاط افزا دستوری نمایش جویند"۔ (جلد اول صفحہ ۱۸۵ نولکشور ۱۸۶۹ء)

موسیقی مغلیہ دربار کا ایک مقبول ضابطہ رہا ہے۔ جس کو صرف عالمگیر بادشاہ نے اپنے عہد میں موقوف کیا تھا۔ ورنہ ان کے ہاں سازندے اور اہل نغمہ باقاعدہ ملازم رہتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں خوشبو خانہ پر ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پادشاہ کو خوشبو کا بیحد شوق ہے۔ وہ اس کو عبادت الٰہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ عنبر اور عود اور دیگر مرکبات قدیم سے نیز جدید قسم کے مرکبات ساختۂ بادشاہی سے

محفل خسروی ہر وقت معطّر رہتی ہے۔ طرح طرح کی شکلوں کی سنہری اور رپہلی انگیٹھیوں میں بخور سُلگایا جاتا ہے۔ خوشبودار پھول کثرت کے ساتھ فراہم کئے جاتے ہیں۔ ان کا روغن طیار ہوتا ہے جو جسم اور سر پر ملا جاتا ہے۔ یہں اصل عبارت بھی سُنا دیتا ہوں:۔

"بزم آرای سلطنت بوی خوش را دوست دارد و آنرا دستمایۂ ایزدی پرستش دانند۔ ہموارہ از عنبر و عود و شگرف آمیز شہای باستان وفراہم آورد ۂ گیتی خداوند قدسی محفل عطر آگین باشد و در زرین وسیمین مجمرہا کہ بگوناگون پیکر برسازند بخور کنند۔ گلہای بویا خرمن خرمن برآمایند۔ از گل روغن برسازند و بدن و موی سر بدو براندایند" (ج ۹۲ اول نولکشور ۱۸۶۹ء)

ابوالفضل نے اور امور کے علاوہ ان مرکبات کے جو دربار میں طیار ہوتے تھے۔ مثلاً سنتوکھ۔ ارگجہ۔ گلکامہ۔ روح افزا۔ اوٹنہ۔ عبیر مایہ۔ کشتہ۔ فتیلہ۔ بارجات۔ عبیر اور غسول وغیرہ کے نسخے بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے عبیر کا نسخہ یہ ہے:۔

تین پاؤ صندل۔ چھبیس تولے عود (اگر)۔ دو تولے اور آٹھ ماشے مشک۔ سب کو پیس کر سایہ میں خشک کرلیں اور استعمال میں لائیں۔ ان ایّام میں سیر بھر عود کی قیمت دس روپے سے پانچ اشرفی تک ہوتی تھی اور تولہ عنبر کی قیمت ایک اشرفی سے تین اشرفی تک۔

دیواروں پر رنگین اور قیمتی پتھروں سے پچّی کاری کا مصنّف نے جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ یہ دستور ہندوستان میں مغلوں کے عہد سے زیادہ قدیم نہیں۔ شاہجہان کا زمانہ اس کے لئے بہترین مانا جاتا ہے۔ دہلی کے قلعہ میں دیوان خاص کی اور آگرہ میں تاج محل کی پچّی کاری بے مثال مانی گئی ہے۔ پچی کاری دراصل فارسی پرچین کاری کی بگڑی شکل ہے۔ جس کے معنی لغت میں یوں دیئے ہیں:۔

"انواع نقّاشی کہ از سنگ پارہا بر سنگ دیگر کنند"

درحقیقت یہ ایک مسلمانی دستکاری ہے۔ پرتھی راج کے عہد میں اس کا رواج تسلیم

کرنا عقل ونقل پر ستم توڑنا ہے - یں نقیب - چوبدار اور چونری بردار وغیرہ کے لئے کچھ نہیں کہنا چاہتا - کیونکہ ہندوستانی سرکاروں میں بھی ابھی تک ان کا رواج باقی ہے نقیب کا ترجمہ کڑکبت اور ڈونڈی والا ہو سکتا ہے - مگر ہمارا مصنّف اصلی لفظ نقیب ہی استعمال کر رہا ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں -

جاجم اور دُلیچہ جن کے فرش شاعر نے دربار میں بچھتے بیان کئے ہیں - دونوں ایرانی الاصل ہیں - دُلیچہ زلیچہ یعنی زیلو چہ کی بگڑی شکل ہے - زیلو بمعنی پلاس و قالی فرہنگوں میں مل جاتا ہے - زیلوچہ اس کا اسم تصغیر ہے - پلیٹ نے اپنی فرہنگ میں دُلیچہ کو غالیچہ کی تغیر یافتہ شکل کہا ہے جو ناقابل تسلیم ہے - زلیچہ کی مثال مثنوی خوب ترنگ تصنیف ۹۸۶ھ سے دی جاتی ہے - جو میاں خوب محمد چشتی متوفی ۱۰۲۳ھ نے بزبان گوجری (اردوی گجرات) لکھی تھی - وھو ہذا :-

(۱) بڈا زلیچہ اک بچھوا سے سوتا چتا تس اوپر جاسے

(دیگر) تونا بوں زلیچہ سوے جیوں پوتلا چتریا ہوے

سلام اور تسلیم بجا لانے کا بھی دستور ہے - جب لورک راے کھتری شہاب الدین کی رہائی کے لئے غزنیں سے دلّی آتا ہے - پرتھی راج کے حضور تین مرتبہ تسلیم کرتا ہے

؎ سنکھ آے چہوان کو سیس نائی تسلیم کیے

(چھند ۳۰۲ صفحہ ۲۲ دھن کتھا چوبیویں داستان)

یہی نہیں بلکہ جب راجہ اسے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے وہ پھر سلام کرکے بیٹھتا ہے ؎ -

؎ بیٹھن حکم راجان کئے اکری سلام بیٹھو نریبے ؎ (چھند ۳۰۳ صفحہ ۲۴)

اور جب تتار خاں مفروضہ وزیر شہاب الدین کی عرضداشت راجہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے تین بار پھر سلام کرتا ہے -

؎ تب کھتری پرتھی راج کوں کری سلام تیئے بار

لکھی ار داس تتار خاں | سمہی بیر وچار ॥ (چھند ۳۰۵ صفحہ ۲۴/۷)

یہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر سلام کرنے کا طریقہ درحقیقت مغلیہ دربار کا دستور ہے جب دھرمائن کایستھ پرتھی راج کے وزیر کیماس کی خدمت میں بادشاہ کی چٹھی پہنچاتا ہے - حسبِ دستور تین بار سلام کرتا ہے :-

ہ دیے پتری ایہ کہی سو کر اکری سلام تئے بار ॥ صاحب تم سن لرن کو ا آبو سندھو اتارا ॥
(چھند ۸۴ صفحہ ۱۱/۱۰ پہاڑ رای سمے ۲۷ ویں داستان)

حسین کتھا نویں داستان میں جب پرتھی راج شہاب الدین کو قید سے آزاد کرتا ہے - شاہ تین بار سلام کرتا ہے :-

ہ کئے سلام تئے بار اجاہو اپنے سونہانہ ॥ منی ہندو پرساہ اسجیّ آد سو تھانہ ॥ (چھند ۲۰۹ صفحہ ۴۲۱/۴)

دھیر پنڈیر چونسٹھویں داستان میں پھر شاہ اپنی رہائی کے وقت پرتھی راج کو تین مرتبہ سلام کرتا ہے :-

ہ کری سلام تہوں بار ا دھر انگر بے ترکانن ॥ (چھند ۴۷ صفحہ ۲۰۸۹/۱۸)

یہاں یہ کہنا بے موقعہ نہیں ہوگا کہ اکبر بادشاہ نے دو قسم کی تعظیم مقرر کی تھی - پہلی کورنش جس میں سیدھے ہاتھ کو پیشانی پر رکھ کر سر کو جھکانا پڑتا تھا - دوسری تسلیم جس میں سیدھے ہاتھ کی پیٹھ کو زمین سے چھو کر اور آہستگی کے ساتھ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو کر سر کو ہتھیلی کے ساتھ چھونا پڑتا تھا - خاص خاص موقعوں پر مثلاً رخصت و ملازمت و عطائے جاگیر و منصب و بخشش فیل و اسپ تین مرتبہ تسلیم کرنی پڑتی تھی - دوسری قسم کی داد و دہش کی صورت میں صرف ایک مرتبہ - ملازم بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ یہی دستور برتتے تھے - گویا اسی ضابطہ کے ماتحت ہم دیکھتے ہیں - کہ شہاب الدین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے پرتھی راج کے آگے اپنی رہائی کے وقت تین تین مرتبہ تسلیمات بجا لاتا ہے - میں اپنے بیان کی تائید میں آئین اکبری سے ایک فقرہ یہاں درج کرتا ہوں جو کورنش

سے متعلق ہے :-

"گیتی خداوند روی دست راست بر فراز پیشانی نہادہ سر فرود آوردن قرار فرمودو آن را بہ زبان وقت کورنش گویند" (ص۱۸۶)

اور تسلیم کے لئے لکھا ہے "آئین چنانست بندگان عاطفت پذیر پشت دست راست بر زمین نہادہ بہ آرامیدگی بر دارند و راست ایستادہ روی دست را بنارک سر نہند و بدین دل گزین روش سپردِ خود را گزارش نمایند و آنرا تسلیم برگویند .... ہنگام رخصت و ملازمت و منصب و جاگیر و تشریف و بخشش فیل و اسپ سہ تسلیم را پیشگاہ نیایش گردانند و در باقی مراتب داد و دہش و گوناگوں عنایت یگان یگان بجا آید" (ص۱۸۶ جلد اول نول کشور ۱۸۶۹ء)

ہمیں یاد رہے کہ مغلوں کے درباری ضابطے اس عہد کی دیگر سرکاروں کے لئے دستور العمل بن گئے تھے۔ چنانچہ مصنّف راسا پرتھی راج کے دربار کو انہیں ضوابط کے مطابق دکھا رہا ہے۔ بلکہ اسی دستور کی پابندی اسے گوکھ یعنی جھروکے کے ذکر پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے ہاں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ پرتھی راج بھی جھروکے میں بیٹھا کرتا تھا۔ درگا کیدار سے اٹھاونویں داستان کی تمہید میں وہ لکھتا ہے کہ پرتھی راج کیماس وزیر کے غم میں مبتلا ہے۔ رات دن اسی کے دھیان میں گھلا جاتا ہے۔ نہ اسے جھروکے میں بیٹھنے سے چین آتا ہے نہ انتر محل میں جانے سے بلکہ ساونتوں کے ساتھ چوگان کھیلتے وقت بھی یہی غم اس کو ہلکان کئے جاتا ہے چنانچہ کہا ہے :-

ع نہ سچ مکھ گوکھہ تھہ — نہ سچ اَندر راج
اُرانتر کیماس دکھ — سامنتاں سرتاج (چھند ۱۱ ص $\frac{15}{13}$)
نرپ کرنت چوگان — سنتھ سامنت سو بھر

جب رامتِ رس رنگ ا تب سنبھرے منترِ بر (چھند ۲ صفحہ ۱۵۱/۱۳)

یہ جھروکا ہمیں اکبر کے جھروکۂ درشن کی یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح چوگان بازی بھی مسلمانی کھیل ہے جس کا وطن ایران ہے۔

دعاگوئی بھی درباری ضوابط میں داخل ہے۔ مغلوں کے ملازمین اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت سب سے پہلے اس کے حق میں دعائیں دیتے نظر آتے ہیں اور پھر حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ راسا میں اس دستور کو بھی فراموش نہیں کیا گیا ہے۔ سلکھ جُدھ نیرہویں داستان میں پرتھی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج کشی کی خبر لے کر آتا ہے۔ اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر وہ راجا کو یوں دعا دیتا ہے:-

۵ اچھو اے چھو آن غازی خلق تو کھگ راضی
میواس مار باجی پہ د تو سرن ساجی
بھے بھیت بھوکن ترکھیون بھل پترِ کندن بھیکون
آواس نرواس نیرن جہاں نہاں کبھی دھتور کھیرن
اجمیر پیر سہائی دشمن بپیال لکھو دیو بائی
پیر پیغمبر دواہ گیر سارے ان ہین مٹی ترن دنت چارے
دھلی تخت نفر راج تیں تیں گنگ جل جمن روی چند جے تیں

(چھند ۱ صفحہ ۵۲۰/۵)

یہ دعا بالکل مسلمانی طرز کی ہے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ پرتھی راج کا مخبر مسلمان ہوگا۔ وُہ دعائیہ کہتا ہے۔ کہ اے غازی چوہان! خلق خدا تیری شمشیر سے خوش رہے۔ تو میوات کا فاتح کہلاتا ہے۔ خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اجمیری پیر تیرا دستگیر ہو۔ اور دشمن پامال ہوں۔ تمام اولیا اور پیغمبر دعا گو ہیں۔ کہ جب تک گنگا اور جمنا چاند اور سورج قائم ہیں تب تک تو دلّی کے تخت پر باقی رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دعاگیر بہ قیاس زمین گیر و دامن گیر نہیں ہے بلکہ دعاگر کی بگڑی شکل ہے۔

ہ دعا کرند بشاخ چنار مرگل را — تدرو و فاختہ وعندلیب وقمری سار
اگر دعا کرہ گل برچنار مرغانند — چراچو دست دعاگر شدست دست چنار

اس چھند میں یہ الفاظ مسلمانی ہیں۔ اے۔ غازی (گاجی)۔ کھلک (خلق)۔ راجی (راضی) کھیر (خیر)۔ پیر۔ دسمن (دشمن)۔ پیمال (پایمال)۔ جہلا آج بھی پیمال بولتے ہیں۔ پیر پیگمبر (پیغمبر)۔ دواہ۔ (دعا)۔ گیردگر تکھت (تخت) مسلمانی الفاظ کی یہ بہتات اگرچہ استعجاب انگیز ہے۔ مگر اس کی توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہوسکتی ہے۔ کہ شاعر اس موقعہ پر ایک ایسے مخبر کو راجہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے جو مذہباً مسلمان ہے اور اپنے جذبات وخیالات کے مطابق دعادہی میں مصروف ہے۔ اجمیر پیر کی حمایت۔ دشمن کی پائمالی اور پیروں کی دعاگوئی خالصاً مسلمانی جذبات ہیں۔

'اجمیر پیر' کی ترکیب بھی قابل لحاظ ہے۔ 'اجمیر پیر' سے مقصد خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہیں۔ لوگ انہیں 'اجمیری پیر' اور 'پیر اجمیری' کہتے ہیں۔ مسلمانی روایت پرتھی راج کے عہد میں خواجہ صاحب کو اجمیر میں موجود بتاتی ہے۔ لیکن انہیں مقبول عام ہو کر اجمیری پیر کے خطاب سے مشہور ہونے کے لئے صدیوں کا زمانہ درکار ہے۔ خواجۂ اجمیر ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے پیشوا ہونے کے لحاظ سے اگرچہ ہر عہد میں مقبول ومحترم مانے گئے ہیں۔ لیکن سلاطین مغلیہ کی ارادتمندی نے ان کی شہرت وعظمت کے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ خصوصاً اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے زمانوں میں۔ اکبر ایک زمانہ میں خواجہ صاحب کا اس قدر معتقد تھا۔ کہ اپنی منت پوری کرنے کے لئے فتحپور سیکری سے اجمیر تک پیادہ پا جاتا ہے۔ جہانگیر بھی اجمیر گیا ہے اور درگاہ پر دیگیں چڑھاتا ہے جو اب بھی موجود ہیں۔ شاہجہان چاندی کا کٹہرہ بنواتا ہے۔ اور جہاں آرا بیگم آپ کے

حالات میں ایک رسالہ مونس الارواح نامی تصنیف کرتی ہے۔ جس کا اصل نسخہ لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور یہی زمانہ ہے جب عوام میں اجمیری پیر کی قسم کی ترکیبیں رائج ہوتی ہیں۔

ڈھلّی تخت (دلّی تخت) فارسی ترکیب "تخت دہلی" کا پرتو ہے "تخت دہلی" کثرت استعمال سے ایک مقبول عام ترکیب بن گئی ہے۔ اور اس وقت رواج میں آئی۔ جب دہلی مسلمانی حکومت کا پایۂ تخت بن گیا۔ مگر اس موقعہ پر جاسوس کو پرتھی راج کو جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ دلّی کے تخت پر قائم بتانا قبل از وقت ہے۔ کیونکہ پرتھی راج ابھی تک ایک راج کنوار کی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا باپ سومیشور زندہ ہے۔ جو اجمیر پہ حکومت کرتا ہے۔ اور دہلی اس کے مفروضہ نانا اننگ پال کے قبضہ میں ہے یاد رہے کہ سلکھ جدھتیرھویں داستان ہے جس میں اننگ پال پرتھی راج کو متبنّٰی بنا کر دلّی کی گدّی اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

اب تک ہم نے پرتھی راج کے درباری لوازمہ کا مطالعہ کیا ہے۔ جو اکثر امور میں مغلیہ درباروں کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف نے پرتھی راج کے عہد کی خصوصیات تمدنی سے ناواقفیّت کی بنا پر اس کے دربار کو اپنے عہد کے انداز میں سجا دیا ہے۔ بلکہ مسلمانی اصطلاحات کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کیا ہے مثلاً عنبر و عبیر وغیرہ جن سے دربار بسایا جاتا ہے۔ گلاب جس کا چھڑکاؤ ہوتا ہے جاجم اور دیبچے (قالین) فرش پر بچھائے جاتے ہیں۔ موسیقی سازوں میں چنگ۔ شہنائی۔ دمامہ اور نفیری۔ موخر الذکر کو مصنّف نے پھیری بیائے مجہول لکھا ہے سلام اور تسلیم۔ نقیب اور تخت و چوگان بھی اسی مد میں داخل ہیں۔ اب ہم ایک اور زاویہ سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ جو پرتھی راج کی رانیوں۔ ان کے محل اور ڈیوڑھی کے امور پر روشنی ڈالتا ہے۔

آلھیٹ چکھ سراپ نام پرستا وتریسٹھویں داستان میں یہ قصہ آتا ہے۔کہ پرتھی راج قنوج کی مہم سے واپس آنے کے بعد اپنے مقتول پہلوانوں اور ساتھیوں کے لئے بیحد مغموم رہنے لگا ہے۔اس کا غم غلط کرنے کے لئے رانیاں یہ تدبیر کرتی ہیں۔کہ راجہ سے فرمایش کرتی ہیں کہ ہمیں بھی تو کبھی لے جاکر شکار کی سیر کرائیے اور دکھائیے کہ شکار کیونکر کھیلا جاتا ہے۔شیر۔ہرن اور سوّر کس طرح مارے جاتے ہیں۔شیر ہرن کو کس طرح مارتا ہے اور کُتّے زنجیروں سے آزاد ہوکر اپنے شکار کو کس طرح دبوچتے ہیں۔ اس پر راجہ ان کی درخواست منظور کرلیتا ہے۔اور ایک ماہ کے لئے پانی پت جانے کی ٹھیرتی ہے۔اور جے چند کی دختر سنجوگتا پورے ماہ کے اخراجات کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے۔وُہ اپنی ڈیوڑھی کے مہتم جھگڑو ساہ کو حکم دیتی ہے کہ ہر چیز کا انتظام کرے اور اعلےٰ پکوان پکوائے۔ایلچی (الائچی)۔لونگ مرچ۔سکرّ (شکر) کھانڈ۔کھنڈ اور بہت سا اچار پانی پنتھ (پانی پت) پہونچوادے۔جب جانے کی طیاری ہوچکتی ہے۔سواری کے لئے پلکیاں (پالکیاں) ڈول (ڈولیاں)، سکھپال۔رتھ۔سکھاسن اور ہاتھی آتے ہیں لنیاں اپنی اپنی پسند کی سواریوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ لونڈیاں خوشبو کی کپیاں۔پانوں کا سامان اور صندوق وغیرہ سر پر لئے پیدل ساتھ ہولیں۔ان کے پیچھے عصا لئے خواجہ سراؤں کا جھرمٹ ہے۔ان کے پیچھے بھروسہ کی فوج کے دستے ہیں۔اور انتظام کے لئے چودہ کابستہ ساتھ ہیں۔پانی پت پہنچکر رانیاں خیمے ڈیرے کھڑے کئے جانے تک ایک باغ کی سیر کو جاتی ہیں۔کیا دیکھتی ہیں کہ باغ کی روشیں بڑی صفائی کے ساتھ بنی ہیں۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لد رہے ہیں۔اور پرندے ان پر بیٹھے چہچہا رہے ہیں۔آم۔نیبو۔جنبو وغیرہ کے درخت جھوم رہے ہیں۔چنپہ۔کیلے۔بدام۔انار۔ تاڑ۔چھوہارے۔سپاری۔کیوڑا کیتکی۔گلال۔پھالسے۔لونگ۔داکھ۔چندن۔بیڈر (ببر) وغیرہ کے درخت بڑی کثرت سے موجود ہیں۔۔ان میں مور۔چکور۔لال۔فاختہ

وغیرہ پرندے پھر رہے ہیں۔ درختوں کے سینچنے کے لئے چرس۔ رہٹ اور ڈھینکوری (ڈھینکلی) کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان میں سنجوگتا اپنے کارپرداز جھگر وساہ کو اچار بہم پہنچانے کے لئے خاص طور پر ہدایت دیتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آچار ایرانی الاصل لفظ ہے۔ اور مسلمان ہندوستان میں اس کا رواج دیتے ہیں۔ لیکن کیا پرتھی راج کے عہد میں اس کا اسقدر رواج ہو چکا تھا۔ کہ ہندوؤں کے ہاں بھی عام استعمال میں آرہا تھا۔ مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے۔ نظامی کے ہاں سکندر نامہ میں یہ شعر ملتا ہے:۔

ز آچارہا ہر چہ باشد عزیز ترنج و بہ و سیب و نارنج نیز

لیکن یہ مغلوں کا زمانہ ہے۔ جب اچار کا کثرت کے ساتھ رواج دیکھا جاتا ہے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں پچیس قسم کے آچار کی فہرست مع قیمت درج کی ہے۔ (ص۴۷ آئین اکبری)

اسی طرح آب کشی کے جو ذرائع بتائے ہیں۔ مثلاً چرس ڈھینکلی وغیرہ مغلوں کے عہد میں عام رواج میں آرہے ہیں۔ رہٹ البتہ آب کشی کا ایسا ذریعہ ہے۔ جس کا رواج پنجاب کے ساتھ مخصوص تھا اور بابر کے عہد تک ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا۔ جب بابر آگرہ میں اپنا باغ طیار کراتا ہے۔ رہٹ جس کی اشاعت لاہور دیبالپور تک محدود تھی۔ اس باغ کی خاطر آگرہ میں طیار کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ واقعات بابری میں آتا ہے:۔

"بدستور لاہور و دیبالپور چرخ ہا را راست کردہ آبہا جاری کردند"۔ (ص۲۱۱ طبع بمبئی)

اب یہ خیال کرنا کہ پانی پت جیسے قصبہ میں پرتھی راج کے ایام میں رہٹ کا رواج تھا ہمیں ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے۔

پانی پت کے مذکورۂ بالا باغ میں مصنف کے بیان کے بموجب بادام۔ لونگ۔

چندن اور سپاری کے درخت موجود ہیں لیکن ایسا بیان وہی شخص دے سکتا ہے جسکو درختوں کی کاشت اور خاص خاص زمینوں کے ساتھ خاص خاص درختوں کی مناسبت وغیر مناسبت کا راز معلوم نہ ہو۔ بادام ایسا درخت ہے جو ہندوستان کے شمال مغربی ممالک میں ملتا ہے مثلاً کشمیر و افغانستان و ایران وغیرہ۔ لونگ جزائر شرق الہند سے آتی ہے۔ ان میں جاوا اور بنا ویا قابل ذکر ہیں۔ صندل اور سپاری دکن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان درختوں کے لئے یہ تصور کرنا کہ پانی پت کے ایک باغ میں بعہد پرتھی راج موجود تھے۔ ہمارے نزدیک بالکل بے معنٰی ہے۔

مصنّف نے پرتھی راج کے زمانہ کے ساتھ خواجہ سراؤں کو موجود بتا کر سلاطین اسلام کے زنانہ محلوں کی ایک اہم خصوصیت کو اجاگر کر دیا ہے وہ کہتا ہے :۔

چڑھیو چلی کھوجن کو ستھ سنگ نہی جن کے سب انگ اننگ

چھند ۲۷ ص ۱۹۹۱/۱۲ ایکیٹ چکچھ سراپ نام پرستاو ۶۳ ویں داستان۔

خواجہ سراؤں کا دستور قدیم معلوم ہوتا ہے۔ بعض قدیم سلاطین ایران نے یونانیوں سے خراج میں خواجہ سرا وصول کئے ہیں۔ ایرانیوں سے مسلمانوں میں ان کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ضابطہ ہندوستان میں آیا۔ مسلمانوں کی تقلید میں راجپوت حکمرانوں نے اپنی حرم سراؤں کے لئے خواجہ سرا رکھنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ راجپوتوں میں یہ دستور کس زمانہ سے جاری ہوا۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ خواجہ سراؤں کی ضرورت انہیں اسی وقت پیش آئی ہوگی۔ جب انہوں نے پردہ کی رسم اختیار کر لی ہے۔ پردہ اور خواجہ سرا لازم ملزوم ہیں۔ راجپوتانہ میں تو ہمارے اپنے زمانہ تک اکثر ریاستوں میں خواجہ سرا باقی تھے۔ بلکہ قدیم وضع کی ریاستوں میں تو اب بھی موجود ہوں گے اس سلسلہ میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ راجپوتوں کے یہ خواجہ سرا اکثر اوقات مسلمان ہوتے تھے۔ جودھپور میں مہاراج کی ڈیوڑھی کا سردار الماس نامی ایک خواجہ سرا تھا۔ جو اپنی دولتمندی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے اپنا روپیہ خیر و رفاہ عامہ کے مصرف میں استعمال

کیا بلکہ مشہور ہے کہ نہر زبیدہ کی بھی مرمت کرائی تھی - اس کے انتقال کو چالیس برس سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے -

اگرچہ مصنّف نے پرتھی راج کے محل میں پردہ کے رواج سے متعلق صاف الفاظ میں اقرار نہیں کیا ہے - مگر راسا میں ایسی علامات ضرور ملتی ہیں جن سے یہی قیاس ترتیب دیا جاسکتا ہے - کہ اس کے زنانہ محل پردہ کی پابندی سے خالی نہیں تھے - اسی آکھیٹک چکھ سراپ میں بیں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں - رانیاں راجہ کے دل بہلانے کے خیال سے اسے پانی پت لے جانا چاہتی ہیں اور شکار دیکھنے کا عذر تراشتی ہیں - مگر راجہ رانیوں کے ساتھ نہیں جاتا - بلکہ پہلے انہیں روانہ کرتا ہے اور پھر آپ ساونتوں کے ساتھ جاتا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ بوجہ پردہ رانیوں اور ساونتوں کا اجتماع اسے منظور نہیں تھا -

خواجہ سراؤں کے علاوہ پرتھی راج کے ہاں داسیوں (کنیزوں) کا بھی دستور تھا - جو محل کے باہر بھیتر آمد و رفت رکھتی ہیں - اور محل کے تمام معاملات انہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں - ان داسیوں کا راسا میں کئی مقام پر مذکور رہتا ہے - تمام پیغامات انہیں کے وسیلہ سے زنانہ میں راجہ کے پاس پہنچتے ہیں - سواری کے وقت وہ رانیوں کا ضروری ضروری سامان اپنے سر اور کندھوں پر لے کر پیادہ چلتی ہیں -

مغلوں کے ہاں قلماقنیوں اور ار دابیگنیوں کا دستور تھا - جو مردانہ لباس زیب تن کئے پانچوں ہتھیاروں سے مسلح پہرہ چوکی اور محلات کے حفاظتی کاموں پر متعین ہوتی تھیں - اسی تقلید میں مصنّف نے سنجوگتا کے محل کے دروازے پر "ناری بھیس نر" یعنی مردانہ لباس میں پہرہ دار عورتوں کو موجود دکھایا ہے - جو لال لال ڈنڈوں سے مسلح ہیں :-

دِکھ دیئے دربار پنگ کنور چڑھ بارہی

ناری بھیس نردستر سستر لگری کرچھا رہی (چھند ۲۲۵ ص ۲۱۴/۱۸)

تلمیح کو صاف کرنے کے لئے ہمیں بڑی لڑائی نروپرتا ۶۶ ویں داستان کی طرف رجوع کرنا چاہیے

جس میں قصّہ یوں آتا ہے کہ جب دلّی میں یہ خبر پھیلی کہ شہاب الدین بڑی طیاریوں کے ساتھ دہلی پر عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔ شہر کے مہاجنوں کو اپنی غیر محفوظ حالت کا پورا پورا احساس ہوا۔ اس کے انتظام کے لئے سب کے سب مل کر سری منت نگر سیٹھ کے پاس پہنچے۔ وہ اگرچہ انہیں کوئی معقول تدبیر نہیں بتا سکا۔ مگر سب کو ساتھ لے کر گرو رام کی خدمت میں جو پرتھی راج کا پروہت تھا جا پہنچا۔ پروہت جی بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن حرف مطلب سنتے ہی لگے بہانے کرنے کہ میں تو ایک غریب برہمن ہوں۔ پوتھی پاٹھ جانتا ہوں۔ سیاسیات سے میرا کیا واسطہ اس پر مہاجنوں نے انہیں قائل کرنا چاہا کہ راج گرو ہو کر آپ کا اس قدر غیر متعلق رہنا بے حد نامناسب ہے۔ قصّہ مختصر گرو جی اپنی باری میں انہیں لے کر کوی چند کے پاس آئے۔ کوی جی سارا قصّہ سن کر یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ راجہ کی ڈیوڑھی پر چلنا اور عرض معروض کرنا چاہیئے۔ چنانچہ تمام جماعت بہ سرکردگی کوی چند سنجوگتا دختر جے چند راجہ قنوج کے محل سرا کے دروازہ پر پہنچتی ہے۔ مہاجن لوگ بڑے مالدار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کوئی چوڈول پر سوار تھا اور کوئی سکھاسن پر۔ ابھی یہ لوگ مشکل سے ڈیوڑھی تک پہنچنے پائے تھے کہ وہ مردانہ لباس میں پہرہ دار عورتیں ان کی طرف بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جھپٹیں اور اپنے ڈنڈے پوری طاقت کے ساتھ ان کے سر اور کمروں پر برسانے شروع کئے۔ انہوں نے نہ چند کوی کا لحاظ کیا اور نہ گرو رام کی پروا کی۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا۔ گرو جی اور چند کوی تو پھر بھی مضبوط رہے۔ ڈنڈے پڑے ماریں کھائیں مگر اپنی جگہ سے نہیں ٹلے۔ مہاجن بیچارے اپنی اپنی سواریاں اور جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگے کسی کی چوڈول رہ گئی اور کسی کی پالکی۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا اور کسی کا ماتھا پھوٹا۔ اور ان چڑیلوں نے جب تک کہ شاہی محل سے انہیں دور دور تک نہیں بھگا دیا دم نہیں لیا۔

"تاریخ ہند سے واقفیت رکھنے والا کوئی شخص بھی سنجیدگی کے ساتھ یقین نہیں کر سکتا کہ مذکورۂ بالا ہنٹر چھٹ پہرہ دارنیاں درحقیقت پرتھی راج کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں ہماری

رائے میں مصنف ان تاثرات کا چربہ اتار رہا ہے ۔ جو اس کے اپنے عہد میں ان قلماقنیوں اور اردابیگنیوں سے متعلق عوام میں قصہ کہانیوں میں مشہور تھے ۔

یہی نہیں بلکہ یہ جو مصنف نے پرتھی راج کو بیسیوں بیویوں کا شوہر بیان کیا ہے ۔ اور جس کے لئے شاعر کو ۵۶ ویں داستان "وواہ سمے" جداگانہ لکھنی پڑی ۔ اس میں بھی ہمیں مسلمان سلاطین کی تقلید کی بو آتی ہے ۔ جن کے محلات میں حرموں کی کثرت اور کنیزوں کی افراط ان کی شان امارت کے قیام کے لئے ایک لازمی امر خیال کیا جاتا تھا ۔

شکار ترکوں اور مسلمانوں کا ایک خاص مشغلہ ہے ۔ مسلمانوں میں شکار کے بیسیوں طریقے مروج ہیں خصوصاً وہ جن میں شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعہ سے شکار کھیلا جاتا ہے ۔ یعنی تازی کتوں ۔ چیتوں ۔ باز ۔ جرّہ باز ۔ شاہین و چرغ وغیرہ کے ذریعہ سے ۔ راسا میں پرتھی راج کو شکار کا بے حد شایق ظاہر کیا گیا ہے ۔ اس کو اس دلچسپ تفریح کا اتنا ہی لپکا ہے ۔ جتنا فیروز شاہ تغلق یا جہانگیر کو ہو سکتا ہے ۔ وہ شکار کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ۔ شکاری پرندوں کا بے حد شوق ہے ۔ اور شہاب الدین سے فدیہ میں ہاتھی گھوڑوں کی طرح باز اور جرّہ باز بھی وصول کرتا ہے ۔ کیماس جدھ ۴۳ ویں داستان میں منجملہ چوبیس ہاتھیوں اور دو لاکھ روپے کے سو باز بھی شاہ کے فدیہ میں شامل ہیں ۔ پجوّن پاتساہ جدھ ۴۵ ویں داستان میں سلطان پندرہ ہزار باز دینے پر اپنی رہائی خریدتا ہے ۔

یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہے ۔ کہ اگر ہندو مذہبی زندگی کا عنصر پرتھی راج کی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو پرتھی راج میں اور قرون وسطےٰ کے کسی مسلمان والی کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ۔ میں اس کے شکار کے بعض واقعات یہاں عرض کرتا ہوں :-

(۱) آکھیٹک بیر بردان چھٹی داستان میں دیکھا جاتا ہے ۔ کہ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ایک ہزار شکاری کتے ۔ ایک سو چیتے اور ایک سو شکاری ہرن ہیں ۔ اس لوازمہ کے ساتھ وہ ایک گھنے جنگل میں شکار کیلئے گھس جاتا ہے (چھند ۱۱ - ۲۰ اج ۲ صفحہ ۲)

(۲) آکھیٹک چوک برنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھٹو بن میں شکار کو جاتا ہے۔
اس کے ساتھ پانسو پیدل۔ پانسو پھندیت۔ ایک ہزار کتّے۔ پانسو ہمراہی پچپن چیتے۔
اور بے تعداد باز اور بہری تھے۔ (چھند ۱۲ ص ۴۲۶/۴)

(۳) بھومی سپن پرستاو۔ سترہویں داستان۔ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے۔
ہانکا کرایا جاتا ہے۔ ایک شیر سامنے آتا ہے۔ راجہ تیر مارتا ہے۔ مگر خطا جاتا ہے۔ شیر
طیش میں آکر جھپٹتا ہے۔ جب قریب آچکتا ہے۔ راجہ تلوار کے ایک ہی وار میں اس
کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ (چھند ۳ ص ۵۰۵/۶)

(۴) جیت راو جدھ ۴۴ ویں داستان۔ دلّی پہنچنے کے ڈھائی برس بعد پرتھی راج کھٹو
بن میں شکار کو جاتا ہے۔ اور نیت راو کھتری اس کی اطلاع شہاب الدین کو بھیج دیتا ہے۔
اس دفعہ راجہ کے ساتھ سو چیتے۔ ایک سو بیس کتے بیالیس سیاہ گوش اور ایک سو ہرن تھے۔ (چھند ۲ ص ۱۰۲۲/۹)

(۵) دھن کتھا چوبیسویں داستان:۔ پرتھی راج ایک دن سنگار ہار مشہور ہاتھی پر سوار
ہو کر شکار کو گیا۔ کنہ بھی ساتھ ہو لیا۔ دونوں بہادر گھنے جنگل میں شکار کی تلاش میں پھر
رہے تھے۔ اتنے میں ایک بیڑبان نے آکر خبر دی کہ مہاراج یہاں سے قریب ہی
ایک زبردست سوّر موجود ہے۔ راجہ نے اس کے گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی
طرف بڑھا۔ جب سوّر نے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھر چکا ہے۔ ہنکارتا ہوا ایک
سمت کو ہو لیا۔ راجہ نے موقعہ پاتے ہی فوراً اسے تیر سے مار لیا۔ اس اثنا میں ایک
شیر کی خبر آئی۔ راجہ نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔
اتنا کہہ کر شیر کی طرف چل دیا۔ دیکھا کہ ندی کے کنارے ایک خونخوار شیر ایک بیل کو مار
کر اس کا گوشت کھا رہا ہے۔ راجہ نے ہانکے کا حکم دیا اور مہاوت نے سنگار ہار کو اسی
طرف بڑھایا شور و غل کی آواز سن کر شیر بڑی تیزی کے ساتھ راجہ پر آیا۔ راجہ نے تیر چلایا جو خطا گیا۔ جو اسی
میں کر بھ رای چھپا ہوا تھا اس نے شیر کے ایک تلوار ایسی ماری کہ اسکے دو ٹکڑے ہو گئے (چھند ۲۲۵-۵۰
ص ۲۲۹/۷)

(باقی آئندہ)

(محمود شیرانی)

سندھ کے بعض کتبے

(سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۵ء)

سکھر۔ بھکّر اور روہڑی

ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ صرف کتابوں ہی میں محفوظ نہیں ہے۔ اور بھی بہت سی یادگاریں ہیں جو اس عہد کے مختلف ادوار کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے میں مفید ہیں۔ ان میں سے بہت سی یادگاریں مرور زمانہ سے تلف ہوگئیں۔ مگر بہت سی ابھی باقی ہیں خصوصاً مغلیہ عہد کے لئے جو ہم سے نسبۃً قریب ہے مواد کی کافی افراط ہے۔ اس مواد میں قدیم شہر، ان کے کھنڈر، ان کی عمارات اور خرابے، سکّے، مخطوطات، تصاویر، وصلیاں، صناعی کے نمونے اور کتبے شامل ہیں۔ اس مواد کو نظر غور سے دیکھا جائے تو تاریخی کتابوں کے مضامین کی تصدیق یا تکذیب کے علاوہ بعض اوقات بالکل نئی باتیں اس سے معلوم ہوتی ہیں، اور اس وقت کی طرز معاشرت، مذاق، لوگوں کی ذہنی حالت اور اسی قسم کے اور بہت سے امور پر ایسی روشنی پڑتی ہے۔ جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں، گویا اس عہد کی زندہ تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

ہمارے مطلب کے قدیم شہروں میں سکھر، بھکّر اور روہڑی کا بھی شمار ہے۔ یہ تینوں شہر ایک دوسرے سے بالکل قریب واقع ہیں۔ ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۳۷ء کو میں ڈیڑھ دن تک وہاں مقیم رہا اور میں نے وہاں کی بعض عمارتوں، اور خرابوں کو دیکھا صفحات ذیل میں جن جن مقامات کو میں نے دیکھا اور جو جو کتبے میں نے وہاں سے نقل کئے انکا حال پیش کیا جائیگا۔ ترتیب وہی ہوگی جس ترتیب میں نے ان مقامات کو دیکھا۔ افسوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ ان شہروں کی قدیم یادگاروں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سارے سندھ کی اسلامی یادگاروں پر گزیٹیر نویسوں

اور محکمۂ آثار قدیمہ نے کافی توجہ نہیں کی ہے۔ صوبہ سندھ اور اس کے ضلع وار گزیٹیروں میں اس موضوع پر جو کچھ درج ہے وہ بالکل ناکافی ہے[1]۔ سندھ کے کتبوں کے نقول اگر محکمۂ آثار نے حاصل کئے ہوئے ہیں تو وہ شائع نہیں ہوئے - کم سے کم راقم حروف کو محکمہ کے بعض حکام سے کوئی اطلاع ان آثار کی نقول کے متعلق حاصل نہ ہوسکی۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے باوجود عجلت اور عرصہ قیام کی قلت کے راقم سطور نے سعی بلیغ سے جس قدر کتبوں کو نقل کرنا ممکن ہوسکا کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بعض کتبوں کے چربے حاصل کئے جاتے۔ مگر اتنا وقت نہ تھا۔ شاید کوئی اور صاحب اس کی توفیق پائیں اور اس کام کو کماحقہ سرانجام دے کر ان مساعی کو تکمیل و تتمیم تک پہنچائیں۔

سکھر اور اس کے نواح کی اجمالی تاریخ

ضلع سکھر کے گزیٹیر طبع ۱۹۰۹ء میں (ص ۵۳) پر جو حال سکھر وغیرہ کا دیا ہے اسکا حاصل یہ ہے[2] کہ سکھر دو ہیں قدیم اور جدید۔ ان دو بستیوں کو ریل کی پٹڑی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ نئی آبادی ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے آس پاس بسی ہوئی ہے جو دریائے سندھ کے کنارے شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ سلسلہ دراصل روہڑی سے شروع ہوتا ہے۔ دریائے سندھ اس سلسلے کو کاٹ کر گزرتا ہے۔ پھر روہڑی کے مقابل دریا کے پار سکھر کی جانب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو کر قریباً ۵ میل تک دریا کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ دریا کے بیچ میں بھکر کا جزیرہ ہے۔ وہ بھی اسی سلسلہ کوہ میں شامل ہے بھکر[3] چونے کے پتھر کی ایک چٹان ہے جو ۸۰۰ گز لمبی تین سو گز چوڑی اور قریباً ۲۵ فٹ

---

[1] بعض کتبے جو غالباً بالکل صاف اور واضح ہیں ان کی نسبت ضلع سکھر کے گزیٹیر میں مبہم سے بیانات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً دیکھئے گزیٹیر مذکور ص ۱۴۱ و ص ۵۴۔

[2] ضلع سکھر کا گزیٹیر ص ۲۰۔

اونچی ہے کہتے ہیں کہ دریائے سندھ پہلے اُلور کے پاس بہتا تھا، بعد میں آغاز عہد عباسیہ یعنی ۸۰۰ء کے قریب دریا نے ان پہاڑیوں کو کاٹ کر موجودہ راستہ بنا لیا۔ بھکر کے سنگلاخ کو دریا نہ کاٹ سکا اور وہ شروع میں شاید بصورت شبہ جزیرہ اور آخر بصورت جزیرہ دریا میں قائم رہا۔ دریا کا عرض بھکر اور سکھر کے درمیان سو گز سے زیادہ نہیں ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مقام پہلے اس سے بھی زیادہ قریب قریب ہوں گے۔ اور ان کے مشابہ نام بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، جلال الدین خوارزمشاہ کے حملہ کے حالات میں جوینی نے ان مقامات کا نام اکر و بکر لکھا ہے[1]۔ اور یہی صورت اس نام کی اس تانبے کے سکے پر ہے جو مجھے الور سے ملا اور جس کا ذکر آگے آئے گا۔

فوجی نقطۂ نظر سے جزیرہ بھکر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ ہی میں اس کو قلعہ کی صورت دے دی گئی۔ اور تاریخ میں بھکر کا نام سکھر سے زیادہ نمایاں طور پر مذکور ہوتا رہا۔

۹۲۶ھ بمطابق ۱۵۲۰ء کے قریب شاہ بیگ ارغون نے بھکر کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اس غرض سے بھکر کی فصیل اور برج و بارو کو پہلے سے زیادہ مستحکم کر دیا۔ بھکر کی آبادی کو اس نے وہاں سے باہر منتقل کرنا ضروری سمجھا اور یہ لوگ روہڑی اور سکھر میں جا بسے[2]، تب سے ان بستیوں کو روز افزوں ترقی حاصل ہوئی۔ ۹۸۲ میں اکبر نے بھکر لیا اور صوبہ ملتان میں شامل کر دیا۔ حملہ نادریہ کے بعد ماورائے سندھ کا علاقہ ایران سے ملحق ہوا اور اس میں بھکر اور سکھر بھی شامل تھے، انیسویں صدی کے ربع اوّل میں یہ علاقہ تالپوروں کے قبضہ

---

[1] جہانکشای جوینی ۲: ۱۴۴ پر ہے: "وقباچہ در کشتی با کر وبکر دو قلعہ است در جزیرۂ الخ" مگر بعض نسخے جو ہیں حاشئے میں دئے گئے ہیں۔ زیادہ درست معلوم ہوتے ہیں یعنی: "جزیرہ ایست وقلعۂ در آن جزیرہ"، "کہ قلعہ ایست در جزیرۂ" "قلعہ ایست در جزیرۂ"، [2] تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۴ پر ہے، "بہر حال آن بھکر بجای قدیم ولوہری وسکھر ازان جدید... قلعہ دی (یعنی بھکر) را شاہ بیگ از خشتہای الور اساس دادہ سادات ساکن درون قلعہ را بیرون در لوہری اقامت دادہ، نادر شاہ بادشاہ قلعہ را خراب ساخت"،

میں آیا اور ۱۸۴۲ء میں سرکار انگریزی سے متعلق ہؤا۔ اس وقت بھکر کو فوجی چھاونی بنایا گیا۔ اور چھاونی نے تجارت پیشہ لوگوں کو کھینچا جنھوں نے دریا کے کنارے سکھر جدید کو آباد کیا، ۱۸۴۵ء میں چھاونی توڑ دی گئی۔ جب ریل نے کراچی کو کوٹری اور ملتان کو لاہور سے ملا دیا تو کوٹری اور ملتان کے درمیان تجارت اور آمد و رفت جہازوں کے ذریعہ ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں سکھر کو بہت اہمیت حاصل رہی۔ جو پنجاب اور سندھ کے درمیان ریلوے لائن کے مکمّل ہونے سے کم ہوگئی۔ ہمارے زمانہ میں سکھر[1] کے بند نے سکھر کو پھر رونق تازہ بخشی ہے۔ اب میں ان مقامات کا ذکر کرتا ہوں جو میں نے مارچ ۳۷ء میں دیکھے،

روہڑی

روہڑی دریائے سندھ کے مغربی کنارے پست چٹانوں پر واقع ہے اور بہت پرانی بستی ہے۔ سکھر گزیٹیر (بذیل روہڑی) میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے دورِ حجری کے آثار یہاں بکثرت ملتے ہیں، قریب بہ یقین ہے کہ عربوں کے حملہ سندھ کے وقت یہاں کوئی قابل ذکر بستی نہ تھی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہؤا دریا کا گزرگاہ روہڑی کے پاس نہ تھا، جب دریا نے اپنا راستہ بدلا تو روہڑی اور سکھر دریا کے دائیں اور بائیں کنارے پر بس گئے، اور بھکر کی قلعہ بندی کر دی گئی پھر ارغونوں کے زمانے میں سادات بھکر یہاں بسا دئے گئے، عہد اسلامی کی متعدد یادگاریں[2] یہاں اب تک موجود ہیں، ۱۸۴۶ء کے قریب تھارنٹن (Thornton) کا اندازہ تھا کہ اس میں ۴۰ آباد اور ۸۰ ویران مسجدیں موجود ہیں۔ ریلوے سٹیشن کے تھوڑے ہی فاصلہ پر رضوی سیدوں کی قلعہ نما بستی ہے۔ جو ایک کچی فصیل کے اندر واقع ہے۔ یہ حضرات شیعہ ہیں مگر باوجود

---

[1] Sukkur Barrage.

[2] افسوس ہے کہ آثار ذیل کا دیکھنا ممکن نہ ہو سکا: ۱) عیدگاہ جو ۹۹۳ھ میں بنائی گئی، خیرالدین آدم شاہ اور میر عبدالباقی پورانی کے مقبرے، میر صفائی کی جامع مسجد، ست بہین، درگاہ خواجہ خضر، میر معصوم کی مسجد جس میں اب کسی کا بنگلہ ہے، قلعہ خیرالدین اور پیرانی کا حال تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۰ بیعد بہ دیا ہے،

محرم انھوں نے ازراہ عنایت مجھ کو بعض چیزیں جو اُن کے ہاں موجود ہیں دکھائیں انہی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ سیّد میر یعقوب علی رضوی بھکری بن سید میر میراں رضوی النقوی[1] عہد عالمگیر میں بھکر کے حاکم تھے۔ ایک معافی نامہ عہد عالمگیری کا جو سید یعقوب علی کی اولاد کے نام ہے۔ اُن کے پاس موجود ہے۔ وہ میں نے دیکھا ایک سیدھی سیف بھی ان کے پاس ہے، دستہ پر سنہری کوفت کاری ہوئی ہے اور حال ہی میں تلوار پر اُن کا نام بھی کندہ کرا دیا گیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں تلوار کو موصوف سے منسوب کرنا کہاں تک درست ہے۔ یہ تلوار ان حضرات کو کسی اور گھرانے سے دستیاب ہوئی ہے۔ ان کے پاس متعدد تصویریں اولیاء اللہ کی ہیں۔ جن میں بیشتر اولیاء ہند کی ہیں۔ ایک کتاب وظائف کی ہے۔ جس میں دوازدہ امام رضی اللہ عنہم کی رنگین تصاویر ہیں۔ یہ بارھویں صدی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کو ایک پیپر ماشی کے بکس میں رکھا ہوا ہے۔ جس پر جہانگیر کی تصویر اور نسکارگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس بستی کے پاس ہی میر یعقوب علی شاہ کی مسجد ہے جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ مگر ابھی ٹائلیں اس میں بعض بعض جگہ باقی ہیں۔ سکھر گزیٹیر ص ۷۴۴ پر اس کی تاریخ تعمیر ۱۶۷۷ء دی ہوئی ہے۔ اس بستی سے کچھ فاصلے پر سید سلطان رضوی کا شکستہ سا مقبرہ ہے جس کے دروازے پر کچھ کاشی کاری ابھی باقی ہے۔ اور تاریخ تعمیر ذیل کے کتبے میں درج ہے:-

سید سلطان رضوی چون ازین دار پنج	زد بدولت چار تکبیر و بجنت کرد جا
سبز پوشان بہشتی را چمن پیرای خلد	داد ہر ہفت از پی آن سید نعم الفتا
سال نقل او ز پیر عقل می کردم طلب	از سروش غیب در گوش من آمد این ندا

[1] یہ اُن کی اولاد کا بیان ہے۔ تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۸ پر سید یعقوب خان کو "از نبایر میر میران" لکھا ہے، اور میر میران کا مختصر سا حال بھی اسی کتاب میں ۳: ۱۲۵ پر دیا ہے۔

یک ہزار و صد ز ہجرت بُد بدان و سیزدہ ۱۱۱۳ | در جمل بشمر حروف جملہ این مصراع را
بعد سہ سال دگر از اہل بیت آن امام | یافتہ تعمیر نو این روضہ مینو نما
تا بود بر پای این رئین حصار ہفت خوان | چار رکنش بر بساطش شش جہت ماند بجا
سال تاریخ نمایش چون بجستم از خرد | گفت در گوش ضمیرم روضۂ آل عبا ۱۱۱۶

خانقاہ دین پناہ کے متصل کی مسجد

یہ چھوٹی سی شکستہ مسجد دریا کے کنارے پر واقع اور پختہ گچ کار بنی ہوئی ہے۔ باہر چھوٹا سا صحن ہے۔ ایوان تین حصوں میں منقسم ہے۔ چھت گنبدی ہے۔ محراب کے اوپر لکھا ہے محمد عربی الخ۔ صحن کی جانب ایوان کے باہر کی طرف ذیل کا کتبہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر بعہد شاہ اورنگ زیب ۱۰۹۲ھ میں شروع اور سنہ ۱۰۹۶ھ میں ختم ہوئی۔ کتبہ دو لمبی سطروں میں لکھا ہوا ہے، ہر سطر کے شروع اور آخر میں تین مصرعوں سے کچھ زیادہ دائیں اور بائیں طرف کی دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ مگر بیشتر حصہ سامنے کی طرف لکھا ہے۔ کتبہ یہ ہے:-

سطر اوّل

در زمن بادشاہ صاحب تیغ و قلم | مامن تخت و کلاہ مفتخر خافقین
حامی فرض و سنن ماحی آثار کفر | مالک گنج و حشم فتنہ بر شور و شین
جالس اورنگ عدل آور (کذا) دین و دول | گوہر دیہیم ملک، زیب دہ مشرقین
عادل خاقان دہر عالم گیر آنکہ ازوست | خسرو عالی مقام بادشہ مغربین
خواجہ محمد حسین مسجد عالی کہ ہست | مسجد اقصی نمای زینت اسلام عین
کرد بنا بہر خیر کز قدر و منزلت | کرد دوتا چون فلک قدّ فرقدین
جامع اسرار حق فایض انوار دین | معبد نیکو بنای سجدہ گہ عالمین

سطر دوم

کعبہ طاعت[1] [طاعات حق ؟] منقصد حاجات خلق — قبلہ انس و ملک تاج سر قبلتین

گنبد تابان او مردم چشم سپہر — شمسۂ رخشان او خیرہ کن مقلتین

گوشۂ محراب او کرسی محراب عرش — منبر مہ پایہ اش منبر اوج بطین[2]

باد چو بیت العتیق سالم زآفات دہر — تا اثر آب ہست در دھن دو دغین[3]

سال دو تاریخ را ملہم غیبی ادا — کرد بدینسان مرا زانکہ بر او بود دین

جامع[4] اسرار حق مسجد اقصی نمای — معبد نیکو ازان خواجہ محمد حسین

۱۰۹۲ — ۱۰۹۶

مصرع اول بود صالح آغاز سال — مصرع ثانی ہمی یافت ز اتمام زین

بظاہر صالح شاعر کا تخلص ہے جس نے یہ قطعہ تاریخ تصنیف کیا،

جامع مسجد روہڑی

عہد اکبری کی یہ مسجد لب دریا ایک پُرفضا مقام پر واقع ہے۔ داخل ہونے کا دروازہ بالکل معمولی سا ہے۔ البتہ اس پر ایک کتبہ ہے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اپرانے بیرونی دروازے کے باہر تھوڑی سی جگہ ہے۔ جس میں نیم کے متعدد بہت بڑے بڑے اور پرانے درخت ہیں۔ دروازے سے داخل ہوں تو مساجد کی عام ترتیب کے مطابق پہلے صحن ہے۔ پھر ایوان یا مسقف حصہ، ایوان کا فرش نیلی ٹائلوں کا ہے اور چھت گنبدی ہے۔ عمارت سُرخ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، ایوان عرضاً دو حصوں میں منقسم

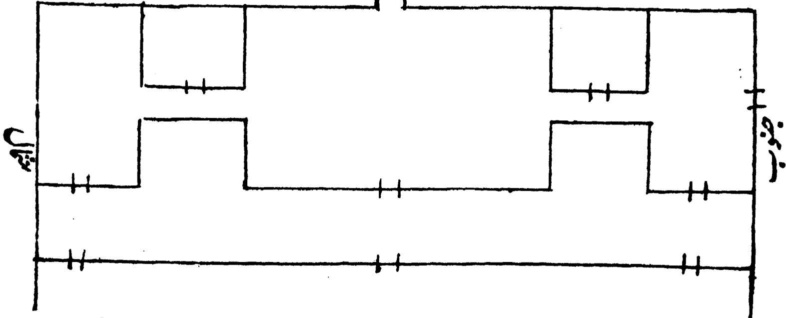
[1] بظاہر یہ مصرعہ ناقص نقل ہوا۔ شاید کعبہ طاعات حق تھا مگر یقینی نہیں،

[2] منازل قمر میں سے دوسری منزل کا نام ہے،

[3] بادل جو آسمان پر چھایا ہوا ہو،

[4] کتبہ میں دوسرا مصرعہ پہلے ہے اور پہلا مصرعہ بعد میں درج ہو گیا ہے،

ہے - ایک حصہ صحن سے متصل اور دوسرا اس سے آگے جو تین حصوں میں منقسم ہے اور جس کے وسطی حصہ میں محراب ہے - ذیل کا تقریبی سا خاکہ صرف ایوان کی عام شکل ظاہر کرتا ہے - محراب کے متصل دو کوٹھڑیاں ہیں - اور جنوبی دیوار میں دریا کی جانب



کھڑکی ہے - اور ایک سوراخدار پنجرہ جو خوشخط حرفوں میں قل ھو اللہ احد الخ لکھ کر بنایا گیا ہے ، گویا یہ پنجرہ بھی ہے اور خوشخط قطعہ بھی، ایوان بعد کے زمانے کی مساجد کی طرح زیادہ فراخ نہیں ہے - البتہ عمارت اس کی بہت مضبوط بنی ہے - محراب والے حصہ میں مشرقی دیوار کو چھوڑ کر باقی تین جانب میں چینی کا سطح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم انا فتحنا الی اجرا عظیما بخط ثلث درج ہے اسی حصہ کے بیرونی کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت رجب ۹۹۲ھ میں کسی شخص حبیب نامی کے اہتمام سے مکمل ہوئی ، بانی مسجد خان جم قدر مسند دوران "فتح خاں ہے ، ۱۳۲۰ھ میں بادشاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے موقعہ پر کلب علی مختار کار سرکار کے اہتمام سے اس مسجد کی مرمت بھی ہوئی ،

یہ مسند دوران فتح خان کون ہے ؟ تاریخ سندھ میر معصوم (نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۳۵ ب) میں ہے کہ ۱۰ ربیع الاول ۹۸۶ھ کو اعتماد خان والی بھکر اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوا تو ولایت بھکر بشرکت جاگیر مسند عالی فتحخان مہاوۃ " اور راجہ پرمانند خویش راجہ ٹوڈرمل کو تفویض ہوئی ، در رجب ۹۸۶ھ میں مذکورین بھکر پہنچ

کر محال متعلقہ پر متصرف ہوئے، دو سال کے بعد پرمانند بحکم حضور کی دربار درگاہ بادشاہی کی طرف روانہ ہوا - مادھو داس اس کے بھائی کو قبیلہ داریجہ کے لوگوں نے قصبہ الور میں گھیر لیا، فتح خان نے اپنے آدمی بھیجکر مفسدوں کو شکست دی اور شورش کو فرو کیا، انہی دنوں میں فتح خان عازم درگاہ ہوا، بادشاہ نے اس کا منصب بڑھایا - اور پرمانند کی جاگیر اس کو تنخواہ میں دی، فتح خان مرد سادہ لوح زر دوست تھا، لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا - اس کے وکیل شہابخان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے خان ناصر کے آدمیوں سے اس کا فساد ہو گیا - جس میں فتح خان کے بہت سے آدمی مع شہابخان کے مقتول ہوئے - جب یہ رپورٹ بادشاہ کے پاس پہنچی تو فتح خان کی جاگیر بدل دی گئی - اور اس کی بجائے نواب محمد صادق کو والی بھکر مقرر کیا گیا جو ۲ ربیع الاوّل ۹۹۴ھ میں بھکر پہنچا معلوم ہوا کہ فتح خان کی حکومت بھکر کا زمانہ ۹۸۶ تا ۹۹۴ تھا،

غرض بانی مسجد جامع یہی مسند عالی فتح خان ہے "مسند عالی" افغانوں کے ہاں لقب تھا - یہ شخص پہلے اسلام شاہ کے امرا میں سے تھا - اکبر کے ۳۴ سال جلوس (یعنی ۹۹۷ھ) میں وہ فوت ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین اکبری ص ۵۲۳) اس کو فتو افغان بھی کہتے تھے، طبقات اکبری (طبع کلکتہ ج ۲ ص ۴۸۴) میں ہے کہ وہ دو ہزاری منصب تک پہنچ کر فوت ہوا، بلاخمن کے بیان سے گمان ہوتا ہے کہ مسند عالی فتح خان اور فتح خان فیل بان (جس کو تاریخ سندھ میں "مہاوت" لکھا ہے) دو مختلف آدمی ہیں، مگر میر محمد معصوم نے واضح کر دیا ہے کہ مسند عالی فتح خان ہی فتح خان فیل بان ہے، اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) مسجد کے بیرونی مشرقی دروازے کے اوپر بیرونی جانب پر یہ کتبہ کاشی کار ٹائلوں پر پانچ ٹکڑوں میں درج ہے، خط نستعلیق ہے مگر بعض خصوصیات تعلیق اس میں باقی ہیں، اصل کی ترتیب کے مطابق یہ کتبہ درج ذیل ہے:-

چو فردوس برین	روی زمین	اہتمامش از صدق	مرادش بیقین	سے تاریخ	اواخر اثنی وتسعین وتسعمایہ
این مسجد با صفا	بی مثل فتاد در ہمہ	چو کرد جیبب	خواہم کہ دہد خدا	تمت العمارہ	الشریفۃ شہر رجب المرجب سنہ

یعنی

این مسجد باصفا چو فردوس برین — بے مثل فتاد در ہمہ روی زمین

چو کرد جیبب اہتمامش از صدق — خواہم کہ دہد خدا مرادش بیقین

تمت العمارۃ الشریفۃ فی تاریخ اواخر شہر رجب المرجب سنۃ اثنی (کذا) وتسعین وتسعمایہ

۲- ایوان کے بیرونی طرف درمیانی قوس کے اوپر ذیل کا کتبہ درج ہے، کتبہ قوس کے دائیں طرف کی دیوار سے شروع ہوتا ہے۔ قوس کے اوپر اس کا بیشتر حصہ آیا ہے اور بائیں جانب کی دیوار پر وہ ختم ہوتا ہے۔ خط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ بھی ٹائلوں پر لکھا ہے۔ ترتیب تحریر حسب نمونہ بالا ہے یعنی

پناہ اکبر شاہ	بخش ستان ملک	سریر چرخ	زمان مقتدای	الخ
خسروی دین	کہ بود تاج	شاہ انجم سپاہ	حامی شرع و	الخ

اب اس کتبے کو مفصل درج کیا جاتا ہے:-

خسروی دین پناہ اکبر شاہ — کہ بود تاج بخش ملک ستان

شاہ انجم سپاہ چرخ سریر — حامی شرع و مقتدای زمان

بندگانش چو قیصر و فغفور — چاکرانش چو طغرل و خاقان

بندۂ کمترین او یعنی — خان جم قدر مسند دوران

سروری نیک رای دریا دل — منبع جود و مجمع احسان

فتح خان آن کہ تیغ خونریزش — کرد بنیاد ظلم را ویران

مسجد جامع از برای ثواب — ساختہ برامید قصر جنان

دل کشا ہمچو مسجد کعبہ — جان فزا ہمچو روضہ رضوان

تا بود گنبد فلک برپا باد سالم ز آفت دوران
سال تاریخش از خرد جستم مسجدی کرد خان بگفت روان
۹۹۲

ایوان کی درمیانی قوس کے دائیں اور بائیں ہمارے زمانے کی کاشی کار ٹائلوں پر ذیل کا کتبہ درج ہے :۔

دائیں جانب

تاج پوشیدہ خسرو دوران زینت [زینتی] یافت خانہ یزدان
مسجد یادگار اکبر شاہ اوفتادہ ز مدتی ویران
در زمان [ایڈورڈ] شاہ جہان کردہ کلب علی مرمت آن

بائیں جانب

آنکہ مختار کار سرکار ست زیر فرمانروای ہندوستان
سال ترمیم مسجد اکبر دوش بودم بجان و دل جویان
باسر ناز ہاتفم فرمود کار گلدستہ برلب مہران
۵۰ ۱۲۷۰ ۱۳۲۰

کتبے میں سے "ایڈورڈ" کا لفظ مٹ گیا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کا سن جلوس ۱۹۰۱ء ہے مگر تاجپوشی ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ کار گلدستہ برلب مہران کے عدد ۱۲۷۰ ہیں اور اس میں سرناز یعنی ن کے ۵۰ عدد جمع ہوں گے،

زیارت گاہ موی مبارک

جامع مسجد کے متصل موی مبارک کی عمارت ہے۔ جس کے اندر میں نہ جا سکا تحفۃ الکرام ۳: ۲۴۴ میں بذیل بلدہ بھکر لکھا ہے : بوجود تبرک آثار شریف یعنی موی مبارک کہ حسب مرویات صحیحہ یکی از دو نیم موا ست کہ از آنحضرت برای زیارت یادگاری مومنان ماندہ مخصوص کرامت

سکھر گزیٹیر ص ۴۸ پر ہے کہ یہ موی مبارک عبدالباقی ختن شیخ نظام الدین صدیقی سندھ میں لائے وہ روہڑی میں آباد ہو گئے مگر موی مبارک کو ظاہر نہ کیا۔ آخر ایک

بزرگ کو خواب میں اس کے وجود سے آگاہ کیا گیا، ظاہراس سے بہتر سند موجود نہیں،

ڈھک بازا والی مسجد

اس مسجد میں محراب کے اوپر ۱۱۰۶ھ کا ایک کتبہ ہے

بخشش اللہ از اللہ بخش مسجدی را داد درگیتی ثبات

سال تاریخ بنایش را خرد ثبت کرد الباقیات الصالحات

۱۱۰۶

کتبہ لکھنے والے نے اس پر دستخط یوں کئے ہیں سید محمد

شاید یہ نام سید محمد بخش ہو،

صفۂ صفا

روہڑی میں لب دریا قلعہ بھکّر کے مقابل ایک پہاڑی پر میر ابو القاسم نمکین کے خاندان کا گورخانہ ہے۔ اس پر میر ابو القاسم اور اس کے عزیز و اقارب کی کئی قبریں ہیں، دریا کی طرف سنگین پشتہ بندی کی گئی ہے اور اس کے مقابل کی سمت (جنوب) میں بہت سی سیڑھیوں کو چڑھ کر قبروں والے چبوترے تک پہنچتے ہیں جنوبی سیڑھیوں کے درمیان میں دروازہ اور ڈیوڑھی سی بنی ہے۔ جس میں کچھ نقاشی بھی ہوئی ہے۔ جس سطح پر قبریں ہیں۔ اس کا فرش سر بسر پختہ ہے۔ اکثر قبروں پر نفیس سنگ تراشی سے زنجیرے اور کتبے کندہ ہیں،

صفۂ صفا میر ابو القاسم نے خود بنایا اور اس کا نام بھی خود ہی تجویز کیا[1] یہ جگہ نہایت منزّہ اور خوش منظر ہے، اس کے دامن میں دریا بہتا ہے۔ سامنے قلعہ بھکّر ہے

[1] مآثر الامرا ۳: ۷۷،

دور دور تک باغوں اور عمارات کا نظارہ یہاں سے دکھائی دیتا ہے، صاحب مآثر نے لکھا ہے کہ چاندنی راتوں میں یہاں کا منظر "بے نظیر عالم" ہے۔

میر[1] ابو القاسم بن ملا میر ھرات کے حسینی سیّدوں میں سے تھے۔ پہلے میرزا محمد حکیم کے پاس نوکر تھے۔ پھر اکبر بادشاہ کے ملازموں میں داخل ہوئے۔ بھیرہ اور خوشاب جاگیر میں ملے، ایک مرتبہ بادشاہ کو رکابی اور پیالہ نمک کا بنوا کر پیش کش کیا تو نمکین کی پھبتی ان پر کسی گئی، اس مردم خیز عہد کی بہت سے لوگوں کی طرح میر بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، پیش گاہ اکبری میں ان کو قرب و منزلت حاصل تھی، داؤد خان کررانی کی جنگ میں موجود تھے، پھر کچھ عرصہ تک سوات، باجور اور تیراہ کے کروڑی اور فوجدار رہے اسکے بعد ۱۰۰۱ھ میں حکومت بھکر پائی، مگر رعایا سے بدسلوکی کی اور ان کی شکایت پر معزول ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے پھر مہربانی کی اور اضافۂ منصب اور خطاب خانی اور تیولداری گجرات (پنجاب) سے ان کو سرفراز کیا، شروع عہد جہانگیری میں خسرو کو گرفتار کرنے پر منصب میں ترقی ہوئی اور دوبارہ بھکر کی حکومت ملی، اب کے میر نے بھکر کو وطن بنا لیا، اور اسی زمانہ میں صفہ صفا تعمیر کیا، سکھر کی ایک عالیشان مسجد بھی میر ہی نے بنوائی[2]، تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷ پر ہے کہ میر جنگ قندھار میں قتل ہوئے۔

اس گورخانہ میں بہت سی قبریں ہیں جو اسی قسم کے زرد پتھر کی بنی ہوئی ہیں جو ٹھٹہ کے نواح میں

---

[1] مآثر ۳: ۲۸۴، بلاخمن (ترجمہ آئین اکبری) ۴۷۰، تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷، بقول صاحب تحفہ ملا میر متولی درگاہ امام موسیٰ رضا تھے، سکھر گزیٹیر ص ۴۸ پر صفہ صفا کا عام نام تھان قاسم شاہ دیا ہے۔

[2] مآثر ۳: ۷۵، افسوس ہے کہ قیام سکھر کے اثنا میں یہ معلوم نہ تھا کہ میر ابو القاسم نے سکھر میں مسجد بھی بنوائی تھی جس پہاڑی پر صفہ صفا ہے۔ اس کا نام گزیٹیر میں ست بھین دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام اس عمارت کی وجہ سے ہے جو پہاڑی کے جنوبی جانب پر ہے، میں نے اسکو فقط دور سے دیکھا،

کوہ مکلی کی قبروں پر استعمال ہوا ہے، قبروں پر ۱۰۰۰ھ سے ۱۱۰۰ھ تک کے کتبے میں نے خود دیکھے لیکن سکھر گزیٹیر ص ۸۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتبے بعد کے بھی ہیں۔ ۔ یعنی ۱۳۰۰ھ کے، یہ کتبے نفیس نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر میر ابو القاسم کی قبر ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں:۔

پائین: خان زمانہ میر ابو القاسم آنکہ او — لوح وجود از رقم غیر سادہ کرد
نبراس دودمان وفا گلبن حیا — سال وفات او طلب از داغ دادہ کرد
۱۰۱۹

بالین

گر بود بستر از حریر چسود — چون نہد مرگ زیر بالین خشت
خلف خیر او ز داغ ابی — چونکہ تاریخ سال فوت نوشت
۱۰۱۸
گفت ملہم مرا بگوش ضمیر — سال فوتش کہ باد جاش بہشت
۱۰۱۸

بظاہر داغ دادہ میں ایک عدد زاید ہے،

میر ابو القاسم کثیر الاولاد تھے، مآثر میں ہے کہ ان کے ۲۲[۱] بیٹے تھے، جس چبوترے پر میر کی قبر ہے اس پر تین اور قبریں، وہ غالباً میر کے لڑکوں یا اور عزیزوں کی ہیں۔ ان کے کتبے درج ذیل ہیں:۔

مصدر خُلق امیر خان کہ بسی — خلق عالم بخُلق او آسود
تا درین دہر بود صاحب جاہ — در رضای خدای خود می بود
کوس رحلت چو زد ز دار فنا — رخت آسودگی بخلد کشود
سال نقلش بگفت ہاتف غیب — ہادی دین امیر خان آسود
۱۰۵۷

یہ امیر خان میر ابو البقا بن ابی القاسم نمکین ہے (دیکھو بلاخمن کا ترجمہ آئین ص ۴۷۲)
اس ابو البقا کے بیٹے عبد الرزاق کی قبر بھی یہیں ہے جو ۱۰۶۲ میں کسی سنی شیعہ فساد میں مارا گیا، اس کی قبر کے بالین پر یہ کتبہ ہے:۔

[۱] توزک جہانگیری (ترجمہ ۱: ۳۱) میں تیس لکھے ہیں،

عبد الرزاق کہ روحش قرین باد ز ایزد بہزار آفرین
سنی و شیعہ چو در افتادہ دید تیغ شجاعت زمیان برکشید
ہمت عالیش عنان گرم تاخت جام شہادت زقضا نوش یافت
ترک ازین عالم فانی گرفت ملک بقا آل حسینی گرفت
۱۰۶۲

یہیں ایک قبر عتیق اللہ مرزا کی ہے، اس پر دو کتبے ہیں:-

پائین: بتاریخ احد پنجشنبہ شہر رجب المرجب ۱۰۳۷ھ بدرجہ شہادت رسید

بالین

عتیق اللہ مرزا کز فراقش محبان را جگرہا چاک آمد
چو در خیل شہیدان شد خرامان فلک را دیدۂ نمناک آمد
زروی درد گفتا سال تاریخ عتیق اللہ شہید پاک آمد
۱۰۳۲ + ۴ = ۱۰۳۷

اس چبوترے کی قبروں کے علاوہ باقی کئی قبروں پر بھی کتبے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:-

شمالی جانب کی قبریں

۱- وفات یافت مرحومی مغفوری میرزا ابونصر بتاریخ شہر ذی الحجہ ۱۰۴۵ھ

۲- " " " " " محمد صلاح " " " ۱۰۴۲ھ

۳- چونکہ مرحوم محمد افضل رفتہ زین عالم خاکی باجل
عقل تاریخ وفاتش گفتا آہ آسودہ محمد افضل
۱۰۸۰

مشرقی جانب کی دو قبریں

۴- تاریخ فوت مرحومہ یازدہم شہر محرم الحرام ۱۰۷۰ھ

۵- فی التاریخ بیست ہفتم شہر صفر ختم بالخیر والظفر ۱۰۳۱ھ

۶- پائین

میر والا نژاد سعدالدین — آن بہر فن یگانۂ کامل
دل ازین خاکدان گرفت او را — جنتِ عدن ساخت سر منزل
سال فوتش چو جستم از دل گفت — شد بفردوس میر صاحب دل

صفہ صفا کے دامن میں جنوبی طرف ایک عورت کی قبر پر پائین جانب ذیل کا کتبہ ہے:-

چون برون شد زجہان صالحہ — کز خدا بود بہشتین امید
سال تاریخ وفاتش گردون — زو رقم شد بہشت جاوید

۱۰۳۷

الرور

الرور، ارور، یا الور کا خرابہ روہڑی سے ۵ میل جنوب مشرق کو ہے، محمد قاسم کے حملہ کے وقت یہ مقام سندھ کا دار السلطنت تھا۔ اس زمانے سے قریباً دو صدی بعد یہ بستی اجڑ گئی، قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے اجڑنے کی وجہ یہ تھی کہ دریا نے اپنا راستہ بدل لیا۔ اور یہاں کی آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ روہڑی میں جا بسے اور اپنی پرانی بستی کا نام بھی ساتھ لیتے گئے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت سے الور میں کامل ویرانی ہوگئی۔ کیونکہ عہد مغلیہ میں اس کی آبادی کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے، مارچ گذشتہ میں میں اس کو دیکھنے گیا تو میرا بھی خیال تھا کہ وہاں صرف کھنڈر ہی کھنڈر ملیں گے لیکن میں نے اس میں ایک بستی کو آباد پایا۔ ہاں پرانی بستی کے کھنڈر بھی نئی آبادی کے پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ لوگوں نے کھود کھود کر اس کھنڈر میں گہرے گڑھے بنا دیئے ہیں۔ اور دور ہنود کی بڑی بڑی اینٹیں ہر طرف اس میں نظر آتی ہیں۔ بستی کے پاس مگر

۱؎ سکھر گزیٹیر ص ۱۱ھ، تحفۃ الکرام ۳ : ۱۳۲، ۲؎ الور کے اجڑنے کے متعلق عام قصہ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۴۴ ببعد پر دیکھئے،

اس سے قریب ہی شاہ اورنگ زیب کے زمانے کی ایک مسجد بھی ہے جو ویران اور ناقابل استعمال ہے۔ گو اس کے بعض حصے ابھی قائم ہیں۔ الور میں سید شکر گنج شاہ اور سید ختل الدین شاہ (کذا) کی قبریں بھی ہیں۔ آخر الذکر کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ حضرت لال شہباز قلندر مدفون سہون کے معاصر تھے۔ بستی پہاڑی کے اوپر ہے۔ اس کے دامن میں دریا کی سابق گذرگاہ ابھی تک صاف اور واضح طور پر نظر آرہی ہے۔ بستی سے دریافت کرنے پر بعض لوگوں سے کچھ تانبے کے سکے ملے، جن میں سے ایک غالباً ناصر الدین محمود بن التمش (۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ) کے زمانے کا ہے۔ اور دوسرا جس کے ایک طرف اکر اور دوسری طرف بکر لکھا ہے۔ پروفیسر شیرانی اس کو خط کے اعتبار سے ارغونوں کے عہد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بستی والوں سے پوچھا گیا کہ کوئی کتبہ بستی میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ عربی کا ایک کتبہ دریا کی خشک وادی میں موجود ہے۔ جس کو ان کی اصطلاح میں نیں[1] ونگو کہتے ہیں۔ بستی سے قریباً آدھ میل کے فاصلے پر اترائی اتر کر ہم خشک گذرگاہ میں ایک جھاڑی کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بڑا سا سفیدی مائل زرد پتھر ملا جو روہڑی میں عام طور پر نظر آتا ہے اور چونہ کے پتھر کی قسم کا ہے۔ اس پر دو سطروں میں ذیل کا فارسی کتبہ نفیس نستعلیق میں لکھا ہوا ملا:

در بادیہ پای نہ چو مردان	بر دار قدم چو رہ نوردان
بفرمودہ سیادت پناہ امیر محمد معصوم مرقوم ۱۰۰۰ھ	

میر محمد معصوم نامی کا ذکر آگے آتا ہے،

---

[1] ونگ سندھی میں محراب نما چیز کو کہتے ہیں۔ ونگ پنجابی میں بھی ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں، نیں ندی کو کہتے ہیں'

سکھر

سکھر کی نہایت نمایاں عمارت میر معصوم بھکری کا مینار ہے - اس مینار کے متصل ایک مثمن گنبدی ہے - اور اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ ہے تینوں پر کتبے ہیں - ان کا مفصل حال آگے آتا ہے،

میر محمد معصوم کو مغلیہ زمانہ کی کتابہ نویسی میں جو اہمیت حاصل ہے شاید ہی کسی شخص کو ہوگی وہ خود خوشخط کتابہ نویس تھا - اور اس کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان سے تبریز و اصفہان تک جہاں موقعہ ملا اس نے رستوں اور منزلوں پر مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں کو اپنے اشعار سے آراستہ کیا کوہ قندھار میں ایک پتھر پر صرف کثیر سے اسامی ممالک محروسہ اکبر شاہی کندہ کئے[1] - آج بھی اس کے کتبے ہندوستان میں موجود ہیں، الور کے کتبے کا ذکر ابھی ہؤا - دروازہ قلعہ آگرہ اور مسجد جامع فتح پور کا کتبہ اسکے اپنے ہاتھ کا لکھا ہؤا ہے - سکھر کے مینار اور اس کے متصل مقامات میں بیسیوں کتبے ہیں جنمیں سے شاید بعض اسکے اور بعض اسکے ملازمین کے لکھے ہوئے ہیں - مآثر (۳: ۳۲۸) میں ہے کہ اس نے بہت سے بقاع خیر یادگار چھوڑے، خصوصاً سکھر میں جو اس کا مسقط الراس ہے اس نے کئی عمارتیں اور باغات بنوائے، دریائے سندھ کے اندر ستیاسر کے نام سے ایک عمارت بنوائی جو بقول صاحب مآثر تو اور روی زمین سے ہے[2] - سکھر گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ سوائے مینار کے سکھر کی متعدد اور عمارتیں میر معصوم کی طرف منسوب ہیں - دریا کے کنارے نئے تالاب (reservoir) کے نیچے ایک مسجد اور آرام گاہ (rest house) ہے جس کو انگریزی عہد میں دروازے، کھڑکیاں لگاکر

---

[1] تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷، قندھار میں ایک پہاڑ پر بابر نے ایک پیش طاق بنوا کر اسپر کتبہ کندہ کروایا تھا، میر معصوم نے بھکر سے خوش نویس اور سنگ تراش بلوا کر ہمایوں اور اکبر کا نام اور اکبری سلطنت کے شہروں اور ممالک کے نام "از فضای حدود بنگالہ تا بندر لاہری و از کابل و غزنین تا دکن" وہاں درج کرائے، قریباً چار سال میں یہ کام تمام ہوا - (ایلیٹ ۱: ۲۳۹ تاریخ سندھ نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۷ب، [2] مآثر میں گنبد دریایی (۱۰۰۷ھ) اسکی تاریخ دی ہے،

رہائشی مکان کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پر ایک کتبہ بھی ہے، جس میں لکھا ہے۔ کہ میر معصوم نے یہ عمارت نماز اور مسلمانوں کے آرام کے لئے بنوائی، (پرانے سکھر میں ایک جامع مسجد ہے جو کہتے ہیں کہ میر معصوم کے والد میر صفائی نے بنوائی تھی)

مینار وغیرہ کا حال بیان کرنے سے پہلے میر کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ غیر معمولی شخص بیک وقت خطاط، شاعر، مورخ، منشی طبیب، بہادر سپاہی اور مرد سیاسی (ڈپلومیٹ) ہونے کی حیثیت سے فخر روزگار تھا۔ میر معصوم کے بزرگ سادات ترمذ سے تھے۔ درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے بڑے دروازہ کے پہلو میں میر نے ایک کتبہ لکھا ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے: قایله و کاتبه محمد معصوم نامی ابن سید صفائی الترمذی اصلا والبهکری مسکنا والمنتسب انا الی سید شیر قلندر بن باباحسن ابدال السبزواری مولدا والقندهاری موطنا (دیباچہ توزک جہانگیری مرتبہ سید احمد علیگڈھ ۱۸۶۴ء حاشیہ ص ۴ جہاں یہ کتبہ پورا درج ہے) مآثر الامرا (۳: ۳۲۶) میں ہے کہ دو تین پشت پہلے ان کے بزرگ قندہار میں آبسے اور بعض اور سادات کی شرکت سے باباشیر قلندر کے مقبرہ کے متولی بنے، میر معصوم کے والد میر صفائی بھکر آئے اس زمانے میں سلطان محمود (میرزا شاہ حسین ارغون والی سندھ م۔ ۹۶۲ کا کوکہ) حاکم بھکر تھا۔ وہ بہت عزت سے پیش آیا۔ اور میر صفائی بھکر ہی میں بس گئے۔ سیوستان کی ایک سید زادی سے شادی کی[۲] اور میر معصوم اور ان کے دو بھائی بھکر ہی میں پیدا ہوئے۔ ابھی تحصیل علم کی نوبت نہ آئی تھی کہ انکے والد میر صفائی کا انتقال ہوا[۳] میر معصوم نے ملا محمد ساکن کنگری[۴] (از توابع بھکر) کی خدمت میں علوم تحصیل کئے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد چونکہ میر نے شکار کا شوق حد سے زیادہ پیدا

[۱] میر نے سید شیر کا مفصل حال تاریخ سندھ میں دیا ہے، دیکھو نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۴، بعد، [۲] یہ سادات کھابروت سیوستان نسبت نمود، [۳] تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۵ پر ہے کہ کنگری بادشاہپور رہراکو سے ۴ کوس بر اور بہرا لو لوہری سے تقریباً ۸ کوس ادھر، سید صفائی کو سلطان محمود خان نے شیخ الاسلام بھکر بنایا۔ ان کا سن وفات ۹۹۱ ہے (تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷) یہی سن ان کے لوح مزار کے کتبے سے حاصل ہوتا ہے (جیسا کہ بہ گو بہتا ہے)

کر لیا تھا- وہ اکثر اسی میں مشغول رہنے لگے لیکن یہ حالات جلد ہی بدل گئے اور میر کو مفلسی کا سامنا کرنا پڑا- ان کے ہم وطن اور ہم سبق شیخ اسحاق فاروقی، خواجہ نظام الدین احمد ہروی دیوان گجرات کی سرکار میں ملازم صاحب اختیار تھے- میر معصوم نے پاپیادہ گجرات کا رخ کیا- شیخ نے خواجہ سے ملاقات کرا دی- اتفاق سے خواجہ ان دنوں میں طبقات اکبری کی تالیف میں مشغول تھے- میر معصوم تاریخ دانی میں یگانہ روزگار تھے- اسلئے خواجہ نے انکے آنے کو غنیمت سمجھا اور میر (اور بعض دوسرے اہل کمال) اس کتاب کی تالیف میں شریک رہے[۱]، کچھ عرصہ کے بعد میر شہاب[۲] الدین احمد خاں صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہوئے- اور رفتہ رفتہ شجاعت و مردانگی میں ناموری حاصل کی[۳] خصوصاً خانخاناں کے ہمراہ تسخیر سندھ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے- آخر اکبر بادشاہ سے روشناسی پیدا ہوئی اور چالیسویں سال جلوس (یعنی ۱۰۰۳ھ) الہی میں ان کو دو صدو پنجاہی منصب ملا اور بتدریج تقرب اور اعتبار پادشاہی بڑھا- تا آنکہ ان کو ایران کی سفارت پر بھیجا گیا- اور وہ دانائی

---

[۱] مآثر ۱: ۶۶۳؛ [۲] میر شہاب الدین پنجہزاری امرا میں سے تھا- بہت سے کارہائے نمایاں اس سے ظہور میں آئے، وہ مدتوں تک گجرات کا اور سالہا سال تک مالوہ کا حاکم رہا، ۹۹۹ھ میں اجین میں فوت ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین ص ۳۳۲) [۳] اکبر نامہ میں ۹۸۶ھ اور ۱۰۰۲ھ الہی کے درمیان میر کی فوجی کارگذاریوں کا ذکر کئی بار آیا ہے اور اس کا شمار "دلاوران" اور "کار آگاہان" اور "خدمت گزینان کارشناس" اور "مجاہدان اخلاص گر" کے زمرہ میں ہوا ہے، بھیرہ اور رہتاس میں وہ محب علی کے ہمراہ ہے اور بہار میں میرزا کوکہ خان اعظم کے کمکیوں میں شامل ہے، پہلے کئی برس تک شورش گجرات کے فرو کرنے میں مدد دیتا ہے، پھر خانخاناں کے ہمراہ مہم قندہار میں شمولیت کا حکم پاتا ہے اور فتح سندھ میں خان خاناں کا معین کار ہے (دیکھو فہرست اکبرنامہ طبع کلکتہ ج ۳ بذیل میر معصوم بھکری تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷) [۴] یہ مضمون تکمیل اکبرنامہ سے ماخوذ ہے، ابوالفضل ۱۰۱۱ھ میں مارا جا چکا تھا،

اور کاردانی کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے مورد عنایت بنے (تکمیل) اکبر نامہ میں (۳: ۸۲۵) پر شیخ عنایت اللہ نے لکھا ہے کہ میر معصوم بھکری کو ۲۷ آذر ماہ ۱۰۱۲ الہی کو بتقریب سفارت ایران جانے کی اجازت ملی، وہ محاصرہ قلعہ ایروان کے اثنا میں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ نے ان کی بزرگ داشت میں بہت مبالغہ کیا، شہنشاہی خط کو ادب کے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، "حضرت شاہ بابا ام" کا حال پوچھا، تحائف ایک وسیع بارگاہ میں چنوا کر ملاحظہ کئے اور برابر دو تین دن تک ایلچیان گرجستان اور سرداران ترکستان اور باہر کے آدمیوں کو ان تحائف کے دیکھنے کیلئے بھیجا[1]

تقی کاشی نے لکھا ہے کہ میر معصوم کے ساتھ ایران میں ایکہزار ملازم تھے۔ (فہرست اودھ ص ۲۷)، روز روشن (ص ۶۷۹) پر ہے کہ میر موصوف "در اصفہان با حکیم شفائی و محمد رضا فکری و تقی اوحدی در مشاعرات ہم طرح ماند و بعد ورود ہندوستان انداز ادای سفارت او پسندیدہ محمد اکبر شاہ بادشاہ افتاد و بحضور بادشاہ قبولی عظیم یافت"

ایران سے واپسی کے بعد جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۱۵ھ میں ان کو امین الملک بنا کر بھکر بھیجا اور میر وہیں فوت ہوئے (مآثر)، سن وفات ان کا روز روشن میں (ص ۶۸۰ پر) ۱۰۱۹ھ دیا ہے اور تاریخ وفات بود نامی صاحب ملک سخن، یہ مصرعہ اس قطعہ تاریخ سے لیا گیا ہے۔ جو نامی کی قبر پر کندہ ہے اور جس کا ذکر آگے آتا ہے[2] - میر معصوم کا منصب رفتہ رفتہ ہزار اکبری تک پہنچ گیا تھا،

[1] عالم آرای عباسی (طبع طہران ج ۲ ص ۴۴۸) پر اس کے برعکس لکھا ہے کہ سردیوں کا زمانہ تھا، بادشاہ محاصرہ میں مصروف تھا۔ سوائے ایک تلوار کے جس کو تفاول کے لئے شاہ نے منگوا لیا۔ باقی چیزیں در دولت خانہ پر بارخانہ میں پڑی رہیں، اور باوجود شدت سرما چار مہینے تک میر کے آدمی ان چیزوں پر پہرہ دیتے رہے، یہ شاہ عباس کے ۱۷ سال جلوس کا واقعہ ہے، ۱۸ سال جلوس (۱۰۱۳ھ) میں میر کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت ملی (عالم آرای ۲: ۴۶۱) [2] معلوم نہیں ایوناف نے کس بنا پر اسکا سال وفات ۱۰۱۵ھ دیا ہے (فہرست ۱۸۵)

میر مکارم اخلاق سے بدرجہ اتم متصف تھے،

طبقات اکبری (طبع کلکتہ ۲ : ۵۰۰) میں ان کی نسبت لکھا ہے : جوانیست بصلاح وتقوی آراستہ وسالہا بفقیر ہمدم ومصاحب بود، مآثر (۳ : ۳۲۸) پر ہے : زہد وتقوی بکمال داشت وہمت وسخاوت را بجائی رسانید کہ تا بمردم اجلاف بھکر سوغات از ہندوستان می فرستاد وبہ اکابر واصاغر سالانہ ومشاہرہ ومیاومہ وفصلانہ وجمعگی مقرر کردہ بود، ہاں یہ ضرور لکھا ہے - کہ آخری دنوں میں میر وطن آیا تو وہ سلوک نہ رہا بلکہ ایک خاص وجہ سے لوگوں نے ابذا ابائی[1]، روز روشن ص ۷۶۹ پر ہے : مرد درویش مزاج وخوش خلق لطیف الطبع سخی وشجیع ومتدین ومتقی بود، مآثر میں ہے کہ میر معصوم صاحب دیوان تھا اور نامی اس کا تخلص تھا، مآثر میں ہے کہ دیوان نامی، مثنوی معدن الافکار درجواب مخزن الاسرار تاریخ سندھ[1] اور طب کی ایک مختصر کتاب موسوم بمفردات معصومی اس نے تالیف کیں مگر تقی کاشی (فہرست اودھ ص ۳۷) نے لکھا ہے کہ نامی نے پانچ مثنویاں لکھیں جن میں دس ہزار بیت ہیں ، ایک ہفت پیکر کے، دوسری سکندر نامہ کے بحر میں، تیسری لیلے مجنوں کے بحر میں جس کا نام پری صورت ہے، چوتھی یوسف زلیخا کے بحر میں جس کا نام حسن وناز ہے[2]، پانچویں مخزن الاسرار کی بحر میں، نیز اس نے دو دیوان غزلیات اور دو ساقی نامے لکھے، روز روشن میں اس کو طب نامی کا مصنف بھی بتایا ہے جو ریو ص ۲۹۱ کے نزدیک مفردات معصومی سے الگ کتاب ہے، میں نے سکھر میں سنا کہ دیوان نامی بخط مصنف اس کی اولاد کے ہاں ابتک محفوظ ہے۔ تاریخ سندھ کے نسخے عام ہیں مفردات نامی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے (دیکھو فہرست ایوناف ۱۵۵)،

[1] یہ کتاب غالباً ۱۰۰۹ھ میں ختم ہوئی (ریو بذیل تاریخ سندھ)، [2] تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷ پر ہے کہ نامی نے ناز ونیاز در قصہ سسئی دپنوں لکھی ہے، شاید یہ وہی کتاب ہے '

میر نے عمارتوں، املاک اور باغات پر کثیر رقم صرف کی ہوگی[1]، باوجود اس کے اس نے تیس چالیس لاکھ روپیہ نقد چھوڑا (آثر) اب ہم میر کے منار وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جو ایک پہاڑی پر واقع ہیں۔

میر معصوم کی بنا کردہ عمارتیں

یہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک مینار، اس کے متصل ایک گنبد دار مثمن عمارت اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورستانہ۔ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہاں ۹۹۱ھ میں میر صفائیؒ اور میر ابوالقاسم کی قبریں بنیں۔ پھر ۱۰۰۲ھ میں اس جگہ پتھر کے ستونوں اور قبوں والی عمارت کھڑی کی گئی۔ یہی گورخانہ میر معصوم ہے، کتبے میں اس کی تاریخ تعمیر عمارت سرکوہ (۱۰۰۲) ہے۔ اسی سال یعنی ۱۰۰۲ھ میں مینار کی تعمیر شروع ہوکر ۱۰۱۳ھ میں ختم ہوئی، غالباً میر معصوم اس زمانہ میں سفر ایران سے ابھی واپس نہ ہوئے تھے اس لئے ان کے لڑکے میر بزرگ نے مینار کی عمارت اپنے اہتمام سے ختم کی، مثمن کی عمارت ۱۰۰۴ھ میں ختم ہوئی، اسکی تاریخ مکان بافیض (۱۰۰۴) ہے، ۱۰۱۹ھ میں خود میر معصوم کو گورستانہ مذکور میں دفن کیا گیا،

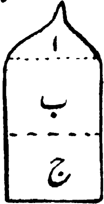
منار میر معصوم

یہ منار جو مخروطی سی شکل کا اور سرخ اینٹوں سے بنا ہوا ہے، عمود سے قدرے ایک طرف کو مائل ہے۔ اس کے قاعدے کا محیط ۸۴ فٹ اور بلندی قریباً ۱۰۰ فٹ ہے، سیڑھیاں اوپر تک جاتی ہیں، چوٹی پر اس زمانے میں ایک آہنی پنجرہ لگا دیا گیا ہے۔

---

[1] تحفۃ الکرام ۳: ۱۷۴ پر ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک گرانقدر رقم حرمین بھیجی تھی وہ واپس آئی میر معصوم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس رقم سے نشیمنہائے پاکیزہ اور منارہ معروفہ یادگاری ترتیب دیئے، اگر یہ درست ہے۔ تو یہ عمارتیں بادشاہی خرچ سے تیار ہوئیں

کہ کوئی گر نہ جائے، مینار کی بلندی کی وجہ سے شہر اور اطراف کا نہایت شاندار منظر اوپر سے دکھائی دیتا ہے (سکھر گزیٹیر ص ۵۹) مینار کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت ۱۰۰۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰۱۳ھ میں تمام ہوئی[1]، ذیل کا کتبہ جس میں قطعہ تاریخ بھی ہے منار کے دروازے کے اوپر کندہ ہے۔ اور میر بزرگ[2] بن محمد معصوم کی تصنیف ہے، یہ کتبہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ جیساکہ ذیل کے خاکے سے ظاہر ہوگا متن کتبہ کا یہ ہے:-



(ا) بنی ھذالمنار فی زمان سلطان جلالدین (کذا) محمد اکبر بادشاہ غازی۔

(ب) بدر فلک علا محمد معصوم کز وی بزمانہ صیت نیکو نامیست
افراشت چنین بناء عالی کہ زقدر افراختہ سر بچرخ مینا فامیست
تاریخ بناء او ملایک از عرش گفتند جہان نما منار نامیست

(ج) میر معصوم آں رفیع القدر کہ از و کار دین بآیین است
کرد طرح منار تا گویند کین پی یادگار دیرین است
پیر چرخ از برای تاریخش طاق عرشی برین بگفت این است
۹۵۲ + ۶۱ = ۱۰۱۳

قائلہ میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم

مثمن گنبدی

یہ مثمن جو ۱۰۱۳ھ میں تعمیر ہوا۔ منار میر معصوم کے متصل اور اس کے اور میر معصوم

---

[1] گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ منارہ کی تعمیر میر معصوم کے لڑکے نے تاریخ بناء عمارت یعنی ۱۰۰۲ھ سے ۱۴ سال بعد ختم کی، لیکن ۱۴ نہیں ۱۱ سال کہنا چاہئے،

[2] میر بزرگ کا حال مآثر ۳: ۲۲۸ پر دیا ہے۔ اس میں میر بزرگ کی نسبت کہا ہے ' در نظم و نثر ہم مربوط بود و خوش می نوشت، تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۱ پر میر بزرگ کی اولاد کا حال بھی دیا ہے،

کے گورخانہ کے درمیان واقع ہے، اس کے چار دروازے ہیں۔ باقی چار محرابیں بند ہیں۔ اندرونی جانب تمام چینی کار ہے۔ دروازوں کے اوپر شمال و جنوب میں روشندان ہیں جو چھوٹے چھوٹے نشیمنوں کی وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ ان نشیمنوں کی چھت پر رباعیات ذیل بخط نستعلیق کندہ ہیں۔ جو فرش پر سے پڑھی جا سکتی ہیں:-

جنوبی نشیمن:- سر منزل درد ما ہوایی وارد　　ویرانۂ غم نیز صفایی وارد
دیوانہ دلِ مرا ملامت نکنید　　این وادی نیز رہ بجایی وارد

شمالی نشیمن

فریاد رحیل از ہمہ کس مشنوی　　آواز دراز پیش و پس مشنوی
کردہ ہمہ شب گیر بسر منزل دور　　تو خفتہ برہ بانگ جرس مشنوی

مثمن کے اندر دروازوں سے اوپر ذیل کا کتبہ مسلسل صورت میں لکھا ہے:-

جانب مغرب

ای بندہ نواز ذرہ پرور　　از لطف تو ذرہ مہر انور
روزی کہ چو سبزہ سر برآرم　　زابر کرمت امیدوارم
ہرچند کہ خار بوستانم　　بخشا بطفیل گلستانم
نوری بدلم فگن خدایی　　تا با تو رسم بروشنایی
من بیخود و رفتہ دل ز دستم　　دستی! کہ بخاک اندر پستم
صد دیو گریزد از بردنم　　زین دیو کہ ہست در درونم
کو دیدہ کہ ہرچہ اوست بینم　　بکشایم و روی دوست بینم
ہرچند کہ چشم ماست ناپاک　　یک رشحۂ لطف بس برین خاک

جانب مشرق

چون مو بتن ارگناہ روید　　عفو تو ز ابر لطف شوید

بخشش بود ار به نیک کاران پس وای بما تباہ کاران
ہر چند گناہ، رحمتت بیش زان روی امید وارم از خویش
من خفتہ و دشمنم نگہبان از دشمن خانہ چون برم جان

جانب شمال

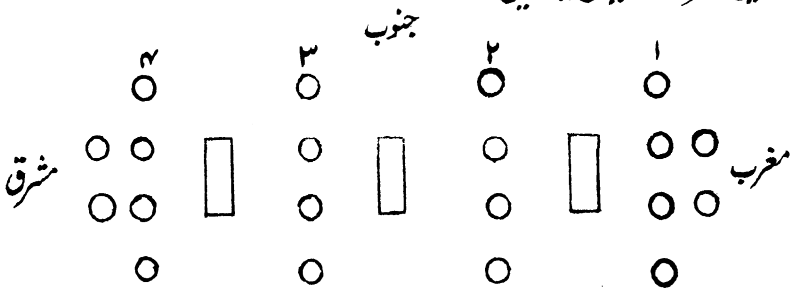
نامی کہ چو خاک آستان است زان خاک سرش بر آسمان است
ای خاک بر آن کہ خاک نبود بر خاک درت ہلاک نبود

جانب مغرب

این گنبد با شکوہِ نامی کز قدر شد آسمان با فیض
چون بود محل فیض ازان رو تاریخ شدش مکان با فیض[1]
۱ ۰ ۰ ۴

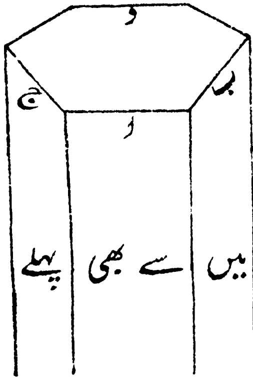
میر معصوم کے خاندان کا گور خانہ

یہ عمارت جو مثمن گنبدی کے متصل ہے تمام پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ درمیان میں قبریں ہیں۔ میر صفائی، میر معصوم اور میر ابو القاسم کی قبروں پر قبے ہیں۔ اور قبوں کے اندر اور قبروں کے اوپر کتبے لکھے ہیں۔ درمیانی قبہ دار حصے کے اطراف میں سنگین ستونوں پر برآمدہ قائم ہے۔ ان ستونوں پر بھی کتبے ہیں۔ اس عمارت کا تقریبی خاکہ ذیل کے نقشے سے سمجھ میں آئے گا۔ گول دائرے ستونوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ قبریں درمیان میں ہیں:-



[1] مادہ تاریخ کے نیچے ہر جگہ اعداد میں نے لکھے ہیں۔

قبروں کے اطراف کے درمیانی آٹھ ستونوں کو چھوڑ کر باقی ہر ستون کے چار طرف کتبے لکھے ہیں۔ دیکھو ذیل کے خاکے ہیں ا، ب، ج اور د:



میر صفائی اور میر معصوم کی قبروں کا پتھر سنگ کھٹو ہے۔

اس گورخانہ کے تمام عربی اور فارسی کتبوں کا خط نستعلیق ہے

ستونوں کے کتبے

میں نے صرف جنوبی ستونوں کے کتبوں کو نقل کیا۔ ان ستونوں کے صرف دو کتبے نقل ہوئے۔ ہر نئی سطر کو کھڑی لکیر سے ظاہر کیا گیا ہے۔

ستون ا

الناس علی اربعۃ اقسام | الاول سعید | فی الحال والمآل یعنی | یعیش مومنا و یموت | مومنا والثانی شقی فی | الحال والمآل یعنی یعیش | کافرا ویموت کافرا | والثالث شقی فی | الحال | سعید فی المآل یعنی یعیش | کافرا ویموت مومنا و | الرابع سعید فی الحال | شقی فی | المآل یعنی یعیش | مومنا ویموت کافرا |

جانب د: سالت الدار اخبرنی* عن الاحباب ما فعلوا
فقالت لی اقام القوم* ایاما وقد رحلوا
فقلت [فقلنا؟] این اطلبهم* وای منازل نزلوا
فقالت فنوا فی القبور [والصواب: فی القبور فنوا] لقوا واللہ ما عملوا

ستون ۲

جانب ا، وعن بعض الحکما | الدنیا دار دوایرہا | دایرۃ و ذخایرہا بایرۃ | لذتہا فانیۃ وطاعتہا | باقیۃ حاصلہا فوت | وآخرہا موت غناءہا | فقر وقصرہا قبر اصلہا | سم دمالہا ضم فاحذروا (کذا) | حتی اذا جاءکم | الموت [1] ......

[1] افسوس ہے کہ اسکے بعد کے فقرے نقل ہونے سے رہ گئے۔

وعن سلیمان دارانی (کذا) | اصل کل خیر فی الدنیا | والآخرۃ الخوف و | مفتاح الدنیا الشبع | ومفتاح الآخرۃ الجوع

جانب ب

وعن حاتم الاصم | رحمۃ اللہ علیہ | ما من صباح | الا ویقول | الشیطان لی | ما تاکل وما تلبس و | این تسکن | فاقول لہ | آکل الموت و | البس الکفن و | اسکن القبر | و عن ابی بکر الصدیق | رضی اللہ عنہ عز الدنیا | بالمال وعز الآخرۃ | بالاعمال

جانب ج

وعن سفیان | الثوری انہ قال | کل معصیۃ فی | الشھوۃ فانہ یرجی | غفرانہا وکل | معصیۃ فی الکبر | فانہ لا یرجی غفرانہا | الان [والصواب : الا] ان معصیۃ | ابلیس کان من الکبر و | معصیۃ آدم | کان اصلہا | من الشھوۃ ،

جانب د

وعن بعض العباد | انہ قال | فی المناجات : الٰہی | طول الامل غرنی | وحب الدنیا اہلکنی | والشیطان الرجیم اضلنی | والنفس الامارۃ عن الحق منعنی | (و) قرین السوء علی المعصیۃ اعاننی | فاغثنی یا غیاث المستغیثین | فان لم تغثنی فمن ذا الذی یرحمنی | و عن بعض الحکماء من اذنب | ذنبا وھو یضحک فواللہ | اذا کان یوم القیمۃ یدخل | النار وھو یبکی ومن | اطاع اللہ وھو یبکی فواللہ | یدخل الجنۃ وھو یضحک

ستون ۲: جانب ا

وعن علی رضی اللہ عنہ | من اشتاق الی الجنۃ | ساع الی الخیرات | ومن اشفق عن النار | نہی عن الشھوات | ومن تفکر (کذا) الموت نہی | عن اللذات و | من عرف الدنیا | ہانت علیہ المصیبات | بعض (کذا) الحکماء | لا تحقرن الذنوب | الصغایر فانہا تتشعب منہا | الذنوب الکبایر ،

جانب ب

وعن عثمان | ابن عفان | رضی اللہ عنہ | ھم الدنیا | ظلمة فی القلب | وھم الاخرة |
نورا (کذا) فی القلب | وعن یحیی | ابن معاذ الرازی | انہ قال ما | عصی اللہ | کریم وما |
آثر الدنیا | علی الآخرة | حکیم

جانب ج

وعن علی | رضی اللہ عنہ | کن عند اللہ | خیر الناس و | و (کذا مکرر) کن عند | نفسک
شر الناس | وکن عند | الناس | احدا من | الناس

جانب د

وعن علی رضی اللہ عنہ | ان من نعیم الدنیا یکفیک | الاسلام نعمة وان من | اشتغل
یکفیک الطاعة | شغلا وان من العبرة | یکفیک الموت عبرة' | وعن الاعمش رضی |
اللہ عنہ من کان راس | مالہ التقوی کلّت الالسن | عن وصف ربح دینہ | ومن کان
راس مالہ الدنیا | کلّت الالسن عن | وصف خسران دینہ

ستون ۴: جانب ا

وعن ابراہیم النخعی | رحمة اللہ علیہ | انہ قال انما | ھلک من | ھلک من | قبلکم بثلثة | اشیاء |
بفضول الکلام | وفضول الطعام | وفضول المنام | قال علیہ السلام | من دخل القبر |
بغیر زاد فکانما | رکب البحر | بلا سفینة'

جانب ب

وعن حسن | البصری رحمة | اللہ علیہ من لا | ادب لہ لا علم لہ | ومن لا صبر لہ | لا دین لہ من لا
ورع لہ لا | زلفی لہ | وقال علیہ السلام | المقر بالتقصیر | محمود و | الاقرار بالتقصیر | علامة
القبول

جانب ج

وعن بعض الحکماء | طوبی لمن | کان عقلہ | امیرا وھواہ اسر [اسیرا] | والویل |

لمن کان عقلہ اسیرا | وھواہ امیرا | ارٰی[1] طالب | الدنیا و ان طال | عمرہ ونال
من الدنیا سرورا | او [والصواب: و] انعما کیان | [بنی] بنیانہ فانمہ | .... نوی
ماقدبنا (و) تہدما

جانب د

عزیزی را گفتند | دلہای ما خفتہ | است وسخن تو | در و اثر نمی کند | حکیم گفت |
کاشکی کہ (کذا) خفتہ | بودی کہ چون خفتہ | را بجنبانی بیدار | شود دلہای شما | مردہ است
ہر | چند می جنبانید | بیدار نمی شود | قال علیہ السلام | خصلتان لاشئ | افضل منہما
الایمان | باللہ والنفع للمسلمین

میر صفائی والد میر معصوم کی قبر کے کتبے

یہ قبر میر معصوم کی قبر کے پاس مغربی جانب پر ہے، قبر کے ہر طرف کتبہ لکھا ہے۔
جو خط نستعلیق میں ہے - درمیان میں خطوط سے مستطیل بنا کر، پھر اس مستطیل کے
چار طرف اس طرح ہے: جہاں خانۂ سطر ہیں
نے ضبط کیا ہے۔ اس کو میں نے کھڑے خط
سے ظاہر کیا ہے جانب جنوب درمیان میں:

ماہ قرشی سید صفایی کافراشت فلک لوای نورش
ناگاہ ازین جہانگہ سیر افتاد بآن جہان عبورش
نامی ز برای سال تاریخ گفتا پر نور باد گورش

درمیانی کتبے کے گرداگرد چار طرف مسلسل کر کے لکھا ہے:-

اے آمدہ بر سر مزارم از آمدنت امیدوارم

---

[1] یہ شعر ہیں:- اری طالب الدنیا و ان طال عمرہ - ونال من الدنیا سرورا وانعما
کیان بنیٰ بنیانہٗ فاقامہٗ .... نوی ماقدبنی وتہدما، چوتھے مصرعہ سے فعولن کے برابر ایک لفظ
مٹ گیا ہے۔

حسرت زدہ ام بخاک ماندہ افتادہ دریں مغاک ماندہ
یک فاتحۂ بخوان باخلاص تاحق کندت بمغفرت خاص

جانب شمال: درمیان میں:-

نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا | شریک لہ الملک ولہ الحمد | یحیی ویمیت وھو حی لا یموت | بیدہ الخیر وھو علی کل شی قدیر

درمیانی کتبے کے چار طرف:- من زار قبرا فقال اللھم انی اسالک بحق محمد و آل محمد ان لا | تعذب ھذا المیت رفع العذاب عنہ الی یوم القیام |

بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ | من قرء علی قبر رفع العذاب عنہ اربعین سنۃ

اوپر کی جانب درمیان میں: یا اللہ | لا الہ الا اللہ | محمد الرسول اللہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین تا المفلحون

جنوب مشرقی کنارہ:- اللہ لا الہ الا ھو الحی تا العظیم

شمال مغربی کنارہ:- آمن الرسول تا کما حملتہ

جانب مشرق:- کنارہ پر اوپر کی جانب کا کتبہ یوں ختم کیا ہے:-

علی الذین من قبلنا...... الکافرین، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث || ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو تا الشھادۃ | ھو الرحمن الرحیم تا اسماء الحسنی یسبح لہ | ما فی السموات تا الحکیم

درمیان میں،

بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا یرہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ھو اللہ الخ،

جانب مغرب

درمیان میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم الھکم التکاثر تا النعیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا جاء نصر اللہ تا توابا،

کناروں پر: بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اعوذ برب الناس تا والناس | بسم اللہ الخ

قل یا ایہا الکافرون | لا اعبد تا ولی دین قل اعوذ برب الفلق تا ومن شر النفاثات تا حسد،

اس قبر کے بنیادی پتھر (Plinth) پر چار طرف ابیات ذیل کندہ ہیں:-

مغرب
اے آمدہ بر مزار نامی — وز آمدنت شدہ گرامی
چون آمدۂ زیارتی کن — از فاتحہ یک اشارتی کن
از مرحلہ جہان غمناک — شد منزل ما سراچہ خاک
رحمی رحمی کہ بس غریبم — از عیش زمانہ بی نصیبم

مشرق: جان قاصد راہ آن جہان است — اینجا دو سہ روز میہمان است
ہمپایی شعلہ کن برفتار — ہمگامی برق کن شرروار
سنگی کہ نہادہ بر مزار است — سرتاسرش از غمم فگار است
بشگافی اگر درون این سنگ — گر سنگ بود دلت شود تنگ

شمال: این راہ بود دراز و تاریک — وین خانہ گور تنگ و تاریک

جنوب:- محتاج لطیفہ دعائیم — گو فاتحہ کہ بی نوائیم

میر صفائی کی قبر کے گنبد اور ستونوں کے درمیان کا کتبہ

گنبد ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں اور گنبد کے درمیان پتھر کی سلیں ہیں جن پر ذیل کے کتبے ہیں، ترتیب یہ ہے کہ شلاً شمال کی جانب اوپر کے پتھر پر سے از نیک و بد زمانہ الخ لکھا ہے۔ پھر اس کے نیچے سے بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد لکھا ہے، علی ہذا القیاس، ہیں نے ان قطعہ اور رباعیوں کو یکجا کر کے لکھا ہے:

(۱) جنوب: چون دانستی ماحصل دنیا را — امروز بگیر توشہ فردا را
مشرق۔ فردات چہ امروز ہمی دست دہد — زنہار بفردا مفگن سودا را
شمال۔ از نیک و بد زمانہ پرہیز و برو — زین کہنہ رباط پرخطر خیز و برو

مغرب- چون کار زمانہ سر بسر ودسراست دستی ربہ اسر خود نہ بگریزد برو

(ب) جنوب - بیا نامی دمی از مرگ کن یاد

شمال - بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد

مغرب- بیا تا یک نفس بر خود بمویم خدا رحمت کناد خود بگوییم

مشرق- قرین مغفرت باد آشنایی کہ گوید بعد ما بر ما دعایی

میر معصوم متخلص بہ نامی کی قبر کے کتبے

پائین میر معصوم آن مہ برج شرف آفتاب شرع و دین فخر زمن

روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت عازم جنت بامر ذوالمنن

سال فوتش از خرد جستم بگفت بود نامی صاحب ملک سخن

مادہ تاریخ سے ۱۰۱۴ حاصل ہوتے ہیں مگر روز روشن ص ۶۰۰ پر بودہ الخ بجای بود الخ ہے جس سے ۱۰۱۹ تاریخ نکلتی ہے - مآثر الامراء میں ہے کہ میر معصوم کو ۱۰۱۵ھ میں امین الملک بنا کر بھکر بھیجا گیا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ میں نے بود بجاے بودہ غلط لکھا ہے - اور غالباً روز روشن کا مادہ تاریخ صحیح ہے،

قبر کے اوپر کی جانب کا کتبہ: درمیان میں:- بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین تا الضالین، الم تا المفلحون،

گرداگرد: اللہ لا الہ الا ہو تا العلی العظیم، آمن الرسول تا علینا

جانب مشرق: کنارہ: امرا تا کافرین، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث | ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو تا ھو العزیز الحکیم،

درمیان میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا شرا یرہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ہو اللہ احد الخ

جانب مغرب: قل اعوذ برب الناس تا والناس، بسم اللہ الخ الھکم التکاثر تا النعیم،

بسم اللہ الخ اذا جاء نصر اللہ الخ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بسم اللہ الخ قل یا ایہا الکافرون الخ بسم اللہ الخ قل اعوذ برب الفلق الخ

جانب شمال درمیان میں: اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت و(ھو)[1] حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیر

گرداگرد: من زار قبرا فقال اللھم انی اسئلک بحق محمد وآل محمد ان لا تعذب ھذا المیت رفع العذاب

میر معصوم کی قبر کے کتبے

اس قبے کے اندرونی جانب اوپر سے نیچے تک دس منطقوں میں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں یہ کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اوپر کے تین اور نیچے کے تین کتبے ابھرے ہوئے حرفوں میں ہیں۔ درمیانی چار کھدے ہوئے حرفوں میں۔ خط نستعلیق ہے۔ گنبد کے نیچے اور ستونوں سے اوپر پتھروں کی سلوں سے مثمن بنایا گیا ہے۔ جس پر گنبد قایم ہے۔

منطقوں کے کتبے درج ذیل ہیں، اوپر کے منطقے سے شمار شروع کیا گیا ہے۔ اصل کے مطابق ہر نئے مقولہ کے قائل کا نام ترچھا لکھا گیا ہے۔ ابیات کو کتبوں میں مسلسل لکھا گیا ہے یعنی نثر کے طریق پر، میں ان کو ذیل میں شعروں کے طریق پر لکھ رہا ہوں:

(۱) عن علی الامل حجاب الاجل ربیع بن خثیم لیس قبل الموت شئ الا الموت شئ[2] اشد منہ و لیس بعد الموت شئ الا الموت ایسر منہ،

(۲) ربیع من حاسب نفسہ ربح ومن غفل عنہا خسر ربیع بن خثیم مثل الدنیا والآخرۃ مثل ضرتین ان ارضیت احدھما اسخطت الاخری ربیع بن خثیم الدنیا قنطرۃ فاعبروھا ولا تعمروھا

---

[1] نوٹ کرنے سے رہ گیا، قیاساً بڑھا گیا، [2] میری نقل میں اسی طرح ہے،

(۳) نی گل برخ باد صبا می خندد   نی نی همه بر غفلت ما می خندد
گویم گویم که او چرا می خندد   بر یک دمه عمر بیوفا می خندد
از تفرقهٔ دهر اگر رستی هیچ   ور جای شدت بلند ور پستی هیچ
چون آخر کار بایدت خاک شدن   دانستی هیچ ور ندانستی هیچ

(۴) الذنب لاینسی والبر لایبلی الدیان لایموت فکن کما شئت فکما تدین تدان
الدنیا لابس مزرعه واهلها له حراث‌ پر چنانچه نحن نریدان نموت حتی نتوب
ونحن لانتوب حتی نموت قیل الفقر ملک لیس فیه محاسبة

(۵) نامی که زدست دهر در تاب شده   پژمرده گلیست کز رخش آب شده
زود است که بنگری تو آن غمزده را   آسوده بزیر خاک ودر آب شده
جز غم دل اهل درد خندان که کند   جز ناله دوا می مستمندان که کند
جز گریه نوازش حزینان که کند   جاروب مزار خاکساران (کذا) که کند

(۶) در دهر اگر گدا و گر محتشم است   آخر همه را روی بسوی عدم است
عمر تو اگر بیش بود کم زکم است   زیرا که چو نیک بنگری یکدو دم است
روزی که دلم ز دهر نومید شود   جان نیز بسر منزل جاوید شود
ذرات وجودم که بمهرش شده خاک   کمتر ذره از و چو خورشید شود

(۷) مثل الدنیا مثل الحیة لین مسها قاتل سمها
ما آمده بودیم درین باغ بگشت   چون ابر بروی سبزه چون باد بدشت
چون نرگس پر خمار ناگاه از خواب   تا چشم کشادیم زهم عمر گذشت
هان نامی هان بخویش یکدم پرواز   مردانه بساز توشهٔ رفتن ساز
داری در پیش بس ره دور و دراز   ای کاش امید آمدن بودی باز

(۸) در موسم گل چمن رخ آتش گون کرد   دل دیده بیاد دوستان پرخون کرد

سبزہ نبود بخاک ما غمزدگان | غم سبز شد و زخاک سر بیرون کرد
این اہل قبور بین بخواب اند ہمہ | آسودہ ز دادن جواب اند ہمہ
از نشأہ جام والپسین تا دم حشر | در زیر زمین مست خراب اند ہمہ
نامی من ازین دیر پشیمان رفتم | ناچیدہ گل ازین گلستان رفتم
بودم دو ہزار آرزو در دل بیش | ناکردہ یکی از ان بسامان رفتم
(۹) ای آنکہ جہان گرفتۂ خوش بکنار | دانی کہ ترا بوقت کار آید کار
گر ملک حبش داری و ر ملک تتار | با خود نبری ہیچ بغیر از کردار
ما قصہ نگفتیم کلام آخر شد | حرفی ننوشتیم پیام آخر شد
صبح طربم ناشدہ شام آخر شد | چون نوبت ما رسید جام آخر شد
زد شیشۂ چرخ سنگ بر ساغر ما | خون شد چو انار دانہ دل در بر ما
گردی ننشستہ بود بر افسر ما | اکنون بنگر خاک سیہ بر سر ما

(۱۰) قال امیر المومنین علیہ السلام الناس نیام فاذا ماتوا انتبہوا لا شفیع انجح من التوبۃ منہ بع الدنیا بالاخرۃ تربح منہ بقیۃ العمر لا قیمۃ لہا منہ تدارک فی آخر العمر ما فاتک فی اولہ منہ تظرف بترک الذنوب منہ ثواب الآخرۃ خیر من نعیم الدنیا منہ خف الدنیا من لغیرہ (کذا) منہ خالف نفسک تسترح منہ قیل ای عیش یطیب ولیس للموت طبیب قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من تامل ان یعیش غدا فانہ تامل ان یعیش ابدا

قبہ قبر میر معصوم کا کتبہ ختم ہوا، قبہ اور ستونوں کے درمیان پتھر کی چار سلیں ہیں ان سلوں کے اوپر اور سلوں سے ہشت پہلو شکل بنا کر قبہ اس پر قائم کیا گیا ہے اوپر اور نیچے کی سلوں پر فارسی اشعار کندہ ہیں، نیچے کی سلوں پر چار طرف ۱۵ شعر ہیں۔ جن میں سے جانب شمال وجنوب کے شعر درج ذیل ہیں:۔

شمالی؛ امیر سید فاضل محمد معصوم | بروی کوہ بنا کرد منزلی بشکوہ

عجب خجستہ مقامی کہ خلق می آیند | پی زیارتش از ہر طرف گروہ گروہ
چو از دبیر خرد سال این بنا جستم | قلم گرفت و رقم زد عمارت سرکوہ
جنوب- نامی زگنہ روی سیاہ آوردہ | وز کردہ خود با تو پناہ آوردہ
گویند بعاصیان بود مغفرتت | تو غفاری و من گناہ آوردہ

نامی بکشا چشم بصیرت دریاب | بنیاد زمانہ ہمچو نقشی است بر آب
با تو گویم کہ حاصل دنیا چیست | بیداری یک زمان و باقی ہمہ خواب

میر ابو القاسم کی قبر کے کتبے

میر معصوم اور اُن کے والد کی قبروں کے قبوں کا ذکر اُوپر آ چکا ہے، ان سے مشرق کی جانب ایک تیسرا قبہ ہے اُن دونو سے پست تر ہے - اس کے نیچے ایک قبر ہے - جس پر جانب جنوب ذیل کا کتبہ درج ہے :-

چو شد میر ابو القاسم نیک رای | سوی دار عقبی ز دار فنا
چو نامی طلب کرد تاریخ او | خرد گفت رفتا (کذا) بدار البقا

اس قبہ کے نیچے اور ستونوں کے اوپر ذیل کے اشعار کندہ ہیں :-

رفتیم چو از میان یاران رحمی | بر حال خراب دل فگاران رحمی
چون خاک شدیم خاک ما گشت غبار | رحمی رحمی بخاکساران رحمی
شادی زمانہ جز غمی بیش نبود | وین عمر گرانمایہ دمی بیش نبود
سودای بتان جز المی بیش نبود | خونابۂ دیدہ جز نمی بیش نبود

چون خاک شود ز غم وجود پاکت | وز حادثہ بر باد دہد افلاکت
جز سبزہ کسی سر نکشد بر گورت | جز باد کسی پا نہ نہد بر خاکت

ترا اگر آسمان منزل نشین است ہم آخر جای تو زیر زمین است

اوپر مذکور ہوا کہ قبے قبروں کے اوپر ہیں، ان قبوں کے اطراف میں برآمدہ ہے (دیکھو خاکہ) اس برآمدہ میں آٹھ سنگین چھتیں شامل ہیں، جو ستونوں پر کھڑی ہیں ستونوں کے اوپر اور چھتوں کے نیچے پتھر کی سلوں پر ۸ × ۴ = ۳۲ شعر کندہ ہیں جو یہاں درج نہیں ہوئے،

خطّاطی کے نمونے

پانچویں صدی سے دسویں صدی ہجری تک کے نمونے جو اس رسالے میں شائع کئے جارہے ہیں ان سے غرض یہ ہے کہ ارتقاے خط عربی کے مدارج معلوم ہوسکیں اور مختلف ادوار کی خصوصیات خطی کا غایر نگاہ سے مطالعہ کیا جاسکے اور اس مطالعہ سے ایسے نسخوں کی نسبت جن پر تاریخ کتابت ثبت نہ کی گئی ہو صحیح قیاس کی بنیاد قایم ہوسکے اس مطلب کے لئے متعدد کتاب خانوں کے بہت سے نسخوں کو دیکھ دیکھ کر چند مستند نسخوں کو نمونوں کے لئے منتخب کیا گیا جن اصحاب نے اپنے نسخے مستعار دیئے انہوں نے علم و فن کی خدمت کی اور ہم کو شکر گزاری کا موقعہ دیا، ذیل میں ان نسخوں کے متعلق بعض اشارے درج کئے جاتے ہیں اگر میسر آسکا تو اس سلسلے میں انشاء اللہ اور بھی عکس شائع کئے جائینگے

پانچویں صدی ہجری

۱۔ **کتاب المدونۃ الکبری**، للامام مالک بن انس الاصبحی بروایت امام سحنون) کے ۱۹ اوراق خط کوفی میں رق پر لکھے ہوئے حافظ محمود شیرانی صاحب کے کتاب خانے میں ہیں اور کتاب العتق الثانی من المدونۃ پر مشتمل ہیں، جس حصے کا عکس شائع ہوا ہے وہ نسخہ مذکورہ کے خاتمہ کی عبارت ہے اور مطبع خیریہ قاہرہ کی طبع ۱۳۲۴ھ کی ج ۲ ص ۴۰۲ س ۲۶ تا ۳۰ کے مطابق ہے۔

پانچویں (؟) اور چھٹی صدی

۲۔ **المختصر من کتاب الوقف**، یہ نسخہ ۵۲۶ھ میں لکھا گیا، اور کوفی خط کے آخری دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کوفی کے کچھ اثرات باقی ہیں مگر نسخی کی خصوصیات غالب ہیں۔ اول الذکر میں کسب الناس وغیرہ میں الف کی درازی، المختصر کی خ اور لا (جسکو ہمیشہ لا لکھا گیا ہے) شامل ہیں، اصل نسخہ کی تقطیع ۹ × ۶ ۱/۵ انچ ہے اور عکس کی ۶ ۲/۵ × ۵ ۱/۲ انچ

۳- کتاب مذکور کی جلد بھی قدیم اور تحریر کتاب کے ساتھ معاصر معلوم ہوتی ہے باریک چمڑے کے اندر کی جانب پرانے ردی کاغذ لگا کر اسکو دبیز بنانے کے لیے ان اوراق کو گوند سے باہم چپکا یا گیا ہے گوند چھڑانے اور ورق علیحدہ علیحدہ کرنیسے معلوم ہوا کہ عنصری کی وامق و عذرا کے متفرق اوراق ہیں۔ یہ موضوع زیر مطالعہ ہے اور اسکے نتائج انشاء اللہ الگ شائع کئے جائینگے۔ قیاس ہے کہ یہ خط حدود ۴۵۰ھ کا ہے، یہ کتاب اس وقت میرے کتاب خانہ میں ہے،

۴۔ **کتاب الملل والنحل للشہرستانی** ، یہ نسخہ جو عبدالمجید جیلی نے ۵۹۴ھ میں ایک ایسے نسخہ سے نقل کیا جسکا مقابلہ مصنف کے نسخہ سے کیا گیا تھا، ۲۰۹ ورق پر ختم ہوا ہے، تقطیع $9\frac{7}{10} \times 6\frac{1}{5}$ انچ، سطور ۱۹، ورق ۹۷ ب کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے، یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتبخانے میں ہے،

ساتویں صدی

۵۔ **الصحاح للجوہری** (م۔ ۳۹۳) یہ نسخہ صحاح کی آخری جلد ہے۔ اسکا آغاز باب الغین کی فصل الصاد مادہ صبغ سے ہوتا ہے، اوراق ۳۸۸، ورق ۹۱ تا ۹۸ کاتب اصل کے سوا کسی اور نے لکھے ہیں، عکس میں ورق ۲۹۹ و س ۱۲ تا ۲۳ اور ورق ۳۸۸ کی آخری سطر شامل ہیں۔ یہ نسخہ کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی صاحب میں ہے،

۶۔ **تحفۃ الاریب من تاریخ الخطیب** تاریخ بغداد مصنفہ ابن الخطیب م۔ ۴۶۳ کا یہ انتخاب امام عز الدین عبدالعزیز بن ابی القاسم بن عثمان بن عبدالوہاب البغدادی معروف بالباصری نزیل دمشق نے مرتب کیا، امام عبدالعزیز نے تاریخ مذکور کی اجازت اپنے استاذ قاضی القضاۃ شمس الدین ابو الفرج عبدالرحیم بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی سے لی جو ۶۸۲ھ میں فوت ہوئے (براکلمن ۱: ۲۹۹) کتاب کے سر ورق کی پہلی چند سطروں اور ورق ۲ ا کا عکس دیا گیا ہے یہ نسخہ الحسن بن محمد البوریتی الشافعی (م ۱۰۲۴) کے قبضے میں بھی رہ چکا ہے، ان کے دستخط کتاب کے نام کے اوپر درج ہیں دیکھئے عکس، اصل کی تقطیع $7 \times 4\frac{4}{5}$ انچ ہے،

آٹھویں صدی

۷۔ ادب **تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب** ، لابن الفوطی (م۔ ۷۲۳) اس کتاب کا مفصل اور نہایت دلچسپ حال فاضل دوست پروفیسر محمد اقبال نے مئی ۱۹۳۵ء میں اسی رسالہ میں دیا ہے وہاں دیکھئے یہ نسخہ بخط مصنف ہے اور عکس اسکے ورق ۲ ب و ۳ ا کا ہے پہلے صفحہ پر ہر شخص کا لقب نام نسب وغیرہ دیا ہے اور دوسرے پر اسکا حال،

۸۔ **کتاب الکفایہ فی شرح الہدایہ**، ہدایہ مرغینانی (م ۵۹۳) کی ذیل میں حاجی خلیفہ (۲: ۶۴۹) نے لکھا ہے: قیل ان الکفایۃ شرح الہدایۃ لمحمود بن عبید بن محمود تاج الشریعۃ مولف الوقایہ) اس نسخہ

ہیں جس کو محمد بن محمد بن محمود دامغانی نے ۷۸۲ھ میں بخارا میں لکھا ۹۷ اوراق ہیں، عکس ص ۵۷ ب س ۱ تا ۱۳ اور ص ۹۷ ب صفحہ آخر س ۱۹ تا ۲۳ شامل ہیں، شروح و حواشی کے خط کا یہ اچھا نمونہ ہے، از کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی،

۹ صحیح مسلم نصف اول، اس نسخہ کے آخر میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے خود ۷۸۹ھ میں اجازت نامہ لکھا ہے اسوقت وہ شیراز میں ٹھہرے ہوئے تھے، اور اس تقریب سے انہوں نے مجلس سماع حدیث منعقد کی تھی کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی مصدقہ فہرست ہے جو مجالس میں شامل ہوئے، یہ فہرست غالباً کاتب کتاب کے قلم سے ہے، تقطیع اصل ۹ × ۶ ۱/۵ انچ، افسوس ہے کہ عکس میں ۷۸۹ کی بجائے ۶۸۹ چھپ گیا ہے،

نویں صدی

۱۰ صحاح جوہری کا یہ نسخہ بھی جو شیراز کے نواح میں لکھا گیا شیرانی صاحب کے کتبخانہ سے لیا گیا، یہ نسخہ جلد ثانی پر مشتمل ہے، ورق ۲۲۳ ہیں عکس ص ۱۱۹ سے لیا گیا ہے جسمیں مادہ جعفر کا آخری حصہ آیا ہے،

۱۱ کتاب المسایرۃ فی العقائد لابن الہمام، یہ نفیس نسخہ جو بظاہر شام میں لکھا گیا صحاح جوہری کی طرح ۸۵۰ھ میں تحریر ہوا لیکن ایرانی اور عربی خط کا فرق ملاحظہ ہو، اس نسخہ کے آخر میں علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی کا تصدیق نامہ مورخہ ۸۵۳ھ موجود ہے، انہوں نے جس نسخہ کو مصنف سے سنا تھا یہ نسخہ اسکی نقل ہے، علامہ قاسم نے مقابلہ اور تصحیح اس نسخہ کی کرائی اور اسی کی تصدیق کی ہے،

۱۲ شرح ہدایۃ الحکمہ یہ نسخہ ۸۸۴ھ میں بلدہ طبس از بلاد خراسان میں نقل ہوا اوراق ۵۴ سطور ۲۱، تقطیع ۷ × ۵ انچ عکس آخری ورق کی پہلی ۸ سطروں کا ہے۔ یہ کتاب بھی شیرانی صاحب کے کتبخانہ کی ہے

۱۲ب روض الآداب للحجازی، حجازی کا مفصل حال ماہ مئی ۱۹۳۶ء میں اسی میگزین میں شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھیں یہ نسخہ مصنف کے اصل سے بظاہر مصر یا شام میں نقل ہوا اصل کی تقطیع ۷ ۴/۵ × ۱۰ ۲/۵ انچ ہے عکس میں آخری صفحہ کی ۱۳ سطروں میں سے صرف ۸ لی گئی ہیں۔

دسویں صدی

۱۳ حاشیہ غیاث الدین بر تیسیر قطبی در علم منطق محشی کا حال معلوم نہیں اصل کی تقطیع ۷ × ۵ ۱/۴ انچ، ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں آخری صفحہ کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے،

منح السمیع یہ کتاب بھی بخط مصنف ہے جسکا حال کشف الظنون ج ۱ ص ۳۰۳ پر ملاحظہ ہو مصنف کا نام عبد الرحمن بن شہاب الدین المعروف بالحمیدی الغیومی ہے اصل کے ۲۰۲ ورق ہیں تقطیع ۶ ۱/۲ × ۸ ۱/۲ سطور ۲۳ عکس ص ۱۲۹ کی پہلی ۱۸ سطروں کا ہے۔

ایڈیٹر

٤١٢ هـ — المدونة (فى الفروع المالكية)

... عن حمد ربك حسن وقال الاخفش وغيره الوقف
اخر السوره سورة تبت بسم الله الرحمن الرحيم
تبت وما كسب احسن قول ابي حاتم وغيره
وكذلك ذات لهب وقال ابو بكر ذات لهب وامراته
حسن وهو قول عيسى ابن عمرو الاخفش وايضا وغيرهم
وقال قوم الحطب وقال اخرون من مسد سورة
الاخلاص بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد قول ابي
عمرو بن العلا وجماعة وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد
الله الصمد ولم يكن له كفوا احد وقال الاخفش وابو حاتم
وابو بكر الوقف اخر السورة لانه امر ان يقول ذلك كله
سورة الفلق بسم الله الرحمن الرحيم قالوا
الوقف اخر السورة سورة الناس
بسم الله الرحمن الرحيم والناس اخر السورة
والله اعلم بجميع ذلك تم الكتاب المختصر
من كتاب الوقف بحمد الله وتوفيقه وصلى الله على محمد
واله اجمعين وكتبه عبد الله بن علي احمد لخط من جمعت
... الحزيز النجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسرو
رزقه الله العلم والادب برحمتك يا ارحم الراحمين
في منتصف من شهر رمضان سنة ست عشرين وخمس مائة

خيه عز بحمد ربك حسن • وقال الاخفش وغيره الوقف
في السوره سورة تبت بسم الله الرحمن الرحيم
تبت • وما كسب احسن • قول ابي حاتم وغيره
وكذلك ذات لهب • وقال ابو بكر ذات لهب وامراته
حسن وهو قول عيسى ابن عمرو الاخفش وايضا وغيرهم •
وقال قوم الحطب وقال آخرون من مسد • سورة
الاخلاص بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد قول ابي
عمرو بن العلا وجماعة وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد •
الله الصمد • ولم يكن له كفوا احد وقال الاخفش وابو حاتم
وابو بكر الوقف آخر السورة لانه امره ان يقول ذلك كله
سورة الفلق بسم الله الرحمن الرحيم قالوا
الوقف اخر السورة سورة الناس
بسم الله الرحمن الرحيم والناس اخر السورة
والله اعلم بجميع ذلك تم الكتاب المختصر
من كتاب الوقف بحمد الله وتوفيقه وصلى الله على محمد
آله اجمعين وكتبه عبد الله بن علي احمد لخط من جهت
... الحزيز النجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسرو
رزقه الله العلم والادب برحمتك يا ارحم الراحمين
في المنتصف من شهر رمضان سنه ست عشرين وخمس مايه

وکر هرج رفتي ببايد نکوي — جهان خيره ماند بدو ديدار اوي

خواهد خرد مند مادرش مرده بود — بدو نيز ديگر زني کرده بود

زني بد کنش معشقوليه بنام — نبودش هيچ جز بدي هيچ کام

زن بد اگر چون مه روشن است — ميان وي با اژدها هم ملست

دلش با بدي کرده بودي درشت — همه تخم نيکي دادي بمشت

هزار مرد گوره فت بر راي زن — نکو هيده باشد اين راي زن

براي زن اندر نبين سود نيست — اگر اتش بايدت جز دود نيست

براي زن اندر نبين سود نيست — گر اتش بايدت جز دود نيست

نداده مر ويرا زن دست گاه — بنيکي نکرد سوي او نگاه

حدود ۴۵۰ ه (?) — وامق و عذرا لعنصري

يلي هذا العالم وينفتح اليه ابواب المشاعر مما يلي ذلك العالم وهاهنا ثلثة اعضاء يمدّ الانسان
لا بدّ منها المعدة التي تمدّ الكبد بالغذاء والرئة التي تمدّ القلب بترويح الهواء والعروق
التي تمدّ الدماغ بالحرارة فاذا التركيب الانساني اشرف التراكيب فان فيها جميع آثار العالم
الجسماني والروحاني وترتيب القوى فيه اكمل التراكيب فهو يجمع آثار العالمين
فكل ما هو في العالم منتشر ففيه مجتمع وكل ما هو فيه من خواص الاجتماع فليس للعالم البتة
لان للاجتماع والتركيب خاصية لا توجد في حال الافتراق والانحلال واعتبر فيه
حال السكر والخل وحال السكنجبين وكذى الحكم في كل مزاج هذا وجه تركيب البدن
وترتيب القوى الخاصة به اما وجه اتصال النفس به وترتيب القوى الخاصة
بها مما يلي هذا العالم ومما يلي ذلك العالم **فاعلم** ان النفس الانسانية جوهر هو
اصل القوى المحركة والمدركة والحافظة للمزاج تحرك الشخص بالارادة لا من جهة
ميله الطبيعي وتتصرف في اجزائه ثم في جملته وتحفظ مزاجه عن الانحلال وتدرك

الاخفش لا ينصرف لانه مثل عمر. جخى: التجخية الميل ومنه قول جذيمه
كالكوز مجخيا اى مائلا لانه اذا مال انصب ما فيه وانشد ابو عبيد « كفى
سواة ان لا تزال مجخيا » وجخى الشيخ ايضا اى انحنى وقال « لا خير فى
الشيخ اذا ما جخا » ويروى اجلخا وفى الحديث انه جخى فى سجوده اى خوى ومد
ضبعيه وتجافى عن الارض. جدى: الجدية بتسكين الدال شى محشو تحت
دفتى السرج والرحل وهما جديتان والجمع جدى وجديات بالتحريك وكذلك
الجدية على فعيلة والجمع الجدايا ولا تقل جديدة والعامة تقوله والجدية
ايضا طريقة من الدم والجمع جدايا قال ابو زيد الجدية من الدم ما لزق بالجسد
والبصيرة ما كان على الارض والجدى من ولد المعز وثلثة اجد فاذا كثرت
فهى الجداء ولا تقل الجدايا ولا الجدى بكسر الجيم والجدا ايضا العطية والجدوى
مثله والجدى برج فى السماء والجدى نجم الى جنب القطب تعرف به القبلة

وفرغ من خطه خامس صفر سنة ثمان واربعين وستمايه

٦٤٨ هـ — الصحاح للجوهري

الجزء الاول
من تحفة الاريب ... من تاريخ الخطيب
في انتخابه الفقير الى عفو ربه ...
عبد العزيز بن ابي القسم بن ...
البغدادي عرف بالبابصري ...

الخطيب البغدادي والسبب لهذا ... للاصل ...
ابو عبد الله محمد بن يعقوب بن ابي الفرج بن ابي ...
السلامي وذلك بحق الاجازة منهما لي ح اخبرنا الامام
الحافظ ابو الفرج عبد الرحمن الجوزي اذنا عن سماع
الكندي وابن الجوزي عن ابي منصور عبد الرحمن
ابن محمد بن زريق القزاز قال اخبرنا الخطيب
وهذا القدر كاف في اتصال السند اذا قلت
قال الخطيب او ذكر الخطيب فاعلم انه يرويه بالاسناد
المذكور ٥ وما ذكرته بطريق السند والرواية لاجل
سبيل البركة والتيمن ٥ وهذا حين شروعنا فيما ذكرناه ٥
والله تعالى الموفق وبه الحول والقوة وهو حسبنا ونعم الوكيل
قال الخطيب ذكر اقاليم الارض السبعة
وقسمتها وان الاقليم الذي فيه بغداد اشرفها ٥
ذكر علماء الاوائل ان اقاليم الارض سبعة وان الهند
رسمتها فجعلت صفة الاقاليم كانها حلقة
فالاقليم الاول منها اقليم بلاد الهند ٥
والاقليم الثاني اقليم الحجاز ٥ والاقليم الثالث

حدود ٧٠٠ هـ ــ تحفة الاريب لتاريخ الخطيب

كافي الدين	أحمد بن	ابرهيم	الضبي	البروجردي	الوزير
كافي الدين	أحمد بن	خالد بن	عبد الله	[illegible]	الشاعر
كافي الكفاة	إسماعيل بن	عباد بن	العباس	الطالقاني	الوزير
كافي الدين	الحسن بن	أبي طاهر بن	شيرشهريار بن عبد الله	البيهقي	الفقيه المقرئ
كافي الدولة	جهم بن	محمد بن	محمد بن جهم	النعيمي	الوزير
كافي الدين	الحسين بن	علي بن	نما	[illegible]	الأديب
كافي الدين	خالد بن	إبرهيم بن	الحسن بن ابرهيم	الأصفهاني	الفقيه
الكافي	زيد بن	الحسن بن	القاسم	الأصفهاني	الرئيس
كافي الدين	سعد بن	إبرهيم بن	إسماعيل بن محمد	الجرجاني	الكاتب
الكافي	سعد بن	أحمد بن	عبد العزيز بن	الرازي	الأديب

حدود ٧٢١ هـ — تلخيص مجمع الآداب في معجم الألقاب

لابن الفوطي (بخطه)

٧٨٢ هـ — الكفاية فى شرح الهداية

[illegible] من أبيه [illegible]

[illegible] الف او الف [illegible]

[illegible] من أبيه [illegible]

[illegible] وقال فالذي [illegible]

بحقيقه وفي روايتي ابن ابي شيبة وابن [illegible]

ابن [illegible] حدثنا [illegible] وحدثني عمرو الناقد حدثنا [illegible]

[illegible] هذا الاسناد [illegible]

[illegible]

النصف الاول من صحيح مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري

[illegible] رحمه [illegible] ويتلوه النصف الثاني [illegible] اوله [illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله الذي [illegible]

وافضل صلوات الله وسلامه واكمل نعم الله ورضوانه على سيدنا [illegible]

المصطفى المبعوث المعظم بالمعجزات الظاهرات وعلى آله الطاهرين واصحابه

الطاهرين اما بعد فان من جملة نعم الله تعالى على عباده [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] عواطف الله [illegible]

[illegible] العالم المحقق الرباني العارف [illegible]

[illegible]

[illegible] الله تعالى [illegible]

[illegible] ولاده [illegible]

[illegible] على الاعمال الصالحة الرافعة [illegible]

الكتاب المعظم الشأن الذي [illegible] الامام [illegible] الداعي الى [illegible]

حدود ٦٨٩ هـ — صحيح مسلم

اذا امالك اتبع والجمع الحضار وقال الهذلي رجال حروب يسعرون وحلقة من الدار لا تأتي عليها الحضائر

والحضيرة ما اجتمع في الجرح من المدة وفي السلا من السخد يقال ألقت الشاة حضيرتها وهي ما تلقيه بعد الولد

من السخد والقذى وحاضرته جاثيته عند السلطان وهو كالمغالبة والمكاثرة وحاضرته حضارا عدوت

معه والحضار البيض من الابل الهجان واحده وجمعه سواء قال ابو ذويب بنات المخاض شومها وحضارها

اي سودها وبيضها وروى ابو عمرو شيمها وهما بمعنى الواحد شيم ويقال ناقة حضار اذا جمعت قوة وجلدا

اي جودة وسيرا والحضارة الاقامة في الحضر عن ابي زيد وكان الاصمعي يقول الحضارة بالفتح قال القطامي ومن

تكن الحضارة اعجبته فاي رجال بادية ترانا والحضر خلاف البدو وقد حضر الرجل حضورا واحضره غيره

وحكى الفراء حضر بالكسر لغة فيه يقال حضرت القاضي امرأة قال وانشدني ابو ثروان العكلي لجرير على

هذه اللغة ما من جفانا اذا حاجاتنا حضرت كمن لنا عنده التكريم واللطف قال وكلهم يقولون تحضر بالضم

ورجل حضر لا يصلح للسفر والحاضر الذي يأتي الحضر وهو خلاف البادي وحضره الهم واحتضره وتحضره

بمعنى واللبن محتضر ومحضور اي كثير الآفة وان الجن تحضره يقال اللبن محتضر فغط اناءك والكنف محضورة

وقوله تعالى واعوذ بك رب ان يحضرون اي ان تصيبني الشياطين بسوء وقوم حضور اي حاضرون

وهو في الاصل مصدر وحضور جبل باليمن وقال نصيب سرى لك من عشري فاسماني القل حضور

تاملا محضر وحضرموت اسم بلد وقبيلة ايضا وهما اسمان جعلا واحدا ان شئت بنيت الاسم الاول على الفتح و

اعربت الثاني باعراب ما لا ينصرف فقلت هذا حضرموت وان شئت اضفت الاول الى الثاني فقلت هذا

حضرموت اعربت حضرا وخفضت موتا وكذلك القول في سام ابرص ورامهرمز والنسبة اليه

حضرمي والتصغير حضيرموت تصغر الصدر منهما وكذلك الجمع يقال فلان من الحضارمة

تم الجزء الخامس من كتاب الصحاح في اللغة لابي نصر اسمعيل بن
حماد الجوهري رحمه الله ويتلوه في الجزء السادس بقية فصل الحا
واوله حضاجر الضبع والحمد لله على تيسيره والصلوة على محمد
وآله وصحبه ووقع الفراغ من تسويده قبل الظهر
يوم الاربعاء غرة شهر ربيع الآخر سنة
خمسين وثمانمائة على يد اضعف عباد الله
واحوجهم الى رحمة الله الملك الغني
محمد بن علي ... محمد
الحاج علي عرف بولد الدهر
وبجامع ...
... من اعمال شيراز
... على الافاق
... على العالم
والكائنات
والسبات

هذا من نعم الله تعالى
على عبده الراجي الى ...
... رضوي عفي عنه
ابن غلام ...

٨٥٠ هـ ــ الصحاح للجوهري

رسلاً وأظهر المعجزات على يد خاتمهم محمد صلى الله عليه وسلم وأنزل كتبا آخرها
القرآن وأنه تعالى يحيي الموتى فيبعثهم بأجسامهم لا يجب عليه شيء وتجب محبته
وشكره على خليقته وأن سؤال الملكين وعذاب القبر والحساب والميزان والحوض
والصراط حق وأشراط الساعة من خروج الدجال وخروج عيسى صلوات الله
عليه وخروج ياجوج وماجوج والدابة وطلوع الشمس من مغربها حق وأن
الخليفة الحق بعد محمد صلى الله عليه وسلم أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي والتفضيل
على هذا الترتيب والله سبحانه نسأله من عظيم جوده وكبير منته أن يتوفانا على
يقين ذلك كله مسلمين إنه ذو الفضل العظيم • وهو حسبنا ونعم الوكيل ••
ولا حول ولا قوة إلا بالله • وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم تسليما كثيرا ••
•• ووقع الفراغ من كتابته في يوم الخميس المبارك الموافق لسادس عشر ••
•• جمادى الآخرة سنة خمسين وثمانمائة • على يد أضعف عباد ••
•• الله وأحوجهم إلى عفوه ومغفرته علي بن سودون بن ••
•• عبد الله الإبراهيمي الحنفي عامله الله بلطفه ••
•• الخفي وغفر له ولوالديه ولمن ••
•• دعا لهم بالمغفرة ولكل ••
•• المسلمين أجمعين ••
•• آمين ••

الحمد لله حق حمده
بلغ كاتبه الشيخ الإمام العالم
العلامة المسمى بأعلاه مقابلة
وقراءة على الفقير ممسكا معه
الأصل الذي صححه على المصنف
عامله الله بلطفه وشمله بعفوه
في مجالس آخرها سادس جمادى الآخرة
سنة ثلاث وخمسين وثمانمائة
قال ذلك وكتبه [illegible]

٨٥٠ هـ — كتاب المسايرة في العقائد لابن الهمام

على الانثية وكان مثلها مثل الخدر الذي لم يحس بولمه فاذا زال المانع
وعاينه احس به قال بداية القول
النفوس الناطقة الساذجة التي لم تكتسب العلم والشرف اذا فارقت البدن
وكانت خالية عن الهيآت البدنية الردية لا تعذبون لانهم غير معرفين
بكمالاتهم فان الحكم بان للنفوس كمالات حقيقية لبست باولى غير مشتاقين
اليها لانها لم يعرفوها اصلا فكانت البلاهة ادنى الى الخلاص من
الفطانة البتراء فان الامور التي عرفت بالاكتساب النظري
ان لها كمالات ثم انها لم تكتسب الكمال سواء اكتسبت ما يضاد الكمال

٨٨٤ هـ — شرح هداية الحكمة

ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ومات رحمه الله وهو على مثل تلك الحالة
فسالت عنه ما كان اسمه قالوا كان اسمه خيرا فقلت والله لم تخب التسمية
وقلت لهم هذا ليس منكم ونحن احق به ان نتولى امره فالواقع فاخذته وجهزته
هو واخي معا وصلينا عليهما وواريناهما التراب جميعا ثم فكرت في امر اخي كيف
احتوت عليه الدنيا حتى انسي الشهادة عند الحاجة فقلت والله لا اخذت
من مال هذا شيا وعاهدت الله على ذلك ثم قلت يا رب اشهدك علي اني لا التمس
من هذا المال ولا من غيره شيا ولي عليك شرط وهو اني اذا جعت تطعمني ما
اشتهي واذا عريت تكسوني واذا اعييت تحملني ووفى الله لي بما اشترطته
عليه وها انا اسير معه على هذا السير، وختم الكتاب بخير
اللهم توفنا مسلمين، والحقنا بالصالحين، وامنن علينا بخاتمة خير اجمعين
وكان الفراغ من هذا المجموع المبارك من خط
جامعه الشيخ الامام العلامة شهاب الدين
احمد بن محمد بن علي بن الحجازي الشافعي
عفا الله عنه وعن والديه يوم
الثلاثا حادي عشر جمادى
الاول سنة ست وتسعين
وثمانمائة
وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم وغفر الله لكاتبه وجامعه والمسلمين اجمعين

٨٩٦ هـ — روض الاداب للحجازى

[illegible]

٩٤٨ ﻫ ــ حاشيه قطبى از غياث الدين

السين في مستوصل للطلب ومستوصل اسم فاعل من وصل والاسم
منه الوصل وهو ضد القطع ومُستوصل صفة لحرم الرحم
بفتح الراو كسر الحاء منبت الولد ووعاوه والقرابة او اصلها والمعنى
على الاخير ن وافخر الواو عاطفة وافخر فعل امر ماضيه
فخر وفاخر اي عارض غيره بالفخر ففخره اي غلبه والاسم
منه الفخر وتقدم انه التمدح بالخصال بذي جار ومجرور
متعلق بافخر وذي بمعنى صاحب قدم القدم بفتح القاف
والدال واحد الاقدام والسابقة في الامر والمعنى على الثاني
في المجد جار ومجرور متعلق بمحذوف تقديره ثابت او راسخ
والمجد نيل الشرف والكرم من قدم جار ومجرور متعلق بالمجد
ايضا والقدم كعنب ضد الحدوث ومعنى البيت بادر
الى مأمن وحصن حصين بتطلب صلة اقربائه وعارض بالفخر
به من يدعي الفخر فانه صاحب سابقة في الكرم والشرف
من الازل فاذا عارضته به كل مدع فخرا فخرته وقهرته
وفي البيت شاهد واحد وهو التسجيع وهو ماخوذ
من سجع الحمام وهو اربعة اقسام اولها الترصيع وقد
تقدم الكلام عليه ثانيها التشطير وهو ان يكون لكل
نصف من البيت قافيتان مغايرتان لقافيتي النصف الاخر

٩٩٣ ﻫ ــ منح السميع بشرح تمليح البديع للحميدى الفيومى

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ - عدد ۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۵۱

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور ایم این مترا نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصۂ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقتِ اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی اگست[1] میں شائع ہوگا ؛

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۱۲ عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط وکتابت وترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت و ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جولائی یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء)

(۶) شیشوتا ورتن پرستاو ۲۵ ویں داستان :- منقول ہے۔ کہ پرتھی راج ماگھ بدی منگل وار کو اپنے سرداروں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شکار کو چلا۔ بیڑبان نے آکر ایک سوّر کا پتہ دیا۔ اور عرض کی کہ راجہ پیدل چلے۔ راجہ فوراً گھوڑے پر سے اتر گیا۔ اور تبک کندھے پر رکھ کر سوّر کی تلاش میں بڑھا جب نظر آیا فوراً مار لیا۔ اور بیڑبان کو انعام واکرام دیا۔ سب طرف سے راجہ کے نشانہ کی تحسین وآفرین ہونے لگی۔ اور راجہ نے سندر باڑی میں آکر قیام کیا ۔ (چھند ۵۰ صفحہ ۶۶ے)

میں صرف ان بیانات پر اکتفا کرتا ہوں۔ تلاش سے شکار کے اور موقعے پرتھی راج کی ان داستانوں میں ملیں گے ۔

باغ

وتی ورتن ۵۹ ویں داستان میں شاعر نے دریائے جمنا کے نگمبودھ گھاٹ کے ایک باغ کا بیان دیا ہے۔ جس میں اس کے میوہ دار درختوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اصل اقتباس کتاب سے لے کر یہاں درج کرتا ہوں :-

سُدھن نگمبودھین، جمن تٹھ سو دھین — نہاں سو باگ برجین، بنے سو گل اچین
سمیر تا سو باسین، پھلن سو پھول آسین — برکھ بیلی ڈنبرن، سرنگ پان امرن
جو کیسرن کمن کمن، دھوپ واس تن بھرن — انار داکھ پلون، سو چھتر پتی ڈھلون
سری کھنڈ تھنڈ واسین، رکنداگلاب پھول آسین — جو چنپکن کند ٹھنین، کھجوری بھوری انبین
سو آن ناس جیرین، ستو تین جنبھیرین — اکھوٹ میو داین، اوال بیلی سیامین

سری پھلن رنگین، سبد سُواد ہو تین   جو نت مورو ایکن، منو سنگیت گا یکن
اُپم بگ راجین، منو کی اِندر ساجین   ....

اوڈی سو واس گلال اتی ۔ اوڈی عبیرن اسمان
منہو بھان عنبر سُرت ۔ بجی تنتی سُر گان (چھند ۵۔ ۱۲ سمیع ۱۵۵۴)

اس اقتباس میں ان ان درختوں وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں ؛۔

باغ ۔ گل ۔ کیسر ۔ کنکمن ۔ انار ۔ داکھ ۔ سری کھنڈ ۔ گلاب ۔ چنبہ ۔ کدم ۔ کھجور ۔ آم ۔ اناس جیری (زیرہ) ستوت (شہتوت) جنبھیری ۔ اکھوٹ (اخروٹ) سیو (سیب) دام (بادام) سری پھل (ناریل) نرنگی (نارنگی) گلال ۔ عبیر ۔ آسمان ۔ عنبر ۔ ان میں باغ ۔ گل ۔ گلاب ۔ انار ۔ شہتوت ۔ نارنگی ۔ عبیر ۔ عنبر ۔ آسمان ۔ مسلمانی الفاظ ہیں ۔ اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے ۔ کہ جس طرح پرتھی راج کے عہد کی زبان مسلمانی الفاظ سے اس قدر مخلوط متصور نہیں ہوسکتی ۔ اسی طرح یہ بعض درخت جو مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں آئے ہیں ۔ ایسے قدیم زمانہ میں دہلی کے ایک باغ میں کیونکر موجود مانے جاسکتے ہیں ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا ۔ کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں باغات کا دستور ہی نہیں تھا ؛

مصنف سب سے پہلے کیسر (زعفران) کا ذکر کرتا ہے ۔ اس کی ناواقفیت ملاحظہ ہو ۔ اس کے نزدیک زعفران بھی مولی گاجر کی طرح ہر باغ اور باڑی میں لگائی جاسکتی ہے ۔ حالانکہ تمام ہندوستان میں کشمیر کے سوا اور کسی مقام پر پیدا نہیں ہوتی ۔ اور وہاں بھی ایک خاص زمین میں ہوتی ہے ؛

جس پھول کو ایرانی 'گل' کہتے ہیں ۔ اہل ہند اسے 'گلاب' کہتے ہیں ۔ لیکن یہ ہندوستانی تصرّف ہے ۔ اس بدعت کے لئے سوائے 'استعمال ہند' کے عذر پیش کرنے کے ہمیں کوئی اور معقول وجہ معلوم نہیں ۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں آباد ہو کر ایسے مختلف فیہ ناموں کے بنانے اور رواج عام میں لانے کے لئے بھی تو وقت درکار ہے ۔ یہی حالت نارنگی کی ہے ۔ یہاں شاعر نے اس لفظ کو نرنگی بتخفیف الف لکھا ہے ۔ لیکن اور موقعہ پر الف کے ساتھ نارنگی لکھ رہا ہے ۔ ایرانی اسے نارنگ کہتے ہیں ۔ جس کی معرب شکل نارنج ہے ۔ نارنگ کے آخر میں 'یے' کا اضافہ ہندوستانی اپج

ہے۔ اس "یے" کو خواہ بقاعدۂ فارسی زائد کہا جائے۔ یا بقاعدہ ہندی یائے تانیث مانا جائے مگر اس کے اضافہ کی ذمہ واری بحق استعمال ہند عائد ہوتی ہے *

اناس کے متعلق یہ یاد رہے۔ کہ اگرچہ آئین اکبری میں وہ میووں کی فہرست میں شامل ہے مگر ہندوستان میں تازہ وارد ہے۔ پرتگالی دسویں صدی ہجری میں باہر سے یہاں لاتے ہیں۔ ابو الفضل اناس کو کٹھل سفری کہتا ہے۔ کیونکہ اس کے پودے گملوں میں رکھ کر سفر میں بآسانی لے جائے جا سکتے ہیں۔ وہ اس کے بیان میں کہتا ہے۔ کہ اناس شکل اور رنگت میں مستطیل نارنگی کی مانند اور ذائقہ اور خوشبو میں آم کی طرح ہے۔ پھل ڈنڈی کی جڑ میں لگتا ہے۔ جس پر چند پتّے نکلتے ہیں۔ جب میوہ توڑ لیا جاتا ہے۔ پتّے اتار کر زمین میں الگ الگ لگا دیتے ہیں۔ اور یہی پتّے تخم کا کام دیتے ہیں۔ درخت صرف ایک بار پھل دیتا ہے۔ جس میں ایک ہی پھل آتا ہے (آئین اکبری ص۸۰) اکبر کے عہد میں اناس اس قدر قلت کے ساتھ معلوم تھا۔ کہ مختصر نگار ابو الفضل کو بطور اطلاع جدید اس کی صراحت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جہانگیر بھی اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ کہ اناس ان سواحلی علاقوں سے آتا ہے۔ جو فرنگیوں (پرتگالیوں) کے قبضہ میں ہیں۔ (توزک ص۱۳) ادھر پرتگالی ببانگ دہل کہتے ہیں۔ کہ اناس ان درختوں میں سے ہے۔ جن کا ہمارے ذریعہ سے ہندوستان میں رواج ہوا ہے۔ ان امور کو جاننے کے بعد ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ جب ہم راسا کے مصنف کو یہ کہتے سنتے ہیں۔ کہ پرتھی راج کے عہد میں جمنا کے کنارے نگمبو دھ باغ میں اناس کا درخت موجود تھا *

درختوں کے جس قدر نام اوپر گزرے ہیں۔ بہت ہی خفیف فرق کے ساتھ سب کے سب آئین اکبری میں ملتے ہیں۔ ان کا حوالہ ذیل میں درج ہے:-

گل ص۸۸ ص۸۹۔ زعفران ص۹۶۔ گل زعفران ص۱۰۹۔ انار ص۷۶۔ انگور ص۷۷۔ سرکھنڈی ص۱۰۱ ص۱۱۱۔ چنپہ ص۹۵ ص۱۰۱۔ کدم ص۱۰۱ (راسا میں کدمنب ہے) کھجور ص۷۹۔ آنب ص۷۷۔ انبہ ص۷۳۔ (راسا میں بحالت جمع انبین ہے) اناس ص۷۷ ص۸۰۔ توت ص۸۷ (راسا میں ستوت

آیا ہے۔ جو شہتوت کی بگڑی ہوئی شکل ہے) جنبھیری ص۹۲ ۔ اخروٹ ص۸۳ (راسا میں اس موقع پر اکھوٹ ہے۔ مگر دوسرے موقعہ پر صاف اکھروٹ لکھا ہے) سیب ص۶۰ (راسا میں سیو ہے) امرت پھل ص۸۷ ۔ نارنگی ص۸۱ ۔ گلال ص۹۸ ۔ عبیر ص۹۵ ۔ عنبر ص۹۶ ؛

راسا اور آئین اکبری کی فہرستوں میں وہ فرق جو بلحاظ اختلافِ زمانہ ان میں ہونا چاہیئے۔ بالکل مفقود ہے۔ بلکہ ان کا توافق حیرت انگیز ہے ؛

کھانے

اکھیٹ چکھ سراپ۔ ۶۳ ویں داستان میں پانی پت کے مقام پر سنجوگتا ایک بھاری دعوت دیتی ہے۔ مصنف نے اس موقعہ پر مختلف کھانوں۔ پکوانوں و دیگر اشیاء کے نام دیئے ہیں۔ جو میں یہاں نقل کرتا ہوں :۔

پترائول (پاتل) دونے۔ پوپ (روٹی)۔ پوری۔ سکھ پوری۔ لچئیں (لوچئی) میٹھی کی بھری کچوری۔ گھیور۔ جلیبی (جلیبی)۔ پھینی (فینی) سکر پارے (شکر پارے) سیو سنگھارے (سنگھاڑے کے سیو) کسار۔ گندورن (گندوڑے) کھرما (خرما) پنڈ کھجور۔ بہی۔ اکھروٹ۔ (اخروٹ) ناسپاتی (ناشپاتی)۔ گڑ (گڑ)۔ سکر (شکر) پاپر (پاپڑ)۔ کند۔ میدا کے پیدا (میدے کے پیڑے)۔ مکرند۔ گنج (نیلوفر) چنپک (چنبہ) چنبیلی۔ کرنی (کرنا)۔ کنبیر۔ لکلن (مولسری) مچکند کیورا (کیوڑہ) کیتکی۔ جوہین (جوہی) ؛

چربن :۔ چنا۔ چروجی۔ چوزا (چونلا) کسیرو۔ کرہری۔ گوند گٹا۔ کپور۔ کھیرا و ٹلی۔ کھیر تا کی مبین۔ کرنا۔ کروندا۔ کندورے (کندوری) نیبو۔ نارنگی۔ ناسپاتی۔ امرتاں (امرتیاں) کیتھ (کیت)۔ وجوریں (بجوڑے) کڈھی (کڑھی) پکوری (پکوڑی)۔ بری مونگ ری (مونگ کی بڑئیں) میداں کی روٹی (میدہ کی روٹی) مانڈہ۔ روٹین مسرین (مصری کی روٹیں) سالن (سالن) مارو۔ بیگن۔ برے (بڑے)۔ سیم۔ کنکورا (ککوڑا)۔ کریلا۔ مریلا۔ بھینڈا (بھنڈی)

رواسن پھری (رو انسا پھلی) چھونکری ۔لیدھری ۔ کلی کچنار ۔ باکل (باکلا؟ بجورا (بجوڑا) ۔ رائیتو (رائیتا) ۔ لونگ ۔ مرچیں ۔ دھنا ۔سونٹھی (سونٹھ) ۔ رائی ۔ وہی ؛

سرسول ۔ سوا ۔ ساک (ساگ) بھتوا (بتھوا) ۔ بڑساگ ۔ چنک (چانا) ۔ چوک (چوکا) ۔ دِوِدارُو (دیودار) ۔ نیب (نیم) ۔ مسوری (مسور) ۔ ماش ۔ چنا ۔ ودھی (دہی) ۔ کیسر ۔ مٹھا جیر (زیرہ) ۔ دارم (انار) ۔ داکھ (انگور) ۔ کھارک (چوہارا) ؛

مصنف نے ان کھانوں کا نہائیت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ جس سے میں نے صرف ناموں پر قناعت کی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اس عہد کا ہندو تمدن ترقی کے بلند معیار پر پہنچا ہوا ہے ۔ مگر اس تفصیل میں ایسا عنصر بھی تو پایا جاتا ہے ۔ جس سے شبہ ہوتا ہے ۔ کہ یہ تمدنی حالت خالص ہندو عہد سے جیسا کہ پرتھی راج کا زمانہ تھا ۔ تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ ایسے عہد سے جب ہندو مسلمان عرصہ تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے کی تہذیب و مدنیت سے متأثر ہو کر ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ اس کے آثار ہم الفاظ ۔ شکر ۔ شکر پارے جلیبی ۔ خرما ۔ نارنگی ۔ بہی ۔ ناشپاتی ۔ مصری ۔ میدہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں ۔ خالص ہندو تمدن میں ان اشیاء کا تصور بھی نہیں آسکتا ۔ مٹھائیاں اکثر و بیشتر مسلمانی الاصل ہیں ۔ جلیبی جس کی قدیم شکل زلابی ۔ زلیبا و زلیبیا ہے ۔ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آتی ہے ۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے اشعار میں زلیبیا آتا ہے ۔ چنانچہ :-

ع نان کشکی اگر بیا بم نیز راست گوئی زلیبیا باشد

شکر پارہ تو خالص مسلمانی نام ہے ۔ مصری نبات و طبرزد کو کہتے ہیں ۔ چونکہ اس قسم کی نبات کی ابتدا مصر سے ہوئی ۔ اس لئے ہندوستان میں اس کا نام مصری ہی رکھ دیا گیا ۔ خرما ۔ بہی اور ناشپاتی فارسی ہیں ۔ مگر ہندوستان میں ان کا استعمال مسلمانوں کی آمد سے قبل تصور میں نہیں آسکتا ؛

جب ہم اس فہرست پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں ۔ تو یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے ۔ کہ ان

الفاظ میں کوئی ایسی ندرت نہیں جو انہیں ٹھیٹ پرتھی راج کے عہد کے ساتھ وابستہ کرسکے۔ آج بھی یہ تمام چیزیں ہماری ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ اور تقریباً اسی طرح بولی جاتی ہیں۔ جیسے کہ فہرست بالا ہیں ؂

اس فہرست میں بعض الفاظ کے آخر میں نون کے اضافہ کی بنا پر جو جمع و اضافت کے لئے مستعمل ہے۔ مثلاً جوہین (جوہی) روٹین (روٹیاں) گندورن (گندوڑے) سالنن (سالن کا) مصرین (مصری کا) وغیرہ کی نامانوس شکلوں سے ہمیں مرعوب نہیں ہونا چاہیئے ؂

کالیستھ۔ کھتری اور بھاٹ

کالیستھ اور کھتری ہندوؤں میں وہ قومیں ہیں۔ جنہوں نے اکبر کے عہد سے ٹوڈرمل کے اثرات میں فارسی سیکھنا اور اہل قلم کے زمرہ میں ملازم ہونا شروع کیا ہے۔ ایک روایت یہ تبدیلی سلطان سکندر لودھی کے زمانہ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اور ڈونگرمل کا نام پہلے ہندو شاعر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ مگر دفاتر پر ہندوؤں کا دخل اور اقتدار اکبری عہد ہی سے شروع ہوتا ہے ؂

راسا کے مصنف کے سامنے چونکہ عہد مغلیہ کی زندگی ہے۔ اس لئے وہ کالیستوں اور کھتریوں کو شہاب الدین کے زمانہ میں بھی جبکہ اس کا دارالسلطنت غزنین ہے۔ نہ آگرہ اور دلی حسب دستور مغل مسلمانی ملازمت میں تصوّر کرتا ہے۔ جس طرح اکبر ٹوڈرمل اور بیربر کو اور شاہجہان چندربھان کو بعض سیاسی مسائل طے کرنے کے لئے ہندو راجگان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح تتارخاں شہاب الدین کا وزیر لورک رائے کھتری کو غزنیں سے دلی پرتھی راج کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ لورک رائے ایک سے زیادہ مرتبہ غزنیں سے دلی سفارت پر آیا ہے۔ (دھن کتھا اور پہاڑ رائے سمے) نیت رائے ایک اور کھتری ہے۔ جو اگرچہ بظاہر شہاب الدین کا ملازم ہے۔ موقعہ پر پرتھی راج کے ساتھ بھی سازباز کرلیتا ہے۔ (اننگ پال سمے) دھرماین

کالیستہ ہے۔ جو دہلی ہی میں مقیم ہے۔ مگر یہاں کی تمام اطلاع شہاب الدین کو غزنیں بھیجتا رہتا ہے۔ گویا بادشاہ کا وکیل ہے۔ دھرمائن کا ذکر متعدد داستانوں میں آتا ہے۔ مثلاً دھن کھتا۔ پہاڑ رائے سمے۔ درگا کیدار سمیو۔ بڑی لڑائی روپرستا وغیرہ۔ ایک امر عجیب ہے۔ کہ شہاب الدین کے یہ ہندو ملازم خواہ وہ کھتری ہوں۔ خواہ کالیستھ سب کے سب جاسوسی پیشہ کرتے ہیں۔ اور دربار دہلی کی خبریں شاہ کے پاس غزنیں بھیجتے رہتے ہیں ؏

ایک اور لطف کی بات سنیئے۔ جس طرح چند پرتھی راج کا بھاٹ ہے۔ درگا کیدار شہاب الدین کا بھاٹ ہے۔ درگا علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی مراد دیوی سے مانگتا ہے۔ دیوی جواب دیتی ہے۔ کہ تو اوروں پر غالب آسکتا ہے۔ مگر چند پر غالب نہیں آسکتا۔ اس پر درگا نے التماس کی۔ کہ میں پرتھی راج سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیوی نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ تیری یہ آرزو قبول کی جاسکتی ہے۔ دوسرے دن درگا شاہ کے دربار میں جاکر رخصت مانگتا ہے۔ تتارخاں کہتا ہے۔ کہ دشمن کے گھر جانا قرین مصلحت نہیں۔ خدا جانے کیا افتاد پڑے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کوی چند کو دیکھو نا۔ وہ کبھی غزنیں نہیں آیا۔ درگا بھاٹ لاجواب ہوگیا۔ مگر بادشاہ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اجازت دے دی۔ درگا غزنیں سے چل کر ڈھائی مہینہ میں پانی پت پہنچا۔ جہاں پرتھی راج شکار کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے عزت کی جگہ بٹھایا اور بڑی دلجوئی کی۔ درگا نے آتے ہی سحر و طلسم میں چند سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے اس نے سحر کے زور سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالا چند نے جواب میں ایک گھوڑے کے منہ سے اسیرباد (سلام) کہلوایا۔ اس پر درگا نے پتھر کی ایک بڑی چٹان جادو سے متحرک کی۔ اور اس میں ایک انگوٹھی غائب کردی۔ کوی چند نے اپنے علم کے زور سے چٹان کو پانی بناکر بہادیا۔ اور انگوٹھی نکال لی۔ اس کے بعد درگا اور اور عجائبات دکھاتا ہے۔ اور چند ان کے توڑ کرتا ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چند کوی ان فنوں میں اپنے حریف پر فضیلت رکھتا ہے۔ پرتھی راج پانچ روز تک کیدار کو مہمان رکھتا ہے

اور بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کرتا ہے ؎ (درگا کیدار سمیو ۵۸ ویں داستان)

مادھو بھاٹ شہاب الدین کا ایک اور بھاٹ ہے۔ اور اس کے نام پر انیسویں داستان ہے یہ شخص اکثر علوم و فنون میں باکمال تھا۔ ایک مرتبہ دلّی آیا اور ایک مہینہ تک رہا۔ دلّی اس کو بہت پسند آئی۔ جاسوسی کے خیال سے پرتھی راج کے دربار میں بھی آنے جانے لگا اور اپنے کمال کا اہلِ دربار پر خوب سکہ جمایا اور پرتھی راج کی داد و دہش نے اسے مالامال کر دیا ؎

مسلمانوں میں بھاٹ رکھنے کا دستور اسی عہد سے رواج پا سکتا ہے جب وہ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد اس ملک کے رسم و رواج کے پابند ہونے لگے ہیں۔ یہ خیال کہ شہاب الدین کے پاس درحقیقت ہندو بھاٹ تھے۔ بے حد مضحکہ خیز اور بے بنیاد ہے۔ مگر راسا کا مصنف جس زمانہ میں رہتا بستا تھا۔ کیا ہندو کیا مسلمان ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو کر ایک مخلوط قسم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ جس میں ہندو مسلمانوں کے لئے اور مسلمان ہندوؤں کے لئے لازم و ملزوم بن گئے تھے اور ایک کا دوسرے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ راسا کا مصنف اپنے عہد کی زندگی اور اس کے اوضاع کا اس قدر عادی ہے۔ کہ اس کے قلم سے بے ساختہ وہی خط و خال رقم پذیر ہوتے ہیں جو مغلیہ اور اس سے قبل کے زمانہ کی ہندوستانی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً ہیجم کمار کوی چند کے سامنے راجہ جے چند والئے قنوج کی تعریف میں یہ دوہا کہتا ہے :-

؎ بیری کاٹن راج رج۔ ڈنڈ بھرن پردھان ؎ سیوا مانن سبھے ورین۔ ہندو مسلمان ؎

(چھند ۴۶۹ صفحہ ۱۶۴ ح ۱۴ قنوج سمے ۶۱ ویں داستان)

بھلا جے چند کے زمانہ میں قنوج کی قلمرو میں مسلمان کہاں آباد تھے۔ جو اس کی تعظیم و تکریم میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو سکتے۔ مگر مصنف کے زمانہ میں یہ قول بالکل صادق آتا ہے۔ جب ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی رعیت بن کر رہتے تھے ؎

مسلمان ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے۔ مفتوحین شروع شروع میں تو ان سے غیر متعلق رہے۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ ان کی آمد ہنگامی نہیں اور نہ یہ لوگ اس سرزمین سے

ملنا چاہتے ہیں جسب تقاضائے وقت صلح و آشتی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ خود مختار راجاؤں نے تعلقات قائم کرلئے۔ کمزور رئیس اپنے طاقت ور ہمسایہ کے خلاف ان سے امداد کے جویا ہوئے۔ جوں جوں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے زیادہ زمانہ گذرتا گیا۔ توں توں یہ تعلقات زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ قرونِ وسطےٰ کا ہندوستان اپنی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات کا آئینہ دار ہے۔ مغل بابر کے خلاف رانا سنگرام عرف رانا سانگا اور حسن خاں میواتی باہم متحد ہوکر ایک ہی محاذ پہ جنگ کرتے ہیں۔ اسی بابر کے مقابلہ میں راجہ بکرماجیت ابراہیم لودھی کے ساتھ پانی پت کے میدان میں مارا جاتا ہے۔ سلاطین گجرات و مالوہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں ایک ہندو راجہ کی خاطر یہ طاقت ور سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئی ہیں۔ ان میں مذہبی اختلاف جنگ و صلح کا محرک نہیں تھا۔ جیساکہ آج کل کے مؤرخ ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد۔ یہی خصوصیت راسا کے صفحات میں نمودار ہے ؛

اٹھائیسویں داستان میں اننگ پال پرتھی راج سے اپنے ملک کے استرداد کا خواہشمند ہے۔ وہ خود فوج کشی کرکے پرتھی راج سے لڑتا ہے۔ مگر شکست کھاتا ہے۔ بالآخر مادھو بھاٹ کو شہاب الدین کے پاس غزنیں بغرضِ استمداد بھیجتا ہے۔ شہاب الدین ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کی امداد کو آتا ہے۔ اور اننگ پال کے شریک ہو جاتا ہے۔ اتحادی پرتھی راج سے جنگ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اور یہ بدقسمتی شہاب الدین کے لئے راسا کے صفحات میں نہائت عام ہے۔ سلطان میدانِ جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اتحادیوں کو شکست ہو جاتی ہے ؛

چھتیسویں داستان ہنساوتی وواہ میں چندیری کا راجہ پنچائن شہاب الدین سے رن تھنب کے راجہ کے خلاف فوجی امداد مانگتا ہے۔ اور شہاب الدین اپنا لشکر اس کی امداد کے لئے بسرکردگی نوری حجاب اور کیلی خاں روانہ کرتا ہے ؛

یہی نہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کی شادی غمی و دیگر دستور و رسوم میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اکیسویں داستان پرتھا وِیاہ ورنن میں ملتی ہے۔ اس داستان کی رو سے پرتھی راج

کی بہن پرتھا بائی راول سمر سنگھ والی چتوڑ سے بیاہی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر شہاب الدین بھی دُولہا دلھن کے لئے تحفے بھیجتا ہے۔ جن میں علاوہ دیگر مال ومتاع کے پچاس ہاتھی۔ سو گھوڑے۔ اور ایک سو باندیاں شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تحفے فی الحقیقت شہاب الدین نے راول جی کو شادی کے موقعہ پر دیئے تھے۔ تاریخ کی رو سے راول سمر سنگھ اور پرتھا کی شادی ناممکن ہے۔ کیونکہ راول مذکور پرتھی راج اور شہاب الدین کے زمانے سے ایک صدی بعد ہوتا ہے لیکن مصنف نے شہاب الدین کا جو تحفے دینا بیان کیا ہے تو درحقیقت وہ اس رواج کو اجاگر کر رہا ہے جو اس کے عہد میں ہندو اور مسلمان باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ برتتے تھے ؛

مسلمانی الفاظ

راسا میں مسلمانی الفاظ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا مصنف فارسی زبان کی مبادیات سے ضرور واقف ہے۔ مسلمانوں کے بعض مذہبی معاملات سے بھی اس کو آگاہی ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ ان کی مذہبی کتاب کا نام قرآن ہے۔ جسے مصحف بھی کہتے ہیں۔ اس کے تیس پارے ہیں۔ ان میں خدا کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں۔ جو تیسوں دن نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کے قریب نہیں جاتے ؛۔

پنچ بیس پنچ دن کریں نواج   تنی احق وست جن نہیں کاج

(چھند ۲۴ ص ۵۲۱ ح ۵ سلکھ بدھ۔ تیرہویں داستان)

پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور سیپارے تورات دن پڑھتے رہتے ہیں ؛۔

نمیں [illegible] ن سائیں لیے پنچ بکھت (وقت)   سیپارے تیس پڈھیں دن رت

(چھند ۹۷ ص ۴۰۳ ح ۴ حسین کتھا نویں داستان)

تسبیح کا استعمال مستحسن سمجھتے ہیں۔ پیر کے چادر چڑھاتے ہیں۔ ملا اذان دیتا ہے۔ قاضی نماز پڑھاتا ہے۔ جو لوگ مذہب کے لئے مارے جاتے ہیں۔ شہید کہلاتے ہیں۔ اور زندۂ جاوید ہیں

گوری کی جو وجہ تسمیہ دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ گور یعنے قبر کے معنوں سے واقف ہے
مسلمانوں کی جنگی اصطلاحات و اسلحہ سے کافی آشنا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً آتش۔ سلح۔ تیغ۔ زرہ۔
کمان۔ تیر۔ ترکش۔ گرز۔ تفنگ۔ ہدف۔ نشان۔ چوگان۔ چشم۔ سوار۔ لگام۔ پہلوان (پہلیان)
عراقی۔ تازی۔ نوبت۔ شہنائی۔ نفیری۔ چنگ۔ دمامہ وغیرہ۔ الفاظ تیر و تیغ اس کے ہاں کثرت
کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح اعداد میں سہس کے ساتھ ہزار بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ باغ
و باغبان کے لئے بھی فارسی الفاظ باغ و باغبان پر قناعت کرتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے مسلمانی
الفاظ کافی تعداد میں لا سکتا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

سہ جا سو یہاں ؛ سہاب دین سلتان ؛ پیمبر پروردگار ؛ الہ کریم کوار د کبار (
سلطان جلال سکندر جایا ؛ سلتان شہاب الدین الہ اُپایا ؛ چ ۱۱۰ صح $\frac{۲۱۲۶}{۱۸}$ بڑی لڑائی

دیگر سہ

میں نفیر سلطان ؛ آپ کبہی کچھیئے قاضی ؛ بہست بھاکہ جو کہے ؛ ہوئے حاجی کے غازی
جو امید جیسے ہوئی ؛ راج دوئی اسد بندی ؛ کوئی گمان جن کرو ؛ کہے کابا یہ گندی ؛

چ ۶۶ صح $\frac{۲۲۳۸}{۱۹}$ بڑی لڑائی

اس رزمیہ کے بعض الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ استعمال ہند کے ذیل میں آتے ہیں۔
استعمال ہند سے مراد غیر ہندی الفاظ کی وہ خاص صورت ہے۔ جو ہندوستان میں اختیار کر لی گئی
ہے۔ مثلاً حمائل کو حمیل کہا جاتا ہے۔ (چھند ۲۹ صح $\frac{۶۰}{۶}$) اور پالان کو پلان (چھند ۶۵ صح $\frac{۵۸۵}{۸}$)
وقت کا بخت بن گیا ہے (چھند ۷ ۹ صح ۴۰۳ ح ۴) اسی طرح رسالہ سے رسال (چھند ۱۴۹ صح $\frac{۴۰۲}{۵}$)
یعنی سوغات بن گیا۔ اور خواص حجام کے معنوں میں آیا ہے۔ (چھند ۵۸ صح $\frac{۵۸۵}{۹}$) اسی طرح نماز
کو نماج کی شکل میں بدل دیا ہے۔ کاغذ کگد بن گیا ہے۔ (چھند ۸۵ صح $\frac{۹۳}{۸}$)
بعض ترکیبیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جو نیمے ہندی اور نیمے فارسی ہیں۔ مثلاً پلنگ پوش (چھند
۹۵ صح $\frac{۵۸۵}{۹}$) اسی طرح جم جور ہے۔ جس میں جم (موت) ہندی اور جور فارسی زور کی بگڑی شکل ہے

ور جو ر کا جی اسی پر قیاس لیا جائے۔ بہر حال یہ ترکیبیں اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔ کہ یہ رزمیہ پرتھی راج کے عہد کی تالیف ہو سکتا ہے۔ بعض وقت ایسے فارسی مرکبات بھی ملتے ہیں۔ جیسے تارج (چھند ۱ صح ۱۱۵/۱۳) نیل ماہی (چھند ۲۶۴ صح ۱۶۶۰/۱۴) یعنے دریائے نیل کی مچھلی۔ جنگی جوان (چھند ۳۱ صح ۱۰۴۵/۹)۔ زردوزن (زردوزی) اور زرکشی (چھند ۵ صح ۵۸۴/۶) کسادہ کساوہ (کشادہ کشادہ) چھند ۱۲۶ صح ۹۰۷/۸) اور راہ بیراہ (چھند ۹۵ صح ۴۰۳/۴) ؛

کوچ برکوچ ۔ کوچ درکوچ اور کوچا کوچ ایک فارسی روزمرّہ ہے۔ مصنف نے بادنی تغیّر اس پر تصرف کر لیا ہے۔ مثال سے چلیو کوچ پر کوچ کھری (چھند ۲۹۷ صح ۷۲۳/۷) دیگر:- درکوچ کوچ اتے سندھ (چھند ۱۴۱ صح ۶۱۸/۶) دیگر:- سے اتی کوچ کوچ دلن کھرین ؛ جل نیتھ جائے سو اُترین (چھند ۱۶۵ صح ۶۲۱/۶) ؛

ذیل کے چھند میں ’کھیت پڑنا‘ کھیت رہنے کے مفہوم میں آیا ہے :-

سے کھیت پرے تتار ؛ ساہ گوری گئی سنبیا ؛ (چھند ۱۹۲ صح ۶۲۵/۶)

سر دھننا ایک اور محاورہ ہے۔ چنانچہ :-

سے سر دھُنت بتی ساہ ؛ دھاہ سُنی سبنا سنفی ؛ (چھند ۲۹ صح ۹۵۱/۹)

وہ پانی ملتان گیا

وہ پانی ملتان گیا ۔ ایک ضرب المثل ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ کہ اب وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ استاد ذوقؔ سے

پنجاب میں بھی وہ نہ رہی آب وتاب حسن ؛ اے ذوقؔ ! پانی اب تو وہ ملتان بہ گیا

پرتھی راج راسا میں یہی ضرب المثل یوں آئی ہے :-

سے چاہُر چھتر رکھت تکھت لینو سرنانی ؛ اوترو سے ساہاب ؛ گیو ملتانہ پانی ؛

(چھند ۲۶۵ صح ۷۳۴/۷)

اس ضرب المثل کی تشریح میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے :-

ایک دن گورکھ ناتھ ریداس بھگت کے پاس آیا۔ پیاس لگ رہی تھی۔ پانی مانگا۔ ریداس پانی لینے گیا۔ اس وقت گورکھ ناتھ کو خیال آیا۔ کہ ریداس تو ذات کا چمار ہے۔ میں اس کے ہاتھ کا پانی کیونکر پی سکتا ہوں جب ریداس پانی لایا۔ اس نے اپنے توبنے میں بھروالیا۔ مگر پیا نہیں۔ ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور رخصت ہُوا۔ پھر کبیر کے پاس جا بیٹھا۔ اور اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا۔ اس وقت کبیر کی بیٹی کمالی آئی۔ اور وہ پانی اٹھا کر پی گئی۔ پیتے ہی اکاس لوک۔ مرت لوک۔ اور پتال لوک کے تمام اسرار اس پر منکشف ہو گئے۔ جب گورکھ ناتھ کو معلوم ہوا۔ کہ اس پانی کے پینے سے کمالی میں یہ وصف پیدا ہو گیا ہے۔ ہاتھ ملنے لگا۔ دوبارہ ریداس کے پاس جا کر پانی مانگا۔ ریداس کشف کے ذریعہ سے جان گیا تھا۔ کہ گورکھ ناتھ نے اپنے غرور کے سبب سے وہ پانی نہیں پیا تھا۔ اور اب پھر اسی کی تلاش میں آیا ہے۔ اسی اثنا میں کمالی کے سسرال والے بنارس آئے اور کمالی کو ملتان لے گئے۔ جہاں وہ بیاہی گئی تھی۔ اس وقت ریداس نے یہ دوہا کہا:-

ے   پیاوے تھے جب پیا نہیں تب تم نے یہ اکھان کیا
بھولا جوگی پھرے دوانہ وہ پانی ملتان گیا

محمود شیرانی

بحر الفواید

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ادبیات فارسی میں نظم کا ذخیرہ نثر سے بہت زیادہ ہے، ہرچند کہ یہ خیال صحیح ہے لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ نثر فارسی کا بہت سا خزانہ ابھی تک قلمی کتابوں میں مدفون ہے جس کا کچھ حصّہ تو قعر گمنامی میں پڑا ہے اور جو معرض علم میں آچکا ہے وہ نشر و اشاعت کا منتظر ہے۔

فارسی نثر کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ایک قابل توجہ تصنیف بحر الفواید ہے۔ جس کے ساتھ ناظرین کو ان سطور میں روشناس کرنا مقصود ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کا موضوع مسائل تصوّف و اخلاق ہے۔ لیکن گوناگوں دلچسپیوں کی سینکڑوں اور باتیں معرض بحث میں لائی گئی ہیں۔ جن کو مصنّف نے بے شمار حکایات اور جدّت خیالات سے بہت دلفریب بنایا ہے۔

بحر الفواید چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اور فقط یہی ایک بات کہ یہ منجملہ اُن معدودے چند فارسی کتابوں میں سے ہے۔ جو تاتاری حملے کی تباہی سے محفوظ رہیں۔ اس کی اہمیّت کو دوبالا کرنے کے لیے کافی ہے لیکن ایک اور غیر معمولی صفت جو اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ ہے کہ وہ شام میں لکھی گئی ہے۔ فارسی کی شاید یہ پہلی کتاب ہے۔ جس کا شام میں تصنیف ہونا ہمارے علم میں آیا ہے۔

بحر الفواید کے صرف دو نسخوں کا ہمیں علم ہے جن میں سے ایک تو پیرس کے کتابخانۂ ملی میں ہے۔ اور دوسرا ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی کے پاس ہے[1]، مصنّف نے اپنا یا اپنے وطن کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں

---

[1] دیکھو فہرست مخطوطات فارسی در کتابخانۂ ملی پیرس عدد ۲۱۷، اس نسخے کی تاریخ کتابت ۶۷۹ھ ہے۔ پروفیسر موصوف کا نسخہ بھی غالباً دسویں صدی کا لکھا ہوا ہے،

پایلیکن اپنی اس تصنیف کو اس نے اتابک شام امیر ارسلان آبہ بن آقسنقر کے نام پر معنون کیا ہے۔ جس کا ذکر وہ آغاز کتاب میں اس طرح پر کرتا ہے:۔

"واین کتاب در انواع علوم در زمین شام کہ ملک تعالیٰ۔ ویرا مبارک خواند بمدت پنج سال جمع کردم بنام و لقب پادشاہ عالم عادل عماد الدین[۱] عماد الاسلام قطب الدولۃ و بہاء الملۃ شرف الائمۃ قامع الکفرۃ والمشرکین الب قتلغ جبوغا الغ اتابک ابی سعید ارسلان آبہ بن آقسنقر ظہیر امیر المومنین خلد اللہ دولتہ وحرس علیہ نعمتہ واین کتاب را بحر الفواید نام نہادیم زیرا کہ ہمہ جواہرہا در بحر باشد و از انواع علوم درین کتاب توان یافت"

آقسنقر (قسیم الدولہ) اتابکان شام کے خاندان کا بانی ہے۔ اس کے بیٹوں میں عماد الدین زنگی والی حلب و موصل تاریخ میں زیادہ مشہور ہے۔ جس کا عہد حکومت ۵۲۱ھ ۔ ۵۴۱ھ ہے۔ ارسلان آبہ بظاہر زنگی کا چھوٹا بھائی ہے ۔ جو مسند حکومت پر جاگزیں نہیں ہوا۔ بلکہ غالباً کسی چھوٹے سے علاقے کا فرماں روا تھا "الب قتلغ جبوغا الغ اتابک" اس کے القاب ہیں۔ لیکن "قامع الکفرۃ والمشرکین" کے لقب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بھائی زنگی کے دوش بدوش صلیبی لڑائیوں میں نمایاں حصّہ لیتا رہا۔ راحۃ الصدور میں دو تین جگہ ۵۴۴ھ ۔ ۵۴۷ھ کے واقعات میں ضمناً اس کا ذکر آیا ہے[۲]۔

---

[۱] پیرس والے نسخے میں "نصرۃ الدین" ہے۔ [۲] موسیو بلوشے (مرتب فہرست مخطوطات کتبخانۂ ملی) نے ارسلان آبہ کو غلطی سے بوزابہ والی فارس خیال کیا ہے۔ جو ایک بالکل مختلف شخص ہے اور ۵۴۲ھ میں سلطان مسعود سلجوقی کے خلاف جنگ کرتا ہوا ہمدان کے نزدیک مارا جاتا ہے، برخلاف اس کے ارسلان آبہ ۵۴۷ھ میں زندہ تھا (دیکھو راحۃ الصدور ص ۲۶۲)۔

صاحب بحر الفواید نے باب سیر الخلفاء میں جہاں خلفاء عباسی کی فہرست دی ہے۔ وہاں المقتفی (۵۳۰ھ - ۵۵۵ھ) کو خلیفۂ معاصر بتلایا ہے[1]۔ اس سے ذرا آگے چل کر عقاید باطنیہ کی بحث میں اس نے محمد بن کیا بزرگ امید (جانشین حسن صبّاح) کے مرنے کا ذکر کیا ہے[2]۔ جس کی تاریخ ۵۵۷ھ ہے۔ چونکہ اس کے اپنے بیان کی رُو سے کتاب پانچ سال تک زیر تالیف رہی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف کا زمانہ ۵۵۲ھ - ۵۵۷ھ ہونا چاہئے۔

پروفیسر شیرانی کا نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے عمدہ خطّ نسخ میں لکھا ہوا ہے اور خاصا صحیح ہے، تعداد اوراق ۱۸۰، تقطیع ۹" x ۶" اور فی صفحہ ۱۲ سطریں، بلحاظ مبحث کتاب کو ۴۳ حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصّے میں دس دس بارہ بارہ باب ہیں، ان مباحث کی پوری فہرست کتبخانۂ ملّی پیرس کی فہرست مخطوطات میں دی گئی ہے[3] جس پر فقط ایک نظر ڈالنے سے ان کے تنوّع کی طرف فوراً توجہ مبذول ہوتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلا حصّہ کتاب الجہاد ہے۔ اس کے بعد کتاب الحکمۃ ہے آگے چل کر ایک دلچسپ حصّہ کتاب تربیۃ الاولاد ہے۔ پھر طلب المعیشۃ، آداب الاسلام، معالجۃ الذنوب، نوادر العلماء، مناقب الائمۃ، عجائب الدنیا، کتاب السلطان، کتاب الوصایا، کتاب الغرائب وغیرہ وغیرہ ہیں،

مصنّف کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سنّی ہے[4]۔ باطنیوں کا سخت مخالف ہے[5] علوم دینیہ، تاریخ وسیر اور تصوّف سے خوب

[1] ورق ۱۳۰ ب، [2] ورق ۱۳۲ ب، [3] جلد ۲ ص ۳،

[4] کتاب "اصول الدین" کے باب اوّل میں لکھتا ہے "بدانکہ مذہب سنّیاں آنست کہ خدای عزّ وجل آفریدہ است"۔ [5] "خون ملحدی ریختن اولیتر ست کہ ہفتاد کافر رومی کشتن" (ورق ۱۳۷ ب)۔

واقف ہے، منجموں، طبیبوں اور شاعروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند او را از ہفت آفت نگاہ باید داشت۔ اول صحبت منجم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند[1]"۔ دوسری جگہ کہتا ہے :۔ "وہر کہ گوید در قرآن تحریم خمر نیست جاہلست، طبیب و منجم و شاعر چہ دانند کہ اصول و فروع و حلال و حرام چہ بود[2]"۔ منجم و طبیب کی مذمت ایک اور جگہ یوں کی ہے :۔ "بادشاہ سلف کہ برخاستی بر دست راست وی فقیہی بودی تا حلال و حرام ازو بپرسیدی و بر دست چپ وی مفسری بودی تا تفسیر قرآن از وی بشنیدی، امروز سلطانان روزگار بامداد برنخیزند منجمی بر دست راست وی بود و طبیبی بر دست چپ وی بود[3]"

نجوم، طب اور شاعری کے علاوہ وہ فلسفہ اور فلسفیوں کی بھی سخت تحقیر کرتا ہے چنانچہ کتاب الحلال والحرام کے آخری باب "حکمت کتب گذشتگان" میں لکھتا ہے:۔

"اول کتاب اخوان الصفا زندقہ است و طعن بر مسلمانی است نشاید راندن و نشاید دانستن بباید سوختن، ہفت ملحد در بصرہ جمع شدند و آن کتاب بنہادند و نام خود بپوشیدند دوم ابو العلا معری ملحد بودہ است کتاب لزوم مالایلزم و فصول غایت الفصول و الغایات در معارضہ قرآن کردہ است بباید سوختن، و دلیل بر الحاد وی آنست کہ انکار قیامت و حشر اجساد [می کند]، ..... دیگر بو علی سینا کافری بی دین بود شفا و نجات وی نباید خواندن کہ نفی حشر اجساد می کند و نفی صفات باری، و زکریا رازی ملحد بودہ است ....[4]"

لیکن زاہد خشک ہونے کے باوجود اس کو شعر کا نہایت اچھا مذاق معلوم ہوتا ہے، عربی و فارسی کے اشعار جو اس نے جابجا تحریر کئے ہیں۔ عموماً نہایت برمحل اور برجستہ ہیں، نثر میں اس کا انداز تحریر نہایت دلکش۔ سادہ اور بے تصنع ہے

---

[1] باب تربیۃ الاولاد، [2] ورق ۸۰ ب، [3] ورق ۳۰ ب،

[4] ورق ۸۵ ب ۔ ۸۶ الف،

اور چھٹی صدی کی دلفریب فارسی نثر کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ذیل میں ہم بحر الفوائد کے بعض مقامات کی عبارت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مصنّف کی جدّتِ فکر اور اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہو سکے، ہمارے نزدیک اس کتاب کو قابوس نامہ اور کلیلہ و دمنہ کے پہلو میں جگہ ملنی چاہیئے، اس کی اشاعت سے یقیناً فارسی ادب کے کتب خانہ میں ایک جلیل القدر اضافہ ہوگا،

کتاب نصیحۃ الملوک والسلاطین

بدانکہ بادیۂ قیامت در پیش بس آدمست و بیابان بی نہایت در راہست و وی غافل نشستہ و نمی داند کہ در بستر خواب خفتہ است و سفر می کند زیراکہ این شب و روز دو مرکب است تیز رو پس آدم را ببرند و بدان سرای غریبان فرود آرند تا قافلہ ہمہ بیکدیگر رسند پس جملہ را برانگیزانند و این خطاب بشنوانند کہ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر، این فلک دوّار و این بوقلمون عمر وی بتاراج برمیدہد و وی ہیچ خبر ندارد ہمہ مردگان در آرزوی یک روزہ عمرند تا تقصیرہا بدان تدارک کنند و نمی توانند یافتن و تو یافتہ و عمر ضائع می گذرانی و سرمایہ بباد برمیدہی، سرمایۂ آخرت عمر است و مایۂ قیامت تقوی است مایۂ دوزخ ہواست، وقت آن نیامد کہ از خدمت مخلوق با خدمت خالق شوی و وقت آن نیامد کہ خود را باشی کہ در آنچہ بودی ہمہ بر خود بودی کہ ہر کس کہ زاد وی تقویست سزاوارست اگر بساط تہنیت بیفگند ہمہ عالم مِلک و مُلک تو شدہ گیر و بجای بگذاشتہ گیر آخر چہ،۔۔۔ این خلق بیشترین در غم معدۂ خود ماندہ اند کہ نباید کہ برہنہ و گرسنہ مانند ہیچ کس نمی اندیشد کہ نباید کہ امشب بخسپم و بامداد برنخیزم و آنچہ من جمع کردہ ام دیگران بر دارند، ای بیکارۂ عقل برخاستہ و بر سر پل خانہ ساختہ و بر موج دریا افگندہ چون ناصیۂ ملک الموت بینی ہشیار شوی فریاد برآری کہ

یا حسرتی علی ما فرطتُ فی جنب الله، هیچ زندانیئ دیدی که در زندان شادی و راحت طلبد تو آن زندانی هستی که شادی در زندان می طلبی، من طلب مالم یخلق تعب نفسه ولم یرزق، هیچ اسیر را دیدی که شهریاری طلبد، آدمی اسیر قضا و قدر است و امیری و شهریاری می طلبد، هیچ بنده را دیدی که خواجگی طلبد هیچ خاکی را دیدی که خواجگی طلبد یا ابن التراب و ماکول التراب انت غداً ماکول و مشروب، آدمی تماشای بوستان می کند یک ساعت بیاید تا تماشای گورستان کند تا آن حسرات و زفرات بینی شاهان جهان در ظلمت گور اسیر خاک شده بینی خسروان را محبوس گور و لحد شده بینی جمجمهٔ جبّاران بوسیده بینی سرهای سروران در خاک شده بینی جوانان با حسرت در خاک خوار شده بینی گیسوی عروسان در خاک بوسیده و پاره شده بینی، پشت زمین بر غفلت است و شکم زمین بر حسرت و آدمی در وادی پنداشت و تمنای خود گم شده که امروز چنین کنم و فردا چنان کنم و مرگ بر وی می خندد و اجل بر امل می خندد و تقدیر بر تدبیر می خندد مرگ بر زندگانی می خندد، . . . چون عمر مختصر باشد مال بسیار چه سود چون خانه گور خواهد بود حجرهٔ زرّین و سیمین چه سود چون تخت و کلاه و دولت مملکت حسرت خواهد بود جمع و منع چه سود چون عمر وفا نخواهد کرد توفیر خزانه را چه سود اگر آواز امارت پسر آدم بشرق و غرب رسد و اهل مشرق و مغرب بر وی خطبه کند و چراغ بدیوان وی آورند جان تنها باید کندن و در گور تنها باید خفتن و حساب تنها باید داون،

بیت: سپهر بلند ار کشد زین تو سرانجام مرگست بالین تو

در خبر است که مردی پیش رسول صلے الله علیه وسلم آمد و گفت یا رسول الله مرا وصیتی کن گفت کار کن دو روز یا دو شب را، گفت یا رسول الله کدام روز و شب گفت آن روز را که ملک الموت در خانهٔ تو در آید بجان استادن تو و آن شب که مرده را در گور نهند بستر خاک بود و بالین و خشت و زیارت کنان مار و مور بود و

کارکن آن روز را که ایستاده باشی پیش خداوند جل جلاله نامه بدست تو ندانی که ترا بهشت می فرستند یا بدوزخ و کارکن آن شب را که در گور بخسپی پس ازان شب نباشد بامدادش قیامت باشد خلایق جهان فردای قیامت از پادشاه و رعیت خاص و عام باحسرت وندامت خواهند بودن و دست بر سر می زنند وخود را ملامت می کنند نیکوکردار می گوید واحسرتا تا چرا نیکی بیش نکردم وخیرات زیادت نکردم وبدکردار گوید واحسرتا تا چرا بد کردم، در خبر است که جبرئیل پیش مصطفے علیہما السلام آمد گفت یا رسول الله چهار سخن گزیده از چهار هزار سخن بشنو وامتان را خبر کن، اوّل بگو که خراب میکنند آنجا را که شما را چاره نیست از باز گشتن بدو، دوم بخشم میارید ومخالفت میکنند آنکس را که شما را چاره نیست از باز گشتن بدو، سوم جهد کنید بجستن چیزی که لابد شماست رحمت خدای وبهشت خدای، چهارم چیزی مطلبید که با او نخواهید ماند، مسکین آدمی بی خواست وی درین جهان آمد و در رنج وبلا وناکامی عمر بسر برد وبحسرت از دنیا بیرون شد آمدنش بیخواست وی بود و بودنش بی کام ومراد وی رفتنش بیخواست وی چون زندانی که وی را بزندان برند و بیرون آرند، **حکایت**: پادشاهی بود نیک مردی را برنجانید گفت ای نیک روز از من بهتر از من چه میخواهی گفت چگونه گفت دی گذشت ومن و تو طمع ندانیم وفردا هنوز نیامد تو بدین یک زمان از من بیشتر هستی عمر آدمی دو نفس است چون نفس برسید کار باسری رسید این چندین هوس دریک نفس از سعادت مرد آنست که درین جهان نیکونام بود و دران جهان رستگاری یابد، مرد عاقل کامل داند که خدای بهتر است که خلق وآخرت بهتر ست که دنیا وعمل وصالح بهتر ست که خزینه ومال، وعاقل کسی بود که بداند که مال مرد آن بود که بخورد وبهشت بدان بدست آرد ودیگر یا سلطان پاک ببرد یا فرزند پاک ببرد یا نصیب خاک بود، دست تهی در آمدی ودست تهی خواهی رفت، **بیت**:-

انگشت زنان در آمدیم از در تو — انگشت گزان در آمدیم از بر تو

حکایت:- ذوالقرنین از مشرق تا مغرب بستد و در ظلمات پادشاهی براند چون وقت وفاتش بود گفت دستم تهی و برهنه کنید و از تابوت بیرون آرید تا عالمیان بدانند که ازین دنیا و مملکت هیچ با خویشتن نبردم دست تهی در آمدم و دست تهی بردم آن کیست که خزینهٔ عادیان امروز بده درم بجز خدای عز و جل سه فرشته است هر روز بر سر عالمیان ندا میکند یکی میگوید من لم یرحم نفسه لا یرحمه الله هر که بر خود رحمت نکند خدای بر وی رحمت نکند و فرشتهٔ دیگر کریمان را دعا می کند و بخیلان را نفرین می کند میگوید بار خدایا هر که بخورد و ببخشد روزی وی فراخ گردان و هر که بخیل بود بر خود روزی وی تنگ کن فرشتهٔ دیگر میگوید مال فلان کس را دادیم و زن فلان را دادیم و فلان را دولت دادیم و فلان را دولت دادیم و فلان را معزول کردیم، در خبر است که شبانروزی بیست و چهار ساعت است در هر ساعتی حق تعالی ششصد هزار را زندگانی می آفریند و در وجود می آرد و ششصد هزار را می میراند و ششصد هزار را عزیز می گرداند و ششصد هزار را ذلیل می گرداند و ششصد هزار را از خاک برمیدارد و بر تخت می نشاند قوله تعالی تعزّ من من تشاء و تذلّ من تشاء....

حکایت:- هفتاد حکیم جمع شدند گفتند بیائید تا این دنیا را این سرای حسرت و وحشت را بچیزی مانند کنیم بهفت چیز وی را مانند کردند اوّل بسراب که در بیابانها باشد مرد تشنه امید طمع در وی بند و پندارد که چیز بیست چون بد و رسد هیچ نبیند همه امیدش باطل شود و رنجش ضائع شود همچنین خداوند دنیا هزار امید دارد دیگی آنکه عمر وی دراز باشد تا مقصودها دریابد یکی آنکه با او وفا کند و دیگر با وی موافقت کند دیگر دشمنان وی شاد نکند این دنیا غدار از ینها هیچ نکند، دوم مانند کردند بآب شور که هیچ منفعت نکند و هر او را سیر نکند همچنین از دنیا کسی سیر نشود و از و منفعتی برندارد، سیوم ببرف مانند

کردند نپاید و منفعت نکند، چهارم بمبغ تابستان مانند کردند که مردم از گرما تافته باشد و در زیر میغ گریزند همی چون برقی برگذرد آن تمنای ایشان باطل کند، همچنین خداوند دنیا از فقر و فاقه و رنجوری عزل وذل وخواری دل درد وی بندند بناگاه برگردد و ایشان از او نا امید گردانند، پنجم بسایهٔ آدمی مثل زدند که با او بهم می رود راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد ناپدید شود همچنین دنیا روی می نماید راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد پشت برگرداند و بگریزد، ششم بخواب آشفته مانند کردند واین درست تر [از] همه قولهاست زیرا که آن درویش عرب بسیار در خواب می بیند که بر تخت نشسته است و شهر بپادشاهی ویست و فرمان می دهد و فلان خاتون در کنار ویست وغلامان کمر بسته پیش وی ایستاده و چندین خزینه بحکم اوست و چندین قلعه بفرمان ویست و دولتی یافت و آن رنجها با سری شد همی از خواب در آید ازین هیچ بیند آن محنت و مصیبت خویش بیند بشرم در افتد و تشویر و خجالت خورد گوید :-

دردا و دریغا که از ان خاست و نشست خاکیست مرا بر سر و بادیست بدست

در تربیۂ اولاد

چهانکه صلاح فرزندان بسبب مادر و پدر است و هلاک فرزندان بسبب مادر و پدر است ، وقرآن کریم میگوید یا ایها الذین آمنوا قوا انفسکم واهلیکم نارا - ای کسانیکه بخدای و رسول ایمان آرید خویشتن و فرزندان را از آتش دوزخ نگاه دارید و رسول صلی الله علیه وسلم گفت لعن الله والدا عق ولده گفت لعنت خدای بر آن پدری باد که فرزند را عاق کند، همچند انکه فرزندانرا در حق پدران وصیت کرده است بنزدیک پدرانرا در حق فرزندان وصیت کرده، عاق کردن پدر فرزند را چنان باشد که وی را مهمل گذارد و آداب شرع وی را نیاموزد تا بر پدر عاق شود و پندارد که آن عاقی طاعتست زیرا که ادب نیاموخته باشد و آن گناه

ہ کذا ،

پدر است ، و اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند او را از ہفت آفت نگاہ باید داشت، اوّل صحبت منجّم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند آن وقت کہ مسلمانی ایشان درست باشد و تہاون کردن مودی بود بدست برداشتن و دست برداشتن سبب بود کہ بر دلہا ایشان گران بود و آن سبب بود کہ شکی در دل آید نعوذ باللہ منہ و صحبت این قوم آفتی عظیم است الّا ماشاء اللہ از ہزار یکی سلامت نیابد بسا خلق کہ ضال شدند ازین سبب ، دوم ہمنشین بد کہ ہیچ چیز در عالم از ہمنشین بد بتر نیست و پانصد سال است کہ این بیت گفتہ اند:-

عن المرء لا تسأل و ابصر قرینہ　　فانّ القرین بالمقارن یقتدی

زیرا کہ طبع از طبع بدزدد و بیاموزد و بر فساد دلیر شود و شیطان بیرون آید، سیوم مجالست زنان کہ بمجالست زنان بر سبیل دوام کودکان را از طبع بگردانند و از ادب و حرمت و ہمات دین محروم شود و فرزندان برنگ زنان برآیند... چہارم از خمر خوردن نگاہ دارد کہ سرہمہ آفتہا و شرہا خمر است و فرزندان را بکودکی نگاہ باید داشتن تا ببزرگی ادب یافتہ بود چون بکودکی دست باز دارد کی توان یافتن؛ چون لذت خمر و بی نمازی بحلق کودک رسید فلاح ہر دو جہان از و برخاست، پنجم از خواندن کتب پارسی کہ نہ بشریعت تعلق دارد مانند ویس و رامین و حکمت جاماسپ و لہراسف و وامق عذرا کہ خواندن این کتابہا فسق است و بعضی کفر است و مردم نشناسند و کمترین آفت آنست کہ مردم مشتاق شوند و در دل طلب آن پدید آید و از حق باز ماند و عمر در باطل بسر برد.... ششم اگر صلاح فرزند خواہد در حال کودکی ایشان را از تنعّم نگاہ دارد و جامۂ اطلس و کلاہ زرین و کوزۂ سیمین و انگشتری زرّین کہ جملہ مردان را حرامست کمترین آفت آن بود کہ بحرام رخصت دادہ باشند و دوران بزہ نزدیک بود و ایشان را بر معصیت دلیر کردہ باشند، چون این نعمتہا میسّر شود شیطان بیاید گوید بکار منشین غلامچہ باید زنی بلایہ باید فلان و فلان طمع در تقاضا آید فرزند بطلب ہر چیز دفاو پدید آید ہیچ تدارک نتوان کردن ، ہفتم کبوتر بازی و

برہام شدن کہ این قاعدہ شومست ازآن آنفنہاے خیزد برزنان مسلمان مطلع شود و شرہا ازین تولد کند - پس ہرکس کہ توفیق یابدو فرزندان را ازین نگاہ دارد موافق کسی بود، و علامت آن بود کہ خانہؑ اور بخواہد و اگر ہمل فروگذارد فساد در فساد پدید آید و انّ التوفیق عزیز، اگر کسی گوید تربیتہ فرزند چون باید کردن تا ازین جملہ دور باشد گوئیم بدآنکہ دل کودک ہچو مُرغ نقش پذیراست اگر صلاح یابد بپذیرد و اگر فساد بیند نپذیرد والخیر والصلاح بیداللہ و تربیت فرزندان را شرائط است اوّل آنست کہ شیر فرزند [را] کسی دہد کہ پارسا و مصلحہ و حلال خوار و نماز کن باشد زنی نصرانی یا زنی نابکار ندید کہ شیر دادن غذاء ویست و طبع بدان مائل شود، و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مے گوید الرّضاع بغیّر الطّباع، این شرائط نگاہ باید داشت، دوّم آنست کہ طہیرۂ وی بکند و نام نیکو ہند عبداللہ و احمد محمد و محمود و ابوبکر و عمرو مانند این و نامہا بد ننہد خبلہ و رشلہ و لفا و کلب و ضبتہ و ذیب و گوسفند کہ این جفا باشد با فرزند، سوم آنست کہ ویرا پیش مقری بفرستد تا نخست قرآن بیاموزد کہ مبارک ترچیزی قرآنست وسبب آنست کہ نخست قرآن می باید خواندن تا دیش مشغول چیزی دیگر نشود و حلاوت قرآن باگوشت و پوست او برآمیزد چہارم آنست کہ او را عربیت و ادب بیاموزد و قدری از فقہ و احکام و نماز و طہارت و فرض عین کہ آں پنج رکن مسلمانی است تا در قیامت معذور باشد کہ در خبرست کہ فردای قیامت فرزندان دست در دامن پدراں زنند و زنان در امن شوہران گویند بار خدایا مارا احکام شریعت نیاموختند تا ما دوزخی شدیم از سبب جہل زیرا کہ خلق بہشت بسبب علم می شوند و بدوزخ بجہل، پنجم اگر کودک رسیدہ بود و برخواندن و آموختن ویرا بنوازد و چیزے بدہد و وعدہ کند تا دلش خوش شود و آموختن کہ بسیارے بادشاہان بودند کہ فرزندان را بوعدہاء خوب

لہ غالباً اس جملے میں عبارت کا کچھ حصہ حذف ہوگیا ہے ؛

مصلح گردانیدند و عالم و مؤدّب و مہذّب شدند برأی و تدبیر ایشان زیرا کہ پیغامبری گوید علیہ السلام جبلت القلوب علی حبّ من احسن الیہا خدای عزّوجل دلہا را چنان آفریدہ است کہ ہر کسی کہ با وی احسان کند ویرا بدوستی گیرند، ششم اگر گناہی کند فرزند در کودکی ویرا بزند و دو بارہ تا خوگر نشود و یک بار و دو بار تغافل کند تا ازو ہیبت گیرد کہ از سہو و غفلت و نشاط و کودکی معصوم نیست خاصہ آتش جوانی کہ شعبہ ایست از دیوانگی ...... ہفتم آنست کہ درین اسباب توکل بر خدای تعالیٰ کند و اعتماد بر فضل او کہ صلاح او در دہد و بقضا و قدر او ست تا او نگاہ ندارد مادر و پدر ہیچ نتواند کردن و چون او نگاہ دارد ہیچ نتوان کردن ٭

محمد اقبال

کلام منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

منوچہری کے کلام کی نوعیّت

منوچہری نے اپنے قصائد میں وہی رَوش اِختیار کی ہے۔ جو زمانۂ جاہلیّت کے عربی شعرا سے مخصوص تھی۔ اس کے قصائد پر عربی شعرا کا رنگ اس قدر چڑھا ہُوا ہے۔ کہ ایک مصنّف کا خیال ہے کہ باوجودیکہ منوچہری میں تمام شاعرانہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اِسے ہم عصر شعرا میں ممتاز خیال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے کلام کا موضوع عموماً شراب، عشق و محبت، موسم بہار، اور مدح و ثنا وغیرہ فرسُودہ اور مبتذل مضامین ہیں۔ جو عربی نظم میں بکثرت مستعمل ہیں اور وہ تکلّفات اور تصنّعات سے خالی نہیں ۔

مگر ہم اِس مصنف کے مذکورہ بالا خیال میں متفق الرائے نہیں ہیں۔ منوچہری جیسا کہ اِس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔ فطرتاً شاعر تھا۔ جو کسی شاعر کے حسن کلام کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ وہ بچپن میں ہی مشکل سے مشکل طرح پر شعر کہہ سکتا اور ہر وزن و زمینؒ میں طبع آزمائی کر سکتا تھا۔ روایت میر تقی کاشی سے جسے صاحب مجمع الفصحاء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سلطان مسعودؒ کے دربار میں ملک الشعراء عنصری کے بعد متصل جگہ پایا کرتا تھا اور دیگر تمام شعراء اس پر رشک کرتے تھے۔ بلکہ صاحب مجمع الفصحاء کا تو یہ خیال ہے۔ کہ گو وہ عنصری کا تتبّع کرتا تھا۔ لیکن شعر گوئی میں اس سے بھی افضل[3] مانا جاتا تھا ۔

---

[1] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۲۴ ۵ ۔ لباب الالباب جلد دوم ص ۵۳ ۔ ۱۲ منہ

[2] مجمع الفصحاء جلد اول ص ۴۶ ۵ ۔ ۱۲ منہ [3] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۲۲ ۵ ۔ ۱۲ منہ

میر تقی کاشی کی ایک غلطی

صاحب خلاصۃ الافکار لکھتے ہیں۔ کہ منوچہری عنصری اور عسجدی کا ہم عصر تھا۔ اور دربار میں عنصری کے سوا تمام دیگر شعرا مع فردوسی اور فرخی کے اس سے نچلے درجہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ فردوسی جو کہ منوچہری کے غزنی آنے سے پہلے ۴۱۱ھ ۱۰۲۰ء میں مرچکا تھا۔ اس کا مصاحب کیونکر ہو سکتا تھا۔ فردوسی تو سلطان محمود سے بھی پہلے مرچکا تھا اور منوچہری محمود کے بعد مرا۔ اس لئے فردوسی اور منوچہری کا دربارِ محمود میں ایک دوسرے کا مصاحب ہونا ہرگز قابلِ تسلیم نہیں۔

غزنوی دربار میں منوچہری

کچھ ہو لیکن ہمیں اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ دربار غزنی میں منوچہری کا کیا پایہ تھا۔ تقریباً تمام تذکرہ نویس اس بارے میں ہم آہنگ ہیں۔ کہ سلطان مسعود کے دربار میں منوچہری کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔ اس نے اپنا زیادہ تر کلام جو ہم تک پہنچا ہے۔ مسعود ہی کے زمانۂ حکومت میں کہا۔ کیونکہ دیوان کے تقریباً تمام قصائد مسعود اور اس کے بعض درباریوں کی مدح میں ہیں۔ جس کی وجہ سے مسعود بھی اس پر بہت مہربان تھا اور اسے منصب ترخانی حاصل تھا۔ یعنی جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کر سکتا تھا۔ چنانچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ اس کا تمام مکسوبہ مال و دولت اس کے مدحیہ کلام کا صلہ تھا۔ دربار میں اس کے جاہ و منصب پر اس کے ہم عصر شعراء اس پر حسد کیا کرتے چنانچہ وہ ایک حاسد کے متعلق کہتا ہے ؎

حاسداں بر من حسد کردند و من فردم چنیں ... دادِ مظلوماں بدہ اے عزّ امیر المؤمنین
حاسدم بر من ہمی ہیشی کند و یں زو خطاست ... بفسرو چوں بشگفد گل ہیشِ ماہ فرودیں
حاسدم خواہد کہ او چوں من ہمی گردد بفضل ... ہر کہ بیماریٔ دق دارد کجا گردد سمیں
حاسدم گوید چرا بر من بیک گفتارِ من ... کوژ گشتی چوں کمان و تیر گشتی چوں کمیں
حاسدم گوید ببردی دوستانم را ز من ... دوستانرا خود برابر بود از وے زخم چنیں

حاسدم گوید چرا باشی تو در درگاہِ شاہ — اینت بغضے آشکارا اینت جہل رائتین
حاسدم گوید کہ ما پیریم و تو برناتری — نیست با پیراں بدانش مردم برنا قریں
حاسدم گوید چرا خوانند کمتر شعرِ من — زاں تو خوانند ہرکس ہم بنات و ہم بنیں
حاسدم گوید چرا تو خدمتِ خسرو کنی — روبہا نرا کرد باید خدمت شیر عریں
حاسدم خواہد کہ شعر او بود تنہا و بس — باز نشناسد کسے بربط زچنگ رامتیں
حاسدم گوید چرا در پیش گاہِ مہتراں — ما ذلیلیم و حقیر و تو امینی و مہیں
حاسدا ہرگز نہ بینی تا تو باشی روئے عقل — دوزخی ہرگز نہ بیند روئے و موئے حورِ عیں
حاسدا تو شاعری و نیز من ہم شاعرم — چوں ترا شعر ضعیف است و مرا شعر سمین[1]
حاسدا تا من بآں درگاہِ سلطاں آمدم — برفتاوت غلغل و برخاستت ویل و حنین[2]

ایک اور قصیدہ میں وہ حاسد کو یوں خطاب کرتا ہے :-

بد گفتن اندر آنکس کو مادحِ تو باشد — باشد ز زشت نامی باشد ز بد عیاری
اے میر مصطفےٰ را گفتند کافراں بد — باآں ہمہ نبوت با فرِ کردگاری
چنداں دروغ و بہتاں گفتند آں جہوداں — بر عیسےٰ ابن مریم بر مریم و حواری
من کیستم کہ بر من نتواں دروغ گفتن — نہ قرصِ آفتابم نہ ماہِ دہ چہاری
اے شاعرِ سبک دل با من چہ اوفتادت — پنداشتم کہ عقلت بیش است و ہوشیاری
با من ہمی خچی تو وا گہ نۂ کہ خیرہ — دنبال ببر خائی چنگال شیر خاری
چوں روئے من بہ بینی با من کنی تلطف — مہماں بری بخانہ نقل و نبیذ آری
وانجا کہ من نباشم گوئی مثالبِ من — نیک است کت نباید زیں کار شرمساری
یا باش دشمنِ من یا دوست باش و یک — نہ دوستی نہ دشمن اینت سپید کاری

---

[1] ہمارے خیال میں اگر سمین کی جگہ ثمین (بثاء معجمہ) ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ ممکن ہے کہ کاتبوں نے تصحیف کردی ہو ۱۲ منہ [2] حنین کی جگہ انین بمعنی نالہ وگریہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تزویرگر نیم من - تزویرگر تو باشی | زیراکہ چوں منے را تزویرگر شماری
ازبہر آنکہ شعرم شہ را بدل خوش آمد | برخاست ازتو غلغل برخاست ازتو زاری
چوں تو نیم کہ خدمت کہترکنی و مہتر | ازبہروو شانی وزبہریک دواری
دانی کہ من مقیم بر ورگہ شہنشہ | تا بازگشت سلطاں از لالہ زار ساری
خشم آیدت کہ خسرو بر من کند نکوئی | اے ویحک آب در یا ازمن دریغ داری
اے کاشکے حسودم چوں تو ہزار بودے | اکنوں کہ دیدہ خسرو از من اُمیدواری
حاسد چو بیش باشد بہتر رود سعادت | چوں باد بیش باشد بہتر رود سماری
شاہا برغم حاسد خواہم کہ من رہی را | چوں شاعران دیگر بر خدمتم گماری

ایک اور جگہ وہ اپنے حاسدوں کی یوں شکایت کرتا ہے :-

ایا خواجہ ہمداستانی بکن | کہ برمن تحمّل کند ابترے
فراواں مرا حاسداں خاستند | زہر گوشۂ وزہر کشورے
تو گر حافظ و پشت باشی مرا | بدرہ نیندیشم از ہر خرے

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم کی دو مخالف جماعتیں

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم میں عموماً دو قسم کے خیالات کا تتبع کیا جاتا تھا۔ ایک جماعت وہ تھی جو شخصی احوال کے متعلق شعر کہا کرتی تھی۔ اور دُوسری قومی اور سیاسی امُور میں اپنی طبع آزمائی کرتی تھی۔ پہلی جماعت کا قافلہ سالار عنصری اور دوسری کا فردوسی تھا۔ سلطان محمود کے زمانہ تک فردوسی کے قدم بقدم چلنے والوں کا دَور دَورہ تھا۔ لیکن محمود کی وفات اور ناصر الدّین قاچار کی تخت نشینی کے درمیان کے زمانہ میں فردوسی کے مدّاح تو بہت رہے۔ مگر کسی نے اس کی تقلید کا موقعہ نہ پایا۔ ایرانی لوگ شاہنامہ پڑھتے تو تھے مگر وہ عربی نظم کو بمقابلہ فارسی نظم کے چنداں مرغوب خیال نہ کرنے کے علاوہ فارسی نظم کے بھی اتنے دِلدادہ نہ تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عربی ادبیات کا ذخیرہ صرف ایسے علماء تک محدود تھا

جنہیں اشعارِ عربیہ سے صرف اِتنا ہی تعلق تھا۔ کہ وہ کتاب وسنت کے لئے استشہاد کر سکیں اور وہ خود شعر سے زیادہ مانوس ہونا اہم خیال نہیں کرتے تھے۔

فارسی نظم کے متعلق منوچہری کا مسلک

مذکورہ بالا حالات میں عنصری کے مقلدین کے لئے رستہ صاف تھا۔ کیونکہ مخالف جماعت کا نمائندہ صرف خود فردوسی تھا۔ منوچہری ضرورت وقتی کی بنا پر اپنے اُستاد عنصری کا جانشین تھا۔ اس لئے وہ جماعت عنصری کا سب سے بڑا علم بَردار مانا جاتا تھا۔ وہ فارسی نظم میں عربی الفاظ اور ضرب الامثال کے استعمال کا بڑا حامی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص جو عربی نظم اور عربی شعرا عربی رسم ورواج اور تاریخ عرب سے ناآشنا ہو۔ منوچہری کے کلام کی تعریف کرنا تو بجائے خود اسے اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ غالباً اسی خیال پر مذکورہ بالا مصنّف کی وہ رائے جو صدر مضمون میں ہم نے نقل کی ہے۔ مبنی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے۔ کہ ہم منوچہری کو اس کے اپنے زمانہ کا بڑا شاعر ماننے کو تیار نہیں۔

منوچہری کے بہت سے قصیدے بلحاظ موضوع وزبان زمانۂ جاہلیت کے عربی قصیدہ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اس کے ایک قصیدہ سے چند اشعار انتخاب کرتے ہیں ؎

سَلَامٌ عَلٰی دَارِ اُمِّ الْکَوَاعِبِ	بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
رُسُوْمُ الطَّلَلِ وَالدِّیَارُ الدَّوَارِس	چو بر صدر منشور توقیع صاحب
مقامِ غوانی گرفتہ نوائح	بساطِ عنادل سپردہ عناکب
سمن زار گشتہ دیار سلاحف	چمن زار گشتہ وجار ثعالب
چو سیرِ کہ اکب بدینگونہ دیدم	براندم نجیب از مقام مصائب
شب تیرہ و باد غضبان فدفد	ہمی آمد آوازِ غول از جوانب
ہمہ راہ و بیراہ خار مغیلاں	عقابان وادی لسان عقارب
فتاد آنگہے چشم من بر قوافل	عیوں غرقہ درخون والدمع ساکب

زدہ خیمہا دیدم اندر مجاری درخشاں چو در دیر مصباح ثاقب

ز خیمہ بروں آمدہ خوبرویاں گرازاں چو طاؤس گرد مشارب

لب لعل ضاحک خم جعد کافر رخ خوب لامع سر زلف لاعب

معنبر ذوائب معقد عقائص مسلسل غدائر مجعّل ترائب

خراماں بت من میان جواری چو حور بہشتی میان کواعب

ز ارواح صافی تر اندر لطائف ز خورشید روشن تر اندر کواکب

فگندم رحال و زمام نجیبم وَالْهِمَتْ بِالنَّحْرِ وَالنَّحْرُ وَاجِبُ

نگہ کردم اندر جہان لطائف بجنت عمیدوں فریدوں مراتب

اس قصیدہ میں مضمون۔ سلسلہ خیال اور زبان تمام امور میں شاعر کا میلان زیادہ تر عربی کی طرف ہے۔ عربی اس قدر نمایاں ہے۔ کہ خواہ مخواہ یہ خیال آتا ہے۔ کہ شاعر ذکر مضمون تو عربی میں لیکن اظہار خیال فارسی میں کر رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غزنوی دور حکومت کا کوئی شاعر زمانہ جاہلیت میں عرب کا باشندہ ہے۔ جن اصحاب نے ملک الشعراء امرؤ القیس کے مشہور قصیدہ ؎

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

کا مطالعہ کیا ہوگا۔ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ کہ شاعر نے اسی قصیدہ کے الفاظ و معانی کو فارسی تراکیب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اس لئے اگر خالص ایرانی مذاق کے شعراء کو منوچہری کے ان اشعار سے زیادہ دلچسپی نہ ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ مگر با ایں ہمہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ فاضل شاعر نے اس میں ایک گونہ جدت پیدا کر کے شعر گوئی میں ایک انوکھی راہ نکال لی ہے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

مندرجہ بالا قصیدہ کے علاوہ ایک دوسرا قصیدہ ہے۔ جس میں تشبیب۔ تخلیص۔ مدح۔

اور مقطع وغیرہ عربی قصیدہ کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ بہتّر شعر کا ہے۔ ہم کچھ اشعار نقل کرتے ہیں ؎

تشبیب

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل — کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل
تبیرہ زن زدہ طبلِ نخستیں — شتر باناں ہمی بندند محمل
نماز شام نزدیک است امشب — مہ و خورشید را بینم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصدِ بالا — فرو شد آفتاب از کوہ بابل
چناں دو کفّۂ سیمیں ترازو — کہ ایں کفّہ شود زاں کفّہ مائل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کے کوچ کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے اس طرح خطاب کرتا ہے ؎

ندانستم من اے سیمیں صنوبر — کہ گردد روز چونیں زود زائل
من و تو غافلیم و ماہ و خورشید — بریں گردونِ گرداں نیست غافل
نگارینِ منا برگرد و مگری — کہ کارِ عاشقاں را نیست حاصل
زمانہ حالِ ہجر است و لابُد — نہد یک روز بارِ خویش حامل
نگارِ من چو حالِ من چنیں دید — ببارید از مژہ بارانِ وابل
تو گوئی پلپلِ سودہ بکف داشت — پراگند از کف اندر دیدہ پلپل
بیامد اوفتاں خیزاں بر من — چناں مرغے کہ باشد نیم بسمل
مرا گفت اے ستمگارا بجانم — بکام حاسدم کردی تو عادل
چہ دانم من کہ باز آئی تو یا نہ — بداں گاہے کہ باز آید قوافل
دو ساعد را حمائل کرد با من — فرو آویخت از من چوں حمائل
ترا کامل ہمی دیدم بہر کار — ولیکن نیستی در عشق کامل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کو تسلی دیتا ہے۔ جو آخر کار اس کو اکیلا چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ وہ کارواں سرائے کی طرف نظر کرتا ہے۔ لیکن اسے کوئی انسان یا حیوان۔ پیادہ یا سوار دکھائی نہیں دیتا۔ صرف اس کا اپنا اونٹ ہے۔ جس کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہیں۔ اور وہ گھبرایا ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر زین کستا ہے۔ اور سوار ہو کر اسی راستہ پر جاتا ہے جدھر قافلہ والے گئے ہیں۔ وہ ایک لق ودق ریگستان میں سے گذرتا ہے۔ جس میں انتہا درجہ کی سردی ہے۔ اور بہت سرد ہوا چلتی ہے۔ جو خون تک منجمد کر دیتی ہے۔ سنہری ریت پر روپہلی برف کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور سورج کی گرمی سے برف پگھلنا شروع ہوتی ہے۔ اس کے اونٹ کے پاؤں میں کیچڑ کسی لیسدار مادہ کی طرح چمٹ جاتا ہے۔ آخر وہ افتاں وخیزاں قافلہ کو جا پاتا ہے۔ جو میدان میں خیمے لگائے پڑا ہے۔ وہ دُور ہی سے اونٹوں کی گھنٹی کی آواز سنتا ہے۔ جو اس کو بلبل کے راگ سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے ؛

گریز اس کے بعد کہتا ہے ؎

بجیب خویش راگفتم سبک تر — الایا دستگیر مرد فاضل
بجر کت عنبریں باد اچہ رگاہ — بجم کت آہنیں باد امفاصل
بیاباں در نورد وکوہ بگذار — منازلہا بکوب وراہ بگسل
فرود آور بدرگاہ وزیرم — فرود آوردن اعشی بباہل
بعالی درگہ دستور کو راست — معالی از اعالی وز اسافل

. . . .

. . . .

مدیح

ہمی نازو بعہدش میر مسعود — چو پیغمبر بنوشروان عادل
درآید پیش او بدرہ چو قاروں — درآید پیش او سائل چو عائل
شود از پیش او سائل چو بدرہ — رود از پیش او بدرہ چو سائل

آخر میں ہم اس قصیدہ کے آخری سات شعر نقل کرتے ہیں - جن میں شاعر اپنے ممدوح کے جود و سخا کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے دعا دیتا ہے - جس کو اصطلاح شعراء میں حسن طلب کہتے ہیں یعنی شاعر ممدوح سے ایک لطیف پیرایہ میں حصول مطلب کے لئے التماس کرتا ہے۔ قصیدہ کے آخری تین اشعار میں حسن مقطع بھی پایا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدہ کسی ایسی بات پر ختم ہو جو بہت دلکش اور مؤثر ہو تاکہ سامع اخیر میں اُکتا نہ جائے اور اگر نظم میں کوئی عیب یا غلطی واقع ہو گئی ہو تو آخر میں اس کی تلافی ہو جائے ؎

حسن طلب

خداوندا من اینجا آمدستم — بامید تو و امید مفضل
افاضل نزد تو نازند هموار — که زی فاضل بود قصد افاضل
گرم مرزوق فرمائی بخدمت — ہماں گویم کہ اعشیٰ گفت و عبل
وگر از خدمتت محروم مانم — بسوزم کلک و بشگافم انامل

مقطع

الا تا بانگ دراج است و قمری — الا تا نام سیمرغ است و طغرل
تنت پاینده باد و چشم روشن — دلت پاکیزه باد و بخت مقبل
دہاد ایزد مرا در نظم شعرت — دل بشار و طبع ابن مقبل

اس قصیدہ میں شروع سے آخر تک عربی عنصر تقریباً ہر شعر میں پایا جاتا ہے۔ اور شاعر عربی رسوم و رواج کا ذکر کرنے کے علاوہ عربی شعراء کو بھی یاد کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی حد تک ان کے حالات سے باخبر ہے ؛

قبلہ والد صاحب بزرگوار مدظلہ نے ایک نعتیہ قصیدہ منوچہری کے اسی قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا۔ جس کی تشبیب کے چند اشعار ہم مضمون ختم کرنے کے بعد ہدیۂ ناظرین کریں گے ؛

منوچہری کے کلام پر عربی شاعری کا اثر

درحقیقت عربی شعراء ہی کو منوچہری کے اساتذۂ رہبر خیال کرنا چاہیئے۔ جن سے وہ لفظاً و معنیً استمداد کرتا ہے - اور جن کے نقش قدم پر چلنے کا گرویدہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

چوں من زامدحت کنم گویم کہ خود اعشیٰ منم
از بسکہ اندر دامنم از چرخ بارد قافیہ

وہ وہی وزن شعری استعمال کرنا چاہتا ہے ۔ جو عربی شعراء نے کیا ؂

براں وزن ایں شعر گفتم کہ گفت است ابو شیص اعرابی باستانی

اور اسی قافیہ و ردیف کا شائق ہے ؂

بزیر وبم شعر اعشیٰ وقیس زنندہ ہمی زد بعنا بہا

وَكَأسٍ شَرِبتُ عَلىٰ لَذَّةٍ وَأُخرىٰ تَدَاوَيتُ مِنهَا بِهَا

لِكَي يَعلَمَ النَّاسُ أَنِّي امرُؤٌ أَخَذتُ المَعِيشَةَ مِن بَابِهَا

ایک اور قصیدہ عربی شاعر ابو شیص کے اس قصیدہ کے قافیہ و ردیف میں ہے ۔ جس کا مطلع یہ ہے ؂

سَأَلقَاكَ وَاللَّيلُ مُلقِي الجِرَانِ غرابٌ ينوحُ على غُصنِ بانِ

منوچہری کہتا ہے ؂

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی چو آشفتہ بازار بازارگانی

وہ پھر عربی شعراء کو یاد کرتا ہے ؂

رسیدم بنزدیک تو شعر گویاں چو نزدیک ہاروں صریع الغوانی
بامید آں تا کنم خدمت تو رہا گردم از محنت ایں جہانی
شنیدم کہ اعشیٰ بشہر یمن شد سوِ سودۃ بن علی الیمانی
برو خواند شعرے بالفاظ تازی بشیریں معانی و شیریں زبانی
یکے کارواں اشتر گشن دادش ہر اشتر لبان کُہے از کلانی
شنیدم کہ سوئے خطیب ملک شد بمدحتگری بو نواس بن ہانی
بیک ساعت او گم دہانش بیا گند بیاقوت و بیجادۂ بہرمانی

علی بن براہیم از شہر موصل	بیامد بغداد از شعر خوانی
بدادش ہماں گاہ رشید خلیفہ	بو اصل دو سہ بدرہ از زر کانی
سوئے تاج عمرانیاں ہم بدینساں	بیامد منوچہری دامغانی

وہ عربی شعراء کا ذکر صرف اس غرض سے کرتا ہے۔ کہ اپنے ممدوح کو یاد دلائے کہ انہیں اپنے ممدوحین کی مدح کا کیا صلہ ملتا رہا۔ شروع سے آخر قصیدہ تک عربی شعراء کے ناموں کی بھرمار ہے۔ تاکہ وہ اپنے ممدوح کو بھی ان ممدوحین کی سی فراخ حوصلگی کی طرف توجہ دلائے۔

اسی طرح ایک اور قصیدہ (جس کے ایک دو شعر ہم اوپر نقل کر چکے ہیں) ابن المعتز کے ایک قصیدہ کے ردیف و قافیہ میں کہا گیا ہے۔ جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

وَ نَحْنُ بَنُو الْعِلْمِ اَوْلٰی بِھَا

منوچہری نے ضمیر (ھا) پر بہت عمدہ گرہ لگائی ہے ؎

چو از زلف شب باز شد تابہا	فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرمائے سخت	بپوشیدہ بر کوہ سنجابہا
بمیخوارگاں ساقی آواز داد	فگندہ بزلف اندروں تابہا
ببانگ نخستیں ازیں باب خوش	بجستیم ماہمچو طبطابہا
منجم ببام آمد از نور مے	گرفت ارتفاع سطرلابہا

وہ عربی شعر و شعراء کا اس قدر دلدادہ تھا۔ کہ وہ ان کی تقلید میں شعر کہنے سے کبھی سیر نہ ہوا ؎

از میان خانہ کعبہ فرو آویختند	شعر نیکو را بزریں سلسلہ پیش عربی
امرؤ القیس و لبید و اخطل و اعشیٰ و قیس	بر طللہا نوحہ کردندے و بر رسم تلی
ما ہمہ بر نظم و شعر و قافیہ نوحہ کنیم	نہ بر اطلال و دیار و نہ وحوش و نہ ظبی
بو نواس و بو حداد و بو ملیک ابن البشر	بو دوید و بو درید و ابن احمد یا فتی
آنکہ گفت است اِذْ تَمَنَّا و آنکہ گفت اَلذّ اثنتین	آنکہ گفت اَلسَّیْفُ اَصْدَق و آنکہ گفت اَبْلَی الْھَوٰی

بو العلاء و بو العباس و بوسلیک و بوالمثل — وانکه آمد از لوائح وآنکه آمد از ہری
گر مدیح و آفرینِ شاعران بودے دروغ — شعرِ حسّانؓ بن ثابت کے شنیدے مصطفیٰ
بر لب و دندان آں شاعر که نامش بالغه — کے دعا کردے رسولِ ہاشمی خیرالوریٰ
شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد — جعفر و سعد و سعید و سیّدِ امّ القریٰ
ور عطا دادن بشعرِ شاعراں بودے فسوس — احمدِ مرسل ندادے کعب را بُرد ہ ردیٰ

منوچہری کے کلام میں عربی اثر

چونکہ منوچہری کا دیوان شروع سے آخر تک عربی نظم وشعراء اور عربی الفاظ و محاورات سے پُر ہے اور اس میں تاریخِ عرب اور عربی رسوم و رواج کی طرف جا بجا اشارے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بے محل نہ ہوگا۔ اگر ہم اِن تمام چیدہ چیدہ امور کی ایک مختصر فہرست اس جگہ دیں :-

پہلا نمبر قصیدہ کا اور دوسرا شعر کا ہے

۳ - ۹ بزیر و بم شعرِ اعشیٰ و قیس — زنند ہمی زو لبنا بہا
۱۰- وَکَأْسٍ شَرِبْتُ عَلٰی لَذَّۃٍ — وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْہَا بِہَا
۱۱- لِکَیْ یَعْلَمَ النَّاسُ اَنِّی امْرُؤٌ — اَخَذْتُ الْمَعِیْشَۃَ مِنْ بَابِہَا
۱ سَلَامٌ عَلٰی دَارِ اُمِّ الْکَوَاعِبِ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
۵ - ۲ رُسُومُ الطَّلَلِ وَالدِّیَارُ الدَّوَارِسُ — چو بر صدرِ منشور توقیعِ صاحب
۲۷ فگندم رحال و زمام نجیبم — وَاُلْھِمْتُ بِالنَّحْرِ وَالنَّحْرُ وَاجِبٌ
۲۹ شدم از صحاری من اندر عماری — وَقَدْ صِرْتُ حَقًّا سَعِیْدَ الْعَوَاقِبِ
۴۳ بداں وقت کز آبہا گرد خیزد — وضاقت میادین جمع الکتائب
۴۶ تو چوں جبرئیل اندر آئی زبالا — کنی حملہ بر خصم من کلّ جانب
۷ ۱ اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ کہ ایں ماہ خزان ست — ماہ شدن و آمدنِ راہ رزان است
۱۱ ۱۲- کبکِ دری کوس وار کرد قِفَا نَبْکِ باد — باغ پُر از حجلہ شد راغ پُر از حلّہ شد

۲۹ - ۳ همی راندم جنیب خویش چون باد — همی گفتم که اللهم سهل
۶۵ یکی شعر تو شاعر تر ز حسان — یکی لفظ تو کامل تر ز کامل
۶۸ گرم مرزوق فرمائی بخدمت — همی گویم که اعشی گفت و دعبل
۷۲ دهاد ایزد مرا در نظم شعرت — دل بشار و طبع ابن مقبل
۳۱ ۴۰ علی بن عبید الله صادق — رفیع الشان امیر صادق الظن
۴۱ جمال ملکت ایران و توران — مبارک سایهٔ ذی الطول والمن
۳۳ ۲۷ کو جریر و کو فرزدق کو زهیر و کو لبید — رؤبه و عجاج و دیک الجن و سیف ذویزن
۲۸ کو خطیب و کو امیه کو خطیه کو کمیت — اخطل و بشار برد آن شاعر اهل یمن
۳۱ ابن هانی ابن رومی ابن معتز ابن فیض — و عبل و بوشیص و آن فاضل که بود اندر قرن
۳۳ وان دو امرؤالقیس و آن دو طرفه و دو نابغه — وان دو حسان و سه اعشی وان سه حماد و زن
۳۶ تا بران آثار شعر خویشتن گریند باز — نه بر آثار دیار و رسم اطلال و دمن
۳۵ ۳۶ من بسی دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الا هبی بصحنک فاصبحین
۴۴ ۱ نوروز برنگاشت بصحرا بمشک و مے — تمثالهائے عزه و تصویرهائے مے
۱۸ با نظم ابن رومی و با نثر اصمعی — با شرح ابن جنی و با نحو سیبوے
۱۹ با نکتهٔ مغنی و با دانش مطیع — با خاطر مبرد و اغراق لفظ وے
۲۰ با خط ابن مقله و با حکمت ظهیر — با حفظ ابن معتز و با صحبت ابے
۴۷ ۱۶ با در این صناعت مانی کند همی — مرغ حزین روایت معبد کند همی
۴۸ ۲۸ کثیر الثواب و قلیل العقاب — ثقیل الرکاب و خفیف العنان
۴۵ رسیدم بنزدیک تو شعر گویان — چو نزدیک هارون صریع الغوانی
۴۷ شنیدم که اعشی بشهر یمن شد — سوی سودة بن علی الیمانی
۵۰ شنیدم که سوئے خطیب ملک شد — بد حتگری بو نواس بن هانی

۵۲ علی بن براہیم از شہر موصل　　بیاید بہ بغداد در شعر خوانی

۶۵ بداں وزن ایں شعر گفتم کہ گفت است　　ابو شیص اعرابیٔ باستانی

۶۶ ساقبلُ واللیلُ ملقی الجِران　　غرابٌ ینوحُ علی غُصُن بانِ

۵۱ ۳۰ ایا کریم زمانہ علیك عین اللہ　　توئی کہ چشمۂ خورشید ابنورِ ضوی

۵۵ ۳ گل زرد و گل خیری و بید و باد شبگیری　　ز فردوس آمدند امروز سُبحان الّذی اَسریٰ

۶ یکے چوں عاشقِ بیدل دوم چوں جعدِ معشوقہ　　سیم چوں مژۂ مجنوں چہارم چوں لب لیلےٰ

۸ یکے مقصورۂ غائب دو دیگر ماجد اعقل　　سہ دیگر مخلصِ اخطل چہارم مقطع اعشےٰ

۹ زبان و اقحوان و ارغوان و ضمیرانِ اُو　　جہاں گشت است از خوشی لسان لات و العزیٰ

۱۱ نوائے قمری و طوطی کہ بار دست مے برسر　　نشید بلبل و صلصل قِفانبْكِ وَمِنْ ذِكریٰ

۱۶ یکے ہمچوں جمیل آمد دوم مانند بی شیعہ　　سہ دیگر چوں جریر آمد چہارم چوں اُمِ اوفیٰ

۱۸ یکے چوں دیدۂ یعقوب و دیگر چوں رُخ یوسف　　سہ دیگر چوں دلِ فرعوں چہارم چوں کف موسیٰ

۲۴ یکے ماءِ معین آمد دگر عین الیقین آمد　　سیم حبل المتین آمد چہارم عروۃ الوثقیٰ

۲۶ یکے چوں چشمۂ زمزم دوم چوں زہرۂ ازہر　　سیم چوں چنگ بو الحارث چہارم دست بویحییٰ

۳۰ یکے بتخانۂ آذر دوم بُت خانۂ مشکو　　سہ دیگر جنت العدن و چہارم جنت الماویٰ

۳۲ یکے چوں بشر بو آدم دوم چوں عمر و یحییٰ　　سیم چوں عیسیٰ بن ہمداں چہارم نہشلِ جریٰ

۳۵ بزیرِ گل زند چنگے بزیر سرو بن نائے　　بزیر یاسمیں عروہ بزیر نسترن سلمیٰ

۳۸ یکے یعقوب بن اسحٰق و دیگر یوسفِ چاہی　　سیم ایوب پیغمبر چہارم یونس متیٰ

۵۹ ۳۱ رز باں را بدوا بروے برافتا دگرہ　　گفت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

۶۳ ۳ بادہ فراز آورید چارۂ بیچارگاں　　قُومُوْا اشْرَبُوا الصَّبُوحَ یَا اَیُّهَا النَّائِمِیْنَ

۷۷ ۱ نبیند پیشِ من آمد بشادیٔ برکہ　　بخندہ گفتم طُوبیٰ لِمَنْ یریٰ عکہ

اسی بنا پر منوچہری اپنی وسیع عربی دانی پر بدیں الفاظ فخر کرتا ہے ؎

من بسے دیوانِ شعرِ تازیاں دارم زبر　　　توندانی خواند الا هُبِّی بِصَحنِكِ فَاصبَحِین

یہی وجہ ہے۔ کہ بعض مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ منوچہری کا کلام بوجہ تلمیحات کے غزنوی دورِ حکومت کے تمام دیگر شعراء کے کلام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ ہم اور انتخاب پیش کرتے مگر طوالت کے اندیشہ سے اسی پر اکتفا کرنا مناسب خیال کیا ؛

حاکمِ وقت کا طبعی حق

دربار غزنی کے تمام شعراء اپنے ممدوح کے مناقب بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور منوچہری ان کا لیڈر تھا۔ پروفیسر براؤن کا خیال ہے۔ کہ عنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ منوچہری۔ اور دیگر شعراء غزنوی کے قصائد اتنے ہی بناوٹی اور دُور از قیاس تشبیہات سے پُر ہیں۔ جتنے دربار سلاجقہ یا بعد کے شعراء کے قصائد۔ تاہم متقدمین کے اشعار بالعموم سادہ قدرتی خیالات اور آمد سے متصف ہیں ؛

درحقیقت مشرقی شاعری میں عام طور پر ان قصائد کو بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ جن میں ممدوح کو ان اوصاف کا قدرتی حقدار مانا جائے۔ جن سے وہ اتفاقیہ طور پر متصف ہو۔ غالباً کسی ایرانی شاعر نے اس امر پر منوچہری سے بڑھ کر زور نہیں دیا۔ اس کے قصائد بڑے بڑے مبالغات اور خوشامدانہ مضامین سے پُر ہیں۔ جو غلو کی حد تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ ممدوح کو یوں خطاب کرتا ہے ؎

ایں جہاں کردرائے تو خداوندِ جہاں　　　واں جہاں من بہ یقینم کہ برائے تو کند
ہمہ عدل است ہمہ حکمت و انصافِ تمام　　　ہرچہ از فضل و کرم با تو خدائے تو کند
نتواند کہ جزائے تو کند خلق بخیر　　　ملک العرش تواند کہ جزائے تو کند

ایک اور جگہ ممدوح کے بارہ میں کہتا ہے ؎

مسعود ملک آنکہ نبودست و نباشد　　　از مملکتش ابدالدھر جدائی
ایں مملکت خسرو ز تائید سماوی است　　　باطل نشود تا ھرگز تائید سمائی
ایزد ہمہ آفاق باو داد و بحق داد　　　ناحق نبود آنچہ بود کارِ خدائی

ایک قصیدہ میں بدیں الفاظ مخاطب کرتا ہے ؎

اے مہر جہاں ایزد بسپرد بتو گیہاں گیہاں بہ ستمگارے دانم کہ نہ بسپاری
این مملکت مشرق را وین مملکت مغرب را آرے تو سزاواری آرے تو سزاواری

ایک جگہ تمام دنیا کو اس کے پاؤں کی خاک کے برابر بنا دیتا ہے ؎

اے ملک ایزد جہاں برائے تو کردست ما ہمہ را از پئے ہوائے تو کرد است
ہر چہ بکرد اے ملک سزائے تو کرد است نیکو کارے کہ او بجائے تو کرد است
عالم را خاکِ کفِ پائے تو کرد است عزّ و جل ایزدِ مہیمنِ متعال

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

ایں ولایت شدن حکم فدا یست ترا نبود چون و چرا کس را بحکم آلہ

ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح کی مدح کو قرآن مجید کے برابر درجہ دیا ہے ؎

گر پیمبر زندہ بودے بر لسان جبرئیل آمدے در شانِ جودش آیت از عرشِ خدائے

وہ اپنے ممدوح کو کسی پیغمبر سے بھی برتر خیال کرتا ہے ؎

گر کسے گوید کہ در گیتی کسے برسانِ اوست گر ہماں پیغمبرے باشد بود بافہ درائے

اس کے خیال کے مطابق دونوں جہان میں اس کے ممدوح کا کوئی ہمسر نہیں ؎

بروئے پاک ورائے نیک و فعل خوب و کارِ خوش نظیر او ندانم کس چہ در دنیا چہ در عقبےٰ

ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کرنے کے علاوہ حسن طلب اور دعا کے مقام پر اس سے بھی بڑھ کر غلو سے کام لیا گیا ہے۔ اور ممدوح کی درازئ عمر اور برقرارئ تخت و ملک کے لئے بالکل نئے نئے طریقوں سے دعا کرتا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

ہمی تا بر زند آواز بلبلہا بہ بستانہا ہمی تا بر زند قاوس خنیا گر بمزمرہا
بہ پیروزی و بہروزی ہمی زی باد لافروزی بدولتہائے ملک انگیز و تخت آویز اخترہا

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

ہمی تا کہ خورشید رخشاں برآید کند جانور قصد سوئے مکاسب

مبادا ولایت زتخت تو خالی — مبادا سعادت زپیشِ تو غائب

یا مثلاً — تا بزم وبر زیر نوائے گل نوش است — تا برگل بر باز خروش ورشانست

عمرو تن اورا نہ قیاس و نہ کراں باد — چوں فضل و تنش رانہ قیاس و نہ کرانست

باد ابر بہار اندر چندانکہ بہار است — باد ابہ خزاں اندر چندانکہ خزانست

یا مثلاً — ملکا بر خور و کامرانی سے کن — ہرگز ایں مملکت و دولت یغما زود

اور — شادیانہ بزی اے بیر کہ گردندہ فلک — ایں جہاں زیر نگین خلفائے تو کند

ملک عرش چو برخیزی ہر روز ثنائے — ہمہ بر عمرو تن و جان و بقائے تو کند

یا جیسے — تا گل خیری بود چو روئے معصفر — تا تن سنبل بود چو زلفِ مجعّد

تا بچرد رنگ در میانہ کہسار — تا بچد گور در میانہ فدفد

باش ہمیشہ ندیم بختِ مساعد — باش ہمیشہ قرینِ ملکِ مؤید

لبت بمے کف بجام و گوش بہ بربط — دلت قوی تن جوان و روئے مورّد

اور

تا طرب و مطرب است مشرق با مغرب است — تا یمن و یثرب است و آمل و استار باد

بنشیں خورشید وار مے خور جمشید وار — فرخ و امیدوار چوں پسرِ کیقباد

اور — تا موحّد را دل اندر معرفت روشن شود — تا منجم را دو چشم اندر فلک ناظر بود

طالع مسعود پیشِ بختِ تو طالع شود — طائرِ میموں فرازِ فرقِ تو طائر بود

یا مثلاً — تا ہمی باد بہاری باغ را رنگیں کند — تا ہمی ابرِ بہاری راغ را برنا کند

قدر تو بیشی کند کردارِ تو بیشی کند — بختِ تو خویشی کند گفتارِ تو والا کند

اور — یا رب ہزار سال ملک را بقا دہی — در عز و در سلامت و در یمن و در یسار

الغرض مزید انتخاب باعثِ طوالت ہے۔ قریباً ہر ایک قصیدہ کا یہی حال ہے۔

(باقی دارد)

جواب استفسار ادبی

اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۱ر جولائی ۳۷ء میں ادبی استفسار کے عنوان سے کسی صاحب نے افتخار الشعرا عالیجناب مولوی عبد الباری صاحب آسی کے شعر ذیل کی نسبت ؎

پائی ہے حیاتِ شمع ہم سوختہ جانوں نے   ظاہر میں اقامت ہے باطن میں روانی ہے

جو لکھنؤ کے دریائی مشاعرہ میں پڑھا گیا تھا۔ سوال کیا ہے کہ شمع کا عین تقطیع سے خارج ہے۔ اسکے جواز کی کیا صورت ہوگی ؛

اس سوال کا جواب معلی القاب عالیجناب نواب مرزا جعفر حسین صاحب المعروف بہ نواب پیارے صاحب آف شیش محل لکھنؤ اور خود جناب آسی صاحب نے لکھا ہے جو اخبار حقیقت مورخہ ۲۷ر جولائی اور ۲۹ر جولائی میں چھپا ہے۔ عالیجناب نواب صاحب موصوف اس کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں :۔

"یہ شعر جناب آسی کا بحر ہزج مثمن اخرب مسبّغ میں ہے، اور وزن مصرعہ اُولیٰ کا مفعولُ مفاعیلان مفعولُ مفاعیلن ہے۔ صدر وابتدا۔ اور رکن سوم و ہفتم میں خرب واقع ہُوا ہے۔ اور رکن دوم مصرع اولیٰ مسبّغ ہے۔ باقی رہا عروض اور مصرعہ ثانیہ کا حشو اول وضرب (عجز) یہ سب سالم ہیں" ؛

اہل فن خرب و تسبیغ درمیانی کے مخالف ہیں۔ اس لئے یہ وزن اور یہ نام بحران کے مسلّمات کی بنا پر صحیح ہونا چاہیئے۔ گو مَیں ان کی اس رائے سے بہمہ وجوہ موافق نہیں۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔ بجز مواقع خاص خرب و تسبیغ درمیانی کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ ان اساتذہ کے اس دعوی کے اثبات کے لئے بعض تشریحات و مصطلحات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے ؛

بیان خرب

خرم میرے دُور کے رشتہ دار اور ہموطن جناب سید غلام حسنین صاحب قدر بلگرامی اعلی اللہ مقامہٗ

اپنی قابل قدر کتاب **قواعد العروض** کے صفحات ۴۵ - ۴۶ میں خرم کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں:-

یہ زحاف خرم صدر و ابتدا میں واقع ہوتا ہے، علی الخصوص صدر میں۔ نصیر الملۃ والدین عالیجناب **محقق طوسی** علیہ الرحمۃ والغفران اپنی کتاب **معیار الاشعار** میں اس زحاف کو ان زحافات میں شامل کرتے ہیں۔ جو اوائل مصاریع سے خاص ہیں دگر **اخفش** اس زحاف کا صرف ہر جگہ جائز جانتا ہے، جناب قدؔر محقق طوسی سے اس لئے موافق ہیں۔ کہ وہ حضرت **خلیل** علیہ الرحمۃ کے ہمزبان ہیں۔ جو موجد فن عروض ہیں ؛

تعریف خرم۔ اس کا شمار زحافات مفردہ میں ہے۔ جو وتد مجموع کہ کسی رکن کے اول میں واقع ہو اور وہ رکن صدر یا ابتداء میں بھی ہو اس وتد مجموع کے متحرک اول کے حذف کرنے کا نام خرم ہے۔ اگر یہ عمل رکن خماسی میں ہو تو ثلم اور سباعی میں ہو تو اسے خرم کہتے ہیں۔ رکن اعضب و اثرم و موتور کا ذکر اس محل پر طول لاطائل ہوگا ؛

خرب جناب قدؔر فرماتے ہیں۔ کہ یہ زحاف اجتماع خرم و کف سے بنتا ہے۔ جب صدر یا صدر و ابتداء دونوں میں کوئی ایسا رکن واقع ہو جس کے اول میں وتد مجموع اور بعدہ دو سبب خفیف ہوں (ایسا رکن صرف مفاعیلن ہے) تو مفاعیلن کے میم کو بوسیلۂ خرم اور حرف ہفتم نون کو بذریعہ کفّ حذف کرنے کا نام خرب ہے۔ اس عمل سے مفاعیلن سے فاعیلُ باقی رہتا ہے۔ اس کو مفعولُ سے بدل لیتے ہیں۔ اگر اس عمل والا رکن درمیان مصرع میں واقع ہو تو اس کی ترکیب خرم و کفّ سے نہیں مانتے بلکہ خرم و کف کے درمیان تخنیق جانتے ہیں۔ یعنی دونوں مفاعیلن مفاعیلن حشوی سے دونوں نون بذریعہ عمل کف حذف کرتے ہیں تو مفاعیلُ مفاعیلُ رہ جاتا ہے۔ اب (ل - م - ف) تینں متحرک متوالی ہو گئے۔ لہذا مفاعیلُ مفاعیلُ عمل تخنیق سے مفاعیلم فاعیلُ ہو جاتا ہے۔ جو برابر وزن مانوس مفاعیلن مفعولُ کے ہے (قواعد العروض صفحہ ۵۲) ؛

ان تعریفات سے ظاہر ہے کہ خرب صدر و ابتدا سے خاص ہے۔ پھر اس شعر جناب آسی کے رکن سوم و ہفتم کو (یعنی مفعول کو) اخرب کیسے مانیں۔ جناب قدؔر اپنی کتاب قواعد العروض صفحہ ۱۱۵

بیان ضرب ہشتم بحر ہزج میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

جو لوگ وزن مفعولُ مفاعیلن - مفعولُ مفاعیلن میں حشو دوم کے مفعولُ کو بھی اخرب مانتے ہیں - وہ سخت مغالطہ میں ہیں - کیونکہ خرب دراصل خرم ہے اور خرم اوائل مصاریع سے خاص ہے کما قال النصیر فی المعیار" اما آنچہ باوائل مصاریع خاص بود اسقاط متحرک اول باشد از وتد مجموع کہ آنرا خرم خوانند" - (صفحہ ۱۲۶ قواعد العروض)

جو عروضی کہ خرب درمیانی کو بہ تتبع خلیل و محقق ناجائز مانتے ہیں وہ ہر ایسے رکن کو تاویل ذیل بنا لیتے ہیں - بطور مثال شعر شیخ شیراز علیہ الرحمۃ ؎

گل در چمن نباشد ہمرنگ روئے او　　　بلبل بگل مباہی - عاشق بوئے او

یہ شعر بحر مضارع مثمن کا ہے - وزن سالم اس بحر کا مفاعیلن فاع لاتن چار بار ہے - اور شعر مذکور شمس الدین فقیر کے نزدیک بحر مضارع اخرب مقصور میں بروزن مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاعلن ہے یعنی رکن اول و سوم اخرب - دوم سالم اور چہارم مقصور ہے - لیکن مدققین اس وزن میں صدر و ابتدا اخرب اور ارکان اواسط یعنی حشووں کو مکفوف مجبق یا مسکّن اور رکن چہارم کو مقصور مانتے ہیں - لہذا ان کے خیال کے موافق اصل وزن مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلن تھا - یہ عام قاعدہ ہے کہ جب تین متحرک متوالی مصرع کے ایک رکن میں یا دو رکنوں کے اتصال سے پیدا ہو جائیں تو متحرک وسطی کو از روئے تجبیق یا تسکین شاعر کو ساکن کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے - اس محل پر ہر دو حشو کے درمیان تائے قرشت فاع لات اور میم اورف مفاعیلُ کے متحرک متوالی ہیں - لہذا زحاف تجبیق یا تسکین سے میم درمیانی کو ساکن کیا تو وزن فاع لاتم فاعیلُ ہو گیا جس کا وزن مانوس فاعلاتن مفعولُ ہوتا ہے - اس صورت میں وزن تو وہی ہو گیا - مگر ترکیب کے غیر ہونے کی وجہ سے خرب درمیانی کا محذور رفع ہو گیا ؛

دفع دخل یا حفظ ما تقدم

عروضیوں نے ہزارہا اوزان رباعی میں سے چوبیس اوزان خوش آئند کو منتخب کیا - اور خواجہ

حسن قطان خراسانی نے بارہ اوزان کو جو مفعولُ سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو دائرہ اخرب میں۔ اور جو بارہ مفعولن سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو اخرم میں داخل کر کے دائرۂ اخرب و دائرۂ اخرم نام رکھا۔ جناب قدر ان کے اس فعل کو سخت سہوا ور مغالطہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حقیقتہً صدر دونوں دائروں کے اخرب ہیں کیونکہ دونوں دائروں کے صدر کے بعد رکن مکفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اسلئے صدر کے ساتھ تخبیق ہو کر خرم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ جب رکن مکفوف کے ساتھ تخبیق ہوتی ہے تو رکن ثانی مفعول بن جاتا ہے۔ اس رکن مجبق کو لوگ اخرب مانتے ہیں۔ حالانکہ خرب درمیانی اصولاً خلاف ہے اور جب رکن مقبوض کے ساتھ تخبیق ہو تو اس کو شتر جانتے ہیں۔ مگر شتر بھی ترکیب خرم کی وجہ سے درمیان مصرع میں نہیں آسکتا۔ اسی خرب و شتر کے دھوکے میں لوگ صدر و ابتدا کو اخرم کہتے ہیں۔ چونکہ خرب و شتر درمیان مصرع میں نہیں آتے لہٰذا یوں ماننا چاہیئے۔ کہ رکن آغاز مصرع اور رکن مابعد میں تخبیق ہوئی ہے۔ اسی سبب سے جناب قدر مفعول والے دائرہ کو شجرۂ اخرب غیر مجبق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مفعولن والے دائرہ کا نام شجرہ اخرب مجبق رکھتے ہیں۔ بنا بریں مصرعہ جامی ؎

چوں گفتم با گل زحالت سخنے۔ کا جو وزن مفعولن مفعولُ مفاعیلُ فعل ہے۔ جناب قدر کے نزدیک اس کا صدر اخرب ہے۔ اور حشو اول مکفوف مجبق۔ اور حشو دوم صرف مکفوف اور عروض مجبوب ہے ؛

اصل وزن رکن اول و دوم کا مفاعیلن مفاعیلن تھا۔ رکن اول میں زحاف خرب لانے سے مفاعیلن۔ مفعولُ ہو گیا۔ اور دوسرے رکن مفاعیلن میں کف کرنے سے مفاعیلُ بن گیا۔ اب مفعولُ مفاعیلُ کے درمیان ل۔ م۔ ف ؛ تین متحرک متوالی پائے گئے۔ لہٰذا بیچ کے متحرک میم کو عمل تخبیق سے ساکن کیا تو مفعولم فاعیلُ ہو گیا۔ اس کو وزن مانوس مفعولن مفعولُ سے بدل لیا ؛

فرق تسکین و تخبیق

تسکین اپنا عمل ہر تین متحرک متوالی میں کرتا ہے۔ چاہے وہ تین متحرک متوالی ایک رکن میں

واقع ہوں۔ جیسے مُتَفاعلن سے مستفعلن۔ اور مفتعلن سے مفعولن بعمل تسکین ہوجاتے ہیں۔ یا وہ
تین متحرک متوالی دو رکنوں کے ملنے سے پیدا ہوں۔ مگر تخبیق ایسے دو رکنوں میں عمل کرتا ہے
کہ رکن اول کا حرف آخر متحرک ہو اور دوسرے رکن کے اول میں وتد مجموع ہو۔ جب اس طرح
تین متحرک متوالی پائے جائیں تو وتد کے پہلے حرف کے ساکن کرنے کا نام تخبیق ہے۔ گویا ان دونو
میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے ؛

بیان تسبیغ

قواعد العروض صفحہ ۱۲۶ بیان بحر ہزج میں دیوان حضرت عرفی علیہ الرحمۃ سے یہ شعر ؎

ہوشم بنگاہے بردجانانہ چنین باید یک جرعہ خرابم کرد پیمانہ چنین باید

نقل کر کے جناب قدر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ لوگ اس بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مسبّغ بلا قید نون غنہ
رکھتے ہیں۔ بروزن مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن۔ مگر یہ نام صحیح نہیں۔ کیونکہ حشو میں زحاف
تسبیغ خلافِ اصول ہے۔ چنانچہ خواجہ نصیر اپنی کتاب معیار الاشعار میں تحریر فرماتے ہیں

اما تغییر بزیادت کہ خاص بود بہ اواخر مصاریع وآن دو نوع بود اول حرفے ساکن قبل
حرف آخر در آخر مصاریع زیادہ کنند اگر در آخر رکن سببے خفیف بود و آنرا تسبیغ خوانند وآن
رکن مزاحف را مسبغ نامند ؛

جب زحاف تسبیغ عروض وضرب سے خاص ہے تو رکن ثانی یعنی حشو میں تسبیغ کا ہونا خلاف
مسلمات ٹھہرا۔ جناب قدر تسبیغ وازالہ وخرب درمیانی کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہر ایسے
محل پر حتی الامکان ان کو تاویل کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے چنانچہ شعر مذکور عرفی کا وزن بجائے
مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن + مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن جناب قدر تجویز فرماتے
ہیں اور بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مکفوف بتاتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد کرتے ہیں" دیکھئے کہ تسبیغ و
خرب درمیانی کا جھگڑا کیسا صاف ہوگیا" کف درمیانی کو کوئی مانع نہیں۔ پہلی صورت میں بھی تو

خرب درمیانی ماننے سے کف درمیان میں آتا تھا۔ کیونکہ خرب خرم اور کف سے مرکب ہے۔ اس بیان کے بعد جناب آسی کے شعر کے پہلے مصرع کا وزن مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن حسب تجویز جناب قدر قرار پاتا ہے ؎

عالیجناب پیارے نوابصاحب آف شیش محل لکھنؤ جناب آسی کے شعر کے مصرع اول کا وزن جناب شمس الدین فقیر دہلوی کی رائے کے موافق مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن تجویز فرماتے ہیں۔ جس میں تسبیغ وخرب درمیانی کا جھگڑا آپڑتا ہے۔ اس وزن کے تجویز کرنے کے بعد جناب نواب صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

اب صرف یہ ثابت کرنا باقی رہا کہ اس عین کا اضافہ اصولاً جائز ہے یا ناجائز اور حرف متحرک بھی موزون میں بجائے حرف ساکن وزن آسکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال سے ظاہر ہے۔ کہ نواب صاحب اُردو و فارسی میں بھی شمع کے عین کو متحرک تجویز فرماتے ہیں ؎

پھر تسبیغ وسبب خفیف وعروض وضرب وحشو کے تعریفات لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ اب ثابت ہوگیا کہ تسبیغ مصرعہ اولیٰ کے عروض میں یعنی رکن آخر مصرع میں جائز ہے یعنی مفاعیلن مفاعیلان ہوسکتا ہے۔ اور حشو میں بھی تسبیغ جائز ہے۔ یعنی سبب خفیف جو کسی رکن کے آخر میں ہو اس کے ساکن سے پہلے ایک الف ساکن کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ چاہے حشو میں ہو یا عروض وضرب میں۔ اس کے بعد تسبیغ درمیانی کے شواہد جناب نواب صاحب نے کلام نظیری اور غالب سے پیش فرمائے ہیں۔ اور انہیں شواہد کو دلیل تسبیغ حشوی قرار دیا ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ تسبیغ درمیانی کا معرض تحریر میں نہیں لائے۔ حالانکہ اساتذہ کی تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کی مخالف ہے صاحب شعر جناب آسی نے بھی کلام بلبل شیراز سے اسناد لکھ کر کوئی قاعدہ نہیں بیان کیا ؎

جو لوگ کہ علم عروض وقوافی سے واقف ہیں۔ اور انہوں نے کلام اساتذہ کا مطالعہ کیا ہے وہ بحور مسمطات چہار خانہ میں تسبیغ درمیانی سے انکار نہیں کرسکتے۔ گر قاعدہ واصول عروضی کا اثبات

مدعا میں بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ صرف اسناد و شواہد پیش کرنے سے معترض کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ صاحب سند سے بھی سہو یا تسامح ہوا ہے۔ خصوصاً جبکہ تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کے خلاف ہے ؛

جناب نواب صاحب نے تسبیغ کی تعریف عام تر تحریر فرمائی جو مدققین عروضیوں کی تعریف سے کسی قدر مغایر ہے ؛

تعریف تسبیغ نوشتہ نواب صاحب ۔ جو سبب خفیف کہ کسی رکن کے آخر میں ہو۔ اس کے ساکن سے پہلے ایک الف زیادہ کرنا ؛

تعریف تسبیغ محققین ۔ جو سبب خفیف کہ عروض وضرب میں رکن کی تمامی پر واقع ہو ۔ اس کے متحرک اور ساکن آخر کے درمیان ایک الف ساکن بڑھا دینے کا نام تسبیغ ہے ؛

یعنی یہ زحاف تسبیغ عروض وضرب سے خاص ہے۔ بلکہ محقق طوسی عروض وضرب میں بھی غیر از نون غنہ موزون میں ہو یا وزن میں نہیں ملنتے۔ خصوصاً جب کہ بحر غایت درازی کو پہنچ جائے کیونکہ کوئی رکن عروضی سباعی سے زیادہ نہیں۔ اور کوئی بحر متقدمین کے نزدیک مثمن سے بڑھ کے نہیں۔ لہٰذا ایک مصرع زیادہ سے زیادہ اٹھائیس حرف کا ہو سکتا ہے۔ پس جو بحریں کہ آٹھ ارکان سباعی سے مرکب ہیں۔ اگر کوئی ایسی بحروں کے رکن آخر میں بھی تسبیغ غیر از غنہ لائے تو ان کے نزدیک ثقیل ہے، کیونکہ اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر نون غنہ کے ساتھ عروض وضرب میں تسبیغ کو جائز مانتے ہیں۔ اوّل تو اس میں ثقالت نہیں دوم الف و نون غنہ ان کے نزدیک بمنزلہ ایک حرف کے ہیں سولہ اور بتیس رکن کی بیت اختراع متأخرین ہے۔ خلیل موجد عروض کے زمانہ میں بحر ہزج مسدس سے زیادہ نہ تھی۔ مثمن ہو جائے تو گویا اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بحر ہزج مثمن سالم کو وہ ناموزون کہتے ہیں۔ بنابر قاعدہ مذکور فخر زمان کا شعر ذیل محقق کے نزدیک ثقیل ہے۔ اگرچہ تسبیغ عروض وضرب میں اپنے محل پر ہے۔ مگر غیر از نون غنہ ہے ے

بیا اے ماہ کہ در گلبن نوائے مرغ زار افتاد ۔ ز افغان دل بلبل صدا در مرغزار افتاد

یہ بحر اصلاً ہزج مثمن سالم ہے بروزن مفاعیلن آٹھ بار۔ چونکہ عروض و ضرب میں تسبیغ کی وجہ سے مفاعیلن **مفاعیلان** ہو جاتا ہے۔ جو کلمہ ثمانیہ ہے اور دس ارکان میں سے کوئی کلمہ سباعی سے زیادہ نہیں۔ چونکہ بحر خود ہی غائت درازی کو پہنچی ہوئی تھی لہذا یہ اصل پر اضافہ تسبیغ کی وجہ سے ہوا۔ جو محقق کے نزدیک بدعت ہے۔ اگر افتاد کی جگہ ایسا کلمہ ہوتا جس کے آخر میں الف اور نون غنہ ہوتا جیسے **افتاں** تو عدم ثقالت یا الف و نون کو ایک حرف ماننے کی وجہ سے جناب محقق اپنے زمانہ میں بھی اسے جائز سمجھتے۔ مگر اس شعر میں تسبیغ غیر از نون غنہ ہے۔ اس لئے وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر شعراء خصوصاً متأخرین نے اس کی پابندی نہ کی اس لئے تسبیغ غیر از نون غنہ والے اشعار کلام شعرا میں بکثرت ملتے ہیں ؎

تقطیع کا عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ حروف قابل حذف کے بعد وزن کے ارکان اس طرح مقابل موزون لاتے ہیں۔ کہ متحرک کے مقابل متحرک اور ساکن کے مقابل ساکن واقع ہو۔ لیکن شعر مابہ النزاع میں جناب نواب صاحب کو **شمع** کا عین متحرک معلوم ہوا جو مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہوا ہے۔ لہٰذا نواب صاحب کو دقت پیش آئی۔ اور جناب آسی سے اس کی نسبت استفسار کرنا پڑا چنانچہ جناب آسی فرماتے ہیں :۔

اب دوسری گذارش یہ ہے۔ (اس بیان کو دوسری گذارش اس لئے فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ تسبیغ درمیانی کا تھا جس کے ثبوت میں صرف اشعار بلبل شیراز پیش کئے ہیں) کہ شمع بفتح اول وسکون ثانی وثالث فارسی والوں کے یہاں ہے۔ لہذا عین متحرک نہ مانا جائے گا۔ اس کے ساکن ہی ہونے سے تسبیغ کا زحاف پیدا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ادا کرنا دو ساکنوں کا ایسی حالت میں دشوار ہوتا ہے۔ لہذا عین کو متحرک پڑھتے ہیں۔ اور بعض اس کے بھی پابند نہیں۔ عین کو ظاہر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ شم پڑھتے ہیں۔ مگر تسبیغ تقطیع میں رہتی ہے ؎

جب تقطیع کا دارومدار حروف ملفوظ پر ہے۔ اور وقت تقطیع متحرک کا مقابل متحرک اور ساکن کا مقابل ساکن ہونا وزن اور موزون میں لازم وواجب ہے۔ تو پھر شمع کو شم یا عین کو متحرک پڑھنا

بعضوں کا کیسے درست ہوسکتا ہے، اب میں جواب جناب آسی کی کسی قدر توضیح وتشریح کرنا چاہتا ہوں
الفاظ عربیہ جب کہ ان پر حروف جوازم نہ ہوں۔ یا وقف مقصود نہ ہو۔ یا ضرورت شعری لاحق
نہ ہو تو وہ زبان عربی میں ضرور متحرک الآخر از روئے وضع ہوتے ہیں۔ لیکن الفاظ فارسیہ موقوف الآخر
ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اہل ایران الفاظ عربیہ کو بھی اپنی زبان میں موقوف الآخر ہی مانتے ہیں۔
مگر معطوف۔ موصوف اور مضاف اضافت وعطف سے مل کر متحرک الآخر ہو جاتے ہیں۔ لہذا شمع وجمع
وصبح وغیرہ کے ایسے الفاظ بھی فارسی اور اردو میں مستعمل ہوکر موقوف الآخر ہی ہؤا کرتے ہیں۔ اس لئے
شمع کا عین ساکن بھی اس مصرع میں مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہؤا ہے ؛

کسی لفظ کے ساکن دوم کو جو آخر لفظ میں ہو وقت تقطیع اس وقت متحرک کر لیتے ہیں۔ جب
یہ دونوں ساکن درمیان مصراع میں واقع ہوں اور تسبیغ مقصود نہ ہو۔ اگر آخر مصرع میں دو ساکن
ہوں۔ تو ان دونوں کو ساکن ہی رہنے دیتے ہیں۔ مصرعہ مابہ النزاع میں اگرچہ عین شمع دوسرا
ساکن درمیان مصرع میں معلوم ہوتا ہے، مگر تاویلاً وہ آخر مصرع میں ہے۔ جس کا بیان آگے
ملاحظہ ہو :۔

یہ صحیح ہے۔ کہ خرب و تسبیغ درمیان مصرع یعنی حشو میں نہیں آتے۔ خرب صدر وابتدا کے
لئے خاص ہے۔ اور تسبیغ عروض وضرب کے لئے۔ ساتھ ہی قافیہ بھی تو آخر مصرع یا آخر بیت یعنی
عروض وضرب سے خاص ہے۔ اہل عرب میں ردیف نہیں ہوتی ہے، ایرانیوں نے ردیف ایجاد
کی۔ اس لئے ان کو تعریف قافیہ میں "بمنزلہ آخر" کی قید بڑھانا پڑی۔ تاکہ ردیف کو شامل ہو جائے۔
لہذا قافیہ کو بھی درمیان مصرع میں نہ ہونا چاہیئے ؛

جب قافیہ کی تعریف میں قید آخر مصاریع کی مطالع کے لئے اور قید آخر بیت کی غیر مطلع
کے لئے ہے تو چاہیئے۔ کہ قافیہ بھی حشو یعنی رکن دوم میں نہ لائیں۔ حالانکہ بکثرت اشعار تو انی درمیانی
کے ہر شاعر کے کلام میں ملتے ہیں۔ جناب ناسخ مرحوم فرماتے ہیں ؎

یہ ساعدوں کا ہے اسکے عالم کہ جسنے دیکھا ہؤا وہ بیدم نیام تیغ قضا مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

قوافی عالم اور مبرم حشو میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ بنابر تعریف قافیہ یہ محل ان کا نہیں ؛

اساتذۂ ماہرین فن ایسے بحور مثمن کے (جو چار برابر کے حصوں پر تقسیم ہو سکتے ہوں جن کا نام وہ بحور مسمطات چہار خانہ رکھتے ہیں۔) ایک شعر کے دو شعر مربع بنا لیتے ہیں۔ مربع کے پہلے مصرع میں صرف صدر و عروض اور ثانی میں صرف ابتداء و ضرب ہوتے ہیں۔ حشو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح جب دوسرا اور چھٹا رکن بجائے عروض۔ اور تیسرا اور ساتواں رکن مثمن بحر کا بجائے ابتدا ہو گیا تو پھر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ کو اور تیسرے اور ساتویں رکن میں خرب کو کونسا امر مانع رہ گیا۔ بحور مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانے یا نہ لانے کا شاعر کو اختیار ہے۔ چار قافیے نہ بھی ہوں تب بھی ایک شعر کو دو شعر مربع مان کر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ لے آتے ہیں مگر غیر از بحور مسمطات چہار خانہ تسبیغ و اذالہ وخرب درمیانی ٹکسال باہر ہے ؛

اس سے زیادہ تشریح کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ بحورِ مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانا کثیر الوقوع ہے۔ ان چار قافیوں کی وجہ سے یہ بحریں زیادہ دلچسپ اور دلفریب ہو جاتی ہیں ؛

ممکن ہے کہ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا ہو کہ تسبیغ و خرب بحورِ مسمطات کے درمیان مصرع میں اساتذہ فن نے جائز کر لیا اور عمل پیرا بھی ہوئے۔ لہذا مصرع مابہ النزاع کی تقطیع جناب قدرؔ کی تجویز کے موافق مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن میں اس محل پر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک بھی اس مصرع کا وزن مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن ہی ہے اور تسبیغ وخرب درمیانی بحر کے مسمط چہار خانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر ان کا درمیان مصرع میں ہونا بیان بالا کی بنا پر ہے۔ اور جائز مانا گیا ہے، ماننا یا نہ ماننا ماہرین فن عروض کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میری سمجھ میں جو آیا لکھ مارا۔ میں اپنی رائے پر مُصر نہیں۔ اور میری تجویز کا غلط ہونا نہ عجیب ہے اور نہ بعید ؛

سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی
پروفیسر آف یونیورسٹی۔ اورینٹل کالج لاہور

مولانا حالی کی کُتب سوانح

اُردو جیسی نو عمر زبان سے یہ توقع رکھنا - کہ اس میں اعلےٰ درجہ کی بیاگرافیاں موجود ہوں گی - ایک بے بنیاد خواہش ہے - خود فارسی کی ہزار سالہ ادبیات میں ایسی کوئی مکمل بیاگرافی موجود نہیں - جو جدید اصول سیرت نگاری کے معیار پر پوری اُترے - مولانا شبلی حضرت عمرؓ کی سیرۃ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ع

رَہ بر دَم تیغ است قدم را

اور یہ خیال تمام بیاگرافیوں کے متعلق صادق آتا ہے ؛

عربی لٹریچر، اپنی عمر کے پہلے تین چار سو سال میں ایک زندہ لٹریچر تھا - اس کی بنیاد صداقت، سچائی اور حقیقت پر تھی - مصنف جو کچھ لکھتے تھے، اس میں سب سے پہلے یہ دیکھتے تھے - کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں - وہ کہاں تک حقیقت ہے، یہی وجہ ہے - کہ رجال کی زندگیوں کی تلاش میں جو عظیم الشان کام ان علمائے جرح و تعدیل نے انجام دیا ہے - وہ ہمیشہ حقیقت پسندوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا - ان کی نگاہوں نے مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب اور مساوی کو بھی دیکھا - بڑے بڑے ائمہ حدیث کے متعلق بے لاگ رائیں لکھیں اور قاضی، مُلّا، شیخ اور صوفی جو سامنے آیا - امتحان کے ترازو میں تولا گیا +

ان تمام مساعی کی غرض کیا تھی ؟ صرف یہی کہ ان حضرات کی "حقیقی شخصیت" سامنے آئے - ان کی ظاہری عظمت، ان کی اندرونی "انسانیت" کو بے نقاب ہونے سے نہ بچا سکے - دنیا کی نظر ان کے عبا و قبا پر پڑتی تھی - لیکن ائمہ جرح و تعدیل ان بیرونی مظاہر سے گذر کر ان کو ان کے خلوت کدوں میں دیکھتے تھے ؛

جرح و تعدیل کی ان کوششوں کی غرض اگرچہ بیاگرافی کے اصول کی ترتیب نہ تھی اور اسکے

مرتب کرنے والوں کا مدعا بالکل جداگانہ تھا۔ تاہم "شخصیت حقیقی کی تلاش" ایک ایسا عنصر تھا جو ایک مکمل بیاگرافی کے لئے شرطِ اوّلین ہے۔ یقیناً ہمارے ان اکابر علماء نے اپنی اس تلاش وجستجو کے ذریعے 'سیرۃ نگاری' کے اس اصول اوّلین کی دریافت کرتے ہوئے اوّلیت کا فخر حاصل کیا ہے ؛

لیکن تاتاری فتنوں نے جہاں مسلمانوں کی سیاسی قوت کو تباہ و برباد کر دیا، وہاں افسوس کا مقام ہے، کہ علوم اسلامیہ بھی اس "سائینٹفک سپرٹ" سے خالی ہو گئے، جو عہد اوّل کا مخصوص وصف تھا۔ اس کے بعد اسلامی ملکوں میں جو انحطاط آیا۔ اس کے ساتھ علوم وادبیات میں بھی تصنّع، بناوٹ اور ظاہریت زیادہ ہو گئی۔ اور "حقیقت" تقریباً ناپید ہو گئی۔ ان حالات میں یہ بات چنداں تعجب کے قابل نہیں۔ کہ اس زرّیں زمانہ کے بعد نہ صرف اُردو میں بلکہ اس کے سرچشموں یعنی عربی اور فارسی میں بھی حقیقی اور مکمل بیاگرافیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ اس طویل عرصے میں سوانح اور سِیَر بالکل مرتب نہیں کی گئیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بیاگرافیاں 'مفقود ہو گئیں۔ جن کا مقصد کسی موضوع کی "حقیقی تصویر" کھینچنا ہو اور جن میں 'ذات' مع اپنے تمام خدوخال کے الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہو ؛

اس تلخ حقیقت کے اسباب بے شمار ہیں۔ لیکن سب سے اہم یہ ہیں۔ کہ حملۂ چنگیزی کے بعد 'ادبیات' میں تقلید اور تتبّع کا مرض پیدا ہو گیا، قوم اور ملّت سے روح آزادی یکسر چھن گئی۔ زندگی کے اندرون و بیرون میں ایک تفاوت پیدا ہو گیا۔ اور حقیقت، بناوٹ میں متشکل ہو گئی تقلید کے مرض نے "تنقید صالح" کو معدوم کر دیا، اور حق پرستی کی جگہ عقیدت نے لے لی۔ نتیجہ یہ کہ معاشرت، ادب اور شخصیت کی تنقید معیوب قرار دے دی گئی۔ اب اس حقیقت سے کسے انکار ہوگا۔ کہ جب "شخصیت" کی تصویرکشی میں سے "بشریت" کے رُخ و رخسار کو نکال دیا جائے۔ تو وہ شخصیت حقیقت کی ترجمان نہیں ہو سکتی ؛

یہی وجہ ہے۔ کہ "بیاگرافیوں" کا جو دفتر عظیم ہمارے پاس موجود ہے۔ ان میں تلاش کرنے

پر بھی کوئی زندہ اور حقیقی بیاگرافی نہ مل سکے گی، جو کچھ ہے، یا تو اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے مناقب و خوارق سے لبریز ہے۔ یا بادشاہوں، امیروں اور سپہ سالاروں کے رزم و پیکار کے واقعات ہیں۔ یا پھر شاعروں اور ادیبوں کی بے مصرف زندگی کے بے نتیجہ حالات ہیں۔ جن کے ساتھ ان کے اشعار بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگر قارئین گستاخی نہ سمجھیں تو یہ عرض کروں، کہ اس "نگارخانہ بے معنی" میں ایک تصویر بھی ایسی نہیں۔ جس کی "شخصیت" زندہ ہو ہو کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کر سکے، اور جس کی ظاہریت کے اندر سے کوئی "انسانی نفسیات" جلوہ گر ہو سکے۔

غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ تمام سرمایۂ زبان اُردو میں کوئی مکمل "Pure Biography" کی کتاب موجود نہیں۔ خود یورپ میں یہ شعبہ بہت پرانا نہیں۔ تا بہ اُردو چہ رسد۔ سر سید احمد خاں نے مغربی ذوق کو ہندوستان میں رواج دینے کی جو کوششیں کیں۔ اس کی بدولت وہ تعصب اور مخالفت مغربی چیزوں کے متعلق نہ رہی۔ اور علاوہ دیگر امور کے علوم و ادبیات بھی ان سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ خود "بیاگرافی" کے متعلق بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے لکھنے والوں نے مغربی اصول و مبانی پر اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی۔

اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بیاگرافی کے متعلق مصنفین کو وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو تاریخ کے متعلق ہوئی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ ہمارے اکثر سوانح نگاروں کا مطالعہ ادبیات یورپ بہت کم تھا۔ نیز وہ ان اصول تنقید سے گہری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ جن کی پیروی کا ان کو دعوے تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی مشکلات ناقابل عبور تھیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ جو اس سلسلے میں پیش آئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ مصنفین جو مشرقی روایات سے متاثر تھے۔ اور دراصل اسی ماحول میں تربیت پا کر نکلے تھے۔ جلد جلد اپنے گردوپیش کے اثرات کو ترک نہ کر سکتے تھے اور انہیں اپنے مخاطب لوگوں میں کتابوں کو مقبول بنانے کے لئے مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری تھا۔ جس طرح تمدن و معاشرت کے اکثر مسائل میں ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً

ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ کہ آیا ہمیں خالص مغربی طرز و روش اختیار کر لینی چاہیئے۔ یا مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری ہے۔ بعینہ اسی طرح ادبیات میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کہ ہمیں اپنے علوم و فنون کو خالص جدید تنقید کے ترازو پر تولنا چاہیئے یا نہیں۔ یہ حالت آج بھی موجود ہے۔ چہ جائیکہ اس وقت جبکہ ابھی ملک میں جدید اثرات کے نفوذ کی عمر بہت کم تھی۔ اور جبکہ مغربی اثرات کو قبول کرنے کے لئے ملک بہت زیادہ آمادہ نہ تھا۔

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ جدید تنقید کی ایک بڑی شرط یہ ہے۔ کہ سوانح نگار اپنے موضوع یا ہیرو کے کیریکٹر پر لکھتے وقت جہاں اس کے محاسن کی تصویر بنائے۔ وہاں بتقاضائے بشریت اگر اس میں کچھ عیوب اور کمزوریاں بھی ہوں۔ تو ان کو بھی بلا رُو و رعائت ظاہر کرے۔ تاکہ موضوع کی پوری شخصیت ہمارے سامنے آ جائے۔

اسی ایک اصُول کے متعلق ہمارے ایک عالی ترین مصنف کی رائے مشرقیت اور مغربیت کے درمیان ہچکولے کھاتی نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہمارا مصنف "تنقید کا امام اور جرح و تعدیل کا رہنما" قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا حالی نے جب سر سید کی لائف حیاتِ جاوید لکھی۔ تو مولانا شبلی نے اپنے ایک مکتوب میں اس کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی۔ "حیات جاوید میں مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یک رُخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہے۔ لیکن یہ اگر صحیح ہو۔ تو موجودہ یوروپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعری میں کیا برائی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محض دعوے کرتے تھے۔ واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔ بہر حال حیات جاوید کو مدلل مداحی سمجھتا ہوں"۔

مولانا شبلی نے یہاں جو رائے ظاہر فرمائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہیرو کے "معائب دکھانا" "تنگ خیالی" اور "بد طینتی" نہیں۔ بلکہ یہ یورپ کے "مذاق اور علمی ترقیوں" کی

اصل اور بنیاد ہے۔ نیز یہ کہ جہاں یہ وصف موجود نہ ہو۔ وہاں ہیرو کی" تصویر یک رُخی" ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ مولانا اس معاملے میں یورپ کے اصول کی پیروی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ مولانا نے اس اصول کی پیروی کی اکثر جگہوں میں کوشش بھی کی ہے ؛

لیکن یہی مولانا شبلی مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو میں اس طریقۂ سوانح نگاری کو "فریب دہ"۔ "زیادہ قابل اعتراض"۔ "بلکہ خطرناک" خیال کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے۔ کہ "قدیم طریقہ صرف سکوت کا مجرم تھا۔ لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے بر اصل دُور ہے" ؛

اسی ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کہ ہمارے مصنفین، مغربی اصول تنقید پر عمل پیرا ہونے میں کس درجہ مذبذب تھے۔ وہ ایک طرف اس کو "یورپ کے مذاق اور علمی ترقیوں" کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے ماحول کی رعایت سے اس کو "قابل اعتراض" بلکہ "خطرناک" بھی سمجھتے تھے ؛

یہ "زبان اُردو" کے عظیم الشان مصنف شبلی کا حال ہے۔ جس کی تصنیفات دوسرے الفاظ میں "کُل" سرمایہ ادبیات اُردو" ہیں ؛

اُردو میں "معاصرین کی لائف" کی کتابیں خصوصًا زمانہ زیر تبصرہ میں بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ مصنفین میں وہ اخلاقی جُرأت موجود نہ تھی۔ جو معاصرین کے محاسن و معائب بیان کرنے کے متعلق ہونی چاہیئے ؛

ہاں اتنے عظیم الشان کام کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی عزت صرف حالی کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم اُردو میں "فنِ سوانح نگاری" کی "امامت" کا مستحق بھی انہیں کو سمجھتے ہیں ؛

عام طور پر "تاریخ ادب" کے مصنفین نے اُردو میں بیاگرافی لکھنے والوں کی تعداد دو حضرات

تک ہی محدود رکھی ہے۔ یعنی مولانا حالی۔ اور مولانا شبلی۔ لیکن ایک حیثیت سے ہم اس تعداد کو بڑھا کر چار تک لے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ شرر اور مولوی چراغ علی کے نام بھی شامل کئے جا سکتے ہیں اگرچہ صحیح معنوں میں مولانا حالی ہی ایک ایسے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنا اکثر وقت اور اپنی اکثر توجہ سوانح نگاری کی طرف مبذول کی ؀

ہم یہاں ان کتابوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔ جو عام طور پر "سوانح" کے تحت میں شمار کی جاتی ہیں ؀

مولانا حالی (۱) حیاتِ جاوید
(۲) یادگارِ غالب
(۳) حیاتِ سعدی

مولانا شبلی (۴) مولانا روم
(۵) بیانِ خسرو
(۶) شعر العجم
(۷) سیرۃ النبی
(۸) الفاروق
(۹) المامون
(۱۰) الغزالی
(۱۱) سیرۃ النعمان

مولوی چراغ علی (۱۲) بی بی ہاجرہ
(۱۳) ماریہ قبطیہ

لہ چونکہ اس مضمون کا تعلق "رفقائے سرسید اور ان کی کتابوں سے ہے۔ اس لئے اردو کے بعض اور سیرۃ نگار مثلاً مولانا عبدالرزاق مصنف نظام الملک اور البرامکہ وغیرہ کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ؀

شرر (۱۴) سوانح بزرگان دین (جو مضامین شرر میں ہیں)

ان کتابوں میں سے حیات جاوید ایک خالص بیاگرافی ہے۔ یادگار غالب۔ حیات سعدی بیان خسرو۔ شعر العجم اور مولانا روم میں سوانح کے ساتھ ساتھ "ادبی تنقید" بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ ان پر ادبی تنقید کے سلسلے میں تبصرہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ "سوانح مولانا روم" کو خود مولانا شبلی نے سلسلۂ کلامیہ میں شمار کرتے ہوئے اسے فلسفہ اور علم کلام کی کتاب قرار دیا ہے ؛

اسی طرح الغزّالی سلسلۂ کلامیہ کی ایک کڑی ہے۔ اور سیرۃ النعمان سوانح عمری کے رنگ میں" فقہ اسلامی کی تاریخ" ہے ؛

سیرۃ النبی ، الفاروق ، اور المامون تاریخ کی کتابیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اسلوب از سرتا پا تاریخی ہے۔ اور خود ان کے مصنف نے ان کو "تاریخ" قرار دیا ہے ؛

پس ان حالات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کہ ہم یادگار غالب۔ حیات سعدی وغیرہ کا ذکر سوانح میں کرنے کے بعد ان کو "ادبی تنقید" کے تحت میں بھی لائیں۔ الفاروق۔ سیرۃ النبی اور المامون کو خالص تاریخ کی کتاب سمجھیں۔ اور ان کے لئے وہی اصول تنقید تجویز کریں۔ جو کتب تاریخ کے لئے ضروری ہے۔ باقی رہی الغزّالی اور سیرۃ النعمان سوان پر سیرت اور فقہ و کلام ہر دو حیثیتوں سے نظر ڈالی جائے ؛

ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اُردو میں خالص جدید طرز کی کوئی مکمل اور جامع بیاگرافی موجود نہیں۔ حیات جاوید یقیناً ایک "مکمل بیاگرافی" کا اسلوب اپنے اندر لئے ہوئے ہے لیکن یہ بھی ایک ناکام کوشش ہے، مولانا شبلی کی کتابیں" مقدس ناموران اسلام" کی سوانح پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان کا رنگ تاریخی ہے۔ اور وہ" لائف اینڈ ٹائمز" کے طریقے پر لکھی گئی ہیں۔ اور پھر مذہبی پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ جو اگرچہ اپنی جگہ بے حد مقدس اور متبرک کام ہے لیکن چونکہ ہمارے جذبات عقیدت ان بزرگوں کے متعلق تنقید کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ ہم ان بزرگوں کی زندگی کو ایسی سطح پر سمجھتے ہیں۔ جہاں سے زید و بکر کا قلم تنقید ان کی ارفع و اعلےٰ زندگی پر اُٹھ سکے۔ اس لئے

مولانا شبلی کا کام اگرچہ نازک ہے لیکن کئی ذمہ واریوں سے آزاد بھی ہے۔

تاہم ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہمارے مصنفین فرداً فرداً اپنے کام میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جو فرائض ان پر بطور سوانح نگار عائد ہوتے تھے۔ ان کی ذمہ واریوں سے کہاں تک عہدہ برآ ہوئے۔ اور اس فن کے اصول و قواعد میں سے کن کن قاعدوں پر عمل پیرا ہوئے۔ یا کن کن شرائط کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اور کیوں؟ ہم سب سے پہلے مولانا حالی کو لیتے ہیں۔

الطاف حسین حالی انصاری ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں متولد ہوئے۔ یہ امر معنی خیز ہے۔ کہ اس ہنگامہ خیز مقام کی خاک سے ایک ایسی متین اور خاموش شخصیت کا ظہور ہوا جس کی خاموشیاں اپنے اندر ایک انقلاب پنہاں رکھتی تھیں، اگرچہ ہم علمائے یورپ کی طرح ماحول کے اثرات کی ہمہ گیری کے مبالغہ کی حد تک قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات کسی حد تک بدیہی ہے۔ کہ کئی بار ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے مقام پانی پت سے اگر کوئی زندہ دل اٹھے گا۔ تو اس کی بصیرت اور نفسیات میں اس سرزمین کی انقلاب پرور تاریخ کے اسباق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا۔

حالی کی زندگی کے واقعات کو بہ تفصیل بیان کرنا ہمارے مقصد سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ حالی کی تعلیم خالص مشرقی طریق پر ہوئی۔ اور انہوں نے چند مروّجہ درسی کتابیں قدیم طرز کے اساتذہ سے پڑھیں۔

اس زمانے میں دہلی کالج پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ جو اس دور میں مغربی اور مشرقی تعلیم کے امتزاج کے اصول پر عامل تھا۔ حالی جب پہلی دفعہ دہلی گئے۔ تو انہوں نے وہاں بھی وہی قدیم درس اپنے سامنے رکھا۔ انہیں جدید طرز اور جدید خیالات سے اس درجہ بُعد تھا۔ کہ اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں اقرار کرتے ہیں۔ کہ میں نے اس زمانے میں "دہلی کالج کو آنکھ سے دیکھا تک نہیں"۔ کسے معلوم تھا۔ کہ جدید طرز کا اتنا مخالف کسی نہ کسی دن اُردو شاعری میں خود بھی ایک جدید روشن کا علم بردار ہوگا۔ اور عقائد میں معقول پرستی کا نقیب بن کر شہر بشہر پھرے گا! کرشمۂ قدرت اسی چیز کا نام ہے!

۱۸۵۷ء میں جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی۔ اس میں مولانا حالی دہلی میں ہی قیام پذیر تھے۔
اس عہد میں غالب، ذوق اور شیفتہ بزم شعر و سخن کے لئے باعث زینت تھے، مولانا حالی ان کی
صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ شیفتہ کے رنگ میں رنگے گئے۔ سلاست
اور سادگی جو مولانا کی نظم و نثر کی جان ہے، نواب شیفتہ ہی کے اثر سے ہے۔ حالی خود لکھتے ہیں
کہ غالب عام طور پر لوگوں کو فکر شعر سے روکا کرتے تھے، لیکن ایک آدھ دفعہ میری غزل سن کر
انہوں نے مجھے مشق سخن کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ حالی نے یادگار غالب لکھ کر مرزا کی اس استادانہ
تربیت کو وہ خراج تحسین ادا کیا ہے۔ جو ہر استاد اور رہنما کے لئے باعث فخر ہے۔

مولانا حالی کے اسلوب نظم و نثر میں واقعیت، سلاست، اور حقیقت کا عنصر کسی حد تک
"عربیت"۔ اور عرب شاعروں کے مطالعہ مرہون منت بھی ہے۔ جن سے گہرا شغف اور جن کے کلام سے
والہانہ دلچسپی مولانا کے لئے ان کی ابتدائی زندگی میں جاذب توجہ رہی ہے، مولانا کی اکثر
تصانیف میں ہمیں عربی اشعار، عربی ضرب الامثال، اور عربی جملوں کا استعمال بلا تکلف نظر آتا ہے
نمونہ کے طور پر حیات جاوید ملاحظہ ہو:-

حالی کی زندگی میں وہ سال ایک انقلاب انگیز سال تھا۔ جبکہ وہ نواب مصطفےٰ خاں کے ہمراہ
پہلی دفعہ سر سید احمد خاں سے ملاقی ہوئے اور دوچار ہوتے ہی مفتوح ہو گئے۔ سر سید بجا طور پر اس فخر کے
مستحق ہیں۔ کہ جو ان کے دائرۂ اثر میں آیا۔ ان کے ہی رنگ میں ڈوب کر نکلا۔ اس کی کیفیت
خود حالی ہی کی زبان سے سنیئے:-

"چند روز اسی تردّد میں یہ حال رہا۔ کہ ایک قدم آگے پڑتا تھا۔ دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔
ناگاہ دیکھا۔ کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے۔ ایک دشوار گزار رستے میں
راہ نورد ہے، بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے۔ تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں
بہت سے ابھی اس کے ساتھ اُفتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں۔ مگر ہونٹوں پر پپڑیاں
جمی ہوئی ہیں۔ پیروں میں چھالے پڑے ہیں۔ دم چڑھ رہا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی

ہیں۔ لیکن وہ اولوالعزم آدمی جوان سب کا رہنما ہے، اسی طرح تازہ دم ہے۔ نہ اُسے رستے کی تکان ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پرواہ ہے، نہ منزل کی دُوری سے کچھ ہراس ہے، اس کی چتونوں میں غضب کا جادو بھرا ہے، کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کرکے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی۔ اور اپنا کام کرگئی۔ بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستے پر پڑ لئے۔ نہ یہ خبر ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کیوں جاتے ہیں۔ نہ طلبِ صادق ہے، نہ قدمِ راسخ ہے۔ نہ عزم ہے، نہ استقلال ہے، نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے، مگر ایک زبردست ہاتھ ہے۔ کہ کھینچے لئے چلا جاتا ہے ؎

آن دل کہ رَم نمودے از خوبرو جوانان
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے "[1]

انگلو عربک سکول میں مدرسی کے وقت سے آخر عمر تک وہ سرسیّد کے مدّاح اور رفیق کار رہے، اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی زندگی میں جو گراں قدر علمی خدمات انجام دیں۔ وہ سرسیّد مرحوم ہی کی تحریک و ترغیب کی وجہ سے سرانجام ہوئیں۔ مولانا کی شاعری نے اگرچہ بہت سے سرچشموں سے فیض حاصل کیا ہے۔ جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ تاہم مسدّس جیسی بے نظیر نظم سید صاحب ہی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔ بہر حال اس مسلمہ میں کسی کو اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔ کہ حالی نے جو کچھ لکھا۔ ایک جذبۂ قومی اور ملی سے متأثر ہوکر لکھا اور یہ جذبہ اسی مقدس بزرگ کا پیدا کردہ تھا۔

(باقی دارد)

سیّد محمد عبداللہ

---

[1] دیباچہ مسدس حالی ۱۲۹۶ھ۔ علیگڈھ محمڈن پریس۔ ص ۳، ۴۔

اقتباس از آداب الحرب والشجاعۃ للمروالروذی

کتاب آداب الحرب والشجاعۃ جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے علم حرب پر ایک تصنیف ہے جس کا مصنف شریف محمد بن منصور ملقب بمبارکشاہ معروف بفخر مدبر[۱] قریشی ہے، باپ کی طرف سے اس کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امیر الپتگین سے جو حاجب کبیر الپتگین کے بعد غزنین میں تخت نشین ہوا[۲]، شریف محمد نے آداب الحرب کو سلطان شمس الدین التمش کے نام پر معنون کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۶۰۷ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی گئی جو التمش کی حکومت کا زمانہ ہے، اسی مصنف کی تاریخ مبارکشاہی بھی موجود ہے اور چھپ چکی ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اپنا اور اپنے خاندان کا حال مفصل بیان کیا ہے، کتاب آداب الحرب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ ریو نے فہرست مخطوطات موزہ برطانیہ ص ۴۸۷ بعد پر اس کا حال مفصل دیا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ آیندہ صفحات پر اس کتاب کے گیارھویں باب کا اکثر حصہ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کے مضامین اور مصنف کی طرز تحریر کا اندازہ ہو جائے گا۔ مصنف نے بہت سے مصطلحات فن حرب کا استعمال کیا ہے جو کتب لغت میں نہیں ملتے اسی طرح وہ پنجاب و سرحدی صوبہ کے متعدد جغرافیائی مقامات کا ذکر کرتا ہے جو ساتویں صدی میں موجود تھے مگر ان کا ذکر جغرافیائی، ادبی یا تاریخی کتب میں ہم تک نہیں پہنچا۔ متن برٹش میوزیم کے نسخہ پر مبنی ہے، اس کو حواشی میں آ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ نسخہ غالباً سولھویں صدی میں لکھا گیا تھا۔ اچھا نسخہ ہے مگر اغلاط اس میں بہت ہیں، مقابلہ کے لئے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ استعمال ہوا ہے جو ب کے نام سے حواشی میں مذکور ہے۔ اس نسخہ کا مفصل حال آیوناف کی فہرست ۱۹۲۴ء نمبر ۶۰۸ میں دیا ہے،

---

[۱] اس مصنف کی بعض تصنیفوں میں بظاہر مدبیر بجائے مدبر لکھا ہے [۲] اسکے متن میں اختلاف ہے، قول معتبر یہ ہے کہ وہ ۳۵۵ سے ۳۶۴ تک حکمران رہا،

اس نسخہ میں بھی اغلاط بہت ہیں مگر دونوں نسخوں کے مقابلہ سے بعض عبارتوں کی تصحیح ممکن ہوسکی گو بعض مقامات دونوں میں مخدوش ہیں۔ ایک تیسرا نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں ہے مگر تادم تحریر اس نسخہ تک رسائی نہیں ہوسکی،

اڈیٹر

باب یازدھم

اندر فضیلت وخاصیت ہر سلاحی وثواب کار بستن آن کہ ہر یک چہ جای بکار آید و خاصیت ہر یک چیست (۹۶ ب)

و ہیچ سلاح را آن خاصیت و فضیلت نیست کہ تیر ....

انداختن را از بہر آنکہ جملہ سلاحہا تا[1] دشمن نباشد (۹۷ ب) کار نتوان بست مگر تیر انداختن کہ (۹۷ ب)

بر دشمن بتوان انداخت و بر شکاری و بر پرندہ و بر ہدف و بر[2] جاس و بر ہر چہ خواہی بتوان

زد و در ہیچ حال بیکار و مہمل نیست و خصم را از [دور][3] دفع توان کرد و بزد و در حصارہا قلعہا

وجنگ جایہا این سلاح بکار شود و تیر ناوک و عذرک[4] و ملخک و آفتک[5] و انگسنگ[6]

و نیم دانگ سنگ و جوال دوز و نیم جوال دوز ہمہ بابت حصار است و در این

جایگاہا بکار شود،

و سقراط گوید: اگر تیر انداختن و چوگان زدن ہیچ ہنر نیست[7] ہمین بس کند[8] کہ اندامہا

نرم کند و بندہا را بگشاید و گوشت تن مردم را سخت کند و بیفزاید و چشم را روشن کند و دست

و پای را راست دارد[9] و جنگ را بیاموزد و گرفتگی را بگشاید و مردم را دلیر کند و آرزوہا و

شہوتہا را برانگیزد و ہمت را بزرگ کند، و[10] روا باشد کہ تیر را تقدیر خوانند، و کمان را تدبیر،

و پیکان را مرگ پران و درفشان،

---

[1] آ: با، تصحیح از روی ب، [2] آ: برخاس، تصحیح از روی ب، [3] از روی ب، [4] ب: عذرک، [5] آ: افتک ب: رفتک؟ مشکوک است، [6] ب: نیستی، [7] آ: کنند، ب مثل متن، [8] آ: آرد، تصحیح از روی ب، [9] آ: ادرا، تصحیح از روی ب،

وہر جائی وہر جنگی را تیر از نوعی[1] باید و پیکان از نوعی دیگر تا کاری گر آید و اگر نہ ضایع و باطل باشد تیر انداختن، و درین معنی استادان در تیر اندازی کتابہا کردہ اند و شرح آن باز گفتہ چنانکہ تیر زرہ را پیکان ماہی پشت و غلولہ باید، و ازان جوشن را ہمین پیکانہا باید، و ازان سپر چوبین و سپر شوشک[2] و سپر نی[3] نیزہ و سپر ترنج[4] و سپر کرگ و سپر خدنگ پیکان مودودی باید، و تیر برنابی و حصار را پیکان غلولہ و ماہی پشت و سہ سو باید و تیر خفتان و بغلطاق[5] و برگستوان جامگی را پیکان بیلک[6] سپاناخی و برگ بید[7] و تتماجی[8] و لبط پای باید، و پوشیدہ را و برگستوان آہنین را تیر خدنگ و یا کلک و پیکان بیلک درشت[9] پر باید، و

کمان

بر چند نوعست: چاچی و خوارزمی و پروانچی و غزنیچی و لوہوری[10] و کروری و ہندوی و کوہی املکان چاچی تیز آید[11] و اہل ماوراء النہر بدان کار کنند، کمان خوارزمی کوتاہ خانہ و دراز گوشہ باشد و زہ از پوست اسپ کنند و ناتافتہ گرہ زنند و زہ سطبر باشد، و تیر خدنگ ہم سطبر بود و پیکان خرد[12]، از خم نیک نیاید و تیر لرزان رود و بسبب سبکی[13] پیکان و گرانی تیر، و کمان پروانچی و غزنیچی و لوہوری و کروری بابت تیر اندازان اختیار است، و کمان کوہی در کوہپایہ[14]

---

[1] ب: نوعی دیگر، [2] فرہنگ آنند راج میں معنی (۱) ساز چہار تار (۲) تیہو دیا ہے، اور قریباً یہی معنی سٹائن گاس نے دیئے ہیں مگر معلوم نہیں سپر نے یہ نام کیوں پایا، سٹائن گاس نے لکھا ہے کہ اس چہار تار کا پیٹ بڑا اور گردن لمبی ہوتی ہے شاید کچھ ایسی ہی خصوصیتیں اس ڈھال میں بھی ہوتی ہونگی [3] و ر ب ندارد، [4] آ: حج، ب: بج، "بج" چوبی بلشد پنج شاخہ مانند پنجۂ دست و دستہ ہم دار دکہ غلہ کوفتہ را بآن بباد دہند و غربالی را نیز گفتہ اند کہ بدان غلہ پاک کنند (فرہنگ آنند راج)، سٹائن گاس نے اس کو بج بھی لکھا ہے [5] ب: بغلطاق، فرجی و برگستوان ریشمی کہ در روز جنگ می پوشیدہ اند و براسپ نیز برای حفظ می افگندہ اند) [6] ب: بیلکر، [7] ب: بیل، [8] تتماج، Vermicelli [9] آ: لوصوری، ب مثل متن، [10] آ: تیرآمد، ب مثل متن، [11] آ: خورد، [12] آ: بھکی، ب مثل متن، [13] آ: کوہیانہ، ب، کوہپایہ،

شبرہی[۱] (؟) وانباران (؟) وبہروج وپنجہ گیر[۲] کنند وتمامت از شاخ نخچیر و بزکوہی کنند و ہیچ
چوب نباشد ونیک آیندہ باشد، وکمان ہندوی از نی نیزہ باشد و زہ کمان ہم از پوست نی
نیزہ باشد وتیر نیک وورزہ ودااما از نزدیک زخم سخت آید، وتیر ہندوی را بیشتر شاخہا
باشد کہ در گزہ[۳] (؟) وجنبان[۴] (؟)، اگر کسی ازان زخم یابد چون تیر بکشند بیشتر پیکان بسبب شاخہا
بماند ودر کشیدن آن نیک رنج بینند وبیشتر زہرآلود[۵] کنند، وپیکان اہل کوہیانہ[۶] ہندستان
بیشتر از (۹۸ ب) استخوان باشد وآن چنان باشد کہ ہر استخوان[۷] کہ یابند از گاو وگاومیش و - (۹۸ب)
ودراز گوش از استخوان ساق از مردار وکشتار آنرا[۸] و بگیرند خرد ومزبلہاء تباہ[۹] بپرد ورند وہر استخوان
کہ چرب باشد زہرناک باشد [چون[۱۰]] مدتی بر آید ازان بر مثل پیکان بتراشند ودر گزہ[۱۱] نہند
وہر گاہ کہ بخواہند انداخت سر آن بر جایی زنند تا قطرۂ ازان جدا شود چون کسی ازان
زخم یابد وازان استخوان اگر د. آدمی بماند بر مثل زہر مار باشد زخم را پارہ کنند وبجویند تا
اندک چیزی اگرچہ بر مثل کالی[۱۲] باشد بیرون بکشند، آنگاہ بہ باشد کہ آنرا[۱۳] جری[۱۴] خوانند
اگر کسی را بدست شود بخورد زود بہ شود اما ہر سال بدان وقت کہ زخم خوردہ باشد بازان
باد بشور دو آنکس را نیک برنجاند واگر در آن وقت کہ زخم خوردہ باشد از مجامعت[۱۴] کردن
وجبزات وشیر[۱۵] خوردن نگاہ ندارد[۱۶] ہلاک شود، وتا دندان آدمی واستخوان او سیاہ نشدہ است
امیدست کہ علاج کنند وجری[۱۷] دہند نیک شود وہر گاہ کہ سیاہ شد آنکس ہلاک شود وآن

---

۱ آ ب: شیری، ۲ آ: بنجہ کر، ب: بنجہ کیر، ۳ آ: کزہ، ب: کرہ، یہ لفظ مشکوک ہے، اگر "گزہ" بمعنی کمان خشک چوب و خمیدگی و چرخ تنگ سخت آواز (فرہنگ آنند راج) ہے شاید وہ مراد ہو، اگلی سطروں میں "در کزہ نہادن" اور تیر را کزہ نشاندن بھی آیا ہے شاید گزہ ہو جسکی نسبت فرہنگ آنند راج میں ہے۔ نوعی از تیر و پیکان باشد، ۴ کذا در ہر دو نسخ، معلوم نہیں یہ کیا لفظ ہے چنبیدن بمعنی جستن و خیز کردن و گرفتن ہے مگر یہاں جنبان بظاہر کسی آلے کا نام ہے، ۵ ب: زہر آلودہ ۶ آ: کوہیانہ، ب: کوہیایہ، ۷ ب: استخوانی، ۸ آ: کشتا آنرا، ب: کشار آن، کشتار بمعنی کشتہ و مذبوح، ۹ آ میں یہ لفظ کٹ گیا ہے۔ صرف "بتباہ" باقی ہے۔ تصحیح از روی ب، ۱۰ از روی ب، ۱۱ ب: کرہ، ۱۲ ب: کنجدی، کال بمعنی برنج ناپختہ و گندنا ہے، ۱۳ کذا در آ و بحر کات، ب: جری، بظاہر یہ ہندی لفظ جڑی ہے کسی خاص جڑی بوٹی کا نام نہیں ہے، ۱۴ ب: معالجت، ۱۵ ب: شیر، ۱۶ ب: دار، ۱۷ ب: جبزی

پیکان را ہدہانی [ہڈ ہانی] خوانند،

وتیرہاء ماوراء النہر و خراسان و عراق بیشتر خدنگ باشد، وبید و خدنگ نیک دور نرود بسبب گرانی اما نام دار باشد، وتیر بید بسبب سبکی راست رود و نازک باشد اگر زخمی سخت تر رسد تیر (۹۹ ا) بشکند، ہیچ تیری دور [۱] [دو] تر و سبکتر و کاری تر از کلک نباشد اما نیک پختہ (۱ وجوشیدہ باید و کالبد [۲] زدہ تاب کشیدہ، اگر تیر انداز نیک باشد و کمان بلند و شست بہرام بداند و بر بیل آہنین و خود پولاد زند بگذرد، و

پر تیر

از دنب کرگس و عقاب نیک آید و اگر نباید [۳] پر چرغ و شاہین و موش خوار و لکلک و کلنگ و سرخاب و خروس و بط و غلیواژ و بوتیمار و شتر [۴] مرغ ہم روا باشد، وتیری را کہ بر پرندہ کہ بر درخت باشد پیکان [۵] [دو] بیلک [۶] دو شاخ باید تا در شاخ باریک سخت نشود و اگر بر [۷] شاخ رسد شاخ را ببرد، وتیر انداز باید کہ این دقایق را بداند و در این باب شاگردی کردہ باشد دبیاموختہ و استادگشتہ کہ اگر جایی تیر گرہ و کمانگر نباشد تیر را گرہ [۸] بداند [نشاندہ] و سوراخ واند کرد وپیکان [۹] نہاد وتیر را پر [۱۰] کرد و تاب کشید، و اگر کمان را گوشہ بگردد و یا خانہ بایستد یا در آید آتش دادن و باز ستدن بداند، وزہ بستن و پیوند کردن بداند، و چہار بند بستن بداند۔ و اگر جایی خزنہ [۱۱] او در زکند بداند بست،

واستادان ہر کمانی را دو زہ و بہرزہی را دو انگشتوانہ نہادہ اند اگر یکی خطا افتد دیگری [۱۲] بجای او بایستد، و

انگشتوانہ

چند نوعست غازی وار و میری [۱۳] وار و ترکی وار، اما بہترین غازی وار باشد تا سر انگشت

---

۱ از ردی ب، ۲ ب قالب، ۳ آ: نیاید، ب مثل متن، ۴ آ: شہ مرغ، تصحیح از ردی ب، ۵ آ: پلک، ب مثل متن، ۶ در ب ندارد، ۷ آ: کرہ بداند، ب مثل متن، ۸ ب: واند نہاد، ۹ ب: بر ۱۰ آ: بار، ب: باز، ۱۱ ب: خیرہ، ۱۲ ب: دکر، ۱۳ ب: مرن،

نزند که هر کسی تیر اندازی [استاد][1] نباشد،

[تیر]

واگر بر دده[2] (۹۹ ب) انداز د زینهار بر گرگ نیند ازد که یا زه بگسلد و یا کمان بشکرد[3] (۹۹ ب) (و) یا خلل افتد، و اگر تیر اندازی خواهد که بر تیر اندازان کید کند زه کمان خود از پوست گرگ ساز د هر گاه که تیر از کمان[4] که زه از پوست گرگ باشد بیرون فرستد چون آواز[5] آن[*] کمان بهر کمانی که رسد[6] که از پوست گوزن و نیله گاو[7] و اسب[8] باشد جمله بگسلد[9]،

و اگر تیر پرتاب بگرد و انداز د دران کوشد تا مگر تیر خصم را بنوعی چرب[10] تواند کرد تا دور نرود و مبلغی از تیرهاء دیگر پس ماند،

و تیر آماج راپیکان مودودی لیسیده و چهار پر باید و اندازهٔ نه مشت تیر انداز باید و بقول بعضی از استادان از زیر بغل تا سر انگشت سبابه باید و بقول بعضی از سر کتف تا سر انگشت میانگی، و بقول بعضی هر دو مشت پیش گیرد و سر بر سر نهد از سر آرنج راست تا سر آرنج چپ به پیماید[11][*]، اندازهٔ تیر آن قدر باشد، و حکم[12] اندازان بیک چوبه تیر خصم ملک را بکشته و مصاف را بشکسته اند چنانکه امیر بلکاتکین[13] که از پس حاجب بزرگ الپتگین باد شاه غزنین شد و چهار سال ملک بود و خسر سلطان یمین الدوله محمود[14] غازی نور الله قبرهما که کاتب و مولف کتاب را جد مادرگان باشد برفت و قلعت گردیز را محصر میکرد و موفق[15] را لشکر داد (؟) چنانکه عادت روزگار است ترکان دران جنگ آهستگی میکردند امیر بلکاتکین (۱۰۰ ا) از خشم لشکر پیاده شد. سپر[16] چچی در پیش او --- ۱۰۰ ا

---

[1] فقط در ب، [2] یعنی جانوران درنده، [3] آ: لبشکرد، ب: لبشکند، [4] کذا در هر دو نسخ، بجای کمانی که، [5] بتقدیم و تاخیر در ب، [6] آ: برست، ب مثل متن، [7] در ب ندارد، [8] دمیری (حیات الحیوان طبع ۱۳۳۰ھ) ا: ۶۵۰ پر ہے،

واذا علق وتر من ذنبه (ای ذنب الذئب) علی شئی من الملاهی وضرب بها تقطعت جمیع اوتار النغم التی تکون علی الملاهی ولم یسمع لها صوت ..... وان اتخذ طبل من جلده وضرب به بین طبول تشققت الطبول کلها، [9] آ: جرب ب: حرب،

[10] آ: بنماید، تصحیح از روی ب، [11] فقط ب: حکم تیر اندازان، [12] لین پول نے بلکاتکین کا سال جلوس ۳۵۵ اور سال وفات ۳۶۲ دیا ہے۔ اس حساب سے اسکی حکومت ۷ برس رہی مگر ڈاکٹر ناظم نے اس کا سال وفات ۳۶۴ دیا ہے اور مدت حکومت دس سال (سلطان محمود ص ۲)، الپتگین ۳۵۲ میں فوت ہوا اسکے بعد ابو اسحاق ابراہیم بادشاہ ہوا پھر بلکاتکین [13] نقص ب: مسعود، [14] ب: موقف، جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے، [15] آ: جچی، ب مثل متن،

می داشتند و خود پیش حصار رفت و جنگی قوی کرد و نزدیک آمد که حصار بگیرند، حکم اندازی تیر ناوکی بینداخت، برجای شهید شد و لشکر بی مراد از آنجا بازگشت،

وقتی امیر ایاز بهندوستان بغزا رفت حصاری را در پیچیده لشکریان بیشتر بقلعه رفتند چنانکه لشکرگاه خالی شد، کافران از قلعه تاختن آوردند، امیر ایاز بدر حصار شد تا ایشان را از بیرون آمدن باز دارد[۱] و پیلی سپید بیرون آمد و در عقب او سوار بسیار، تیرانداز ی بود بلند کمان قادر دست، حکم انداز، او را علی بخاری گفتندی امیر ایاز او را گفت: یکی تیر لشکر شکن توانی انداخت۔ گفت: توانم، آیینه چینی بود بزرگ بر پیشانی پیل آویخته، بخاری تیری پیکان سه سوی پولادی آب داده بزد بر آیینه پیل آیینه پاره پاره شد، بانگ آیینه بفرسنگی برفت، پیل بترسید، تیر دیگر بگشاد بزد بر چشم پیل، نیمه تیر بسر پیل در رفت، پیل از درد آن زخم بازگشت و خلقی را زیر پای بکشت و دیگر لشکر هزیمت شد و بحصار رفتند مسلمانان دل شکسته بودند هر یکی چون شیری گشتند و خلقی را بکشتند،

حکایت

وقتی سمرقندیان عاصی شدند، فایق[۲] بیامد بر ایشان جنگ کرد کمیخت گری بود حکم انداز بوقی را بزد بوق در دهانش در رفت و از پس قفا بیرون شد، فایق گفت: زهی باریک (۱۰۰ ب) انداز! جوشن پوشی دیگر را بزد بدیگر سو بیرون شد، فایق گفت: زهی نیک انداز! علم بکند، باز به بخارا رفت، امیر خراسان را گفت این شهر بجنگ نتوان گرفت[۳] [امیر گفت] دروغ میگویی، فایق گفت راست میگویم و دو گواه دارم، یکی تیری که بوقی را زدند و دیگر تیری که جوشن پوش را زدند علما درمیان شدند و میان امیر و سمرقندیان آشتی دادند، باز پس از چند سالی سمرقندیان عاصی شدند۔ فایق بیامد جنگ آغاز

---

[۱] ب: دارند [۲] امرای سامانیہ میں سے تھا۔ اس کا حال دیکھو سلطان محمود ص ۱۸۲

[۳] بعد بر ازروی ب؛

کرد، تیری بیامد از دامن قبای او فرود آویخت[1]۔ فایق گفت: ای فرزندان مژده
مر شما را که مردان بمردند زنان تیری اندازند، [2]همه حمله کنید، سپاه فایق دل یافتند حمله کردند
در حال [3]شارستان بستدند، ازین گفتیم که بد اندازی گناه هست

حکایت

امیر طغرل [4]بک و چغر بیک گفتندی که ما بسبب یکچوبه تیر بهزیمت بخراسان [5]آمدیم و
آنچنان بود که بنجا را دیهی است که آنرا [6]خرامتین گویند و آن دیه از ان تیرانداز انست،
غزان را بران دیه حرب افتاد، استادی بود تیرانداز که او را عبد الصمد کمانگر گفتندی،
غزان غلبه کردند۔ نزدیک آمد که دروازه بستانند و غارت کنند، ترکمانی بود جوشن پوشیده
در باغی بکنده بود و سپر کرده و امیر طغرل و چغری و پیش او ایستاده، تیری بزد ازین در
بگذشت جوشن پوش را بر سینه آمد، پشت بیرون شد، ترکمان بیفتاد، طغرل و چغری (۱۰۱ ا) — ۱۰۱ ا
بگریختند، چغری گفت: هر که وی را زنده یا کشته بر من آرد او را بیست هزار درم بدهم،
خواجه امام [7]شومانی گفت: این استاد را ازین حال بپرسیدم گفت: بران در سوراخی بود
آفتاب بر پشت ترکمان بود، از آن سوراخ در افتاد، من باریک اندازی کردم تیر در آن

---

[1] ب: برآویخت، [2] ب: ہلا، [3] مخفف شہرستان و آن حصاریست که بر گرداگرد شهر بزرگ بکشند (فرہنگ آنند راج)،
[4] ب: بیک، [5] سلجوقی ماوراء النہر سے خراسان میں ۴۲۵ھ میں آئے (انسائکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۲۹۷ ب) اس لئے واقعہ
مندرجہ متن ۴۲۵ھ کے نواح میں واقعہ ہوا، [6] ب: خرامتین، یہ وہی گاؤں ہے جو ابن سینا کا مولد تھا، کتاب الانساب
میں اسکو خُرمیثَن اور معجم البلدان میں (۲: ۴۲۷ پر) خَرمیثَن ضبط کیا ہے، [7] شومان والشجرد کے جنوب میں ایک قلعہ
ہے جس کو تیمور کے زمانہ میں حصار شادمان کہتے تھے اور حصار یا حصارک بھی اس کا نام تھا اب بھی اس کو حصار ہی کہتے ہیں
عجب نہیں کہ امام شومانی سے مراد ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الشومانی السلمی الملقب بزین الصالحین ہو جسکی نسبت سمعانی نے
لکھا ہے کہ وہ شمس الملک نصر [ثانی] بن ابراہیم الخاقان کا استاد و معلم تھا، نصر ۲، ۴ھ میں فوت ہوا (لین پول ص ۱۳۵) سمعانی نے
صرف دو شومانیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک ۱۹۹ھ میں فوت ہوا اور دوسرا ابو عبد اللہ محمد مذکور ہے جس کا سن وفات
اس نے نہیں دیا مگر شمس الملک کے زمانہ سے اس کا زمانہ قیاس میں آسکتا ہے

سوراخ انداختم از مرد بگذشت ایشان پنداشتند کہ من تیر ہم از در رو، ہم از مرد گذشتم، فزع و ہول ایشان ازان بود،

وقتی علی تگین[1] بدر سمرقند رفت و جنگ کرد[2] شارستان بگرفت، و در آمد، بدر آہنین رسید، استادی بود تیر انداز کہ او را احمد خیاط گفتندی سپاه بدر آہنین [رسید] او برخاست و بیامد و بر جنگ بایستاد، ترکی بود کہ او را کوکیوغ[3] گفتندی، زرہی پوشیده و جوشنی[4] زبر آن پوشیده و خود (ی) عادی بر سر نہاده و سپری برگرفته، و در پیش علی تگین سه چہار ہزار غلام تاخ و قراچولی کشیده می آمدند۔ سمرقندیان بدر آہنین بیرون آمدند، استاد احمد تیر و کمان از شاگرد[5] بستد، تیری بہ پیوست، کوکیوغ پای بنشیبی فرو نہاد[6] سرش از پس سپر برہنہ شد استاد تیر بر چشمک خود زد از خود و از سرش بگذشت، کوکیوغ[7] بیفتاد و جان تسلیم کرد، جملہ سمرقندیان حملہ کردند و در شہر ہر کہ درون آمده بودند بیرون کردند مردمان

شہر از شادی بانگ کردند و این چنین بانگ[8] ماوراء النہر [یان] غیو کو کیوغ خوانند[9]، ۱۰۱ب

علی تگین بخارا باز رفت سبب شکستن لشکر و رستن شہری از غارت و رستن چند ہزار مسلمان جوان از کشتن[10] آن یک[11] چوبہ تیر بود واللہ الموفق...... و اگر کسی گوید کہ یک مرد ہزار

مرد (۱۰۳ ا) را از خود و فرزندان خود چون حصاری باز داشت آن جز تیر انداز نبوده ۱۰۳ا

باشد و پیغامبر علیہ السلام می گوید علموا اولادکم السباحۃ والرمایۃ یعنی بیاموزید فرزندان

---

[1] علی تگین حاکم بخارا ایک خانیوں میں سے تھا، وہ بغرا خان کا بھتیجا اور طغان خان کا بھائی۔ اور سلطان محمود غزنوی اور قدر خان کا معاصر تھا۔ ۴۲۵ھ کے آخر یا ۴۲۶ھ کے شروع میں فوت ہوا (دیکھیں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۲۹۷) محمود اور علی تگین کی لڑائیوں کا حال سلطان محمود ص ۴۳۵ بعد پر دیکھیں، [2] آ: جند، تصحیح از روی ب، [3] سمرقند کا رقبہ بقول ابن الفقیہ ۶ ہزار جریب تھا (یعنی شہر اور ربض ملا کر) شہر کا رقبہ ۵ ہزار جریب، اس شہر کے اندر دنی حصہ (شہرستان) کا رقبہ ۲ ۱/۲ ہزار جریب تھا، جامع مسجد اور قلعہ شہرستان کے اندر تھا، قلعہ کے دو آہنین دروازے تھے، دیکھیں ترکستان ص ۸۴، [4] آ: گوکنوع، ب: مثل متن، آگے چل کر آ میں ایک جگہ کوکنوع، ایک جگہ کرکیوغ لکھا ہے بہر حال یہ نام مشتبہ ہے [5] ب: زرہ، [6] آ: استاد، تصحیح بہ از روی ب، [7] آ: کوکنوع الخ، ب کوکبوغ را بای بشیبین فرو نہاد، [8] آ: کوکنوع، ب: کوکنوع، [9] کوکبوغ : وراء النہریان است غیو کو عکیوغ غیو (بروزن دیو) مخفف غلو ہے (فرہنگ انندراج)، [10] آ: سبب الخ، [11] ب: یک،

خود را تیر انداختن و آشنا کردن، و جای دیگر می گوید ارموا وارکبوا وان ترموا خیر، یعنی
آن ترکبوا یعنی تیر اندازید و سواری کنید[۱] و اگر تیر اندازید] بهتر از انکه سواری کنید...

تیغ

را جمشید بیرون آورده است و آن کفایت و کیاست او بوده است و اورا درین
باب بر جمله اهل عالم منت است و صد سال در آن کرد تا آهن از کوه و کان بیرون
آورد و تیغ کردن فرمود و رعب و هیبت شمشیر بیش از دیگر سلاحهاست و سلاح ۱۰۳-ب
مبارزان و دلاوران است و سلاح خفته است تا لنرزانی و بیدار نکنی کار نباید بست که خطا افتد
و بشکنند، و اگر کسی گوید که از میان هزار مرد سلامت بیرون آمدم و هیچ کس گرد من نیارست
گشت جز شمشیر دار نبوده باشد، و پیغامبر علیه السلام میفرماید که الجنة تحت ظلال السیوف
بهشت در زیر سایه شمشیرهاست و هیبت او بیش است چنانکه بکله سلاحها ولایتی و ملکی نگیرند
چنین گویند که این ملک و ولایت را بشمشیر گرفته ایم،

اما تیغ چند نوع است چینی و روسی و خزری[۲] و رومی و فرنگی و یمانی و سلیمانی و
و شاهی و علائی[۳] و هندی[۴] و کشمیری[۵]، جمله تیغها نام دارند اما از همه تیغها هندی بهتر و گوهردار
تر و برنده تر آید و آن چند نوع است پرالک[۶] و تراوته[۷] و روهنیا[۸] و منقبر(؟)[۹] و مان[۱۰] گوهر
پرگلس(؟) که آنرا بسبب بسیاری بند موج دریا خوانند قیمتی تر و ظریف تر از همه تیغها باشد

---

[۱] زیدوی ب، [۲] آ اخرری، ب: فرزی، [۳] آ مدالی، ب مثل متن، [۴] آ، کشمیری، [۵] آ: برالک
ب: برالک، فرہنگ انندراج میں بحوالہ برہان اس کو فارسی لفظ کہا ہے اور لکھا ہے: فولاد جوہردار را گویند عموماً و تیغ و شمشیر را
خصوصاً، [۶] لغت میں نہیں ہے شاید ہندی لفظ تراونی ہو جس کے معنی تیز رو کے ہیں، [۷] آ: اردہنیا، ب اردہنیا فرہنگ
انندراج میں اس کو بیائی مجہول بروزن بوسینا لکھا ہے اور اسکو فارسی لفظ بتایا ہے اور کہا ہے: ہمان روہنا است کہ بمعنی آہن و
پولاد جوہردار باشد کہ از آن شمشیر و خنجر سازند و بمعنی گوہر شمشیر نیز آمدہ، روہنی بھی اسکو لکھا ہے، سٹائن گاس کے نزدیک روہینا بھی یہی ہے، [۸]
ب: تیغر، مگر اگلے صفحہ پر تقبر، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے [۹] آ: مان گوہر برگس، ب: مان کو ہر برگس، ظاہر میں یہ ایک ہی لفظ ہے گو اگلے
صفحہ پر گوہر کا لفظ حذف ہے۔ یہ تینوں لفظ لغت میں نہیں ہیں۔

و درمیان لشکر و خزینه وزرا و خانه بادشاهی[1] یکی ازان بیش نباشد و دیگر باحری[2] و سورمان و تورمان باشد و درهیچ ولایت تیغ پرالک و ترا وته و روهینا و موج دریا نباشد مگر در زمین هندوستان، واین تیغها برنده تر از تیغهاء دیگر باشد بدانچه اینها خشک ترند و دیگر تیغها چربست، اگر در شب[3] تر کنند* زخم نیک آید، و در زمین خراسان و عراق بیشتر تیغ باحری[4] باشد نیک گوهر وار نباشد اما چرب باشد و در آسیب رسیدن و زخم زدن کم شکند، (۴۲-۱۰)

و در هندوستان تیغ دیگرست که آنرا بناه[5] خوانند و آن مصنوعست، آهنگران استاد بیرون آورده اند از نرم آهن ومس و نقره کنند و لسبب نقره فراخ گوهر آید و اگر بدان تیغ زخمی رسد آن زخم کم فراهم آید، و پرالک و ترا وته و مان[6] پرکس* و مقبر[7] بابت کمر شمشیر و[8] زیر رکابی بادشاهان شاید سورمان و تورمان[9] افغانرا بیشتر باشد، و در هندوستان حصاریست که آنرا کورج خوانند برلب آب سند نزدیک کدور[10] و آهنگران استاد باشند و آهنگر که تیغ خواهد زد دو خفچه از آهن پولاد بکشد بعد ازان هر دو را نیک گرم کند و یکی را براست بتابد و دیگری را بچپ بتابد پس در گل گیر دیگشا بزو زرآنرا در کوره نهد و بدمد تا هر دو خفچه بگدازد و بریکدیگر سخت شود پس از گل برون کشد و تیغ زند و باندام کند، چون چرخ کند و دارو دهد گوهر او بر شکل برگ خرما که بر درخت باشد همچنان پیدا آید و بس ظریف و نادر باشد جمله رانگان و ٹھکران و مردمان قبایل بهوس ببرند و زخم آن نیک برنده آید،

---

۱ ب: بادشاهان، ۲ ب: باحری، باحر عربی میں خون سرخ خالص کو کہتے ہیں مگر معلوم نہیں لفظ باحری اس سے لیا ہے یا کچھ اور لفظ ہے، ۳ آ: درشت تر، ب: مثل متن، ۴ ب: باجری، ۵ بناه یا پناه لغت میں اس معنی میں نہیں ملا، ۶ آ: مان برکس، ب: سورمان برکس، ۷ کذا، ۸ آ د ب، ۸ آ: زیرو رکابی، ب: زیر رکاب، ۹ تورمان وادی کابل کے ہندو شاہیہ خاندان کے بادشاہوں میں سے تھا جو سنہ ۹۴۳ء کے قریب تخت پر بیٹھا، کیا یہ تلوار اس کے نام پر تھی؟ ۱۰ کذا در آ، ب: کدور، بظاہر کروڑ مراد ہے جو لیہ اور بھکر کے درمیان دریائے سندھ سے قریب واقع ہے،

قلاچوری[1]

سلاح ترکانست (۱۰۴ اب) وکسانی که جنگ به نیزه کنند، و دراز تر از شمشیر (۱۰۴ اب) برای این کار نهاده اند، و لژبدان کرده اند تا در وقت زخم از پهنا نیفتد و زخم او بسبب کژی گران تر و بهران تر آید که اگر نیزه را خطایی افتد دبشکند همچون نیزه وتیغ کار نوان لبست،

ناچخ[2]

سلاح بادشاهانست که هم دوست را شاید هم دشمن را، دوست را از دهرهٔ ناچخ زنند و بجای گرز کار کند و دشمن را بروی ناچخ زنند بجای شمشیر کار کند،

دشنه

سلاح عیار پیشگان وجان بازان و دزدانست،

کتاره[3]

سلاح هندوان دبی[4] باکان و غدارانست*،

شل وژوپین

سلاح هندوان وافغانانست وکسانی که هم تیغ دارند و هم شل وژوپین که چون بیندازند اگر کاری نیاید بشمشیر جنگ کنند،

پیل کش و نیم نیزه

سلاح پیادگانست وکسان که سپر چج وگره[6] دارند و بر در ها حصار باشند،

---

[1] ب: قلاجولی، [2] ناچخ بمعنی تبرزین ہے "و آن حربه ایست دسته دار که در پهلوی زین اسپ بندند ... شیخ نظامی گفته ؎ زپولاد چینی ناچخ ده منی بگردن بر از بهر گردن زنی، [3] آ، ب: کتاره، [4] ب: بیکان و غداران است [5] سٹائن گاس نے بفتح کاف دیا ہے اور کہا ہے کہ ایک سلاح کا نام ہے [6] ب: کره، بظاهر گرده بمعنی چیزی مدور وگرد،

و نیزه و خشت و دور باش و حربه سلاح جاندار[1] است و کسانی که نگاه بانی بادشاهان کنند و دشمنانرا از (و) دور دارند،

نیزه

سلاح ترکان و اعرابیان[2] است و سلاح بیدارست چون برگرفتی در حال کارتوان بست، بابت سواران برگستوانی[3] است و اگر کسی گوید که یک مرد هزار سوار را بزد و براند جز نیزه دار نباشد، و در عرب مردی و زنی نیزه باز بودند نیزهٔ سمهری بمرد منسوبست و نیزهٔ رُدَینی بزن، و هر دو تن از جملهٔ مبارزان نامدار بودند، و در بحرین دیهی است که آنرا خط خوانند نیزهٔ خطی بدان جای منسوبست، ۱۰ الف
و در خراسان و عراقین بیشتر نیزه از چوب بید کنند و آنرا پی بسیار زنند لعب[4] سواری و حلقه ربودن رانیکست بدانچه سبکست و هر سلاح که سبکتر در جنگ یاری[5] گرتر* باشد، و اگر زخم از سر سنان و بن نیزه برابر و باز پس زند زخم نیک آید اما اگر خواهد که مرد را بر دارد و یا از زین بر باید تاب نیارد و بشکند و در وقت کار مرد سراسیمه شود و فرو ماند، اما هیچ نیزه بهتر از نی[6] نیزهٔ هندوستان نیست آنچه نرا است و میان پُر کار نیاید بدانچه گران و دراز و پیچان آید، و سوار بسبب گرانی زحیر شود، نی نیزهٔ مادهٔ میان تهی نیک باشد بدانچه سبک باشد، و لرزان و پیچان نشود، اگر سوار چابک باشد و این علم نیکو بیاموخته باشد و میدانها و آورد ها بداند چون میدان ملوک و رستم و اسفندیار و افراسیاب و میدان امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم الله وجهه

---

[1] جاندار = سلاح دار، و نگهبان جان سلاطین که همیشه با شمشیر در خدمت سلطان حاضر و متوجه است (از فرهنگ آنند راج)
[2] آ: عرابیان، ب مثل متن، [3] ب: برگستوان، [4] آ: تعب، ب مثل متن، [5] آ، یاری کم تر، ب، یاری گیرتر،
[6] در ب ندارد،

وزبیر عوام [رضی اللہ عنہا] ہم سوار را بر توان داشت وہم از زین در ربود در حملہ ہر کاری کند اگر آموختہ کند بر ہمگنان پیروز آید و ہیچ کس برو بر نیاید، اگر شتا لنگ کرک؛ سوراخ کند و برشتہ در زیر سنان ببندد و بر مصافی حملہ کند ہمہ بشکنند و از وی ہزیمت شوند

سپر و تبرزین

(۱۰۵ ب) سلاح دیلمانست و بران (۱۰۵ ب) جنگ کنند سارو غ سلاح چوپانان وگلہ بانانست گھتی آہن بستہ سلاح شتربانانست تبر سلاح شبانان وحجانست، داس سلاح کشاورزانست، جوا ہہ سلاح بشیان و بتراہیانست، بیل سلاح باغبانان وآب دارانست، تیشہ سلاح درودگرانست، کارد سلاح قصابانست، کلند وکھی سلاح گل کارانست، عصا سلاح اہل صلاح وسیاحانست، دیوارکن سلاح دزدودگران وروغن گران وکدنی گرانست گرز و چابک وخود شکن وبل کاتکینی بابت کسانیست کہ بر قوت بازوی خود اعتماد دارند و برکسانی کہ کار بندند کہ جوشن وخفتان وزرہ و جیورک دارند،

اگر مردی ہمہ سلاح ہا بدارد وشمشیر ندارد سلاح او ناقص باشد وناتمام، واگر

۱؎ از روی ب، ۲؎ ب: توانا، ۳؎ ب: در نواند ربود، ۴؎ آ ب: کرک، کر حیاۃ الحیوان دمیری (طبع ۱۳۳۰ھ) ا: ۲۵۰ پر ہے "وکعب الذئب الایمن اذا علق علی رأس رمح ثم اجتمع علیہ جماعۃ لم یصلوا الیہ مادام الکعب معلقا علی رمحہ، ۵؎ ب: سارع، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے البتہ ساریغ ہے "نوعی از سلاح است وآن چوبی باشد کہ بر سر آن چند زنجیر کوتاہ تعبیہ کنند و بسر ہر زنجیر گوی از فولاد نصب سازند" ۶؎ ب: لتیی، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے۔ شاید گھٹی ہو، ۷؎ اس جملہ کے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ ب میں بتراہیانست کی بجائے تیراہانست ہے، ۸؎ آ: لی، ب: کسی، شاید یہ پنجابی لفظ کہی یا ہندی گتی ہو، ۹؎ آ: درود گرانست، ب مثل متن، ۱۰؎ ب: کدنی گر، یہ لفظ لغت میں نہیں ملا،

شمشیر دارد و هیچ سلاحی[1] دیگر ندارد تمام باشد و هیچ نقصان اندرو نباشد، خالد ولید روزی بنزدیک عمر خطاب رضی الله عنهما در رفت عمر او را گفت یا خالد چه گوئی اندر تیر؟ گفت نیکو سلاحی[2] است، دشمن را بدو از دور قهر توان کرد و از خویشتن باز توان داشت، اما خطا بسیار کند، گفت چه گویی اندر نیزه گفت پشت و پناه مردست و لیکن خیانت بسیار کند و چون چهار انگشت سنان او از خصم بگذشت ایمن شود و مرد نا[3] ایمن، و هر کس بران قدرت ندارد، گفت چگویی اندر شمشیر گفت

(۱۰۶ ا) اینجاست که مادران بر فرزندان بگریند، (او)

و بر پشت اسپ آنکه شمشیر خواهد کشید دست راست بر قبضه باید نهاد و دست چپ بر معلیق شمشیر و نیک بتابد. و پهلوی خویش نیک خم دهد و شمشیر بگردن اسپ راست بیرون کشد، و زدن شمشیر را میان تافته باید و بغل گشاده و سه انگشت بر قبضه سخت کند و زخم کشیده آرد و دست خوش دارد تا تیغ تاب نگیرد، این چنین زخم بُرّنده آید، آنچنان کشیدن که یاد کردیم تمام و آسان از میان بر آید و بیم بریدن اسپ نباشد، چون شمشیر برون کشد اگر بر اسپ باشد هر کجا که شمشیر همی زند. اسپ می باید گردانید و آن شمشیر که بزند هر چه سر شمشیر اندر نشیند بدراند و هر چه از سر شمشیر بیک بدست[4] فرودتر آید هم ببرد و هم بشکند و همه زخم شمشیر اندر یک بدست [اشت[5]] و هر چه از سر شمشیر بدو بدست[6] فروتر بود در نشیند و بکوبد. و آن باقی شمشیر هر کجا رسد نه ببرد و نه بدرد و نه بکوبد . . . .

---

[1] ب: سلاح [2] آ: صلاحی [3] ب: نا

[4] آ: دست، تصحیح از روئے ب، بدست بمعنی وجب است که گشادگی پنج انگشت و یک کف دست باشد و بتازی شبر خوانند

[5] از روی ب [6] ب: دست،

فہرستِ اوّل

اسماء اسلحہ و متعلقات آنہا

فہرست دوم

الفاظ متفرقہ

اڈیٹر

تنقید و تبصرہ

(۱) سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل یعنی قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں

مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ڈی فل (بون) ڈی۔ لٹ (پیرس) لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ۔

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدر آباد دکن۔ ۲۰۸ صفحہ۔ سائز ۱/۲ ۴" × ۱/۲ ۶"

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اُردو زبان میں یہ چھوٹی سی کتاب لکھ کر اس مضمون کے اُردو ذخیرہ کی بنیاد رکھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب چونکہ جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الممالک کے استاد ہیں۔ اس واسطے انہیں اپنے لکچروں کے واسطے نوٹ تیار کرنے لازمی تھے۔ علم دوست لوگوں پر ڈاکٹر صاحب نے نوازش کی۔ کہ اپنے قیمتی خیالات کو کتاب کی صورت دے کر شائع کر دیا۔

قانون بین الممالک کی اہمیت کا اندازہ اب رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا جاتا ہے۔ اور لوگ جاننے لگے ہیں۔ کہ روزمرّہ کی اخباری خبروں سے بھی صحیح نتیجہ نکالنے کے لئے اس شعبہ علم سے کچھ نہ کچھ واقفیّت لازمی ہے۔ علاوہ ازیں جوں جوں ہندوستان میں تحریک آزادی ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جدید اصلاحات کا دور جاری ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے ملک کی دنیا کی سلطنتوں اور ان کی سیاست میں ایک خاص اہمیت ہے۔ اپنے ملک کی عظمت کو قائم کرنے اور بین المللی تعلقات کو بڑھانے کے واسطے یہ لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے تعلقات دوسرے ملکوں سے آہستہ آہستہ براہِ راست قائم ہوں اور ان تعلقات کے قائم کرنے اور ان تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے ملکی حکمران اپنے ملک کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں سے خود اچھی طرح واقف ہوں اور عام لوگوں کو ان سے آگاہ کریں۔ اس کے واسطے لازمی ہے کہ قانون بین الممالک کی تعلیم کو ترقی دی جائے اور اس سلسلہ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب

کی طرح کئی اور لوگ اس مضمون کے مختلف حصّوں پر عُمدہ عمدہ تصانیف لکھ کر ملک کے سامنے پیش کریں ۔
ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں جو ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے قانون بین الممالک کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور بقیہ حصّہ کتاب میں اس قانون کی عملی صورت پیش کی گئی ہے ؛

اصول کی بحث میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات زیادہ تر جرمن اور فرانسیسی علماء کے نظریوں سے متاثر ہیں۔ اور اس میں انگریزی اور امریکن علماء اور حکومتوں کے نقطۂ نظر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی ۔ یہ ایسا نقص ہے۔ کہ جس کی اہمیت کسی ایسی کتاب میں خاص طور پر بہت زیادہ ہے۔ جو کہ قانون بین الممالک سے علاقہ رکھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عموماً تمام کتاب میں جہاں کوئی اصُول بیان کیا گیا ہے وہاں اس بات کی کوشش نہیں کی گئی کہ اس اصول پر مختلف بڑی بڑی حکومتوں کے خیالات بھی بیان کر دیئے جاتے۔ حالانکہ قانون بین الممالک کی کسی بحث میں سب سے زیادہ قابل غور یہی بات ہوتی ہے۔ کہ مختلف سلطنتوں کے اس نظریہ اور اصول پر کیا خیالات ہیں۔ کیونکہ دراصل قانون بین الممالک مختلف سلطنتوں کے باہمی میل جول کا قانون ہے اور اس کے بنانے یا اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار صرف سلطنتوں کو ہی ہے۔ اس واسطے سلطنتوں کے خیالات کا ذکر بہت ضروری امر ہے ؛

مصنف سے جن باتوں پر ہم کو اصولی اختلاف ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کر دینا لازمی ہے۔ مثلاً صفحہ ۳۲ پر فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے "کہ ہر خود مختار سلطنت اپنا قانون بین الممالک خود بناتی ہے"۔ یہ ایسا نظریہ ہے۔ کہ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو قانون بین الممالک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ قانون کے معنوں میں پابندی کا جزو لازمی طور پر شامل ہے اور اس کی تبدیل و تنسیخ میں کسی ایک جزو کو مکمل آزادی نہیں دی جا سکتی ورنہ کسی قانون کا قیام ناممکن ہے۔ کسی ایک سلطنت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون بین الممالک کے کسی اصول کو خود بدل دے یا کسی بین الملکی پابندی کو از خود دوسرے ممالک پر عائد کر دے۔ قانون بین الممالک تمام سلطنتوں کا ایک ہی ہے اور اس میں کسی ایک سلطنت کو از خود زیادت یا تبدیل یا تنسیخ کا اختیار نہیں۔ رہا یہ سوال کہ بعض وقت کسی خاص جذبہ کے ماتحت سلطنتیں کسی خاص امر میں قانون بین الممالک کی پابندی نہیں

کرتیں - اور مسئلہ متنازعہ پر اپنے رویّہ کو اس صورت میں پیش کرتی ہیں - جس سے معلوم ہو کہ انہیں اصول قانون سے اتفاق نہیں - سو ایسے واقعات کسی عام قانون کی ہستی کے خلاف دلیل نہیں ہیں - بلکہ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اپنی ملکی و مدنی زندگی میں روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ گمراہ اور مجرم لوگ ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں قانون ملی کو توڑتے اور اس کے خلاف عمل کرتے ہیں - لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج تک کسی شخص نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ مجرموں کا اقدام جرم اور قانون کو توڑنا خود قانون کی ہستی کا منافی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مجرموں یا قانون شکنوں کے لئے کوئی الگ سلسلہ قانون ہے ؛

مقولہ منزو کی بحث کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ " شمالی اور جنوبی امریکہ کی آزاد مملکتیں مقولۂ منرو کے تحت ممالک متحدہ امریکہ کے تحت ہیں " (ف۲۱ - صفحہ ۳۵) - یہ ایسا اصول ہے - کہ جس کی صحت سے حکومتِ برطانیہ نے ہمیشہ انکار کیا - اور خود جنوبی امریکہ کی آزاد سلطنتیں جس سے ہمیشہ انکاری رہی ہیں اور نہ ہی خود ممالک متحدہ امریکہ کا رویّہ اب یا پہلے ہمیشگی کے ساتھ ایسا رہا ہے - کہ اس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ ممالک متحدہ امریکہ کو اس بات پر اصرار ہے - کہ براعظم امریکہ کی دوسری آزاد سلطنتیں کسی طرح سے ممالک متحدہ کے تحت ہیں - اس اصول کے بیان کرنے میں فاضل مصنف نے ممالک متحدہ امریکہ کی سیاسی پالیسی اور قانونی دعوےٰ یا پوزیشن میں فرق نہیں کیا - یہ بات بالکل اور ہے - کہ اپنے مفاد کے پیش نظر جمہوریہ امریکہ نے ہمیشہ براعظم امریکہ کی آزاد سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنے کو اپنا سیاسی فرض سمجھا ہے - اور یہ بالکل اور بات ہے کہ مقولہ منرو کی وجہ سے جمہوریہ ممالک متحدہ اور دوسرے ممالک امریکہ میں کوئی رشتہ حاکم و ماتحت قائم ہو گیا ہے ؛

اس طرح اور بھی کئی ایک باتیں ہیں - کہ جن میں ہمیں فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں ؛

ان تمام باتوں کے باوجود کتاب میں بعض خوبیاں بہت قابل قدر ہیں - اُردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے - کہ جس میں موجودہ قانون بین الممالک کے تذکرہ کے ساتھ اس کی سابقہ تاریخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی سیاست کے وہ اثرات جو موجودہ قانون بین الملکی کے بنانے میں مُمد ہوئے ہوں انکا تذکرہ کسی حد تک کیا گیا ہو - یورپ کے علماء کا رویّہ عام طور پر یہ رہا ہے - کہ انہوں نے موجودہ قانون بین الملکی

کو روما کے قانون پرسٹیر پیر گرینس کے مواد بدیا اور قدیم قانون قدرت یا قانون فطرت سے متعلق کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کسی یوروپین صاحب علم نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کیونکر روما کا قانون موجودہ قانون بین الملکی میں مبدل ہو گیا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کی تاریخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاست کے مطالعہ کے بعد ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس ذریعہ اور کن تدریجی منازل سے گذر کر روما کا قانون یس گنٹیم اور قدیم قانون قدرت گروشیس کا قانون اور موجودہ قانون بین الملکی بن گئے یہ مضمون ابھی بہت زیادہ حد تک تشنۂ بیان ہے۔ اور اس موضوع پر مستقل کتب کی ضرورت ہے ؛

کتاب کی دیگر خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے۔ کہ ہندوستانی طالب علموں کے شوق میں اضافہ کرنے کے لئے اس میں بعض بعض جگہ ہندوستانی مثالیں اور نظیریں بھی دی گئی ہیں۔ لیکن خود ہندوستان کی پرانی اور ماضی قریب کی تاریخ پر ابھی بہت کم لوگوں نے قانون بین الملکی کے نقطۂ نظر سے غور کیا ہے یہ مضمون خود مستقل محنت اور کاوش کا محتاج ہے۔ اور تمنا ہے کہ کوئی صاحب ذوق اس طرف جلد توجہ کرے مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں بین الملکی قانون کے تمام اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک کتاب کے حجم کا تعلق ہے۔ اس نسبت سے مصنف اپنے ارادہ میں کامیاب رہا ہے لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد جو خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس کتاب سے زیادہ واضح اور جامع کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور ہمیں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس تمنا سے قطعی اتفاق ہے۔ کہ اہل علم صاحبان کو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس مختصر سے رسالے سے ترقی کر کے اس موضوع پر بہتر سے بہتر کتابیں لکھی جائیں اور ملک اور زبان کی خدمت کی جائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب اس فن میں نقش اولیں ہے اور اس کی خوبی اور عظمت اس کی اسی اولیت میں ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی قدردانی یہ ہو گی۔ کہ اور صاحبان ڈاکٹر صاحب موصوف کے قدم پر چل کر قانون بین الملکی کے مضمون پر ایک گراں قدر ذخیرہ اردو زبان میں پیدا کر دیں ؛

کتاب کے اخیر میں ایک مفید انڈکس اور شروع میں فہرست مضامین بھی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے املاء و اعراب پر ایک نوٹ اپنی کتاب کے شروع میں تحریر کیا ہے۔ اور اس میں

یورپین زبانوں کے الفاظ کے اُردو میں صحیح ادا کرنے کے لئے بعض نئے اعراب والفاظ اردو زبان کے لئے تجویز کئے ہیں۔ ایک حد تک ڈاکٹر صاحب کو اس کوشش میں کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر ابھی زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ اور اس کا مل ایک شخص کی کوشش سے نہیں۔ بلکہ ملک کے علماء کے اتحاد عمل سے ہوگا۔

اخیر میں ہم تمام قارئین تنقید سے التماس کریں گے۔ کہ وہ اپنے طور پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب کا مطالعہ کریں۔ اور خود قانون بین الملکی جیسے دلچسپ علم سے واقفیت حاصل کریں **محمود علی پروفیسر لا کالج لاہور**

(۲) کالیداس ۔ مصنف چودھری جے کرشن۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (عالمگیر پریس۔ لاہور۔) ۱۹۳۷ء $\frac{27\times 17}{16}$ صفحہ ۱۴۴۔ قیمت عہ ر فی جلد۔

ہندوستان کے باغ ادب میں کالی داس ایک سرسبز وشاداب درخت ہے۔ جس کی ہمیشہ بہار سرسبزی، اور شادابی اس باغ میں سیر کرنے والوں کے دل ودماغ کو قرن ہا قرن سے فرحت بخش رہی ہے۔ اس کی بعض تصانیف کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ لیکن اس زبان میں ابھی تک ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ جس میں اس ہندی ملک الشعراء کے مکمل حالات درج ہوں۔ چودھری جے کرشن ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ اور خوب پورا کیا ہے۔ چودھری صاحب کی تصنیف تین باب میں منقسم ہے۔ باب اول۔ کالیداس کی سوانحمری ہے۔ جس میں اس کے زمانہ وطن۔ تربیت۔ اعتقاد تحصیل علم۔ شادی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی تصانیف ہندوستان کی تمدنی وملکی حالت پر جو روشنی ڈالتی ہیں۔ اس پر نیز ایسے ہی دیگر امور پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں اس کے کلام کو پرانے ونئے معیار تنقید کی کسوٹی پر کسا ہے۔ تیسرے باب میں اس کی تصانیف کی فہرست۔ ان کے مضمون کا اختصار اور منتخب اشعار کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اس باب کے شروع میں سنسکرت شاعری پر ایک عام نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی کالیداس کی تصانیف کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے اسے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ اور

کالیداس کے متعلق کافی لٹریچر پڑھا ہے۔ صرف دو باتیں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق محققین میں اکثر اختلاف رائے رہا ہے۔ اول کالیداس کا زمانہ۔ دوسرے بعض نظمیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دوسری بات کے متعلق تقریبًا آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق ابھی تک دو رائیں ہیں۔ ہندوستان کی روایت کے مطابق اس کا زمانہ پہلی صدی قبل از مسیح کا ہے۔ لیکن یورپی فضلاء اسے چھٹی صدی مسیحی تک لے گئے ہیں۔ موجودہ تحقیق سے اس کا زمانہ چوتھی صدی مسیحی ٹھہرتا ہے۔ یعنی خاندان گپت کا زمانہ۔ کتاب ہذا کا مصنف ہندوستانی روایت کو درست تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنا نتیجہ بھی اسی روایت پر مبنی کرتا ہے۔ جس پر دوسرے محققین کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ آخر الذکر راجہ بکرماجیت والئے اجین کی ہستی سے منکر ہیں۔ اس لئے ان کو کسی اور بکرماجیت کا سراغ لگانا پڑتا ہے۔ اور وہ ان کو چوتھی صدی مسیحی میں چندر گپت ثانی عرف بکرماجیت کے وجود میں مل جاتا ہے۔ اس کے عہد کے ایک کتبہ کا مضمون اور طریق شاعری کالیداس کے رگھوونش کے ایک حصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے ؛

ایک بات میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ سنسکرت کے جو الفاظ اس کتاب میں آئے ہیں۔ ان پر اعراب لگا کر ان کا صحیح تلفظ ظاہر کر دینا چاہیئے تھا۔ بعض الفاظ جو اردو زبان میں مشہور ہو چکے ہیں جیسے بکرماجیت۔ ان کو اسی صورت میں رکھنا چاہیئے تھا۔ وکرم آدتیہ (صفحہ ۸) لکھ کر اس کو ناقابل شناخت بنا دیا گیا ہے ؛

یہ کتاب اُردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور دیگر سنسکرت ہندی مصنفین پر ایسی ہی کتابیں اردو زبان میں نکلنی چاہئیں۔ بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد کو پیدا کرنے والے اسباب و ذرائع میں ایک دوسرے کی ادبیات کا مطالعہ بھی ایک زبردست سبب اور ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں یونٹی کانفرنس کے موقعہ پر کسی صاحب نے فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے چودھری صاحب کی تصنیف نہ محض ادبی بلکہ سوشل اور پولٹیکل اہمیت بھی رکھتی ہے ؛

ڈ(ڈاکٹر) بنارسی داس جین۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

(۳) A monograph on Moslem Caligraphy by M. Zia-ud Din — Lecturer in Islamic Studies, Visva Bharati Santi Niketan

Visva Bharati Studies No. 7. Pp. 12 + 72.

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس رسالہ کا موضوع اسلامی خطاطی ہے۔ علاوہ دیباچہ اور مقدمہ کے اس میں مضامین شامل ہیں۔ (۱) قلم کوفی (۲) اسلامی سوسائٹی میں خطاط کا مقام (۳) قلم نسخ اور دوسرے اقلام۔ پہلے یہ مضامین مشہور ماہی رسالہ "وسوا بھارتی" میں شائع ہوئے۔ پھر نومبر ۱۹۳۶ء میں ان کو کتابی صورت میں یکجا شایع کر دیا گیا۔ مواد کو واضح کرنے کے لئے جا بجا تمثیلی توضیحات دی گئی ہیں جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان میں سے نو پورے صفحہ پر آئی ہیں، اس رسالہ میں اسلامی خطاطی کی خصوصیات اور تاریخ مجمل مگر مفید طور پر بیان ہوئی ہے۔ آخر میں مآخذ کی مفصّل فہرست دی گئی ہے، طباعت نہایت اعلیٰ ہے، انگریزی زبان کا یہ رسالہ محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور طالبانِ فن کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت چار روپیہ۔ مکتبہ وسوا بھارتی نمبر ۲۱۰ کارنوالس سٹریٹ کلکتہ سے طلب کیا جائے۔

(۴) **عصامی نامہ** تصنیف سید یوشع بی۔ اے (علیگ) حیدر آبادی جونیئر لیکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی

صفحات ۲ + ۲ + ۲۸، جی۔ ایس پریس، مدراس ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء،

یہ منظوم رسالہ (فارسی) بطرزِ مثنوی گویا فتوح السلاطین تصنیف منظوم عصامی کا دیباچہ ہے، اس میں عصامی اور اُس کی منظوم تاریخ ہندوستان کا حال دیا گیا ہے۔ رسالہ میں دو دیباچے بھی ہیں۔ ایک فارسی نثر میں، دوسرا انگریزی میں، سید صاحب کے قول کے مطابق عصامی کی نسبت عصام حاجبِ نعمان بن منذر شاہ حیرہ سے ماخوذ ہے۔ معلوم نہیں یہ اُن کا اپنا قیاس ہے یا خود عصامی نے اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

بہر حال یہ دکن میں پیدا ہوئے اور ۷۵۰ھ میں انہوں نے علاء الدین حسن بہمن شاہ کے نام پر اسلامی فتوحات کی تاریخ لکھی جس میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر اپنے زمانے تک کا حال درج کیا۔

---

[1] عربی میں کن عصامیا ولاتکن عظامیا مشہور مثل ہے، جس سے عصامی وصفی کلمہ کے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ عصامی کی نسبت عصام (علم) کی طرف بھی ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ انساب سمعانی اور لب اللباب سیوطی میں یہ نسبت مذکور نہیں۔ ایک ہی گھرانے کے متعدد مصنفوں کی نسبت عصامی راقم کی نظر سے گزری ہے کیمبرج یونیورسٹی میں تاریخ عصامی کا نسخہ ہے جس کا مصنف عبد الملک بن حسین بن عبد الملک العصامی المتوفی ۱۱۱۱ھ ہے (کَ فہرست براؤن (ص ۲۴) و تکملہ فہرست ریو (مخطوطات عربیہ ص ۲۹۶)' تقدمۃ فی علم العربیہ متممۃ لمسائل الجرومیۃ کا مصنف جمال الدین عصامی ہے (فہرست گوتھا ۱: ۲۹۸) جو بظاہر عبد الملک کا پردادا ہے، عبد الملک کا دادا — م ۱۰۳۷ھ بھی کثیر التصانیف تھا +

فتوح السلاطین کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ[۱] میں ہے اور ایک نسخہ حیدر آباد دکن میں مولوی محمد غوث کے کتاب خانے میں بظاہر ان دونوں نسخوں سے سید صاحب موصوف نے اس نادر کتاب کو مرتب کیا ہے امید ہے کہ مدراس یونیورسٹی اس کتاب کو طبع کرا کر ان قیمتی کہنہ آثار کو حیات تازہ بخشیگی۔ سردست عصامی نامہ کے ذریعے سے عصامی سے دنیا کو روشناس کرنے کا سہرا سید یوشع کی کوشش کے سر ہے۔

(۵) - مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ج ۳ بابت ۱۹۳۵ء

یہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ کا رسالہ ہے جو سال میں ایک مرتبہ حیدر آباد دکن سے شایع ہوتا ہے۔ یہ اس مجموعہ کی تیسری جلد ہے جس کا حسب معمول ایک حصہ انگریزی اور دوسرا اردو مضامین پر مشتمل ہے۔ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ جلد میں تحقیق علمیہ کا معیار اگر بلند نہیں ہوا تو پرانی شان میں کمی بھی نہیں آئی۔ اردو کے حصے میں سب سے پہلا مضمون مولانا عبد الحق صاحب کا ہے جس کا عنوان یہ ہے "پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اردو کی قدیم ترین تفسیر جو مولانا کو دستیاب ہوئی ہے دسویں صدی کے اواخر یا گیارھویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے جو امین کی یوسف زلیخا (۱۱۰۹ھ) کی طرح کی ہے۔ اس کی زبان گجراتی اردو ہے، اور مذکورہ بالا کتاب سے ملتی جلتی ہے۔

مولانا نے اس کے علاوہ کچھ اور ترجموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حصہ اردو میں ایک مضمون بعنوان "سیف الدولہ حمدانی" پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔اے کا "عربوں کے تعلقات بزنطینی سلطنت سے" ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا اور "علاؤ الدین خلجی کی سیرت اور مسلک" سید سراج الدین احمد صاحب لکچرار تاریخ جامعہ عثمانیہ کا ہے۔

انگریزی کے حصے میں زیادہ تر سائنٹیفک مضامین ہیں، جو جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کرام کے لکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کا ایک مضمون "نادر شاہ کا حملہ اور نظام الملک کا ثالث بالخیر ہونا" نہایت دلچسپ اور محققانہ ہے۔

جامعہ عثمانیہ مستحق مبارکباد ہے، جس کا ریسرچ بورڈ تحقیق علمیہ کے متعلق بہت دلچسپی لے رہا ہے اور اس کی مساعی جمیلہ سے ملکی زبان میں قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے۔

(ڈاکٹر) سید محمد عبد اللہ ایم۔اے
پنجاب یونیورسٹی لائبریری

---

[۱] اس نسخہ کا حال فہرست مخطوطات انڈیا آفس ص ۵۵۹ پر دیا ہے، مرتب فہرست کے نزدیک عصامی غالباً وہی خواجہ عبد الملک عصامی ہے۔ جس کا ذکر برگز نے اپنی فہرست صفحہ ۱۸ پر کیا ہے۔

(۶) - **اسلامی طب** :- ازجناب ابن منظر قاضی معین الدین رہبر فاروقی ، ضخامت ۲۰۷ صفحات ، سائز ۲۲×۱۸/۸ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ، مجلد ایک روپیہ چار آنے - ملنے کا پتہ : من برج ہاؤس ، عابد بلڈنگ مصطفیٰ بازار حیدرآباد، دکن

علم طب کی جو خدمات مسلمانوں نے کی ہیں ، طبی دنیا اس کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ عربوں یا مسلمانوں کی طبی خدمات پر دنیا کی بیشتر زبانوں میں تالیفات موجود ہیں ، اور مزید کوششیں برابر جاری ہیں چنانچہ مختلف اہل قلم تحقیقی مقالے لکھتے رہتے ہیں اور بعض کتابیں تو ضخامت اور معلومات کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتی ہیں - یہاں ایک اہم فرانسیسی کتاب قابل ذکر ہے - فرانس کے قابل مؤلف *Leclerc* نے عربی علم طب کی تاریخ پر ایک نہایت مبسوط کتاب *Histoire De La Medecine Arabe* کے نام سے تالیف کی ہے ، یہ کتاب پیرس میں ۱۸۷۶ء میں طبع ہوئی - اس میں عربی علم طب کے تاریخی ارتقار پر ترتیب وار بحث کی گئی ہے ، اور صقلیہ ، فارس ، شام ، مصر ، مغرب اور اندلس وغیرہ حکما کے حالات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے - عربی زبان میں تو اس موضوع پر بکثرت کتابیں قلمی اور مطبوعہ ملتی ہیں چنانچہ حال ہی میں حداد سامی کے قلم سے ۹۵ صفحات کا ایک مختصر مگر مفید رسالہ "آثار العرب فی العلوم الطبیۃ" کے نام سے بیروت سے ۱۹۳۶ء میں شایع ہوا ہے - مگر اردو زبان میں اس موضوع پر بہت ہی کم سرمایہ موجود ہے ، لیکن چند اہل ذوق حضرات نے اس جانب توجہ فرمائی ہے ، اور آہستہ آہستہ یہ کمی پوری ہوتی نظر آ رہی ہے چنانچہ مختلف علمی اور تحقیقی رسائل میں وقتاً فوقتاً طب عرب پر مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں ، ضرورت تھی کہ کوئی باہمت اہل قلم اٹھیں اور اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھیں - قاضی رہبر فاروقی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو ادب میں ایک گرانقدر کتاب تالیف فرمائی ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی تو قرار نہیں دی جاسکتی ، مگر اس باب میں پہلی کامیاب کوشش ضرور ہے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ لائق مؤلف نے اس کتاب میں ۸۷ مضامین پر قلم اٹھایا ہے ، اور اختصار کے ساتھ بہت سی مفید معلومات یکجا جمع کردی ہیں - کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے : حصہ اوّل (از صفحہ ۱ تا ۸۷) میں عرب و دیگر سلاطین اور اطبار کی طبی مساعی کا ذکر ہے - بعض اہم مضامین درج ذیل ہیں : علم طب کی ابتداء ، طب ایام جاہلیت میں ، بنی امیہ اور طب ، طب خلفائے عباسیہ کی سیادت میں ، ویدک کی مختصر تاریخ ، علم ویدک کی کتابوں کے ترجمے ، طب اسلامی آل ساسان کی سرپرستی میں ، سلجوقیہ دور میں طب کا اعجاز ، اندلس میں طب ، مصری طب ، عہد غوریہ میں طب ؛ حصہ دوم (از صفحہ ۸۸ تا ۱۲۵) میں شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کارنامے مذکور ہیں اور حصہ سوم (از صفحہ ۱۲۶ تا ۲۰۷) دکن کے حکمرانوں اور دکنی طبیبوں کے حالات پر مشتمل ہے - حصہ دوم میں سلطنت مغلیہ تک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں ، مگر حصہ سوم میں چند ایک معاصرین کا ذکر بھی آگیا ہے ،

کتاب جابجا مفید معلومات سے لبریز ہے - مؤلف نے کتاب کی تالیف میں بہت محنت کی ہے اور مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو "طب اسلامی کی وقعت لوگوں کی نظروں میں دوبارہ پیدا ہو جائے" اور دوسری جانب صاحبان فن کو ان کے اسلاف کے کارنامے سنا کر گرمایا جائے - دوران بحث میں بعض نادر طبی مخطوطات کے ذکر نے اس کتاب کی قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے ، یہ امر موجب طمانیت ہے کہ علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ کتاب کی دلچسپی قائم رکھی گئی ہے ، اور مختلف ادوار میں فن طباعت کی ترقیاں ، آلات جراحی کی ایجادات ، شفاخانوں کے قیام ، اور اطبار کے حالات درج کئے گئے ہیں - باوجود ان خوبیوں کے کتاب نہایت مختصر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر اردو میں مبسوط اور جامع کتابیں لکھی جائیں ،

قارئین کرام سے پُرزور سفارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ ایک طرف تو مؤلف کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسری جانب آپ علم طب کے باب میں مسلمانوں بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی گرانقدر اور بیش بہا خدمات سے آگاہ ہوں -

عبدالقیوم - میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری - لاہور

(۷) - **المؤسی** (یادگار ولی) بابت خورداد ۱۳۴۶ف فصلی :- المؤسی طلبہ یونیورسٹی کالج حیدرآباد (دکن) کا علمی و ادبی رسالہ ہے - خاص نمبر یادگار ولی ہے - جو بتقریب جشن دوصد سالہ آدم ریختہ سید محمد ولی اورنگ آبادی المتخلص بہ ولی شایع ہوا ہے ٭ یادگار ولی منانے کی تحریک ابتدا میں سٹی کالج کی بزم ادب کی طرف سے شروع ہوئی اور ایک مجلس منتظمہ بنا دی گئی جو جامعہ عثمانیہ و سٹی کالج کے بعض اساتذہ پر مشتمل تھی اس مجلس نے حیدرآباد و بیرون حیدرآباد کے سربرآوردہ اہل قلم کو اس موقعہ پر علمی اعانت و تعاون کی دعوت دی اور مختلف جامعات کے طیلسانی و غیر طیلسانی طلبہ سے " اردو شاعری میں ولی کا رتبہ " کے موضوع پر مسابقتی مضامین لکھنے کی درخواست کی اسکے علاوہ دکنی اردو کے مخطوطات اور قدیم تصاویر کی نمایش کا اہتمام کیا ٭ یوم ولی کا پہلا اجلاس بصدارت نواب سالار جنگ بہادر ۲۴ فروری یوم چہارشنبہ کو ۲½ بجے شام منعقد ہوا - سب سے پہلے نمایش کا افتتاح کیا گیا اسکے بعد اجلاس میں اطراف ہند سے مختلف ارباب علم کے پیامات پڑھے گئے پھر نظمیں اور مقالے سنائے گئے

دوسرے دن کا اجلاس ۸½ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک رہا اس کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر نے فرمائی یہ ولی کی کرامت سے کم نہیں کہ وفات سے دو سو سال بعد اپنے ابنائے وطن سے خراج تحسین وصول کیا ٭ یہ خاص نمبر اس دو روزہ کاروائی کی روداد ہے جو چونتیس مقالات و نظموں اور ۲۰۲ صفحات پر شامل ہے اکثر مقالے دکن کے بلند پایہ معروف ارباب قلم کے نوشتہ ہیں اور ولی کے حالات و سوانح حیات - اسکی وطنیت و شاعری اور تلامذہ نیز اسکی سیرت کے دیگر پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں نظموں میں سید سکندر علی صاحب وجد اور غلام طیب صاحب پیام اور مولوی مخدوم محی الدین صاحب کی نظمیں اپنے حسن تخیل نزاکت ادا و اسلوب بیان کے لحاظ سے ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کرینگی

نمایش میں تقریباً پانسو مخطوطات جو تمام تر دکنی زبان سے تعلق رکھتے تھے منظر عام پر لائے گئے تھے - ان میں سے ۳۲۵ نسخوں کی ایک فہرست جو نمایش سے دو روز قبل تک وصول ہو چکے تھے شامل روداد ہذا ہے باقی کتابیں جو بعد میں آئیں بدقسمتی سے درج فہرست نہ ہوسکیں قدامت کے لحاظ سے مثنوی خوب ترنگ نوشتہ ۱۰۰۶ھ سیف الملوک و بدیع الجمال از ملا غواصی نوشتہ ۱۰۶۶ھ سب رس از ملا وجہی نوشتہ ۱۰۸۱ھ اور پھول بن از ابن نشاطی نوشتہ ۱۰۶۶ھ قابل ذکر ہیں نمایش میں ایک سو قلمی تصاویر قدیم و جدید بھی شامل تھیں جن میں سلاطین قطب شاہیہ و عادل شاہیہ اور ان کی بیگمات صوفیہ اولیا - خانوادہ آصفیہ ان کے درباری عمائدین اور شہزادگان کی تصاویر شامل تھیں - ہندوستان میں شاید یہ پہلا موقعہ ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر نمایش دکنی قلمیات کی گئی ہے -

طبقہ صوفیہ اپنے بزرگوں کے عُرس قدیم سے مناتا چلا آرہا ہے قدیم اساتذہ کی یادگار منانے کی رسم گو جدید ہے مگر نہایت مبارک ہے اس سے ہم میں صحیح وجدان ترقی پاتا ہے - اور بیداری کے آثار پیدا ہوتے ہیں - صحیح وطن پرستی اسی کا نام ہے اس مغرب زدگی کے دور میں ایسی تقریبات کا بروئے کار آنا نہایت مبارک فال ہے -

رسالہ ہذا نہایت اعلےٰ کاغذ پر چھپا ہے جا بجا بلاک کی تصاویر سے جو تعداد میں چوبیس ہیں اس کی دلکشی میں اور اضافہ ہوگیا ہے - لکھائی چھپائی نہایت نفیس - قیمت فی پرچہ ۸/ عہ ملنے کا پتہ :- دفتر المؤسی سٹی کالج حیدرآباد (دکن)

(حافظ محمود شیرانی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

اسماء شعرا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء)

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۲) بابت ماہ فروری ۱۹۳۸ء عدد مسلسل ۵۲

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا ۔

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض ومقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اوّل عربی، فارسی، پنجابی (حروف فارسی)، حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (حروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ۔

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۲ عہ اور اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا۔ کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ۔

خط وکتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط وکتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ۔

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ۔

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ۔

کلام منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

مسمطات۔ منوچہری اپنے کلام سے ایک کہنہ مشق شاعر معلوم ہوتا ہے اور اکثر عجیب عجیب قافیوں اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اس نے شعر گوئی کے نئے نئے طریقے نکالے۔ غالباً وہ سب سے پہلا فارسی شاعر ہے جس نے مسمط میں شعر کہا ہے۔ یہ نظم چند بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر بند میں چھ مصرع ہوتے ہیں جو ہم قافیہ ہوتے ہیں یا پہلے پانچ ہم قافیہ اور چھٹا یعنی آخری پہلے بند کے آخری مصرع کے ساتھ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ منوچہری کو مسمط کا موجد مانا گیا ہے اور اسے خود بھی اس بات پر ناز تھا چنانچہ کہتا ہے ؎ طاؤس مدیح عنصری خواند، دراج مسمط منوچہری۔

ان مسمطات میں منوچہری نے واقعات کے بیان کرنے میں بالکل ایک نئی طرز استعمال کی ہے۔ ایک مسمط میں اس نے انگوروں کی بیل کی نشو ونما سے لے کر شراب تیار ہونے تک کے تمام مختلف تغیرات کو تشبیہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ انگوروں کی بیل کو ایک ماں اور انگوروں کو اس کی متعدد بیٹیاں قرار دیا ہے۔ باغبان ان بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور ان کو اکثر دیکھنے کے لئے آتا رہتا ہے۔ اتفاقاً اسے چند روز کے لئے باہر کسی سفر پر جانا پڑتا ہے۔ واپسی پر وہ دیکھتا ہے کہ بیٹیوں کے خوبصورت چہروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے۔ اور وہ تمام کی تمام حاملہ ہو گئی ہیں (شیرہ کی وجہ سے بوجھل ہو گئی ہیں) یہ معلوم کر کے اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے۔ کہ یہ لڑکیاں بدمعاش ہیں۔ لڑکیاں عذر کرتی ہیں لیکن وہ ان کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اور ان کے سر کاٹ ڈالتا ہے .... یہی پیرایہ بیان آخر نظم تک چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شراب تیار ہو جاتی ہے، اس طرز کا لطف نظم کے پڑھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے چند منتخب شعر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

شاخ انگور کہن دختر کاں زاد بسے — کہ نہ از درد بنالید و نہ برزد نفسے

ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ بیش و نہ پسے — نہ ورا قابلۂ بود و نہ فریاد رسے

ایں چنیں آساں فرزند نزاد است کسے

کہ نہ دردے بگرفتہ متواتر نہ تبے

چوں نگہ کرد بداں دخترکاں مادر پیر — سیر بودند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر

کردشاں مادر بستر ہمہ از سبز حریر | نہ خورش دادمراں بچگاں زاد و نہ شیر

نہ شغب کرد آں بچگاں نہ ہیچ نفیر

بچۂ گرسنہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگانش بنہادند تن خویش برآب | نہ جہیدند و نہ جستند از آں بستر خواب

گرہ کردند سر پی محکم کردند رقاب | رویہا یکسرہ کردند بزنگار خضاب

دادشاں رزباں پیوستہ شرابے چو گلاب

نشد از جانبِ شاں غائب روزے و شبے

گفت پندارم کاں دخترکاں آنِ منند | چوں دل و چوں جگر و چوں تن و چوں جان منند

تا بباشند بریں رز دو مہمانِ منند | رز فردوسِ منست ایشاں رضوانِ منند

دریں باغ و دریں خان و دریں مانِ منند

دارم اندر سرِ شاں سبز کشیدہ سلبے

در چو بکشاد و بداں دخترکاں کرد نگاہ | دید چوں زنگی ہریک را دو روئے سیاہ

جائے جائے بچہ تاباں چوں زُہرہ و ماہ | بچۂ سُرخ چو خوں و بچۂ زرد چو کاہ

سرنگو نسار ز شرم و دو رو تیرہ ز گناہ

ہر یکے باشکم حامل و پُرنار لبے

رزباں را بدو ابروے برافتاد گرہ | گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ایں بلائے بچگاں در حقِ من آمد زہ | ہمہ آبستن گشتند بیک شب کہ و مہ

نیست یک تن بمیانِ ہمگاں ایدر بہ

ایں چنیں زانیہ باشند بچۂ ہر عنبے

دخترانِ رز گویند کہ ما بے گنہیم | ما تنِ خویش بدستِ بنی آدم ندہیم

ما ہمہ سر بسر آبستن خورشید و مہیم | ما تو انیم کہ از خلقِ جہاں دور جہیم

نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ برہیم
زآفتاب و مہ ماں سُود ندارد ہر بے

روز ہر روز بے خورشید بتا بد بر ما خویشتن برنگند برتن ما و سرما
چوں شب آید برود خورشید از محضر ما ماہتاب آید و بر چپد و پیکر ما
ویں دو تن دُور نگردند ز بام و درِ ما
نکند ہیچ کس ایں بے ادباں را ادبے

منوچہری کا ایک محبوب ترین موضوع

اس نظم کے علاوہ اور بہت سی نظموں میں منوچہری زچگی، حمل، دایہ۔ شیرخوارگی اور دردِ زہ وغیرہ امور کا عام ذکر کرتا ہے، وہ تمام چیزوں مثلاً زمین، بادل، سیب، انار وغیرہ سب کو حامل خیال کرتا ہے مثلاً ؎

و اندر شکمش خورد ک خورد ک دو سہ گنبد ، زنگی بچۂ خفتہ بہر یک چوں قار

یا مثلاً ؎ یک دختر دوشیزہ بدو رخ ننماید اِلّا ہمہ آبستن وِ اِلّا ہمہ بیمار

خُم شراب کے بارہ میں کہتا ہے ؎

چو آبستاں اشکم آوردہ پیش چو خرما بُناں پہن فرقِ سرے

اس نے زمانہ اور موسم کو بھی حامل قرار دیا ہے ؎

زمانہ حاملِ ہجر است و لابُد نہد یک روز بارِ خویش حامل

اور ؎ باز جہاں خرّم و خوب ایستاد مُرد زمستان و بہاراں بزاد

زمین اور مرغانِ چمن کے متعلق کہتا ہے ؎

خاک پنداری بماہ و مشتری آبستن است مرغ پنداری کہ ہست اندر گلستاں شیرخوار
آں یکے گویا چرا شد نارسیدہ چوں مسیح واں دگر بے شوئے چوں مریم چرا بر داشت بار

بارش کے قطرے پھولوں کے بچّوں کے لئے دودھ کا کام دیتے ہیں ؎

واں قطرۂ باراں سحر گاہے بنگر بطرف گُل ناشگفتہ بر سیار

ہمچو پستان پر یروئے عروساں　　　واندر سر پستان بشیر آمدہ ہموار

رات ہر روز ایک بچہ دیتی ہے ؎

شبے گیسو فروہشتہ بدامن　　　پلاسش معجر و قیریش گرزن
بکردار زنے زنگی کہ ہر شب　　　بزاید کودکے بلغاری آں زن

ایک انار کے ہاں تین سو لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں ؎

آں نار ہمیدوں بزنِ حاملہ ماند　　　واندر شکم حاملہ مشتے پسرانست
مادر بچہ را یا دو پسر آردیا سہ　　　وین نار چرا مادر سیصد بچگانست
انگور سیاہ است وچو ماہ ہست عجب نیست　　　زیرا کہ سیاہی صفت ماہ رویانست
عیبش جز ایں نیست کہ آبستن گشتہ　　　او نیز یکے دختر کے تازہ جوانست
بے شوئے شود آبستن چوں دختر عمراں　　　ویں قصہ بسے خوب تر و خوشتر ازانست
زیرا کہ گر آبستنِ مریم بدہاں بود　　　ایں دخترِ رز را نہ لب است و نہ دہانست
آبستنئ دخترِ عمراں بہ پسر بود　　　وآبستنئ دختر انگور بجانست

اِس کے ہاں بادل بھی حامل ہے ؎

کنارِ آبداں گشتہ بشاخِ ارغواں حامل　　　سحابِ ساجگوں گشتہ بطفلِ عاجگوں حبلیٰ

الغرض تقریباً تمام دیوان ایسے خیالات سے پُر ہے

منوچہری کی قوّتِ بیان

منوچہری غیر جاندار چیزوں کی تعریف اور بیان کرتے وقت ایک غیر معمولی ہستی معلوم ہوتا ہے۔ خواہ وہ چیز طبعی ہو مثلاً قوس و قزح کا ظہور یا موسلا دھار بارش کا نزول وغیرہ اور خواہ مصنوعی مثلاً شمع یا قلم یا خم یا شراب وغیرہ۔ یہی حال نباتی اشیاء کے بیان کا ہے۔ مثلاً سیب۔ سنگترہ یا نارنگی وغیرہ۔ چنانچہ چند ایک مثالیں توضیح مقام

کاکام دیں گی ؎

بنگر بہ ترنج اے عجبے دار کہ چون است
پستانئے سخت است و درازاست و نگون است

زرد است و سپید است و سپیدیش فزون است
زردیش برون است و سپیدیش درون است

چوں سیم درون است و چو دینار برون است
آگندہ براں سیم درون لؤلؤے شہوار

اپنے ممدوح کے ایک محل کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

ایں قصرِ خجستہ کہ بنا کرد امسال
با غرفۂ فردوس بفردوس قرین است

چوں قدرِ تو عالی و چو روئے تو کشادہ
چوں عہدِ تو نیکوی و چو حلمِ تو رزین است

چوبش ہمہ از صندل و از عودِ قماری
سنگش ہمہ از گوہر و یاقوت ثمین است

آبش ہمہ از کوثر و از چشمۂ حیواں
خاکش ہمہ از عنبر و کافورِ عجین است

اسی طرح ایک خمِ شراب کا ذکر یوں کیا ہے ؎

چنیں خواندم امروز در دفترے
کہ زنداست جمشید را دخترے

سفالیں عروسے بمہرِ خدا اسے
بروبرنہ زرّے و نہ زیورے

بہ ابستہ سفالیں کمر ہفت ہشت
فگندہ بسر برتنک معجرے

بسے خاک بر نشستہ بر فرقِ او
نہادہ بسر بر گلیں افسرے

ہمی بوئے مشک آیدش از دہاں
چو بوئے بخور آید از مجمرے

بسا غرلب خویش بردم فراز
مرا ہر لبے گشت چوں شکرے

ایک گھوڑے کی تعریف جو ممدوح نے اسے عطا کیا تھا ملاحظہ ہو ؎

آفریں زاں مرکب شبدیز نعل و رخش روے
اعوجے مادرش و آں مادرش را یحموم شوے

گاہِ بر رفتن چو مرغ و گاہ پیچیدن چو مار
گاہ راہواری چو کبک و گاہِ برجستن چو گوے

چوں نہنگاں اندر آب و چوں پلنگاں بر جبال
چوں کلنگاں بر ہوا و ہمچو طاؤساں بکوے

ابر سیر و باد گرد و رعد بانگ و برق جہ
کوہ کوب و سیل برو شخ نورد و راہ جوے

چونکہ یہ گھوڑا بغیر زین کے ملا تھا اس لئے آخر میں کہتا ہے ؎

این چنین اسپے مرادادست بے زین شہریار اسپ بے زین آنچناں باشد کہ بے دستہ سبوے

آئندہ اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات روزگار کا سماں دکھلایا ہے ؎

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی چو آشفتہ بازار بازار گانی
بدرد کساں صابری اندر و تو ببدنامیٔ خویش ہم داستانی
بہر کار کردم ترا آزمایش سراسر فریبی سراسر زیانی
وگر آزمایت صدبار دیگر ہمانی ہمانی ہمانی ہمانی
غمیں تر کسی آنکش غنی تر کنی تو فروتر کسی آنکش تو برتر نشانی
ہمہ روز ویراں کنی کار مارا نترسی کہ یک روز ویراں بمانی
ستانی ہمی زندگانی ز مردم از ایرا درازت بود زندگانی
بزرق تو ایں بار غرہ نگردم گر انجیل و توراۃ پیشم بخوانی

ایک قصیدہ میں طلوعِ آفتاب، ہوا کے چلنے، بجلی کے چمکنے، کڑک، طوفان باران اور سیلاب وغیرہ امور طبعیہ کا نظارہ بدیں الفاظ پیش کیا ہے ؎

سر از البرز برزد قرص خورشید چو خوں آلودہ دزدے سر زمکمن
بکردار چراغ نیم مردہ کہ ہر ساعت فزوں گردد ز روغن
برآمد باد از اقصائے بابل ہبوبش خارہ در و بارہ افگن
تو گفتی کز ستیغ کوہ سیلے فرود آرد ہمی احجار صدمن
ز روئے بادیہ برخاست گردے کہ گیتی کرد ہمچوں خز ادکن
بجنبد ہر زماں از میغ برقے کہ کردے گیتیٔ تاریک روشن
چناں آہنگرے کز کورۂ تنگ بشب بیروں کشد رخشندہ آہن
خروشے برکشیدے تند تندر کہ موئے مرداں کردے چو سوزن

بلرزید ے زمیں از زلزلہ سخت | کہ کوہ اندر فتاد ے زو بگردن
تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے | بلرزاند زرنج پشگاں من
فرو بارید بارانے ز گردوں | چناں چوں برگِ گل بارد زگلشن
ز صحرا سیلہا برخاست ہر سو | دراز آہنگ و پیچان و زمیں کن
نماز شامگاہاں گشت صافی | ز روئے آسمان ابرِ معکن

مندرجہ بالا اشعار ہمارے خیال میں نہائت اعلےٰ پایہ کے ہیں، اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایسے امور کا نقشہ کھینچنا ناممکن ہے، اسی طرح موسم بہار کا ذکر تقریبًا تمام شعرائے ایران نے کیا ہے، لیکن جو قدرتی تصویر منوچہری نے کھینچی ہے اس کی مثال متأخرین و متقدمین میں سے کسی سے بن نہیں آئی۔ وہ صرف گل و بلبل کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سامعین کو ہر ایک درخت، پھل، پھول، پتّے، شاخ اور تمام قدرتی چیزوں خصوصًا پرندوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، چنانچہ ایک مسمط کے دو بند ملاحظہ ہوں جو موسم بہار پر ہے ؎

روئے گل سرخ بیا راستند | زلفکِ شمشاد بہ پیراستند
کبکاں بر کوہ بتگ خاستند | بلبلکاں زیرِ ستا خواستند
فاختگاں ہمبر بنشاستند | نائے زناں بر سرِ شاخِ چنار
طوطیکاں بر گلکاں تاختند | آہوکاں گوش برافراختند
گورخراں میمنہا ساختند | زاغاں گلنار بہ پرداختند
بے دلکاں در پئے دل تاختند | با ترکانِ چگل و قندھار

ایک اور مسمط کا بھی یہی حال ہے۔ نمونہ یہ ہے ؎

کبکاں بے آزار کہ بر کوہ بلندند | بے قہقہہ یکبار نہ بینیم کہ بخندند
جز خار بناں جائگہِ خود نہ پسندند | بر پہلو ازیں نیمہ بداں نیمہ بدندند
ہر ساعتکے سینہ بمنقار برندند | چوں جزع بر سینہ و چوں لبد بہ منقار

ایک اور مسمط کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

چوک زشاخ درخت خویشتن آویختہ	زاغ سیہ بردو بال غالیہ آمیختہ
ابر بہاری زدور اسپ بر انگیختہ	وز ہیم اسپ سیاہ لؤلؤ تر ریختہ
در دہن لالہ باد ریختہ و بیختہ	بیختہ مشک سیاہ ریختہ در ثمیں

ایک قصیدہ میں بارش کا سماں دکھلایا ہے، کبھی دھیمی اور کبھی موسلا دھار۔ تالاب کی سطح پر اس کے قطرے گر کر مختلف شکلوں کے بلبلے پیدا کرتے ہیں ؎

آں قطرۂ باراں بیں از ابر چکیدہ	گشتہ سر ہر برگ ازاں برگ بہ آثار
آویختہ چوں ریشۂ دستار جہ سبز	سیمیں گرہے بر سر ہر ریشہ دستار
یا ہمچو زبرجد گوں یک دستہ سوسن	اندر سر ہر سوزن یک لؤلؤ شہوار
ہمچوں سر پستان پریدے عروساں	واندر سر پستاں بر شیر آمدہ ہموار
بر برگ گل نسریں آں قطرۂ دیگر	چوں قطرۂ خوے بر زنخ لعبت فرخار
واں دائرہا بنگر اندر شمر آب	ہرگہ در آں آب چکد قطرۂ امطار
چوں مرکز پرکار است آں قطرۂ باراں	واں دائرۂ آب بسان خط پرکار

اسی طرح کسی چیز کے بیان میں وہ عرفی اور جبلی کی طرح محض عام یا پیچیدہ تشبیہات و استعارات کو جمع نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے سامنے اس کا صحیح صحیح مرقع کھینچ دیتا ہے، چنانچہ ممدوح کے گھوڑے کی تعریف میں کہا ہے ؎

حبذا اسپ محجل مرکب تازی نژاد	نعل او پرویں فشاں وسم او خارا شکن
چوں زبانہ اندر آتش چوں سلحفاۃ اندر آب	چوں نعائم در بیاباں چوں بہائم در قرن
رام زین و خوش عنان و کش خرام و تیز گام	شخ نورد و راہ جوے و سیل بر و کوہ کن
خش باد او لاغر و شبدیز با او کندرو	ورد با او ارجل و یحموم با او اثر کہن

وہ تشبیہ و استعارات کے استعمال میں ایسا ماہر ہے۔ کہ باوجود کثرت کے وہ بالکل نئی اور مرکب

ہوتی ہیں۔ اس کے الفاظ فصیح اور تشبیہات دلکش اور مؤثر ہیں ؂

منوچہری کا لُغز اور چیستان

منوچہری نے بعض قصیدے لُغز میں کہے ہیں۔ جن میں ممدوح کی تعریف استعارات کے پیرایہ میں کرتا ہے۔

مثلاً ؎

اے پیکرِ منوّر محرور خوں چکاں | ثعبانِ آتشیں دم روئینہ استخواں
روشن درون ونقبۂ دل گرم و اژ خلے | آتش نہاد خاکی و معمور دوداں
ہموارہ در فضائے تو ہم دیو و ہم پری | پیوستہ در ہوائے تو ہم پیر و ہم جواں
خاک است طینتِ تو و آب ہم مزاج | دلو است طالعِ تو و با حُوت ہم عناں
محروری و تو دفعِ حرارت کنی بآب | لیکن ترا بفرطِ رطوبت بود زیاں
در آب و آتشی ز دلِ گرم و چشم تر | چوں دشمنانِ خسرو کیخسرو آستاں

لغز شمع

اے نہادہ بر میانِ فرقِ جانِ خویشتن | جسم ما زندہ بجان و جانِ تو زندہ بہ تن
کو کبی آرے ولیکن آسمانِ تست موم | عاشقی آرے ولیکن ہست معشوقت لگن
چوں بمیری آتش اندر تو رسد زندہ شوی | چوں شوی بیمار بہتر گردی از گردن زدن
تو مرا مانی بعینہ من ترا مانم درست | دشمن خویشیم ہر دو و دوستدارِ انجمن
آنچہ من بر دل نہادم بر سرت بینم ہمی | آنچہ تو بر سر نہادی در دلم دارد وطن

مندرجہ[1] ذیل قصیدہ بھی شمع کی چیستان میں ہے ؎

چیست آں شخصے چو زریں سرو و چوں سمیں بدن
خویشتن سوزان و گریاں و گدازاں ہم چو من

---

[1] رضا قلی خاں کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ منوچہری کا نہیں کیونکہ دو قصیدہ (۳۳ اور ۸۶) ایک ہی بحر و قافیہ میں ایک ہی مضمون پر ایک ہی شاعر سے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خیال میں غالباً یہ قصیدہ رافعی نیشاپوری کا ہے اور غلطی سے منوچہری کی طرف منسوب ہو گیا ہے (مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۵۴) ۱۲ منہ

بارغ او بزمِ سلاطین جائے او صدرِ شہاں
بار اِو زرّیں سلاسل نیخِ او سیمیں لگن
آختہ چوں خنجرِ ہندی زبانے واں زباں
ہرچہ بہ برّند پنداری کہ بہ گوید سخن

دیوان کی زبان

غزنوی دَور کے شعرا کی زبان اور موجودہ فارسی شعراء کی زبان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ چنانچہ شاہ نامہ میں بے شمار الفاظ ملیں گے۔ جو یا تو متاخرین کے ہاں بالکل متروک ہو گئے یا ان کی صورت یا معنی میں کوئی تبدیلی ہو گئی۔ اسی طرح منوچہری کے کلام میں بھی ایسے الفاظ عام ہیں۔ ہم چند الفاظ کی فہرست ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اور ان کے معانی بھی لکھتے ہیں۔ مگر یہ صرف بطور نمونہ ہے:۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بکماز	شراب	نوز	ہنوز
زمی	زمیں	لاد	خاک
چار چار کردن	دشمن کا مقابلہ کرنا	نہمار	کثرت
مشاق	میثاق	کاہل	کتف
بارہ	اسپ	راح	مرہم
سرون	شاخ	چمچاخ	خمیدہ
سعتری	معشوق	ہین	سیلاب
کش	خوش	ہیون	شتر
شطب	میانِ تلوار	پرّ (مشدد)	پر
آہو	عیب	خشوک	بدمعاش
آژیر	نیار	گوارہ	گھوارہ

معنی	لفظ	معنی	لفظ
ہوشیاری	ہڑیراں	استخواں	ستیخوں
میخ آہن	کرنا	دایہ	لالا
کریہ منظر	ظلیع	دروغ	مخرفہ
نشانہ	برجاس	تونڈ	غربت
زر	رنگ	گوارندہ	نوشنجہ

صنائع وبدائع

صنائع وبدائع کے استعمال کے لحاظ سے بھی منوچہری کا کلام دیگر شعرائے فارسی سے کم نہیں۔ چنانچہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

تجنیس:۔ چو برگشت ازمن آں معشوقِ مشوق + نہادم صابری راسنگ بردل

لف ونشر مرتب:۔

تیغ اُو ورمح اُو وتیر اُو وگرزِ اُو　　دستِ اُو وجام اُو وکلکِ اُو وپالہنگ

گاہِ ضرب وگاہِ طعن وگا .. می وگاہِ قید　　گاہِ جُود وگاہِ بزم وگاہِ حظ وگاہِ جنگ

یا مثلاً گوش وپہلو ومیان وکتف وجبہہ وساق　　تیز وفربہ وزار وقوی وپہن ودراز

تنسیق الصفات:۔

رہ برو شخ شکن وشاہ دل وتیز عناں　　خوش رو وسخت سم وپاک تن وجنگ آغاز

برقِ جہ بادگذر یوز دو وکوہ قرار　　شیردل پیل قدم گورتک آہو پرواز

مراعاۃ النظیر:۔

بوستاں چوں مسجد وشاخِ درختاں در رکوع　　فاختہ چوں مؤذن وآوازِ اُو بانگِ نماز

ردالعجز علی الصدر:۔

دو ساعد را حمائل کرد بامن　　فرو آویخت ازمن چوں حمائل

اور　افاضل نزدِ تو نازند ہموار　　کہ زی فاضل بود قصدِ افاضل

اور:۔ درزغن ہرگز نباشد فرِّ اسپِ راہوار ٭ گرچہ باشد چوں صہیل اسپ آوازِ زغن

جمع :۔ مجلسے سازم با بربط و چنگ و رباب ٭ با ترنج و بہی و نرگس و با نقل و کباب

حسن التعلیل :۔ ستانی ہمی زندگانی ز مردم ٭ ازیرا و رازت بود زندگانی

سیاقۃ الاعداد :۔

نہ یکے و نہ دو و نہ سہ و ہشتاد و دو بیست　ہرگز ایں دخت بسودن نتواند عربے

جمع و تقسیم :۔

کنارِ آبداں گشتہ بشاخ ارغواں حامل　سحاب ساجگوں گشتہ بطفل ماجگوں حبلیٰ

یکے چوں دیدۂ یعقوب و دیگر چوں رخِ یوسف　سہ دیگر چوں دلِ فرعون چہارم چوں کفِ موسیٰ

یہ تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ٭

اطراد :۔ ملکِ شیر دل پیل تن پیل نشیں　بوسعد بن ابوالقاسم بن ناصر دیں

ترصیع :۔ کاتبت را گو نویس و خازنت را گو بسنج　ناصحت را گو گزار و حاسدت را گو گزار

یا　ہر دو گریانیم و ہر دو زرد و ہر دو در گداز　ہر دو سوزانیم و ہر دو فرد و ہر دو ممتحن

یا　ژالۂ باراں زدہ بر لالۂ نعماں نقط　لالۂ نعماں شدہ از ژالۂ باراں نگار

تجنیس مزدوج :۔

بارخت اے دلبرِ عیار یار　نیست مرا نیز دگر بار بار

دو زخِ رخشانِ تو گلنار گشت　بر دلِ من زحیتہ گلنار نار

چشمِ تو خونخوارہ و ہر جادوئے　ماندہ ازاں چشمکِ خونخوار خوار

بندہ وفادار و ہوا خواہِ تست　بندہ ہوا خواہ و وفادار دار

دادکن اے کودک و بردار جور　منبر بیش آور و بردار دار

اے تو دل آزار و من آزردہ دل　دل شدہ زآزارِ دل آزار زار

ذو قافیتین :۔ ساقی بیا کہ امشب ساقی بکار باشد ٭ زاں دہ مرا کہ رنگش چوں گل انار باشد

مے دہ چہار ساغر تا خوشگوار باشد — زیرا کہ طبع عالم ہم بر چہار باشد
ہم طبع را بہ بندش فرزانہ وار باشد — تانہ خروش باشد تا نہ خمار باشد
نے نے دروغ گفتم ایں چہ شمار باشد — بارے بنبید خوردن کم از ہزار باشد

تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ؛

موسیقی و ترنم۔ برخیز ہاں اے جاریہ مے در فگن در باطیہ — آراستہ کن مجلسے از بلخ تا ارمینیہ
آمد خجستہ مہرگاں جشن بزرگ خسرواں — نارنج و نار و ارغواں آورد از ہر ناحیہ
یا — اے لعبت حصاری شغلے دگر نداری — مجلس چرا نسازی بادہ چرا نیاری
یا — اے نہادہ بر میان فرق جان خویشتن — جسم ما زندہ بجان و جان تو زندہ بتن
اور — نوروز بر نگاشت بصحرا بہ مشک و مے — تمثالہائے عزّہ و تصویر ہائے مے
اور — جہانا چہ بد مہر و بدخو جہانی — چو آشفتہ بازار بازار گانی
یا — سلامٌ علےٰ دارِ اُمّ الکَواعِبْ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
اور — ہمی ریزد میان باغ لؤلؤہا بزیورہا — ہمی سوزد میان راغ عنبرہا بمجمرہا

اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں جمع کی جاسکتی ہیں ؛

خاتمہ الغرض منوچہری کا کلام واقعیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایران کے فلک سخنوری پر ایک زخشندہ ستارہ ہے جو انشاء اللہ ابدالآباد تک چمکتا رہے گا۔ اگر اس کے صرف اس کلام کا انتخاب کرکے جو طبعی امور مثلاً بادل، سیلاب، ہوا، صحرا، پھل، پھول اور جانوروں کے نغموں وغیرہ پر مشتمل ہے، ایک مجموعہ تیار کیا جائے تو وہ ایک قدرتی فلسفیانہ شاعری کا ایک اعلیٰ نصاب معلوم ہوگا۔ اگرچہ اس نے کوئی مثنوی نہیں لکھی جو ہماری قوتِ بیان میں بہت حد تک اضافہ کرتی تاہم تقریباً تمام قصائد میں اس کا طرز بیان کچھ ایسا ہے کہ ایک صاحب فراست آدمی جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس سے بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے ؛

(باقی دارد)

تتمہ ا۔

اختلافات قرأت کی فہرست

ہم صدر مضمون میں لکھ چکے ہیں۔ کہ منوچہری کے کلام کی اشاعت بہت عام نہیں ہوئی۔ اگرچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ مگر ہماری نظر سے صرف تین مطبوعہ ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ گذرا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اخیر مضمون پر ہم تینوں مطبوعہ ایڈیشنوں کے اختلافات قرأت کی فہرست پیش کریں گے۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ طہران ہے۔ جسے میرزا حسن خوانساری نے ۱۸۷۹ء میں مرتب کیا۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مشہد ہے۔ جو ۱۸۹۴ء میں طبع ہوا اور تیسرا مطبوعہ پیرس ہے جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہوا۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں جرمنی زبان میں پورا ترجمہ اور نوٹ موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن خیال کیا جاتا ہے۔ ایڈیشن مطبوعہ مشہد نامکمل ہے۔ جس میں صرف پہلے ۶۴ قصائد موجود ہیں۔ ذیل میں ہر سہ ایڈیشن کے اختلافات کی فہرست دی جاتی ہے :-

	پیرس ایڈیشن	طہران ایڈیشن	مشہد ایڈیشن
قصیدہ ۱ شعر ۹	ہمہ دیدہ زعبہر ہا	ہمہ دیدہ زعنبر ہا	ہمہ دیدہ زعبہر ہا
۱۰	گل دورو جہان چون مہر ہا بر دو پیکر ہا	گل دورویہ چوناں چوں قمر ہا در دو پیکر ہا	گل دورویہ چوناں مہر ہا در دو پیکر ہا
۱۵	برشاخ	درباغ	برشاخ
۱۸	نیکو بہارستاں	زیبانگارستاں	زیبانگارستاں
	خراماں	گرازاں	گرازاں
۱۹	بباختر ہا	بخاور ہا	بخاور ہا
۲۰	بہ حلم تو	بہ حکم تو	بہ حکم تو
قصیدہ ۲ ۳	چوں	کے	کے

۶ع یکے پیرہن	بتن پیرہن	بتن پیرہن
۱۳ع دہانش	دہانش	دہانش
قصیدہ ۴ ع۱ خونِ انگور	آبِ انگور	
۱۰ع قدح	قدم	
قصیدہ ۶ ع۶ زیرش	چنگش	
۵ع صواب است	ثواب است	
قصیدہ ۷ ع۷ یرقان است	خفقان است	خفقان است
۲۰ع عیبِ تنش این است	عیبش جز این نیست	عیبِ تنش این است
۴۲ع شریاں	رگ را	رگ را
قصیدہ ۸ ع۳۴ غائب نشود	بیروں نرود	بیروں نرود
قصیدہ ۹ ع۶ جعد	زلف	زلف
۲۰ع مصر	روم	مصر
قصیدہ ۱۱ ع۱۱ کمان	کمند	کمند
قصیدہ ۱۲ ع۱۱ درکارہاء دنیا	باکارہاء عقبیٰ	درکارہاء دنیا
۲۳ع نوبہار	روزگار	روزگار
۳۱ع ایزد	یزداں	ایزد
قصیدہ ۱۴ ع۱۴ باغِ بہاری	بادِ بہاری	بادِ بہاری
قصیدہ ۱۶ ع۳۳ اعتقاد	اقتباس	اختیار
قصیدہ ۱۷ ع۲۶ زود آتش بلند	زیں آتشے سیاہ	زیں آتشے بلند
قصیدہ ۳۱ ع۲۳ از میغ	چوں میغ	زاں میغ
قصیدہ ۳۴ ع۶ راحت	ہستی	دست

قصیدہ ۳۵ (۴۵/۸)	خیل الاخسرین	خیل الآخرین	خیل الآخرین
قصیدہ ۳۷ (۹/۶)	بے شراک	باد پاے	بے شراک
قصیدہ ۶۸ (۴۲/۱۲)	قیصر	قیس	
قصیدہ ۸۶ (۹/۶)	پری پیکر	نکو پیکر	
قصیدہ ۹۱ (۲/۷)	بدخوی	بدخواہ	
قصیدہ ۹۲ (۴/۷)	بادہ	بمذہب	

ہم نے طوالت کے خوف سے صرف چند ایک اختلافات پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ فہرست اختلافات تقریباً اس سے دس حصے زیادہ لمبی ہے ۔

تتمہ ب

تشخیص اغلاط

صفحہ/سطر	غلط	صحیح	صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵/۸	کبک بر	کبک نر	۶/۳۱	بہار	بہارے
۷/۵۸	دربارت	دربارت	۷/۵۹	استقامت	استقامتہا
۸/۱۱	بوسہ دادہ	بوسہ بدادہ	۱۰/۲۴	اورا	ورا
۱۲/۳	کشید	کشیداو	۱۵/۲۱	دیگر	دگر
۱۶/۲۲	ماہ رویان است	ماہ روان است	۱۸/۲۲	و	ور
۱۹/۲۰	برگل برباز	برگل وبربار	۲۶/۱۴	ربانش	زبانش
۲۷/۱۵	بقول عمل	بقول وعمل	۳۳/۶	زندباف زندخواں	زندباف وزندخواں
۳۶/۱۴	بخاری	بخواری	۴۷/۶	’کردی‘ اور ’زنیسو‘ کے درمیان واو چاہیئے	
۴۷/۲۳	دواند	دواند	۵۱/۱۹	برگِ سرخ	لبگلِ سرخ

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵۲/۱۵	ہرگز	مرکز
۵۳/۱۰	بُود	بُد
۵۴/۱۶	بیش صد	بیش از صد
۵۴/۱۹	بہ معذورم	نہ معذورم
۵۶/۸	بریرہ	بررہ
۵۷/۴	منکرّ	منکرَ
/۱۸	چاکرو	چاکر
۶۳/۲	دلخواہن	دلخواہاں
۶۴/۴	'دل' اور 'ستم' کے درمیان واؤ چاہیئے	
/۱۱	گرچتو	گرچہ تو
۶۷/۴	چنیں	چونیں
/۷	نہند	نہد
۷۷/۱۸	حرکت	حرکات
۸۳/۴	خورشید	خورشیدے
/۱۲	ابجدار وکل من	ابجدراوکلمن
۸۶/۸	تو تن ہمی پوشی بر پیرہن	تو تن پوشی ہمی بر پیرہن
۹۱/۱	کشش خرام شیر گام	کشش خرام و تیز گام
۹۲/۴	حورا	جوزا
۹۳/۲	'بے حذر' اور 'از' کے درمیان 'باشد' زیادہ کرو ۔	

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۹۵/۲۴	'مدح' اور 'تشبیہ' کے درمیان واؤ زیادہ کرو	
۹۶/۱۱	الاابصحنك	الاھبی بصحنك
۱۰۲/۸	'او' اور 'وجیہ' کے درمیان واؤ بڑھاؤ	
۱۰۳/۱۴	دورخ	دوزخ
۱۰۷/۸	ماویہ	ماریہ
/۱۱	روز	روزے
۱۱۹/۱۸	سپاری	تباری
۱۲۱/۹	نشینی	بہ نشینی
۱۲۲/۴	'د' اور 'گل' کے درمیان 'با' زیادہ کرو ۔	
۱۲۴/۱۶	ضمیراں	ضیمراں
۱۲۵/۱۷	'مرمکے' کے بعد 'است' زیادہ کرو ۔	
۱۲۶/۹	مہتر کنتر	مہتر و کمتر
۱۲۷/۹	ہستی	ہینی
۱۲۸/۲۱	مسہد	مشہد
۱۳۰/۴	معشوق و معشوق	معشوق و مشوق
۱۳۱/۱۴	او دہانش	او ہم دہانش
	یاقوت بیجادہ	یاقوت و بیجادہ
۱۳۲/۸	بپرسیدے	نترسیدے
۱۳۵/۹	زشتی	زشت
۱۳۷/۱	گر	اگر

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۱۴۱/۱	ازرمبنی	زرمبنی
۱۴۲/۴	وہنی	ہنی
۱۴۶/۲	'جنتہ العدن' اور 'چہارم' کے درمیان واؤ چاہیے	
۲۱	'بے درد' اور 'دوم' " " "	
۱۵۰/۱۴	بنرزد	بیرزد
۱۵۲/۱۵	گلاب لولو	گلاب خوش ولولو
۱۵۵/۲	برند	بزند
۱۵۵/۴	'سر' اور 'پہلو' کے درمیان واؤ ڈالو	
۱۵۶/۲۴	کس را	کسے را
۱۵۷/۱۴	خارجہاں	خارجیاں
۱۵۹/۵	از	ز
۱۶۱/۱	چوی	چوں
۴	آویجیت	آویخت
۴	بچگاں را	بچگاں
	'دور' اور 'بے تند' کے درمیان 'ہمہ' بڑھاؤ	
۱۱	بچگاں نہ ہیچ نفیر	بچگان و نہ نفیر
۱۴	چوں زائد ہے	
۱۶	دہاشاں	رہاشاں
۱۶۲/۱۳	درخویش	زرخویش
۱۶۷/۲۱	نہادہ	بنہادہ

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۱۶۸/۹	'پسر' اور 'خویش' کے درمیان 'از' بڑھاؤ	
۱۰	'درون' اور 'کردہ' کے درمیان واؤ ڈالو	
۲۲	بندہ	پسندہ
۱۶۹/۱۴	شوکہ	گوشہ
۱۷	معبود	مسعود
۱۷۳/۱۴	ادحرب	ابوحرب
۲۲	مسکن	مسکنش
۱۷۴/۹	روندہ	دروروندہ
۱۷۶/۹	نماز	نمازے
۲۴	'وگاہ' میں واؤ زیادہ ہے	
۱۷۸/۴	سہ یکے	تو سہ یکے
۱۷۹/۲۴	عروس	عروسے
۱۸۱/۱۵	زمین بوقلموں	زمیں برنگ بوقلموں
۱۸۳/۱	خفت	بخفت
۲	نازوخلف	نازوصلف
۱۸۴/۲۲	برو برو	بر رُو بزد
۱۸۷/۸	نفرمود	نفرمودی
۲۱	خوردن	خورد
۱۸۸/۲۱	برچید	برچد
۲۴	بسر	بسرش

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۸۹/۸	دیگر	دگر
۲۱	"گرد" اور "دشتہا" کے درمیان "ہمہ" بڑھاؤ	
۱۹۰/۱	برج	برجِ حمل
۷	اندر	اند
۱۹۴/۵	کارازاصل	کاررازاصل
۱۹۵/۱۲	از	ز
۱۹۶/۲۲	خروش	اخروش
۱۹۷/۳	راستیش	راست نشینش
۱۰	تو	ده
۱۹۹/۳	زندوافاں	زندبافاں
۱۴	اوراست	است اورا
۲۰۰/۲۲	کرزد	کرد

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲۰۱/۲	بخوروشید	بخروشید
۱۴	معشوقہ	معشوق
۱۶	دوز	دور
۱۹	بالشکر	بلشکر
۲۰۵/۱	را	ار
۱۱	طنبورہ	طنبور
۲۰۷/۱۶	لختے	لختکے
۲۰۹/۱۲	نبید بخورد	او نبید خورد
۲۱۰/۵	آنجانکہ می بائی	آنچنانکہ می بائی
۲۱۵/۱۲	مدیح	مدائح
۲۱۶/۱۷	"دندان" اور "شاعر" کے درمیان "آں" بڑھاؤ	
۲۲۱/۱۴	"چہارشنبہ" اور "روزبلا" کے درمیان "کہ زیادہ کرد"	

تتمۂ ج

کچھ اشعار جو نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہ تھے۔ مگر کسی اور جگہ دیکھنے میں آئے۔ ذیل میں دیئے جاتے ہیں:۔

(۱) غزل

غرابا مزن بیشتر زیں نعیقا　　کہ مہجور کردی مرا از عشیقا

نعیق تو بسیار و ما را عشیقی　　نباید بیک دوست چندیں نعیقا

ایا رسمِ اطلالِ معشوقِ وافی　　شدی زیرِ سنگِ زمانہ سحیقا

غدیرہ برفت از تو و کرد منزل　　بمفراۃ سقط اللوٰے وعقیقا
خوشا منزلا خوّرما جاتگا ہا　　کہ آنجاست آں سرو بالا رفیقا
بود سرو در باغ و دار دبتِ من　　ہمی بر سر سرو باغے انیقا
ایا لہفَ نفسی کہ ایں عشق با من　　چنیں خانگی گشت و چوں مین عتیقا
زخواب ہوا گشت بیدار ہر کس　　نخواہم شدن من زخوابش مفیقا
بداں شب کہ معشوقِ من مرحل شد　　دلے داشتم ناصبور و قلیقا
فلک چوں بیابان و مہ چوں مسافر　　منازل منازل مجرّہ طریقا
بریدم بداں کشتیٔ کوہ لنگر !　　مکانے بعید و فلاتے سحیقا

(کتاب المعجم فی معاییر اشعار العجم صفحہ ۴۰۷)

(۲) غزل

اے بت زنجیر زلف اے آفتابِ نیکواں　　طلعتِ خورشید داری قامتِ فردوسیاں
نافریدا یزد زخوبانِ جہاں چوں تو کسے　　دلربا و دلفریب و دلنواز و دلستاں
گر ترت خوانم ماہ ماہی ور ترت خوانم سرو سرو　　گر ترت خوانم حُور حُوری ور ترت خوانم جاں جاں
مشک جعد و مشک خط و مشک ناف و مشکبو　　خوش بباغ و خوش سرود و خوش کنار و خوش زباں
رُوت از گُل درج دارد و رحبت از عنبر طراز　　مشکت از مہ نافہ دارد ماہت از مشک آسماں
ہم بُت زنجیر جعدی ہم بت زنجیر زلف　　ہم بُتِ لالہ جبینی ہم بتِ لالہ رُخاں
ایں روان و جانِ من دائم ز تو با خوّرمی　　ایں سرا و باغِ من دائم ز تو چوں گلستاں

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۴۴)

(۳) فرد

آرندۂ ثناءِ توجان من است آنک　　پروردۂ مکارمِ اخلاق تو منم

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۴) فرد

زتیغ وز کینت حزیں شدعدو   زو اشادِ تو شادگرددولے

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۵) فرد

عجب دل تنگ وغمخوارم زحدبگذشت تیمارم   توگوئی در جگر دارم دوصد یا بیج گرگانی

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۴)

(۶) قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر

قلمی نسخہ میں قصیدہ ۸۳ کے دسویں شعر کے آگے یہ شعر زائد ہے :-

وال مرغکِ بط ہمچوں ختنی کافور   برلبتہ بشاخ درہم سنبل وہم عنصل

(ایضاً - صفحہ ۱۰۶)

تتمّہ د

منوچہری کے ممدوحین کی فہرست

(۱) ابوسعید سلطان مسعود بن یمین الدّولہ محمود غزنوی ٭

(۲) شمس الوزراء احمد بن عبد الصّمد وزیر سلطان مسعود غزنوی ٭

(۳) خواجہ فضل بن محمد الحسینی ٭

(۴) فلک المعالی امیر منوچہر بن قابوس بن وشمگیر دیلمی ٭

(۵) ملک الشعراء حکیم ابوالقاسم حسن المتخلص بہ عنصری ٭

(۶) خواجہ ابوالحسن احمد بن حسن میمندی ٭

(۷) خواجہ علی بن محمد ٭

(۸) خواجہ احمد وزیر سلطان ؛

(۹) خواجہ ابوالعباس ؛

(۱۰) سپہ سالار مشرق علی بن عبید اللہ الشہیر بصادق ؛

(۱۱) خواجہ محمّد ؛

(۱۲) خواجہ ابوحرب محمّد بختیار ؛

(۱۳) ابوالحسن بن علی بن موسیٰ عمرانی ؛

(۱۴) خواجہ ابوسہل زوزنی وزیر سلطان مسعود ؛

(۱۵) ابوربیع بن ربیع ؛

(۱۶) اسد بن حارث بن منصور امام جیلان ؛

(۱۷) خواجہ خطیر ؛

(۱۸) خواجہ طاہر ابومنصور ؛

(۱۹) خواجہ عمید سلطان وزیر سلطان مسعود ؛

(۲۰) شاہ ابوالمظفر ؛

(۲۱) خواجہ خلف ؛

اثنائے مضمون میں منوچہری کے قصیدہ پر تنقید کرتے وقت ہم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ آخر مضمون میں ہم قبلہ والد صاحب[1] بزرگوار کا قصیدہ پیش کریں گے۔ جو آپ نے منوچہری کے مندرجہ ذیل قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا ؎

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل

چنانچہ قبلہ بزرگوار کا قصیدہ درج ذیل ہے :-

الا اے سارباں بربند محمل کہ شد خورشید را محمل بمنزل

---

[1] حضرت علامہ اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور - ۱۲ ؛

سبک بردار سر از بالش خواب | کہ نالاں شد جرس ہا در قوافل
دلم ز افسردگی از کار رفتہ است | سرت گردم مشو از چارہ غافل
بگلبانگ حدی برکش نوائے | کہ بند صبر دل بردار از دل
نشستن فارغ از دل دُور میداں | چو زو ناخن بدل یاد منازل
توقف را مشل دانی چہ آرم | غبار خاطر محمول[1] و حامل
دریں منزل کہ آرام جاں نیست | بہ بختی کن زمام سیر عاجل
عدیلم گو بزن بالشت من پشت | بمحمل پیکر جوزا مماثل
بزجر سانح و بارح[2] مزن فال | میندیش از وعید تلخ عاذل
مرا با وعدۂ عرقوب مفریب | نیارم تاب پیمان مماطل
فلک در التماس مہلت آمد | دمادم میدمد در گوش امہل[3]
ولے چوں شوقم آمد کار فرما | برآواز جرس گوید کہ عجّل
خرامانند در کہسار کبکاں | سرایانند بر گلبن عنادل
دریں کہسار و طرف لالہ زارش | طناب خیمہ را پیوند بگسل
بہار مرغزار دامن کوہ | بکوئے دوست می بینم مزابل[4]
دری وادی بنم حضر رہ خضر | وَکَمْ مِنْ عَالِمٍ یَہْدِیْہِ جَاہِلْ
مہار بختیم در دست من نہ | رفیقم گر نۂ فاللہ کافل
رہ باریک و تاریک بیاباں | ہزبراں سہمگیں گرگاں مصاول
برنگ گور ظالم تیرہ و تنگ | بساں عرصۂ محشر زلازل

---

[1] محمول راکب و حامل مرکوب ۱۲ منہ

[2] سانح و بارح کہ اہل عرب بداں فال نیک و بد می گیرند ۱۲ منہ

[3] مہلت دہ ۱۲ منہ

[4] جائے خاکروبہ انداختن ۔ ۱۲ منہ

مغاک و تل و بیم دزد و سیلاب ظلام و برق و رعد و ابرِ ہاطل
بپایاں می برم دشت و جبل را من و ایں جملہ رنجِ راہ و بازل
ببوئے وصلِ یارِ دلنوازے چہ خوش باشد بشب قطعِ مراحل
بویژہ[۱] آنکہ خلّاقش لقب کرد بدیوانِ[ف] ازل فخر الاوائل
محمّد انجمن آرائے ہستی سر و سر حلقۂ بزمِ اوائل
جبینش نورِ وحدت را ہم آغوش چو در آیاتِ قرآنی فواصل
حدوث آمد قدم را دوش با دوش وجودش برزخے در ہر دو حائل
نبودے جوہرش گر اصلِ آدم ملک کے آمدے بر سجدہ مائل
فرازِ قبۂ خضرا بر آمد بروں رفت از حدِ عالی و سافل
تگاور را بتگ می راند در راہ سوارے کآمدش جبریل راجل
بگشتِ سرِّ کُنہِ ذاتِ بیچوں بصدرِ لامکاں خواندش کہ انزِل[۲]
قدر سر بر خطِ فرمانِ رائش قضا را جُستنش تحصیلِ حاصل
ز دامش پاک از آلودگیہا چو آب کش چکانند از جنادل
بلے از نورِ محضش آفریدند جمیل الوجہ محمود الخصائل
بخلوت فانیٔ مطلق ھُو اللہ بمحفل خوش لقا شیریں شمائل
دل و دستش ز فیضِ لایزالی زہے کانِ عطا بحرِ فواضل
سرورِ سینہ اش نازنیناں بہارِ خاطرش نُزلِ ارامل
کسے کز خنجرش زخمے نخوردست بہ تیغِ جورِ گردوں باد بسمل
بدامانش در آویز اے نگوں بخت چو مقبل نیستی مگذر ز مقبل
بدر بارے کہ ہر سو جوشِ بلائے است مشو بے رَبِّ بیتہٗ لی وسائل

له خاصتہٗ - ۱۲ منہ ف امام الانبیاء ۱۲ منہ ۲ فرود آ - ۱۲ منہ

بطوفانگاهِ آشوبِ حوادث　　بساحل بر شدن کاریست مشکل
پرد تا آشیاں کے مرغکِ زار　　که در کنجِ قفس ماند ز حبائل
شهنشاها دو عالم بارگاها　　بعرضِ حاجتم گستاخ سائل
نهالِ شوقِ تو در گلزمینے　　نشاندستم چو نخل اندر خمائل
شمارِ شوقِ سرکش را پس از مرگ　　دمد از خاکِ من شکلِ انامل
بود وردِ تو فرضِ عین لاریب　　فرائض جمله بے وردت نوافل
بزیرِ نیلگوں کاخِ مقرنس　　نیابم جز بدرگاهِ تو موئل
دو صد لغزیں فرستے خواجه گر من　　گزینم دیگرے بر تو مجامل
دل از مهرِ کساں پرداخت اینک　　بشغلے غیر یادت نیست شاغل
سواره می برد چوں بادِ نکبا　　هیونِ عمر بے صوتِ جلاجل
گزیده بهرهٔ عمرم چو بگذشت　　بکش بر حرفِ سعیم خطِّ باطل
کسے کو بر لبِ دریا نشیند　　عجب کز تشنگی میرد بساحل
بحکمِ وحیِ لَا تَنْهَرْ ز یزداں　　بجاں می بودهٔ همواره عامل
زبذلِ لطف نگذشتی سرِ مو　　چو شوخے بر زباں میرآید[1] اِعدِلْ
نبودے گر ید اللہ دستِ پاکت　　کجا ناپاک را می بود[2] غاسِلْ
خَلِیْلِیَّ ارْجِعَا یَوْمًا فَقُوْلَا　　اِلٰی مَا یَنْتَهِیْ سَیْرُ الرَّوَاحِلْ
سَقَانَا الدَّهْرُ کَاْسًا مِنْ اُجَاجٍ　　فَهَلْ یَا قَوْمِ مِنْ عَذْبِ الْمَنَاهِلْ
فَشِمْنَا بَرْقَ طَیْبَةَ مِنْ بَعِیْدٍ　　فَاَعْجَلْنَا عَنِ الْمَرْعَی الرَّوَامِلْ
فَلَمَّا اَنْ وَرَدْنَا هَا عِطَاشًا　　سَقَانَا مِنْ نَدَی الْکَفَّیْنِ وَابِلْ

---

[1] اشاره بذو الخویصرۂ خارجی - ۱۲ منه
[2] اشاره بقصهٔ اعرابی که مهمان آنحضرت صلعم بود و شب تخمه کرد ۱۲ منه
[3] مدینهٔ منوره - ۱۲ منه ۰

بحق ہر دو نور چشم زہرا ؑ — شہید خنجر و زہر ہلاہل
چو بر بندم ازیں دیر فنا رخت — سرافرازم کن از ایمان کامل
چو رو آرم بمیدان قیامت — بگردن نامۂ عصیاں حمائل
ز ہول یجعل الولدان شیبا — بدرّد زہرۂ شیران باسل
بگوشم در دمند اقرء کتابک — تنم لرزد ز اہوال نوازل[۱]
بفرما تا مرا آزاد سازند — ز بیم آتش و جرّ سلاسل
چو خواندم ما عنتم از چہ رسم — کہ در پیش است منزلہائے ہائل
ہم از لطف تو میدانم کہ روحی — بہ بزم سفلہ طبعاں نیست نازل
ز نیرنگ کلام من بیفسرد — فسون سامری و سحر بابل
ولے جز نکتہ داں کسے بازداند — مقام ابن وائل راز باقل[۲]
دگر ہنگام آں آمد کہ نازند — خزاعہ زادگاں در بزم دعبل[۳]
منوچہری گر از ایراں زمین است — عجب نبود ز نیچابش مقابل
منوچہری نباشد چہرہ با من — ندارد جوز طبع جوز ماثل
بلے او بود در تاج مسعود[۴] — منم خرمہرہ وار افتادہ در گل
ولے زانجا کہ مداح رسولم — دو صد مسعود را سنجم بنائل
ز فیض جود او می نازم امروز — بعزّ دولت انعام شامل

نوٹ ۔ آخر کے چھ سات شعر تبلا رہے ہیں ۔ کہ یہ قصیدہ منوچہری کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ اور یہ کہ منوچہری سلطان مسعود کا درباری شاعر تھا ۔ نہ کہ سلطان محمود کا ۔ جیسا کہ ہم اصل مضمون میں اس موضوع پر بالتفصیل بحث کر آئے ہیں ۔

صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

---

۱ حوادث ۔ ۱۲ منہ ۲ مردے است غیر فصیح از اہل عرب ۱۲ منہ ۳ دعبل خزاعی شاعر یست مشہور ۱۲ منہ
۴ سلطان مسعود غازی غزنوی ۱۲ منہ

مولانا حالی کی کتبِ سوانح

حیات جاوید

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ نومبر ۱۹۳۷ء)

حیات جاوید اگرچہ تاریخی لحاظ سے حیات سعدی وغیرہ کے بعد آتی ہے لیکن اہمیت اور قدر و قیمت کے خیال سے ہم سوانح عمریوں میں سب سے پہلے اسی کو لیتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ ابنائے روزگار نے اسکو چنداں شرف قبول نہیں بخشا۔ اور اس کے متعلق جو بدگمانی ملک و قوم میں پھیل چکی تھی۔ وہ اس کے محاسن کے بے نقاب کئے جانے میں ہارج ہوئی۔ پھر بھی ہمارے لئے (جو خوش قسمتی سے اس پُر آشوب زمانے سے بہت دور ہیں) سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے۔ کہ جن بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے طفیل اس عظیم و جلیل شخصیت کی بزرگی جلوہ عام پر نہ آسکی۔ وہ آہستہ آہستہ بہت حد تک رفع ہو چکی ہیں۔ پھر کونسا امر مانع رہ جاتا ہے۔ کہ ہم پرانی لکیر سے ہٹ کر اس گراں قدر تصنیف کو اس کے اصلی رنگ میں نہ دیکھیں۔ اور انصاف اور تحسین کی کسوٹی ہاتھ میں لے کر کھوٹے اور کھرے کو خوب پرکھ کر یہ فیصلہ نہ کریں۔ کہ فرزندان عصر نے اس کے متعلق جو رائے ظاہر کی۔ اس میں منصفانہ تنقید کا حصہ زیادہ تھا۔ یا ماحول کے اثرات سے پیدا شدہ سوءِ ظن کا!

سرسید احمد خاں (جن کی لائف حیاتِ جاوید کا موضوع ہے) ایک جامع اوصاف شخص تھے۔ ان کی زندگی گوناگون مشاغل اور ہنگاموں کا مرکز اور ہزارہا عزائم اور مہمات کا منبع رہی ہے۔ پس ایک ایسی متنوع اور "یک سر و ہزار سودا" زندگی جس کی جزئیات پر عبور حاصل کرنے کے لئے نصف صدی بلکہ پورے ایک دَور کا لٹریچر پڑھنا ضروری ہو۔ آسانی سے نہیں لکھی جا سکتی۔ اگرچہ خود سرسید جب

پہلے پہل ان سے ان کی لائف کی ترتیب کے متعلق ذکر کیا جاتا۔ تو اکثر فرمایا کرتے۔ کہ" میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں۔ کنکوّے اڑائے۔ کبوتر پالے۔ ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری۔ کافر اور بے دین کہلائے۔ اور رکھا ہی کیا ہے"۔ لیکن کون نہیں جانتا۔ کہ سرسید نے ان بظاہر انکسار آمیز لیکن پُر حقیقت الفاظ میں اپنی شاندار زندگی کا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے ان کا مطلب سوا اس کے کیا ہے۔ کہ ان کی لائف کا ابتدائی زمانہ "بشریت" کی تکمیل میں گذرا۔ اور آخری حصہ دین، مذہب اور قوم کی فلاح و بہبود کی کش مکش میں بسر ہوا ؛

پس ایک ایسے شخص کے سوانح لکھنے کی ذمہ واری اتنی آسان اور اس کی زندگی کے اختلافی پہلوؤں میں منصفانہ محاکمہ اتنا سہل نہ تھا۔ ایک طرف یہ مشکل کہ جس شخص نے مذہب، اخلاق، معاشرت، تعلیم، سیاست، لٹریچر، تنقید معاشرت، غرض حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس پر اپنے خیالات ظاہر نہ کئے ہوں۔ اسکے حالات کے دریائے بے پایاں کو سمیٹے تو کون؟ اُدھر یہ دقّت کہ جس شخص نے چالیس برس تک تعصب اور جہالت سے نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رکھی۔، تقلید کی جڑ کاٹی نکتہ چینی کی بنیاد رکھی، جو رسوم صدیوں سے چلی آتی تھیں، ان کو باطل کیا۔ جن عقائد کا نام اصول دین رکھ لیا گیا تھا۔ بدلائل ثابت کیا۔ کہ وہ فرع بھی نہیں۔ زمانہ مشرق کی طرف جارہا تھا تو اس نے مغرب کا رخ کیا نتیجہ یہ کہ کسی نے اسے راست باز کہا کسی نے کاذب۔ کسی کے نزدیک وہ ہمدرد قوم ٹھیرا۔ کسی کے خیال میں دشمن دین و ملت، ایک طرف یہ آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔ کہ مجدد دین آگیا، دوسری طرف یہ غل ہو رہا تھا کہ یہی دین میں بدعت کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ یہی فاسق و فاجر - بلکہ صریح کافر ہے۔ یہ اختلاف! یہ نزاع! یہ مناظرہ! اس میں ثالث بالخیر کے فرائض انجام دے تو کون!

یہ بارِ گراں حالی نے سر پر اٹھایا۔ اور اس کی ذمہ واریوں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو کر ایک ایسی تصنیف یادگار چھوڑی۔ جو سوانح نگاری کے فن میں پہلی منظم اور باقاعدہ کتاب کہی جاسکتی ہے ؛

مولانا سے قبل کرنل گریہم نے بھی انگریزی زبان میں ایک لائف لکھی۔ لیکن اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک مکمل بیاگرافی ہونے کا دعوے نہیں کرسکتی۔ اسی طرح حاجی اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی کی تحریک سے منشی سراج الدین صاحب مالک ومہتمم "چودہویں صدی" نے لائف کی داغ بیل ڈالی۔ اور بہت حد تک اس کے لئے میٹریل جمع کر کے اس کو ایک خاص حد تک مرتب بھی کیا۔ لیکن وہ شائع نہ ہو سکی ٭

مولانا حالؔی نے ان دونوں سوانحمریوں کے محاسن و معائب سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی خوبیوں کو اپنی کتاب میں جذب کیا۔ اور ان کی کمزوریوں سے احتراز کیا ٭

مولانا کو سرسیّد کی لائف لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا ہوا۔ جبکہ وہ کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ اگرچہ ان کا حال ابھی تک "پہلی رات کے چاند کا سا تھا۔ کہ کسی نے دیکھا۔ کسی نے دیکھا ہی نہیں"۔ تاہم ملک میں ان کی خدمات کی قدر پیدا ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں کچھ سوال مرتب کر کے برائے جواب مولانا نے سرسیّد کے پاس روانہ کئے۔ لیکن انہوں نے لائف کے خیال کو پسند نہیں کیا۔ بعض دوسرے لوگوں نے بھی یہی رائے دی۔ کہ سرسیّد کی لائف ان کی زندگی میں لکھنی مناسب نہیں۔ چنانچہ یہ ارادہ موقوف ہو گیا ٭

لیکن یہ ارادہ ہمیشہ مولانا کے دل میں موجود رہا۔ اور آخر کار انہوں نے ۱۸۹۴ء میں علیگڈھ میں اسی غرض سے قیام کیا۔ اور اس وسیع ذخیرۂ معلومات سے فائدہ اٹھایا۔ جو وہاں موجود تھا۔ نیز منشی سراج الدین صاحب کا مسودہ بھی حاصل کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس وسیع اور مصروف زندگی کے حالات کو جمع کرنے کے لئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ تہذیب الاخلاق اور سیّد صاحب کی جملہ تصانیف کو کھنگالا۔ ان کے خطوں۔ ان کے دوستوں کے بیانات، انگریزی اخباروں، موافق اور مخالف رسالوں اور مدبران سلطنت کی تحریروں کا ایک ایک حرف پڑھا، اور اس سے مفید مطالب کا استقصا کیا گیا۔ اور ان کا نچوڑ اور خلاصہ نکال کر حیاتِ جاوید کے اوراق میں بند کر دیا۔ حالؔی کے ایک دوست کے اس بیان میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اگر اس تمام ذخیرے

کو مرتب کیا جاتا تو اس کی وسعت کا احاطہ کرنے کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوتی ۔

حیاتِ جاوید دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں زندگی کے حالات اور کارنامے بقید و ترتیب تاریخی درج کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصّے میں کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کی مجموعی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ کتاب کے مفصل مضامین کا اندراج اگرچہ یہاں بہت نامناسب خیال نہ کیا جاتا۔ لیکن اس کو موجب تطویل اور بے ضرورت خیال کرتے ہوئے۔ اس موقعہ پر نظرانداز کیا جاتا ہے سرسید کی زندگی کے متعلق ہم نے گذشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا ماخذ بہت حد تک حیاتِ جاوید ہی ہے نیز سیّد صاحب کی زندگی خود اتنی مستغنی از تعریف اور ان کے کارنامے اتنے بالا از تعارف ہیں۔ کہ یہاں ہم اس کو حذف کرتے ہوئے اس کے لئے معافی چاہتے ہیں اور اس تصنیف کے مقصد اصلی یعنی حیاتِ جاوید کی تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔

ایڈمنڈ گوس، انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں 'بیاگرافی' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"Biography is a faithful portrait of a soul in it's adventures through life."

یعنی "بیاگرافی" موضوع کی ہو بہو تصویر ہو۔ جو مکمل ہونے کے علاوہ حقیقت پر مبنی ہو۔ اور اس تمام تصویر کشی میں منتہائے نظر صرف صداقت کی ترجمانی ہو۔ پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ مظاہر کی نقاشی کے ساتھ ساتھ موضوع کی اندرونی "شخصیت" اور "انفرادیت" بھی پوری صفائی کے ساتھ نمایاں کی جائے ۔

ان صفاتِ چہار گانہ کی طرح بعض اور اوصاف بھی ایسے ہیں۔ جو سوانح نگار کے لئے بیحد ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصادم آرا کے وقت اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتا ہو اور بیرونی اثرات سے بالکل متاثر نہ ہوتا ہو۔ موضوع کے معائب اور کمزوریاں دکھانے میں اسی طرح واقعیت کا خیال رکھے۔ جس طرح محاسن کے بیان میں۔ موضوع کی شخصیت کی تصویر کشی میں ذاتی رجحان کو دخل نہ دیتا ہو۔ اور جذباتی، سیاسی، اور مذہبی محرکات سے وہ ہیرو کو واقعہ اور حقیقت کے

خلاف نمایاں نہ کرے۔ سوانح نگار کا مقصد محض "یادگار" ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس عیب سے بیاگرافی ایک اچھی بیاگرافی کے پایہ سے گر جاتی ہے۔ اور سب سے آخری بات یہ کہ ان ضروریات کے ساتھ ساتھ مصنف اس کو اسلوب بیان، ترتیب، اور واقعات کے حسن انتخاب سے ایک ادبی شاہکار بنائے

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے، کہ اب تک حیاتِ جاوید کے متعلق موافق اور مخالف آراء کا اظہار ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے :-

یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ کہ سر سیّد احمد خاں کے تمام کاموں اور کارناموں کی طرح ان کی لائف کی اچھائی اور برائی کے متعلق شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے قدر دانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم چونکہ سیّد صاحب نے مذہب، اور سیاست دونوں میں ایک جدید خیال اور "دبستان" کی بنیاد رکھی ہے جس سے اصولاً ایک گروہ کو دیانت دارانہ اختلاف تھا۔ اور اب تک ہے۔ اس لئے حیاتِ جاوید کے متعلق اظہار رائے میں بھی قدرتی طور پر تنقید کرنے والے حضرات دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں *

ہمیں سب سے پہلے خود مصنّف کے خیالات سن لینے چاہئیں۔ کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں کیا خاص اصول مدنظر رکھا۔ اور کونسے آداب اور قواعد ہیں۔ جن کی پیروی ضروری سمجھی گئی۔ حیات جاوید کے دیباچہ میں مولانا حالی فرماتے ہیں :-

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے عیب وخطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ کسی شخص کی بیاگرافی کریٹکل طریقہ سے لکھی جائے اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں۔ ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اوّل تو

ایسی بائیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی . . . . . الخ

لیکن ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے۔ جس نے چالیس برس برابر تعصب۔ اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے . . . . . . ہم میں وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ سب سے پہلے اسی کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعوٰی ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے۔ کہ ان کے ہر کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ میں اور صرف سچ میں یہ کرامت ہے۔ کہ جس قدر اس میں زیادہ کرید کی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں؟

ہم اس طویل اقتباس کی معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ اپنی تصنیف کے متعلق خود مصنف کا بیان زیادہ وقیع سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس بے حد قیمتی اور پُر معنی عبارت میں مولانا حالی نے سوانح عمری کا نظریہ، اپنی مشکلات، پہلی سوانح عمریوں کے نقایص اور موجودہ تصنیف کا اصول کار بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ چونکہ ہمارا ماحول ابھی تک یورپ کے کریٹکل طرز سوانح نگاری کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ سوانحعمری یورپ کے طریقے پر لکھی جائے:

۲۔ پہلی سوانحعمریوں (یعنی حیاتِ سعدی اور یادگار غالب) میں صرف محاسن ظاہر کئے ہیں

۳۔ حیات جاوید میں نکتہ چینی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگرچہ سرسید نے جو کام کیا۔ اس کی بنیاد سچائی پر ہے۔ اس لئے سوانح نگار کا فرض ہے۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ وہ جو کچھ کرتے تھے۔ سچائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بہرحال ان کے خیالات، عقاید، اور کاموں پر نکتہ چینی ضروری ہے:

سطور بالا سے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا۔ کہ حالی، ہیرو کے معائب و محاسن کی یکساں بے نقابی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ علے الخصوص سر سید کے متعلق اس پر عمل کرنا ضروری ہے +

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ جہاں تک سر سید کی بیرونی زندگی اور خارجی واقعات کی تصویر کا تعلق ہے۔ حیاتِ جاوید ایک جامع کتاب ہے۔ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ کہ سید صاحب کی لائف پیدائش سے لے کر وفات تک۔ گویا ایک پوری صدی کی تاریخ ہے۔ ہمارا مصنف خاندان اور خاندانی ماحول سے ابتدا کرتے ہوئے ان کی رحلت تک اپنے ہیرو کے ساتھ ساتھ سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اور اس انتہائی مصروفیت کی زندگی کے کسی کارآمد لمحے میں کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ سید صاحب دہلی کے سادات کے ایک معزز گھرانے میں متولد ہوئے۔ ان کی طفلی کے واقعات، خاندانی روایات، شرفائے دہلی کے رسوم و رواج جن میں سید صاحب پرورش پاتے ہیں۔ سب کے سب پوری سلاست اور پاکیزگی کے ساتھ مصنف کے قلم سے نکلے ہیں۔ پھر اس دور سے گذر کر عنفوانِ شباب کا رنگین زمانہ آجاتا ہے۔ اس میں والدہ کی زبردست نگرانی اور تربیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تقریب بسم اللہ کی جزئیات کا حال بتانے کے بعد تعلیم کا مفصل حال بتایا گیا ہے۔ تعلیم کی قیود اور پابندیوں سے گذر کر جوانی کی لغزشوں اور رنگینیوں کا ذکر آتا ہے۔ اور ان عیش و نشاط کی مجالس کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ جن میں عام طور پر اس زمانے کے نوجوان زندگی کی بہاریں گذارا کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود سر سید فرماتے ہیں۔ کہ "ہم بھی اس رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔" لیکن دفعتہً بڑے بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے جس سے سید صاحب کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ پرانی شوخیاں مولویت اور زہد میں تبدیل ہونے لگتی ہیں +

بہر حال ہمارا مصنف سید صاحب کی زندگی کے ہر دَور کے متعلق نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات جزئیات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اور نہایت خوبی سے اپنے موضوع کی شخصیت کی تدریجی رفتار ترقی کا حال قارئین کے سامنے رکھتا جاتا ہے۔ اس پہلی منزل کے بعد ملازمت شروع ہوتی ہے۔

اس کے مختلف مدارج کی ساری تفصیلات مہیا کی گئی ہیں۔ مختلف ملازمتوں کے دَوران میں کارگزاریوں کے واقعات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ زمانہ غدر جوکہ ان کی زندگی اور ملازمت کا نہایت نازک دَور تھا۔ پوری جامعیت کے ساتھ مفصل لکھا گیا ہے۔ فتحپور۔ دہلی۔ رہتک۔ بجنور۔ غازی پور۔ بنارس۔ علی گڈھ جہاں کہیں سید صاحب بسلسلہ ملازمت تشریف لے جاتے ہیں۔ مصنف ان سب مقامات کے متعلق ان کی خدمات اور فرائض منصبی کے حالات شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور اپنی عبارت کو اقتباسات کے ساتھ مربوط کرتا چلا جاتا ہے۔

چونکہ کتاب کا پہلا حصہ ان کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات کا خاکہ ہے۔ اس لئے انہوں نے اس تاریخی ترتیب سے ملازمتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ سیّد صاحب کی تصنیفی کوششوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ غرض اس طریق سے یہ بخوبی نظر آتا جاتا ہے۔ کہ ان کے تصنیفی رجحان کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اور کس طرح حالات اور اثرات اور ماحول کے بدلتے رہنے سے ان کے رجحان میں بھی اہم انقلابات آتے رہے۔ گویا ہم جام جم۔ انتخاب الاخوین اور تحفہ حسن سے جو سیّد صاحب کی ابتدائی تصانیف ہیں۔ آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوتے ان کے ساتھ خطباتِ احمدیہ اور تفسیر القرآن تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور سیّد صاحب کی ان تبدیلیوں کے اسباب اور محرکات خارجی بھی تدریجاً ہماری سمجھ میں آتے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں یہ ذکر آچکا ہے۔ کہ مصنف نے سیّد صاحب کے ماحول کے اثرات کا مفصل حال کتاب میں درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نادانستہ طور پر اس زمانے کی معاشرت رسوم ورواج، اور اوضاع واطوار زندگی کی ایک تاریخ سی بن گئی ہے۔ جو اگرچہ بیاگرافی کے ساتھ گہرا اور لاینفک تعلق تو نہیں رکھتی۔ لیکن بیاگرافی کی تکمیل کے لئے بہرحال ممدات میں سے ہے۔ حیات جاوید کا ابتدائی حصہ جس میں سید صاحب کے خاندانی حالات، تعلیمی واقعات اور شرفا کی سوسائٹی کے قصے ہیں۔ کتاب کی افادی حیثیت میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

مولانا حالی نے جس ڈھنگ سے اس وسیع ذخیرہ معلومات کو چند صفحات میں جمع کر دیا ہے

اگرچہ اس سے بعض نقائص بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا ذکر آگے چل کر کہیں آئے گا۔ لیکن اس سے ایک فائدہ یہ ہوگیا ہے۔ کہ موضوع کی پوری شخصیت جہاں تک کہ اس کے مظاہر کا تعلق ہے کمال صحت کے ساتھ نمایاں ہوگئی ہے۔ گویا حیات جاوید کے اوراق میں ہمیں سرسیّد اپنی عظیم و جسیم بزرگانہ شخصیت کے سمیت نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی سرسیّد عمارتوں کے کتبات پڑھنے کے لئے چھینکوں پر لٹک رہے ہیں۔ اور مولانا صہبائی گھبرا جاتے ہیں۔ اور ان کے چہرے کا رنگ متغیّر ہو جاتا ہے۔ کبھی غدر کے پرآشوب فتنوں کے اندر" نامحمود خاں" کے ساتھ الجھتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی مسٹر بیڈن فارن سکرٹری حکومت ہند کے ساتھ اسباب بغاوت ہند کے متعلق پُرجوش مباحثہ ہو رہا ہے۔ کہیں سائنٹیفک سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا جارہا ہے کہیں خطباتِ احمدیہ کے لئے "خواب وخور حرام ہو رہا ہے"۔ اور خطوں میں لکھا جارہا ہے۔ کہ "ظروف خانگی بھی بیچ کر خطبات کے لئے رقم مہیا کرو"۔ پھر تہذیب الاخلاق میں قوم وملک کے اخلاق کی اصلاح وتہذیب کے ہنگامہ پرور مضمون چھپ رہے ہیں۔ اور مولوی امداد علی اور علی بخش خاں کے ساتھ معارضے ہیں۔ اب وہی سرسیّد ہیں۔ کہ علی گڈھ کالج میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور "زندہ دلان پنجاب" سے روپیہ وصول کر رہے ہیں۔ کچھ وقت اور گذرتا ہے۔ کہ سمیع اللہ خاں سے تُوتُو مَیں مَیں کرتے سنائی دیتے ہیں۔ آخر میں کبھی نہ خاموش ہونے والی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ کہ "اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ ہمیشہ چُپ رہنا ہوگا۔ اس لئے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں"۔ تاآنکہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو یہ "سیماب مجسّم" سپرد خاک کر دیا جاتا ہے ؛

اس کے بعد قوم، ملک، ابنائے وطن اور حکومت کی طرف سے جو ماتم ہوتا ہے، وہ پورے پورے اقتباسات کی شکل میں کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ اس جوش وخروش کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہو سکے۔ جو اس نامور بزرگ کی وفات کے غم نے پہنائے عالم میں پیدا کیا ؛

کتاب کا دوسرا حصہ اور بھی جامع۔ دلکش اور پُراز معلومات ہے۔ سیّد صاحب کے اوصاف ومحاسن، ان کی خدمات، ان کی تحریکوں کی سپرٹ۔ ان کے اخلاق وعادات اور تصنیف و

تالیف کے طریقے اور دیگر بے شمار مباحث ومضامین ایسے ہیں۔ جن میں سید صاحب کی شخصیت اور سیرت بہت حد تک نمایاں کی گئی۔ مفصل اقتباسات جو بعض جگہ طبیعت کے لئے بار ہیں۔ سوانح کی جامعیت کو قایم رکھنے کا مقصد پورا کر رہے ہیں ؂

سرسید نے اپنی زندگی میں مذہب، معاشرت اور سیاست کو اپنا مرکز توجہ بنائے رکھا۔ حیات جاوید ضمنی طور پر اپنے زمانے کی سوسائٹی کے قلب ودماغ اور معاصرین کے رجحان مذہبی و نفسی پر بھی ایک طرح کا تبصرہ ہے۔ یہ کتاب ہمارے سامنے اس ماحول کی پوری صورت نمایاں کرتی ہے۔ جس میں سید صاحب نے اپنے مشن اور تحریک کی ابتدا کی اور اس حد تک اسکو زیور تکمیل سے آراستہ بھی کر دیا۔ حیاتِ جاوید کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم اس زمانے کی سیر کر رہے ہیں ؂

جدید کتابیں جو خالص فنی نقطۂ نگاہ سے لکھی جاتی ہیں۔ ان میں ان اثرات کا سراغ بھی لگایا جاتا ہے جنھوں نے "ہیرو" کی ذہنیت، رجحان اور جماعتی شعور کے بنانے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ اگرچہ خالص فنی خیال سے ہم شاید حالی کی اس کتاب کو اس معیار کے مطابق مکمل ثابت نہ کرسکینگے لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہمارے مصنف نے اپنی اس کتاب میں ان اثراتِ خارجی اور ان کے عمل اور ردِ عمل دکھانے کی بہت حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ خاندان کا اثر۔ بچپن میں والدہ کی تربیت کا اثر، سیاسی وقایع اور مذہبی انحطاط کا اثر، شادی کا اثر، بیوی کے مرجانے کے بعد متاہل نہ ہونے کا اثر، تصنیفی رجحان کی پختگی کے اسباب، غرض بے شمار بحثیں حیات جاوید میں ایسی مل جائیں گی۔ جن کے صحیح ہونے میں ہم کوئی کلام نہ کرسکیں گے۔ "اثرات کا سراغ لگانا" اگرچہ حالی کی جدت نہیں۔ لیکن چونکہ حالی کے زمانے میں یورپ کی ادبیات کی وساطت سے اس اصولِ تصنیف کا علم ہندوستان میں مصنفین کو ہوچکا تھا۔ اس لئے یہ کامیاب *Application* بالیقین ان کی تصنیف کے محاسن میں سے ہے ؂

ایک اور ضروری سوال ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ۔ مولانا حالی نے جو تصویر سرسید کی بنائی ہے کیا وہ ان کی مکمل اور ہو بہو تصویر ہے؟ گذشتہ سطور میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ حیات جاوید

جہاں تک شخصیت کے مظاہر کا تعلق ہے۔ ایک جامع کتاب ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں اس میں یہ نقص نظر آتا ہے۔ کہ یہ سرسید کی "شخصیت" کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کے بیان کرنے سے اکثر قاصر رہی ہے۔ اس میں سید صاحب کے مشن، ان کے کارناموں، ان کی خدمات اور ان کے مشاغل و فرائض پر ایک مفصّل تبصرہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن "بشریت" کے خدوخال نمایاں کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ در اصل اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالی کا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے یہ ثابت کرنا تھا۔ کہ سید صاحب کہاں تک اپنے مشن میں حق بجانب تھے اور کہاں تک اس میں کامیاب ہوئے؟ پس جہاں تک غرض و غایت اصلی سے بحث ہے - حالی اس میں کامیاب ہوئے۔ لیکن "بشریت" کا بے نقاب کرنا نہ ان کے مقاصد میں تھا۔ نہ انہوں نے اس کی کوشش کی۔

اگرچہ ہم ضرورت سے زیادہ یورپ اور ان کے اصول تنقید کی نقالی کو پسند نہیں کرتے لیکن بہ ایں اعتبار کہ خود حالی نے اس طرز سوانح نگاری کو سراہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ انگریزی زبان کی بعض عمدہ سوانح عمریوں میں بڑے بڑے ہنگاموں اور معرکوں کی زندگی کے بین السطور میں مصنفین کو "بشریت" کی جو رنگینیاں نظر آتی ہیں۔ اور بشری محاسن و معائب کے جو خصائص ان کو مل سکے ہیں۔ وہ انہوں نے بلا تکلف اپنی بیاگرافیوں میں درج کرتے ہوئے اپنے موضوع کی "شخصی" اور "ذاتی" زندگی کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سر جان سٹریچی نے ملکہ وکٹوریہ کی جو لائف لکھی ہے۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔ حیات جاوید کے سلسلے میں ہماری یہ توقع غالباً حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی نہ سمجھی جائے گی۔ کیونکہ یہ شرط خود مولانا کے نزدیک سوانح نگاری کے لئے ضروری ہے۔ یہ چیز یورپ کے "ملامت پسندوں" کے اس طریقے سے جدا ہے۔ جو عیوب کے بے محابا اعلان و افشا پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت فرائڈ Freud کے جدید طریقہ "تجزیہ نفسی" سے بھی مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ کتاب میں اس حسن کو ظاہر کرنے کے لئے روزمرّہ کے وہ واقعات یا

نجی خطوں کے وہ شگفتہ اور بے ساختہ لکھے ہوئے فقرات جن میں کاتب اپنی ذات یا خودی یا انجام سے غافل ہوتا ہے۔ بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ سنجیدہ تحریریں اور باقاعدہ سوچی اور سمجھی ہوئی گفتگوئیں جن کا تعلق زیادہ تر انسان کی سوشل ذمہ دارانہ پبلک زندگی سے ہوتا ہے۔ وہ لطف نہیں پیدا کر سکتیں۔ جو پرائیویٹ زندگی کے بعض لطائف سے ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے سرسید کے خطوط بھی بہت حد تک Serious خشک اور پُر از متانت ہیں۔ اور ان سے بھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے بظاہر مولانا حالی کے لئے ایک جائز عذر موجود ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی سراپا متانت، یکسر مقصد، مکمل تبلیغ و تحریک ہو۔ اس کی لائف میں یہ آب و رنگ آئے تو کہاں سے ؟ لیکن اگر ہمیں معاف کیا جائے۔ تو یہ عرض کیا جائے۔ کہ یہ کسی حد تک اس اسلوب اور رجحان طبع کے طفیل بھی ہے۔ جو حالی کا خاصہ ہے۔ سرسید کی متین اور سنجیدہ زندگی کے لئے حالی کی متانت سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی تھی۔ اور وہ جوش بیان اور شگفتگی ہے جس سے حالی کسی حد تک محروم ہیں ؛

نہ صرف یہ کہ سید کی زندگی کو ان دلچسپ ذاتی اور "بشری" جزئیات سے پُرلطف نہیں بنایا گیا بلکہ یہی ہے۔ کہ ایسی جزئیات ہیں بھی بہت کم ! لوکہارٹ کی "لایف اف سکاٹ" اور باسول کی "لائف اف جانسن" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان میں روزمرہ کے معمولی واقعات سے زندگی کے خاکہ میں خوبصورت رنگ بھر گیا ہے۔ لیکن حالی کی کتاب ان بیل بوٹوں سے بہت حد تک خالی ہے بچپن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یا شاید عنفوان شباب کا حال۔ بے شک پُرلطف ہے۔ اخلاق و عادات، اور طرز تصنیف و تالیف کا باب دلکش ہے۔ لیکن مفصل نہیں ؛

اب جہاں تک "اخلاقی جرأت" کا سوال ہے۔ مولانا حالی اس وصف سے ایک بہت بڑی حد تک متصف تھے۔ اگرچہ ان کا عام لب ولہجہ اپنی معاشرتی زندگی میں اور تصانیف میں بھی نرم تھا۔ لیکن صداقت کو نمایاں کرنے اور موضوع کے عیوب کو ظاہر کرنے میں اپنے عام اسلوب کے ماتحت انھوں نے اکثر مقامات پر اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ خود ان کا سرسید احمد خاں کے ساتھ

ان کے مشن میں شامل ہونا ان کی تحریکات میں ان کی ہم نوائی کرنا اور سب پر مستزاد یہ کہ ان کا ایک ایسے مختلف فیہ موضوع کو اپنی تصنیف کا موضوع بنانا اس کا ثبوت ہے ۔ کہ ان میں صداقت کو نمایاں کرنے کی اخلاقی جرأت تھی۔ اگرچہ "ماحول" اور "فضا" سے مرعوب ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں اور "کریٹکل بیاگرافی لکھنے کو" ہندوستان میں بے کار خیال کرتے ہیں۔ جہاں "ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے" ؛

مولانا شبلی نے حیات جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنا تو محض اصول و مبانی کے معیار پر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا لب ولہجہ قدرے سخت ہے "حیات جاوید کو میں لائف نہیں۔ بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل" ۔ پھر فرماتے ہیں کہ "یہ مدلل مداحی ہے"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے "یہ یک رُخی تصویر ہے۔ اور اکثر لوگوں کا خیال ہے ۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہے"۔ اگر اس آخری فقرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے ۔ کہ یہ مولانا حالی کا خیال ہے ۔ تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مولانا "بیاگرافی" کے لئے اس وصف کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک محاسن کے ساتھ معائب دکھانے ضروری ہیں۔ علی الخصوص "سرسید" کے تمام اعمال پر نکتہ چینی کرنا ان کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی "نکتہ چینی" کی بنیاد رکھی ہے۔ مولانا اس اصول کے قایل تھے ۔ اور انہوں نے اس کا نمایاں الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ ہاں اس بارے میں مشرقیت ضرور آڑے آتی ہے ۔ جو مولانا شبلی کے نزدیک (اور ہمارے نزدیک بھی) ایک خوبی ہے ؛

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ واقعی مولانا نے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے سرسید کے محاسن و معائب کا پلّہ برابر رکھا ہے۔ اور ان کے ذاتی کیریکٹر کے علاوہ ان کے پبلک کیرکٹر کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے ؟

اگر معاصرین پر جنبہ داری اور گروہ بندی کا الزام درست بھی ثابت ہو جائے۔ تو موجودہ نسلیں جو اپنی عصبیت میں شاید اس قدر شدید نہ ہوں۔ حالاتِ گذشتہ کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے غالباً کسی

رائے پر پہنچ سکتی ہیں۔ آج سرسید کے مشن، ان کی تحریکات کے فوائد اور نقصانات، ان کے مذہبی خیالات اور سیاسی عقاید کا عمل اور ردِ عمل ہمارے سامنے ہے۔ حالات کے مطالعہ کے بعد ہم بجرأت کہہ سکتے ہیں۔ کہ مولانا حالی نے جو تصویر سید صاحب کی پیش کی ہے۔ وہ ہوبہو نہ تھی۔ اور ان میں عقیدت اور محبت کو شامل کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے۔ کہ ان اقوال و عقاید کے لئے جو تاویلات کی گئی ہیں۔ ان کے خلاف بھی قوم کے شعور اور ضمیر نے عرصہ ہوا۔ بغاوت کردی ہے۔ مولانا شبلی سید صاحب کی جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے۔ لیکن غالباً سب سے پہلے وہی تھے۔ جنہوں نے سید صاحب کے خیالات و عقاید سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے قوم کے لئے فکر کی ایک نئی راہ کھولی ؛

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کہیں گے۔ کہ مولانا حالی نے صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہوگا۔ ان کا اعلےٰ معیارِ زندگی، ان کا پاکیزہ اخلاق، ان کی سادہ اسلامیت سب اس بات کی شاہد ہیں۔ سید صاحب کے ساتھ انہیں جو خلوص تھا۔ ان کے جوشِ اسلامی اور حبِ قوم سے ان کے دل میں جو ولولہ محبت پیدا ہوتا تھا۔ ان کے کارناموں اور مخالفین کی ضد اور جہالت کا جو اثر ان کے قلب پر ہوتا تھا۔ اس کا تقاضا تھا۔ کہ وہ اپنے "محبوب" رہنما کے متعلق بادلِ نخواستہ بھی کوئی ایسی بات نہ لکھیں۔ جس میں ان کی نیت اور فعل پر شبہ ہو سکے۔ حالی کچھ تو فضا اور ماحول سے مجبور تھے۔ جہاں ہیرو کے نقائص سننے کی لوگوں کی عادت ہی نہیں۔ کچھ انہوں نے تنقید کے ایک اُصول پر ضرورت سے زیادہ عمل فرمایا۔ جس کو اپنے "موضوع کے ساتھ دلچسپی اور ہمدردی" کہا جاتا ہے۔ پس بقول مہدی حسن مرحوم "ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگزشت لکھی ہے۔" مولانا حالی نے سید صاحب کی جن باتوں کو سراہا ہے۔ اور جن اختلافی معاملات میں ان کی جنبہ داری کی ہے۔ ان میں واقعی مولانا کی دیانتدارانہ رائے یہی ہوگی۔ خواہ آج مکان و زمان کے اس وقفہ کی حالت میں ہمیں دونوں بزرگوں سے اختلاف کرنے کی گستاخی کرنی پڑے ؛

ہماری مشرقی عقیدت کا تقاضا ہے۔ کہ ہم سرسید اور مولانا حالی دونوں بزرگوں کے کارناموں پر نکتہ چینی نہ کریں۔ اور بقول مہدی حسن مرحوم اس "ہمدردانہ سرگذشت" کے اوراق کو داغدار نہ بنائیں۔ لیکن افسوس کہ یورپ سے ہم لوگوں کو جو "ایمان بالغیب" ہوگیا ہے۔ اور یورپ نے جس فن تنقید کے "تریاق" یا "اثر مسموم" کو ہم میں پھیلا دیا ہے۔ وہ مجبور کر رہا ہے۔ کہ قوم اور ملک کی رائے بعض مباحث و معاملات میں "ہیرو" کے بعض کاموں سے اختلاف کرے؛

سید صاحب کی زندگی میں بعض واقعات ایسے ہیں۔ جن سے ان کی ذات ہمیشہ سے بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا محل بنی ہوئی ہے۔ اور مشکل یہ ہے۔ کہ حیات جاوید کی تاویلات اور بیانات کے باوجود وہ غلط فہمیاں ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ مرور زمانہ نے ان میں سے بعض کو تجربہ کی روشنی میں صاف کر دیا ہے؛

بعض اختلافی مسائل جو مابہ النزاع ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) "ایام غدر" میں سید صاحب کا طرز عمل؛

(۲) سید صاحب کا "مغربی تمدن" کو پسند کرنا۔ اور اس کے بعض پہلوؤں کو اختیار کر لینا؛

(۳) سید صاحب کا مذہب کو معقولات کے تابع کر دینا۔ اور بعض ایسے عقاید کا انکار جو مسلمات میں سے تھے۔ اور بعض کا اقرار جو دین میں پہلے موجود نہ تھے؛

(۴) سید صاحب کا آخری عمر میں سید محمود کے ہاتھ میں کھیلنا اور پرانے رفقا سے اختلاف، ٹرسٹی بل کے واقعات؛

(۵) سید صاحب کا انڈین نیشنل کانگرس سے الگ رہنا۔ اور مسلمانوں کے لئے الگ سیاسی حکمت عملی کا وضع کرنا؛

سید صاحب نے ایام غدر میں جو طرز عمل اختیار کیا۔ اور ضلع بجنور میں باغیوں سے جس طریق سے صف آرائی کی۔ وہ باغیوں کے نقطۂ نگاہ سے یقیناً قابل مذمت تھا۔ اور اب بھی جو لوگ اس لڑائی کو "بغاوت" سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں، وہ سید صاحب کی کارروائیوں کو اچھا نہیں سمجھتے

لیکن ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں۔ ہم مولانا حالی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ کہ سید صاحب نے عاقبت بینی کے خیال سے نہایت دیانت دارانہ یہی ضروری سمجھا۔ کہ باغیوں کی مخالفت کی جائے۔ لیکن یہ عذرات اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتے۔ کہ سید صاحب "تاریخ سرکشی بجنور" میں محمود خاں رئیس بجنور کو "نامحمود خاں" کہہ کر پکاریں ۔

سید صاحب مغرب اور مغربی تمدن کے اس درجہ دلدادہ ہو گئے تھے۔ کہ نہ صرف اس کے مظاہر سے ان کو دلچسپی تھی۔ بلکہ اس کی "سپرٹ" کے بھی عاشق تھے۔ سید صاحب نے اس محبت اور وابستگی کی وجہ سے جو "لباس و طعام و مکان اور طرز ماند و بود اور طرز معاشرت وغیرہ" انگریزی طریقے پر اختیار کر لیا تھا۔ حالی[1] اس کو "تعلیم یافتہ ترکوں کا طریقہ" کہتے ہیں۔ حالانکہ حیات جاوید کے اوراق میں ترکوں کی محبت کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ یہ اس بات کی شہادت ہے۔ کہ ہیرو کے بعض عیوب یا بعض خصائص کو اچھے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہندوستانیوں نے جس وسیع پیمانے پر اب مغربی تمدن کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ امر چنداں قابل اعتراض نہیں رہا۔ لیکن چونکہ اس زمانے کی سوسائٹی میں یہ طریقہ بود و ماند پسندیدہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے حالی نے اس کو ایک مرغوب لباس بنانے کی کوشش کی ہے ۔

سید صاحب نے انگلستان سے ایک خط میں لکھا "کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ تہذیب و شائستگی میں وہی نسبت رکھتے ہیں۔ جو ایک وحشی بدصورت ایک لائق اور خوبصورت آدمی کے ساتھ رکھتا ہے"۔ مولانا حالی کا سکوت بلکہ بامعنی تاویل بیداری ہندوستان کے موجودہ دور میں گرفت سے بالکل باہر نہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی اور "تفریخ" کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان تمام حالات کو وہ روغن دینے کی کوشش کی ہے۔ جو قابل قبول ہو۔ اسی طرح جہاز پر "گردن مروڑی ہوئی" مرغی وغیرہ کے متعلق جس قدر ازالہ شبہات کیا گیا ہے۔ وہ بھی فرائض سے غفلت کا ثبوت ہے اور ایک طرح کی وکالت ہے ۔

[1] حیات جاوید۔ ص ۴۲۳ ۔

سید صاحب نے مذہب اور عقل کی جنگ مٹانے اور باہم مصالحت کے سلسلے میں جو اجتہادات کئے ہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا لکھنا کافی خیال کیا گیا ہے "اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت جو کچھ سرسید نے لکھا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور ہر ایک اختلاف میں انہی کی رائے صائب ہے۔ لیکن . . . ." جہاں کہیں مولانا حالی نے کسی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی سی "لیکن" لکھ کر کمزوری کو محاسن میں تبدیل کرنے کی کوشش بھی کر دی ہے۔ سید صاحب کے اکثر اجتہادات سے حالی کو شدید اختلاف تھا۔ اور ان کے نزدیک سید صاحب غلطی پر تھے لیکن اس کو ظاہر کرنے میں چشم پوشی کو روا رکھا گیا ہے۔ ان تمام معاملات میں حالی یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مذہب کو سائینس کے حملوں سے بچانا مقصود تھا۔ لیکن نصف صدی گذر چکنے کے بعد بھی کون کہہ سکتا ہے۔ کہ "مذہب" سائینس کے حملوں سے بچ گیا۔ ہاں ہم میں مغرب پسندی ضرور پیدا ہو گئی۔ اور مذہب کو دیکھنے کے لئے مغربی زاویۂ نگاہ اختیار کر لیا گیا۔

اسی طرح دیسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے اور علوم مشرقیہ کو زندہ کرنے کے مسئلے میں مولانا حالی نے سید صاحب کو ایک ایسے رنگ میں پیش کیا ہے۔ جو آج کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

سید صاحب آخری عمر میں سید محمود کی رائے سے بے حد متأثر ہو جاتے تھے۔ "قانون ٹرسٹیان" کے سلسلے میں سید صاحب نے جس ضد اور سختی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے کالج کے وقار اور شہرت اور خود ان کے سکونِ دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اس بل کو منظور کرانے کے لئے جو جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے۔ وہ اس جلیل القدر شخصیت کے شاندار محاسن کے پہلو میں زیبا نہیں معلوم ہوتے۔ نواب وقار الملک جو سید صاحب کے زبردست مدّاح لیکن اس بل کے معاملے میں ان کے مخالف تھے۔ ایک پمفلٹ میں لکھتے ہیں[1]۔

"کہ صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی۔ کہ مروّت سے ہی کام نکل سکے۔ بلکہ اس سے زیادہ کارروائی ہوئی ہے۔ میں نے بچشم خود سید صاحب کی وہ تحریر بھی دیکھی ہے اور سید صاحب نے اس کو مخفی

---

[1] وقار حیات - ص ۳۹۵

بھی نہیں رکھا۔کوئی دقیقہ اس بات کے لئے اٹھا نہیں رکھا ہے۔کہ رائے دینے والے سید محمود کے حق میں رائے دیں۔رائے دینے والوں کو یہاں تک خوف دلایا گیا ہے۔کہ اگر وہ سید صاحب کی تجویز سے اتفاق نہ کریں گے۔تو سید صاحب صرف سکرٹری کے عہدے سے ہی استعفا نہ دیں گے۔بلکہ جو مدرسہ کے متعلق اس وقت تک ہوا ہے۔اس سب کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیں گے۔" الخ

ان دنوں میں سید صاحب کی طبیعت میں جو کمزوری اور ضد پیدا ہو گئی تھی۔وہ یہاں تک بڑھ گئی تھی۔کہ" اب جو آپ کے قلم سے ناں نکل گئی۔تو خدا ہی ہے۔جو اس کی جگہ ہاں نکلے"[1]

ان تمام تنازعات میں مولانا حالی سید صاحب کی" ڈسپاٹک طبیعت" کا اقرار کرتے ہوئے اُن کے طرز عمل کو کسی حد تک" استحسان" کا لباس پہنانا چاہتے ہیں۔اور فرماتے ہیں[2]۔کہ" اگر فرض کر لیا جائے۔کہ سر سید کی رائے اس باب میں خطا پر تھی۔تو بھی جب ٹرسٹی بل قاعدہ کے موافق پاس ہو چکا تھا۔تو کالج کے ہوا خواہوں کو اسے سر پر رکھنا چاہیئے"۔ ہوا خواہان کالج کے بارے میں جو ارشاد ہوا۔بجا اور درست! لیکن سید صاحب کے متعلق ہم کیا قطعی رائے قایم کریں۔کہ اس شور و شر میں حق بجانب تھے۔یا غیر حق بجانب!

حالانکہ واقعات یہ ہیں۔کہ اس زمانے میں خود مولانا حالی سید صاحب کی مخالفت میں دوسروں کے ساتھ شریک تھے۔اور ان دنوں کالج کی اصلاح کے متعلق جو سلسلہ مضامین اخبارات میں نکلنے کو تھا۔مولانا حالی کا نام بھی ان میں ہوتا[3]۔لیکن حیات جاوید میں جو پاس ادب ملحوظ ہے۔وہ مشرقی عقیدت اور خاطر داری کا پہلو لئے ہوئے ہے ع

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

ایک لحاظ سے یہ بھی قابلِ داد ہے!!

---

[1] وقارِ حیات۔ص ۴۱۸۔ نواب وقار الملک کا ایک خط؂

[2] حیات جاوید۔ص ۱۹۲

[3] وقار حیات۔ص ۴۲۰

سید صاحب نے انڈین نیشنل کانگرس سے مسلمانوں کو من حیث القوم الگ رکھا۔ گویا درحقیقت انہوں نے رسید صاحب نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ ایک خاردار جھاڑی ہیں جو شاید اور وں کے لئے درخت باروار ہو۔ ان کا دامن الجھنے نہیں دیا۔[1] اگرچہ آج بھی اسلامی سیاست کا رجحان ادھر ہی ہے۔ لیکن اب ہوا کا رُخ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور حالات میں اس قدر انقلاب آگیا ہے۔ کہ سید صاحب کی رائے پر دیر تک قایم رہنا ممکن ہے مضر ثابت ہو۔ کیونکہ اب تو "اسیران قفس" نے "بہ نخل خانہ صیاد آشیان بستند" کے مصداق حکومت کے سند پر قدم رکھ دیا ہے ؞

مولانا حالی پر اس خاص معاملہ میں بھی بطور سوانح نگار ہمارا یہ اعتراض ہے۔ کہ انہوں نے سید صاحب کی اس رائے کے لئے اپنی طرف سے جو تاویلات پیش کی ہیں، یہ کام ان کے فرائض سے خارج تھا ؞

اس تمام بحث کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی یہ لائف اگرچہ مفصل اور تمام حالات کی جامع لکھی ہے۔ اور کسی نہ کسی جگہ دبی زبان سے ان کے طرز عمل اور رائے کی مخالفت بھی کی ہے۔ لیکن ہے "ہمدردانہ"۔ بلکہ "بے حد ہمدردانہ" اور بعض جگہ سعی تاویل کی وجہ سے واقعی "مدلل مداحی" معلوم ہوتی ہے ؞

یہ صحیح ہے۔ کہ "تنقید" کا معنی قطع و برید اور تنقیص نہیں۔ بلکہ "ہمدردانہ تبصرہ" ہے، لیکن "ہمدردانہ" سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہم "موضوع" کو اس کے ماحول اور خاص حالات سے مجبور پا کر اس کی مشکلات پر ہمدردی سے نظر ڈالیں۔ اور اس کے نقطۂ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ نہ یہ کہ وہ نقایص جو مسلم طور پر نمایاں ہوں۔ اور ان میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ان کی بھی تاویل کریں۔ سید محمود صاحب کے حق میں سید صاحب کی مسامحت اور مولانا حالی کی اس کے متعلق تاویل بلکہ خاموشی ناقابل درگذر ہے؞

مولانا نے حیات جاوید کے باب "ریفارمیشن" میں سید صاحب کے مصلح، مجدد یا رفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وقایع نگاری نہیں۔ بلکہ وکالت ہے (ص ۳۸۲ - ۳۸۶)

---

[1] حیات جاوید - ص ۳۰۴

اسی محبت کے جوش میں فرماتے ہیں"۔ علمائے سلف میں سے کسی شخص نے عام اصلاح کا ارادہ نہیں کیا" (ص ۲۷۷) حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ اس کی تردید کر رہی ہے +

مسلمانوں کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق جو مخالفت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ مسلمان" ابتدائے اشاعت اسلام سے جس ملک میں گئے۔ اور جہاں جاکر رہے مستثنیٰ صورتوں کے سوا کبھی ان کو غیر ملک اور غیر قوم کی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی" (ص ۲۶۶) آپ فرماتے ہیں۔ کہ" وہ طبعی نامناسبت جو تیرہ سو برس سے ان میں متوارث چلی آتی تھی۔ ایک اجنبی زبان کو سیکھنے کی ان کو اجازت نہ دیتی تھی"۔ (ص ۲۶۷) حالانکہ ایران، ہندوستان اور چین کی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مسلمان جہاں گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد ملک کی دیسی زبانوں کو اپنایا۔ اور ان میں وسیع لٹریچر پیدا کیا۔ ہاں اس کلیہ کے کچھ مستثنیات بھی ہیں +

ہم حیات جاوید کے معنوی محاسن و نقائص کے موازنہ سے فارغ ہو چکے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے۔ کہ اس تصنیف کی ظاہری خصوصیات کیا ہیں؟ اور یہ کہاں تک ایک ادبی تصنیف قرار دی جا سکتی ہے؟ یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ یورپ میں (جس کی ہم اعلاناً یا عملاً تقلید کرتے ہیں۔ خواہ اقرار باللسان نہ ہو) بیاگرافی کا موجودہ رجحان یہ ہے کہ بیاگرافی کی خوبی میں form کا بہت زیادہ حصہ نہیں[ل]۔ بلکہ اصل چیز جو ضروریات میں سے ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ "موضوع" کی واقعی اور حقیقی تصویر کھینچی جائے۔ اور اس میں صداقت کا پورا خیال رکھا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ موضوع کی ہو بہو تصویر بنانے کے لئے بہر حال قلم، الفاظ اور ترتیب الفاظ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے۔ کہ تصنیف کو ایک ادبی شاہکار بنانے کے لئے واقعیت اور صداقت کا خون نہیں ہونا چاہیئے +

اسی خیال کے ماتحت ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ حیات جاوید کی ظاہری خصوصیات یعنی ترتیبِ مضامین، اسلوبِ بیان، اور زبان کا سرسری جائزہ لے لیں۔ اگرچہ یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق اُردو ادب کے مؤرخین بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہمارے لئے ان کی خوشہ چینی شاید چنداں

ل Harold Nicolson

معیوب نہ سمجھی جائے ٭

حیات جاوید ایک طویل اور ضخیم تالیف ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ضخامت اُس حد سے بڑھے ہوئے جوش عقیدت کے سبب ہو جس کا ذکر گذشتہ سطور میں آچکا ہے۔ ہم مصنف کے ممنون ہیں کہ ان کی مساعی سے سرسید کی طویل اور پُر از واقعات زندگی کے مفصل حالات ہمیں مل گئے ہیں۔ جو مواقع بوجہ معاصر ہونے کے انہیں حاصل تھے۔ یا جو نظران کی اس زمانے کی تاریخ، ماحول۔ اور علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کے متعلق تھی۔ وہ کسی بعد میں آنے والے کو قدرتاً حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات یہ مبارک بات ہوئی۔ کہ سید صاحب کی لائف کا بیش بہا ذخیرہ ہمارے ادب میں پیدا ہو گیا ہے۔ ملک میں حالی کی ذات اور ان کے کارناموں کے متعلق جو خوشگوار دلچسپی نشوونما پا رہی ہے۔ کیا ہم اس سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں۔ کہ کوئی فاضل حیات جاوید کا ملخص تیار کرتے ہوئے اُردو ادب میں قیمتی اضافہ کریں گے۔ جس سے سرسید اور مولانا حالی کی ارواح پُر فتوح کو مسرت حاصل ہو گی۔ اور ملک اور ادب پر احسان ہو گا ٭

حیات جاوید کے مطالعہ سے باوجود اس کی ضخامت اور طویل الذیل ہونے کے ایک طرح کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اس سے سید صاحب کی لائف کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن اس بات کا کچھ جواب نہیں۔ کہ بعض اوقات لمبے لمبے اور پے در پے اقتباسات بار خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین کو سمیٹا جاتا۔ تو شاید زیادہ دلکشی پیدا ہو جاتی ٭

کتاب سہولت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں سید صاحب کی زندگی کے واقعات اور کارنامے (علمی۔ مذہبی۔ سیاسی) گنائے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں انہی کارناموں پر مفصل تبصرے ہیں۔ اس ترتیب اور تقسیم سے تکرار، اور طول پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی ضخامت کو بڑا بنانے والا ایک عنصر ہے۔ اصولاً تو اس تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن بالگرافی میں ادبی، سیاسی، اور علمی تنقید کا عنصر ضرورت سے زیادہ داخل ہو گیا ہے (جو بجائے خود

بہت قابل قدر ہے) ؛

اسلوب بیان کی خصوصیات وہی ہیں - جو ایک لمبی کتاب کے لئے ضروری ہیں - فقرے سادہ لیکن طویل، بیان منطقیانہ اور مدلّل، تحریر سے صداقت، خلوص، ہمدردی، اور یک رنگی ظاہر ہو رہی ہے، ہر ہر پیراگراف سے مولانا حالی کی شخصیت جلوہ گر ہو رہی ہے مصنّف کو اپنے "ہیرو" کے متعلق جو گہری واقفیت ہے - اس کا راز ہر ہر سطر سے آشکارا ہوتا ہے - اس لئے بعض بعض بیانات میں مصنف کا اضطراب تفصیل اور جامعیت کے لئے چھلک رہا ہے ؛

کتاب میں سید صاحب کی علمی، ادبی، سیاسی، اور مذہبی سرگرمیوں کا ذکر ہے - اور اس سلسلے میں کئی موقعوں پر خالص فنی اور اصطلاحی بحث و تحیص کی ضرورت پڑی ہے لیکن بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے - کہ انہوں نے اپنے عام اسلوب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا - وہی سادگی، وہی پاکیزگی، وہی متانت قایم رکھتے ہیں - تفسیر القرآن کے متعلق جو تنقید و تبصرہ ہے - اس میں خالص دینی اصطلاحات کا آنا ناگزیر ہے لیکن کوشش یہی ہے - کہ جو لکھا جا رہا ہے آسانی سے سمجھا جائے ؛

مولانا کی علمی اور پبلک زندگی کی سب سے بڑی شان یہ ہے - کہ ان میں "خود پسندی" بالکل نہیں - سر سید کی لائف میں جن کے ساتھ عمر کا بہت سا حصہ انہوں نے بسر کیا - اس بات کے بیشمار مواقع تھے - کہ وہ سید صاحب کے کارناموں کے ضمن میں اپنی شہرت، علمیت اور بڑائی کا صور بھی پھونکیں - لیکن سوائے چند شاذ مقامات کے ان کا اپنا ذکر اس ضخیم کتاب میں کہیں نہ ملے گا ؛

اس خوبی کے ساتھ ایک وصف یہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے - کہ انہوں نے طعن و تعریض سے اکثر احتراز کیا ہے، مولانا حالی نے حیات جاوید میں مولانا شبلی کے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" پر جو اظہار رائے کیا ہے اس میں ناراضگی یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں - لیکن یہی مولانا شبلی ہیں - جنہوں نے حالی کی حیات جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے - اس کا لب و لہجہ درشتی کی طرف مائل ہے - مقالات میں امام ابن تیمیہ کے ذکر میں مجدد کے اوصاف و شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "- لیکن آج کل صرف یورپ کی تعلید کافی ہے"۔ (ص ۲۶۸) مولانا حالی نے سید صاحب کے مجدد یا ریفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے - یہ اس پر چوٹ ہے - اس قسم کی

لہ اس بحث کے لئے مشہور انشا پرداز مہدی حسن کا مضمون "شبلی حالی کی معاصرانہ چشمک" ملاحظہ ہو ؛

تعریفیں حالی کی تحریروں میں بہت کم پائی جائیں گی ؛

کہا جاتا ہے کہ مولانا حالی اپنے اسلوب بیان میں سرسید کے مقلد تھے۔ اور غالباً یہ زیادہ غلط نہیں۔ سید صاحب کی تحریروں میں عالمانہ صفائی نہیں تھی۔ مولانا حالی کی تحریروں میں علمیت کی شان نظر آتی ہے۔ ہاں سید صاحب کی طرح الفاظ کی تراش خراش، تشبیہ و استعارہ کے تکلفات، شاعری اور خیال آرائی، بات کم اور عبارت طویل، قافیہ پیمائی اور جادو طرازی، ان کی کتابوں میں نہ ملے گی۔ نظم و نثر دونوں میں انہوں نے اپنے اس شعر پر عمل کیا ہے ؎

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام　　　ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

حیات جاوید میں مولانا کا طرز تحریر تشریحی ہے۔ مثلاً ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی تشریح اور توجیہ کے لئے بہت سا وقت صرف فرماتے ہیں جس سے ان کی یہ کتاب "تبلیغی" بن گئی ہے لیکن یہ نقص شاید صرف حیات جاوید میں پایا جاتا ہے، اس معاملے میں حیات سعدی اور یادگار اور مقدمہ شعر و شاعری بے عیب ہیں۔ کیونکہ وہاں "ہیرو" کی صفائی پیش کرنے کے لئے انہیں اتنی بے قراری نہیں ؛

موجودہ تصنیف میں ایک خاص بات بہت نمایاں ہے (اور شاید دوسری تصانیف بھی کسی حد تک اس میں شریک ہیں) اور وہ یہ ہے۔ کہ بعض جگہ بے موقع "وعظ و نصیحت" شروع کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو حسن اخلاق اور ہمدردی قوم پر ابھارتے ہیں جس سے یہ سوانحعمری "یادگاری" اور "تبلیغی" بن جاتی ہے لیکن یہ چیز اس زمانے کے ماحول اور کتاب کے مقصد کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس عہد کے اکثر مصنف اسی طریق عمل کے پابند ہیں ؛

حالی میں "جوش بیان" کی کمی ہے۔ سید صاحب کو ۱۸۵۷ء کے ماحول میں دکھاتے ہیں لیکن تمام واقعات کا ذکر اس سکون سے کر رہے ہیں گویا کہ وہ ایک قوم کا خفیف سا اضطراب تھا۔ جس نامور شخصیت کی سوانح کے لئے وہ حیات جاوید جیسی کتاب لکھتے ہیں۔ اس کی وفات کی تقریب پر صرف معاصرین کے مراثی اور ماتمی تقریروں اور تحریروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور زبانِ قلم مارے شدتِ غم کے بعض رسمی الفاظ سے آگے نہیں بڑھتی ؛

گذشتہ سطور میں سٹائل کی جن کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے لئے مستثنیات تلاش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہر کلیہ کے لئے مستثنےٰ کا ہونا ضروری ہے ؛

سید محمد عبداللہ

(ترجمہ)

ادبیاتِ ایران

ایران فی الحال جادۂ ترقی ادبیات میں اکثر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ دوسرے ممالک میں مرور دہور سے ادبیات نے تنوع پیدا کر لیا ہے اور اسی پر تو تنوع سے تمامی طبقاتِ ملت کی روحوں کو اپنا مسخر کر لیا ہے۔ اور ہر مرد و عورت۔ طفل و جوان و پیر اور امیر و غریب سب کو راغب پڑھنے پر بنا دیا ہے۔ جو باعث ترقی معنوی افراد قوم ہو گیا۔ لیکن ایرانی بدبختی سے جادۂ اسلاف سے قدم باہر رکھنے کو مایہ تخریب ادب جانتے ہیں۔ اور عموماً وہی جوہر استبدادی سیاسی ایرانی جو دنیا میں مشہور ہے۔ دربارہ ادبیات بھی دیکھا جاتا ہے چنانچہ جب کوئی لکھنے والا قدم اٹھاتا ہے۔ تو اس کی نظر صرف گروہ ادبا و فضلا پر منحصر رہتی ہے۔ اور ادنیٰ توجہ بھی دوسرے گروہ کی طرف نہیں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور سادہ و بے تکلف عبارات لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی پیش نظر نہیں ہوتے۔ مختصر یہ کہ ڈبا کرسی ادبی کے پاس تک نہیں پھٹکتے ۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ مسئلہ مخصوص ایران ایسی سلطنت کے لئے کہ جہاں کی جہالت و عدم اعتناء ہر طرح کی ترقی گروہ مردم کے لئے مانع ہے بہت زیادہ سرمایہ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو علم و دانش سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اور سالک مسالک حقائق رہ کر راہ کسب قوت و غذا روحی میں منہمک ہیں۔ لیکن وہ اشخاص کہ بفحواء ھم کالانعام بل ھم اضل میں شامل ہیں۔ اگر کوئی ان کی فکر نہ سے اور ان کی پرواہ نہ کرے۔ تو یہ تا قیام قیامت جہل و ذلت و تاریکی میں حیران و سرگرداں رہیں گے ۔

اکثر ممالک متمدنہ میں اسی قسم کے خیالات باعث تاسیس تعلیم عمومی جبری ہوئے ہیں۔ یعنی ارباب علم و بینش و فضل و کمال کو یہ منظور ہوا۔ کہ عوام بھی مراتب علم و معرفت سے بہرہ یاب ہو جائیں

اگر ایسا نہ ہو۔ اور اہل فضل یہ خیال کریں کہ آخر کار خود عوام خوبہائے علم کو سمجھ کے اس کے کسب وتحصیل کے درپے ہوں گے۔ اور کسی پر لازم نہیں ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ان کی اصلاح میں صرف کرے۔ ہرگز ایسا نہیں کہ عوام اپنے آپ اس قسم کے خیالات میں پڑیں۔ اگر یہ ادعا مبنی بحقیقت ہوتا تو اب تک ایرانی کب کے باسواد ہو گئے ہوتے۔ بجائے اس کے کہ تقریباً دو فیصدی بھی پڑھے لکھے نہیں ہیں کم سے کم ایک تہائی یا چوتھائی قوم ایرانی پڑھی لکھی ہوتی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ہمارے ہموطن اشخاص اعیان و بزرگان و تجار میں سے جنہیں ہر طرح کے اسباب حاصل ہیں پھر بھی اب تک ایک شخص ایسا نہیں کہ ایک مہینہ بھی اپنے اوقات کا تحصیل نوشت و خواند میں صرف کرے اور کور سوادی ہی بہم پہنچالے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے ملک میں ارباب قلم و فن تحریر عموماً عوام سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ اور اسی انشاء غامض اور عوام نفہم کا تتبّع کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ممالک متمدنہ کی یونیورسٹیوں میں کہ جن کے سر رشتہ ترقی ہاتھ لگ گیا ہے انشاء سادہ و بے تکلّف اور عوام فہم ہی کو تمام اقسام انشاء پر اختیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس ملک کے لوگ مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اور انشاء مشکل کے سمجھنے میں چنداں عاجز نہیں۔ پھر بھی انشاء سادہ ان کے نزدیک مستحسن اور ممدوح ہے۔ اور لکھنے والے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہی زبان رائج اور معمولی جسے لوگ کوچہ و بازار میں بولتے ہیں۔ اسی کو تعبیرات و اصطلاحات متداولہ کے ساتھ لباس ادبی میں لایا جائے اور نکات صنعتی سے آراستہ کر کے تحریر میں لایا جائے۔ حتےٰ کہ علمائے متبحر بھی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اپنی تصنیفات اور تحریرات کو جہاں تک ہو سکے زبان سادہ میں لکھیں۔ علاوہ ازیں بیشتر علماء مطالب کے سمجھانے میں علمی حقایق کو پیرایہ حکایت میں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ عالم و منجم مشہور فلاماریون فرانسیسی کہ زمانہ موجودہ کے مشہور ترین علماء میں سے ہے بہت سے مسائل مہمہ علم ہیئت و نجوم و ریاضی کو بطور افسانہ وناول بیان کرتا ہے۔ اور یہ ناول فی الحال اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔ اور دنیا ان سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہی ہے

حالانکہ اگر وہ چاہتا تو صرف اپنے ہمسر علما و فضلا کو طرف خطاب قرار دیتا اس صورت میں اس کا وقت کم صرف ہوتا۔ لیکن اس کی صدا اُن چند علماء کے کان تک پہنچتی جن کو مخصوصاً ہیئت و نجوم سے تعلق خاطر ہے۔ حالانکہ اس وقت اس کی آواز تمام دنیا میں گونج رہی ہے۔ اور کروڑوں بنی نوع انسانی کی جانیں اسرار طبیعی اور ادراک حسن بے نہایت آفرینش سے آشنا ہو کر لذت یاب ہو رہی ہیں ۔

جب کسی کی توجہ ادبیات حالیہ فرنگستان پر ہو تو ممکن ہے۔ کہ نظر اولی میں کثرت افسانہ کو۔ جو فے الحال رکن اعظم ادبیات فرنگستان ہے۔ اس بات پر محمول کرے کہ ادبیات فرنگستان خرابی و نقصانات کی طرف جا رہے ہیں۔ درصورتیکہ بے شک و شبہ کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں ترقی ادبی جواب فرنگستان میں ہے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زندگانی اہل فرنگ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ امر بہت واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب بھی مثل چھری۔ کانٹا۔ جراب اور رومال کے ان کے لوازم حیات سے ہو گئی ہے۔ بے شک اس کا عمدہ سبب انشاء کا صورت افسانہ و حکایت میں آجانا ہے ۔

افسانہ سے علاوہ منافع مذکورہ کے دوسرے اہم فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ درحقیقت اُن لوگوں کے لیے جنہیں کسب معاش میں روزانہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے وقت فرصت انشاء رومانی مدرسہ کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ مدرسہ میں جا کر اُن معلومات کی تکمیل نہیں کر سکتے جو فی الحال روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اور نہ ان کا دماغ ہی اتنا ہوتا ہے کہ علمی اور فلسفی کتابوں کا مطالعہ کر کے معرفت حاصل کریں۔ مگر افسانہ زبان شیریں اور طرز دلکش و لذت بخش سے بہت سے لازم اور مفید معلومات ہم کو سکھاتا ہے۔ جس سے دماغ اور جان کو تازگی اور فرحت و نشاط حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ معلومات تاریخی یا علمی ہوں یا فلسفی و اخلاقی ۔

علاوہ اس کے ایک قوم کے لوگ جو اختلاف شغل و کار و معاشرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے حالات خیالات حتیٰ کہ جزئیات نشست و برخاست سے بھی ناواقف ہوتے ہیں افسانہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف اور ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شہری نہیں

جانتا کہ دیہات میں دلہن دولھا کے گھر کس طرح جاتی ہے۔ اور دیہاتی کو نہیں معلوم کہ شہر کی عورتیں دن کیسے بسر کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ شہر کے فقرا اسی شہر کے اغنیاء کے کاروبار سے اور اس کے برعکس متموّل اور بڑے لوگ ماتحتوں اور خادموں کی زندگانی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہمارے ایران میں بڑے بڑے شہروں کے رہنے والوں کے کان تک ایک دوسرے کے اوضاع و اخلاق و عادات کے حالات نہیں پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ باشندگان قوچان نہ جانتے ہوں کہ طہران میں بقرعید کیونکر ہوتی ہے۔ اور باتوں کا قیاس اسی پر کرلو۔ افسانہ ایک قوم کے گروہ ہائے مختلفہ کو ایک دوسرے سے آگاہ اور آشنا بنا دیتا ہے۔ شہری کو دیہاتی سے۔ ملازم حکومت کو تاجر سے۔ کرد کو بلوچی سے۔ قشقائی کو گیلک سے۔ پابند شریعت کو صوفی سے۔ صوفی کو زردشتی (آتش پرست) سے۔ زردشتی کو بابی سے۔ طلبہ کو پہلوانوں سے۔ کچہری والے کو بازاری سے نزدیک کر کے ہزاروں اختلاف مغائرت تعصب آمیز کو جو بوجہ جہالت و نادانی و عدم آشنائی ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہوئے ہیں دُور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تمام اقوام و ممالک کے حالات تمدنی و اندرونی و روحانی سے واقف اور خبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اور کتب تاریخی نہیں پڑھنا چاہتے ہیں کہ جو صرف زندگانی سیاسی و فوجی ایک ملک و قوم کی اور وہ بھی بطور ناقص و ناکافی بتاتی ہیں) تو انہیں اور مطمئن ہونا چاہیں کوئی طریقہ اس ملک و ملت کے حالات معلوم کرنے کا اس ملک کے افسانہ پڑھنے سے بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ فی الحال مثلاً کوئی خان کرد جو کسی زمانہ میں وسط کردستان میں رہتا ہے۔ افسانہ کے وسیلہ سے بہت کچھ جزئیات معاشرت و رسوم اہل آئس لینڈ سے واقف ہو سکتا ہے۔ جو دنیا کے سرے پر وسط بحر اوقیانوس میں واقع ہے اور ممکن ہے کہ اب تک وہاں کسی ایرانی کا قدم نہ پہنچا ہو۔ اور اسی طرح اس کے برعکس +

کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم و ملت کے حالات اخلاقی اور خصائل مخصوصہ کے دکھانے کے لئے افسانہ سے بہتر کوئی آئینہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ دُور بیٹھ کے ملت روسیہ کے پہچاننے کے لئے تولستوئی اور دوستوبوسکی کی کتابوں کے پڑھنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ اسی طرح

اگر ایک شخص ایرانیوں کو جاننا چاہے تو موریر کی کتاب **حاجی بابا** اور **جنگ ترکمان** اور **قنبر علی** مصنفہ **کاؤنٹ گوبنیو** سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی ؛

چونکہ انسان عموماً افسانہ ایسی چیزوں کے پڑھنے کی طرف راغب اور ذاتاً مائل ہے۔ لہٰذا اس کے وسیلہ سے ہر طرح کی سیاسی یا علاوہ سیاسی تبلیغ (پروپگنڈا) کی جا سکتی ہے۔ اگر الجزائر میں سنکو تیچ لمستانی ایسے ماہر مصنف ہوتے کہ ان کے افسانے یوروپ اور امریکہ میں مشہور ہوتے تو ہر ایک افسانہ سو فوجوں اور بہت سے فصیح و بلیغ لکچروں کا کام دیتا جس طرح سنکو تیچ کے رومانوں نے لوگوں کی محبت و شفقت کو اس سلطنت اور قوم کی طرف جذب اور مائل کیا۔ اور عام اہل دنیا کی فکروں کو ان کا معین و مددگار بنا دیا ؛

سب سے بڑھ کے فائدہ افسانہ اور انشاء رومانی کا یہ ہے جو ایک قوم اور سلطنت کی زبان کو عاید ہوتا ہے۔ فقط انشاء رومانی ہی ہے جو خواہ بشکل کتاب یا تھیٹر یا اخبار مواقع استعمال کلمات و محاورات و ضرب الامثال و ترکیب کلام مختلف و لہجہ ہائے گوناگون پیدا کرتا ہے۔ حتےٰ کہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ملت کے مختلف طبقات کی گفتار کا گراموفون ہے۔ حالانکہ انشائے قدیمی (کلاسیک) اور علمی اس خدمت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور شاذونادر اُن کلمات کے استعمال کا موقع پیدا کر سکتا ہے۔ جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مثلاً کم اتفاق واقع ہوتا ہے کہ ایک قصیدہ یا غزل گو شاعر کہ یہ دونوں صنف کلام ایران میں مرغوب تر ہیں عید نوروز کے موقع پر یا دربارہ شکار ایسی نظم لکھے کہ جس میں نوروز اور شکار کے تمام کلمات و اصطلاحات و تعبیرات وغیرہ جو شکار اور نوروز کے مناسب ہیں کسی قصیدہ یا قطعہ میں صرف کرے۔ اگر ایسا ارادہ بھی کرے تو مجبوراً بہت سے کلمات اور تعبیرات اہم سے اسے صرف نظر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بعض کلمات منافی وزن شعر ہوں گے اور بعضے فصاحت قصیدہ سے خارج ؛

یہ دائرہ کلمات و تعبیرات کے محدود ہونے ہی کا سبب ہے کہ اغیار جو فارسی کو کتابیں پڑھ کے حاصل کرتے ہیں باوجودیکہ اس سہل زبان کی تحصیل میں ایک مدت دراز صرف کر دیتے ہیں

پھر بھی جب ہم سے فارسی بولتے ہیں۔ تو ہم ایرانیوں کو ان کی فارسی پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے مثلاً عثمانی کہ تعلیم و تعلم زبان فارسی ان کے مدارس میں لازمی ہے۔ انہیں چند الفاظ دوست اور معشوقہ کے لئے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے یار۔ دلدار۔ جاناں۔ دلبر۔ نگار وغیرہ۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ہر بار مثلاً چھٹے سے آگ جان میں لگاتا ہے۔ یا اس کی ضرب دست چہرہ رقیب گستاخ پر چک اور کشیدہ (تھپیڑ) کہلاتی ہے ؛

میں خود ایک عثمانی ترک سے ملا جس کو ہزارہا اشعار دیوان شعراء ایران کے زبانی یاد تھے باوجود اس کے ہم مجبور ہوئے کہ اپنے سادہ مطالب کو فرانسیسی میں ایک دوسرے سے ادا کریں کیونکہ اس کی فارسی ہم اور ہماری فارسی وہ کمتر سمجھتا تھا۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ ایسی کتابیں جو زبان حال رائج میں لکھی گئی ہوں ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ جن سے وہ فارسی سیکھیں۔ اور ہمارے انشاپرداز عموماً اپنی کسرشان سمجھتے ہیں کہ نثر میں لکھیں۔ اور اگر نثر لکھنا بھی چاہتے ہیں تو طرز تحریر گلستان سے قدم باہر نہیں رکھتے ؛

باربیہ دومینار مشہور مستشرق فرانسیسی تمثیلات میرزا فتح علی آخوند کے ترجمہ کے مقدمہ میں کسی ایسی کتاب کے نہ ہونے کے بارہ میں جو زبان فارسی معمولی میں لکھی گئی ہو۔ اور یوروپین طالب علموں کو فارسی سیکھنے میں کام آئے لکھتے ہیں :-

خود اہل مشرق سے درخواست کرنا چاہیئے کہ ایک نمونہ اور سرمشق اپنی زبان رائج کا ہمارے لئے مہیا کریں لیکن بدقسمتی سے اس قسم کی کتابیں خود ان کے پاس کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اور ایسے شخص کے لئے جو قواعد اور ذوق ادبی عالم اسلام سے آشنا ہے۔ یہ کہ نثر زبان رائج کی کسی طرح سے تعجب نہیں ہے چونکہ عالم اسلام میں اگر کوئی شخص بولنے کے موافق کوئی کتاب یا اخبار لکھنا چاہے۔ تو اس میں وہ اپنی کسرشان اور توہین اور آمیزش در مقدسات اور حکم خیانت در علم معانی و بیان سمجھتا ہے اور ایسی سعی لغو اور باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ موجب لعن و طعن ہوتا ہے ؛

تعجب اس بات کا ہے کہ تمام اس عہد آخر میں ہمیشہ مصنفین جیسے حسن علی خان امیر نظام

ومیرزا ابوالقاسم قائم مقام ومیرزا عبدالوہاب نشاط جو صاف اور سادہ لکھا کرتے تھے اور متقدمین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ مورد تحسین عام ہوئے اور ان کے مصنفات میں سے جو ہاتھ آیا متعدد بار چھپ چکا ہے۔ پھر بھی ہمارے ادیب اس سے تنبہ حاصل نہیں کرتے اور ان کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہوتا ؂

المختصر ہم نے جو یہ کہا کہ انشاء حکایتی استعمال کلمات کے لئے بہترین انشا ہے ظاہر ہے کہ جب کلمات اور لغات رائجہ کسی جگہ محفوظ ہو جائیں گے اور ان کے محل استعمال معین اور واضح ہونگے تو کسی وقت میں اور تعبیرات قدیم درمیان سے اُٹھ جائیں گے اور ان کی جگہ نئے کلمات اور تعبیرات لے لیں گے اور کتاب ہائے افسانہ وقصہ بہترین خزانہ ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ زبان کے لئے کتب لغات وفرہنگ سے بھی بہتر ہونگے۔ کیونکہ لغات چاہے کتنا ہی مفصل اور مشرح ہوں۔ پھر بھی محل استعمال لغات واصطلاحات جیسا کہ چاہیئے معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ افسانہ برعکس لغات کماحقہ اس امر سے عہدہ برآ ہوتا ہے ؂

علاوہ اس کے بہت سے کلمات وتعبیرات واصطلاحات واشارات لسانی ایسے بھی ہیں جو ہرگز کتب لغات میں نہیں آسکتے۔ جیسے کہ وہ کلمات جو عموماً مشہدی اور راو باشوں میں معمول ہیں ؂

(باقی دارد)

شاداں

راسا اور ابوالفضل

پنڈت موہن لال وشنولال پنڈیا اپنے مضمون میں جس کا خلاصہ ہم اپنی پہلی قسط میں درج کر آئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ 'چند چھند ورن مہیما' میں جو سمبت ۱۶۲۹ بک / ۱۵۷۲ء مطابق سنہ ۹۸۰ھ کی تالیف ہے۔ مذکور ہے کہ سمبت ۱۶۲۷ بک / ۱۵۷۰ء میں جلال الدین اکبر پادشاہ نے پرتھی راج راسو اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے سنی تھی ؛

یہ بیان اگر صحیح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ راسا جلال الدین اکبر کے عہد میں موجود تھا لیکن جو تاریخ پنڈت جی دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس تاریخ میں ایک یا دو دہائی کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ ہندویات میں اکبر کا شغف اس عہد سے بعد کا قصہ ہے

بعض وجوہ ہمارے پاس ایسے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ راسا اکبر کے عہد میں موجود تھا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں وجود میں آیا ہو۔ ابوالفضل کے بعض بیانات سے جن کی تفصیل ذیل میں آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راسا کے بعض مطالب سے واقف ہے۔ لیکن یا تو راسا اس کی موجودہ شکل میں اس کے پاس نہیں ہے یا کوئی اور تالیف جس کے مضامین راسا سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر بعض امور میں تناقض اس کے سامنے ہے۔ ابوالفضل مسلمانی تاریخ کے ان بیانات سے جو شہاب الدین کے ... ت میں مفصل ملتے ہیں اعراض کر کے ہندی مآخذ کی سند پر کہتا ہے کہ پرتھی راج نے شہاب الدین کو سات مرتبہ شکست دی اور آٹھویں مرتبہ اس سے مغلوب ہوا۔ چنانچہ :-

"ہندی نامہا بر گویند ہفت بار (بہ) سلطان پیکار آراست و شکست داد۔ پانصد و ہشتاد و ہشت ہجری نزدیک تھانیسر ہشتم بار در بنر دگر فتار شد (صـ ۵۳۱۔ آئین اکبری مرتبہ بلاکمین) سلطان سے پہلے (بہ) میرا اضافہ ہے۔ جو قلمی نسخہ کی سند پر کیا گیا ہے ؛

یہ بیان یقیناً راسا کے بیانات کے مخالف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے تین سے زیادہ مرتبہ پرتھی راج سے شکست کھائی۔ پکڑا گیا اور زرِ فدیہ دے کر رہا ہوا۔ ابوالفضل کا بیان ممکن ہے کہ پہیر بہا کا وید سے ماخوذ ہو جو کہا جاتا ہے سمت ۱۴۲۶ بکرمی کی تالیف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل گویا ہے :۔

"راجہ راصد گو نامور ملازم بود۔ ہر یکے راسامنت گفتے شگفت کاری ایشان در کالبدگفت درنگنجد و عادت وخرد نپذیرد"۔ یہ اشارہ ہے ان سامنتوں کے ان مبالغہ آمیز اوصاف کی طرف جو راسا میں ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ مثلاً سات آدمی باری باری لڑکر شام تک سات ہزار آدمی قتل کرتے ہیں۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔ ایک ہی ضرب میں ہاتھی کی سونڈ اڑ جاتی ہے۔ ان سامنتوں کے سر اگرچہ تن سے جدا ہو جاتے ہیں لیکن دھڑ بدستور جنگ میں مصروف رہتا ہے اور جنگل تمام ٹھنڈا پڑتا ہے۔ اسی لیے ابوالفضل کہتا ہے کہ ان قصوں کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مگر قرین عقل مسلمانی تاریخ کے بیان کو ٹھکرا کر ہندو بیان کو ترجیح دینا اور پھر عقل کا سوال اٹھانا ہمارے نزدیک ابوالفضل کی زیادتی ہے۔

اکبر کا یہ زبردست مؤرخ راسا کے اس مشہور قصہ سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے۔ جس میں جے چند والی قنوج راجسو جگ مناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جے چند اس تقریب کے موقعہ پر تمام راجاؤں کو دعوت دیتا ہے۔ سب آتے ہیں مگر پرتھی راج شرکت سے انکار کرتا ہے۔ جے چند اس کا مجسمہ تیار کرا کر بطور دربان کھڑا کر دیتا ہے۔ پرتھی راج اس توہین سے مشتعل ہو کر پانسو گھڑ چڑھوں کے ساتھ ایلغار کرتا ہوا قنوج پہنچ کر اپنا بت اٹھا لے جاتا ہے جے چند کی لڑکی یہ خبر سن کر پرتھی راج پر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے۔ باپ کو پتہ لگتا ہے۔ وہ گھر سے نکال دیتا ہے پرتھی راج کو ان باتوں کی خبر لگتی ہے۔ وہ چاند بھاٹ کو جے چند کے دربار میں جانے کے واسطے آمادہ کر کے خود معہ اپنے سامنتوں کے بھیس بدل کر ملازم کی حیثیت سے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور موقعہ پا کر قنوج کی شہزادی کو لے کر نکلتا ہے۔ پرتھی راج کے وہ سامنت مختلف

بھرویوں ہیں اس کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک ایک سامنت جے چند کی فوجوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے گوبند رای گہلوت سدراہ ہوا اور بڑے معرکے انجام دے کر مارا گیا اس نے سات ہزار آدمی مارے۔ اس کے بعد نرسنگھ دیو اور چاندا اور پنڈیر اور سارو ہول سولنکی اور پالہن دیو کچھواہہ مع دو بھائیوں کے عجیب وغریب کارہای نمایاں سر کرکے راہی عدم ہوئے۔ علےٰ ہذا باقی سامنتوں پر گذری۔ اور سب کے سب راہ میں کام آئے اور راجہ مع چاندا بھاٹ اور دو بھائیوں کے اپنی نئی رانی کو لے کر دلّی پہنچ گیا۔ ابوالفضل کی اصل عبارت ذیل میں درج ہے:۔

"چنان برگزارند راجہ جے چند راٹھور فرماں روای ہندوستان در قنوج داد گری کردی و دیگر راجہا لختے نیایش بدو نمودی و از فراخی مشرب بسیاری ایرانی و تورانی پرستار بودی (یہ اشارہ ہے مسلمانی فوجوں کی طرف جو جے چند کے ہاں ملازم بتائی جاتی ہیں) سگالش جگ راجسو فراپیش گرفت و در سرانجام آن شد و ناگزران او آنست کہ راجہا بخدمت گری قیام نمایند تا دیگ شوئی و آتش فروزی بدینہا باز گردد۔ و نیز دران انجمن گزین دختر خود را باہین راجہ پیوند بخشد۔ راجہ پتھورا نیز سگالش رفتن داشت ناگاہ یکی را بر زبان رفت۔ با وجود سلطنت چوہان اندیشۂ راجسو او را سزا وار نبود۔ راجہ آتش حمیت برافروخت و باز ماند۔ راجہ جے چند بلشکرکشی رو آورد۔ کار دیدگان درازی کار و نزدیکی ساعت گذارده باز آوردند و بچارۂ انجام این جشن پیکر راجہ پتھورا از طلا ساختہ بدربانی نشاندند۔ راجہ ازین آگہی بر آشفت و با پانصد گزیدہ مرد لشکر ناشناساں رہ نوردید و ناگہانہ بدان ہنگامہ درپیوست۔ آن تمثال را بر داشت۔ فراوان مردم را جان شکردہ بجای بھائی باز گردید۔ دختر راجہ کہ آمادۂ دیگرے بود از شنید داستان مردانگی شیفتۂ پتھورا شد و تن بدان نداد۔ پدر رنجیدہ از شبستان بیرون آوردہ و از برای او منزلی جداگانہ بر ساخت۔ پتھورا ازین آگہی برشورید و بخواہش پیوند او برگشت و بدین قرار گرفت کہ چاندا بادفروش کہ از ہمسازان او بہم پیوست؛ بعنوان نیایش گری پیش جے چند رود و راجہ با برخی گزیدہ مردم بآئین ملازمان ہمراہ باشد۔ شوق اندیشہ

بگرو ادآور دو بدین طلسم ہوش مندی و جادوی مردانگی جویای آرزومندرا بر گرفت ولشکر فت کاری وتیز دستی بلک خود بازگرد یدو آں صد سامنت رانگوناگون لباس ہمراہ داشت ۔یکی پس از دیگری استادہ فوجہا بر شکست نخستین گوبندرای گہلوت بجنگ ایستادہ و کارنامہا بجا آوردہ فرو شد ہفت ہزار کس در آویزۂ او بسیلاب نیستی در شدند۔ سپس نرسنگہ دیو و چاندا و نپدیر و سارو صول سولنکی و پالہن دیو کچھواہہ ہا ہر دو برادر او ہمین روز یکی پس از دیگری شگرف کاریہا کردہ نقد زندگی بمردانگی سپردند۔ وآں راو مرداں کارزار ہمہ در راہ فرو شدند و راجہ با چاندا باد فروش و دو برادر او عروس بدہلی آوردو جہانی لشگفت زار افتاد" (ص ۵۳۲)

میں اس تمام بیان کا راسا کے بیان سے بخوف طوالت مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔کیونکہ راسا میں جزویات اور آرائشی حصہ کی اس قدر بھرمار ہے کہ اس سے ایک سیدھا سادا مسلسل بیان لینا ایک داستان لکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے میں پہلے دن کی جنگ کے بعض خط وخال یہاں نقل کر دیتا ہوں۔تاکہ ناظرین ان کا فرق خود ملاحظہ کرلیں۔ اس کے لئے راسو سار کو میں نے اپنا رہبر بنالیا ہے اور بے حد اختصار سے کام لیا ہے۔

"سات ہزار ملیچھ فوج نے جن کے افسر میر ہمام اور میر گرداں تھے ساونتوں پر حملہ کیا۔ان کی روک تھام کے لئے گوبندرای گہلوٹ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لے کر آگے بڑھا اور دو دستہ شمشیر زنی شروع کر دی۔ اور دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔آخر میر ہمام خاں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ میر نے اس پر تومر گرز یا نیزہ کا وار کیا اور چاہتا تھا کہ کمان ڈال کر کھینچ لے۔گوبندرای بروقت اُچھل کر الگ ہوگیا اور وار خالی دیا۔ اس پر میر نے بالک کا ہاتھ مارا ۔ لیکن بجائے زیر ہونے کے ا۔ پنے دشمن پر جھپٹا۔میر نے ایسا نیزہ مارا کہ کلیجہ کے پار نکل گیا۔راجپوت نے اس پر بھی کونت کا ہاتھ مارا۔ اتنے میں میر نے اس کا سر اڑا دیا۔سر تو گر گیا مگر دھڑ نے آفت مچا دی۔کٹار کے ایک ہی وار میں میر کو نو مردۂ صد سالہ بنا دیا اس کے بعد چار اور میروں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ اتنے میں آراس (آرائش) کا زنبور کلیجہ میں لگا اور گہلوٹ کا تن بے سر لاش بن کر

گر پڑا۔ مسلمانی فوج اب زور باندھ کر آگے بڑھی ؛

ادھر سے پجّون رای نے مورچہ لیا۔ اس کے مقابلہ کو پانسو مسلمان سپاہی بڑھے۔ یہ دیکھ کر کیہر رای۔ کنتھیر پرمار۔ بیپار رای۔ پڑھیار۔ بھوہار رای چندیل۔ بھوپ کچّا رای چالک۔ اور داہیما نرسنگھ رای پانچ سامنت پیدل ہو کر اس کی امداد کو آئے۔ اور حریف کو للکارا۔ خوب ہتیار چلا۔ گھمسان کا معرکہ رہا۔ آخر میں پجّون رای کا سر کٹ کر الگ جا گرا۔ مگر دھڑ نے وہ کارنمایاں کیا جسے دیکھ کر دیوتا بھی عش عش کرنے لگے۔ اس نے دم بھر میں ساری مسلمان فوج کو تتر بتر کر دیا۔ پجّون رای کے ختم ہوتے ہوتے تیسرا پہر ختم ہو چکا تھا ؛

اب حریف کی طرف سے باگھ رای گھیلا اور میر کمود خاں نے ساونتوں پر یورش کی۔ اس طرف سے چند پنڈیر نے ہتیار کیا۔ اور مست ہاتھی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گیا۔ ہزاروں میروں کو کاٹتا چھانٹتا میر کمود خاں کے مقابلہ میں آیا۔ میر نے اس کے بھالا مارا ادھر سے چند نے سیل مارا۔ دونوں کے وار بھرپور پڑے اور دونوں کا کام تمام ہو گیا ؛

پنڈیر کے کھیت رہتے ہی ادھر سے کرمبھ رائے نے اور اُدھر سے باگھ رای گھیلے نے ہتیار سنبھالے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ پہلے تلواروں سے لڑے جب تلواریں ٹوٹ گئیں۔ کٹاریں پکڑیں اور وار چلے۔ اس گھمسان میں پجّون رائے کا سیرن میر سے سامنا ہو گیا۔ سیرن نے پجّون کے سینے میں نیزہ پیل دیا۔ جس سے پجّون رای بے جان ہو کر زمین پر گرا۔ مگر گرتے گرتے حریف کے تلوار کا ہاتھ مارتا گیا ؛

پجّون رای کو گرتا دیکھ کر نرسنگھ رای داہیما سیرن کے مقابلہ میں آیا۔ سیرن نے پہلے تو اس پر بان (تیر) چلایا۔ لیکن جب وہ بان کو خاطر میں نہ لایا۔ تب اس نے تلوار کا وار کیا۔ اتنے میں نرسنگھ کا ہاتھ بھی چل چکا تھا۔ الغرض دونوں ڈھیر ہو گئے ؛

کرمبھ رای کے مرنے پر اس کا سگا بھائی پلہن میدان میں اترا۔ اور خوب داد شجاعت دے کر آخر کار ہلاک ہوا ؛

اس کے بعد پجّون رای کا فرزند ملے سنگھ چار تلواریں باندھ کر حریف پر دوڑا۔ کرمبہ کے خاندان کے اور دو چار بھائی بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اس بہادر نے ایسی صف شکنی کی۔ کہ دشمن کی فوج نے بھی اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ اس نے جس سوار کے ہاتھ مارا زرہ بکتر سمیت کاٹ کر گرا دیا۔ ایک ہی ہاتھ میں کئی کئی زبردست جوانوں کی گردنیں کاٹ دیتا تھا۔ میر اور سامنت دونوں اس کی دلاوری کی داد دیتے تھے۔ زخمی پجّون رای بھی اپنے فرزند کی بہادری دیکھ کر پھولوں نہیں سماتا تھا۔ اس کے ساٹھ گہرے زخم آئے۔ تب کہیں وہ بے جان ہو کر گرا ؛

اب دشمن نے اس جماعت پر ہاتھیوں کو ریل دیا۔ کنہ چوہان اسی وقت تلوار لے کر ان ہاتھیوں کی طرف جھپٹا۔ وہ ان سینکڑوں ہاتھیوں سے اس طرح لڑ رہا تھا۔ جیسے کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے پٹھوں کو زور کراتا ہو۔ زبردست ہاتھی اس کی شمشیر کا زخم چکھ کر چیخ اُٹھتے۔ کالے کالے ہاتھیوں میں اس کی تلوار بادلوں میں بجلی کی طرح کوندھ رہی تھی۔ ان کے زخموں سے خون جھرنے کی طرح بہ رہا تھا۔ اس خونی دریا میں کٹی سونڈیں مگرمچھ اور ڈھالیں کچھوے معلوم ہوتی تھیں۔ اُدھر کنہ یہ قہر ڈہا رہا تھا ؛

ادھر سارنگ رای سولنکی غنیم کی فوج کے سر تن سے جدا کر رہا تھا۔ جس ممبر پر اس کا ہاتھ پڑا۔ سر خربوزے کی طرح کٹ کر دور جا گرا۔ آخر کئی دشمنوں نے مل کر اسے موت کے گھاٹ اُتارا۔ اتنے میں اندھیرا بھی ہو چکا تھا۔ اور جنگ ختم ہوئی ؛

آج کی جنگ میں دشمن کے سات ہزار سلمان۔ دو ہزار گھوڑے اور بہت سے ہاتھی کام آئے اور ادھر صرف سات سامنت کھیت رہے۔ رات کے وقت لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور نرسنگھ رای داہیا۔ گوبند رای گہلوت۔ چند پنڈیر۔ سارنگ رای سولنکی۔ پلہن رای ساملا۔ سوملے سنگھ وغیرہم کی لاشیں جب سامنے لا کر رکھی گئیں تو پرتھی راج روتا ہوا زخمی پجّون رای کے لپٹ گیا۔ گوبند رای ابھی تک سسک رہا تھا ؛

ابوالفضل کا بیان بظاہر راسا کے بیان پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کی جائے تو اِن میں کافی اختلاف موجود ہے۔ آئین اکبری میں گوبند رای اور راسا میں گوبیند رای ہے۔ جو بقول ابوالفضل تن تنہا سات ہزار آدمی قتل کرتا ہے۔ راسا میں یہ تعداد ساتوں ساونتوں کی کارگذاری کا نتیجہ ہے۔ آئین میں چند پنڈیر ایک فرد واحد کو دو شخص مانا گیا ہے۔ یعنے چاندا علیحدہ اور پنڈیر علیحدہ آئین میں سارو ھول سولنکی راسا میں سارنگ رای سولنکی ہے۔ آئین میں نرسنگھ دیو راسا میں نرسنگھ رای ہے۔ آئین کی رو سے ان سات ساونتوں کے یہ نام ہیں :-

(۱) گوبند رای گہلوٹ (۲) نرسنگھ دیو (۳) چاندا (۴) پنڈیر (۵) سارو ہول سولنکی (۶) پالہن دیو (۷) برادر پالہن دیو (۸) برادر پالہن دیو ۔ اس طرح آٹھ ساونت بنتے ہیں اور ابوالفضل سات بتاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ چاندا پنڈیر ابوالفضل کے نزدیک ایک شخص ہے جس کو اس کے مرتب نے دو شخص بنا دیا اور آئین کے مذکورہ بالا متن میں چاندا اور پنڈیر کے درمیان واؤ غلط لایا گیا ہے لیکن راسا کا متن بھی ایسے نقائص سے پاک نہیں - راسا کے تفصیلی بیان میں یہ ساونت مارے جاتے ہیں ۔

(۱) گوبند رای گہلوت (۲) پجن رای (بار اوّل) (۳) چند پنڈیر (۴) پجن رای (بار دوم) (۵) نرسنگھ رای (۶) کرمبہ (۷) پلہن (۸) ملے سنگھ (۹) سارنگ رای سولنکی ۔ مگر مقتولین کی فہرست میں صرف چھ نام ملتے ہیں یعنے (۱)، (۵)، (۳)، (۹)، (۷)، (۸)۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ فہرست میں پجون رای کی شمولیت جس کو راسو سار میں دو مرتبہ مقتول دکھایا گیا ہے - بالکل غیر ضروری ہے وہ قتل نہیں ہوتا اور آیندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زخمی ہوتا ہے باقی نام آئین اور راسا میں تقریباً مماثل ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آئین میں پالہن کے دو بھائیوں کے نام نہیں دیئے گئے جو راسا میں موجود ہیں۔ یعنے کرمبہ اور ملے سنگھ ۔

ابوالفضل اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس واقعہ کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے جے چند والی قنوج کے ساتھ دوستی کر لی اور لشکر لے کر لڑنے آیا۔

اور پرتھی راج کا بڑا علاقہ فتح کرلیا۔ پرتھی راج اپنی نئی رانی پر اس قدر فریفتہ تھا۔ کہ اس کو دنیا وما فیہا کا مطلق ہوش نہیں تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ شہاب الدین کی آمد کی اس کو اطلاع دے سکتا آخر ارکین دولت نے جمع ہوکر چاند اکو ساتوں ڈیوڑھیوں سے پار کرکے حرم سرا میں بھجوایا۔ وہ پرتھی راج کو ہوش میں لایا۔ پرتھی راج اپنی گذشتہ فتوحات پر مغرور حسب معمول تھوڑا سا لشکر لے کر میدانِ کارزار میں جا دھمکا۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ اس کے دل چلے سامنت پیوند خاک ہو چکے تھے اِدھر معاملاتِ سلطنت بالکل ابتر و درہم تھے اور جے چند جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر اس کی امداد کرتا رہتا تھا۔ اُلٹا اس کے دشمن کا مددگار ہوگیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتھی راج نے بُری طرح شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور شاہ اسے غزنیں لے گیا۔ چنانچہ آئین :۔

"از بخت برگشتگی راجہ بدان مہین بانو شیفتہ شد و از ہمہ واپرداخت۔ چوں سالی برین گذشت سلطان شہاب الدین ازین داستان با راجہ جے چند طرز دوستی پیش نہاد۔ سپس لشکر ہا فراہم آوردہ بہ پیکار بر آمد۔ بسیاری جا برگرفت۔ کس را یارای گذارش چہ کہ دسترس نبود۔ آخر اولیای دولت فراہم آمدہ چاندا را از ہفت درگذرانیدند و او بحرم سرا در شدہ لختے راجہ را بشورش در آورد۔ و از غرور فیروزی لسان ہر بار قدری لشکر فراہم آوردہ کارزار پیش گرفت۔ چون دلاوران والا بسیج درین مرتبہ نبودند و کار سلطنت از رونق افتادہ بود و جے چند کہ ہموارہ کمک می کرد۔ برخلاف پیشین مددگار غنیم شد۔ درین ناوردگاہ راجہ گرفتار آمد و سلطان دستگیر کردہ بغزنین برد" (ص۵۳۲)

اس بیان کا اکثر حصہ اگرچہ معتبر تاریخ کی رو سے بے بنیاد ہے مگر ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر بھی ابوالفضل راسا کی خوشہ چینی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل اسی قصہ کو لے بیٹھتا ہے۔ جس میں اندھا پرتھی راج چاند اچاٹ کی نشان دہی سے آواز پر تیر مار کر سلطان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ یہ روایت بھی یقیناً اس کو راسا سے ملی ہے۔ وھُوَ ھٰذا :۔

"چاندا از حقیقت منشی و وفاداری بغزنین شتافت و سلطان را ملازمت نمود و نوازش یافت و بہ پختہ کاری راجہ را دریافت و در زندان دمسازی نمود۔ گفت چنان بخاطر میرسد کہ من نزد سلطان

تیر اندازی ترا برگویم - او میل تماشہ خواہد کرد - دران زمان کار او را بساز - قرار داد بجای آمد و سلطان را تیر دوزگر دانید - ہوا خواہان راجہ و چاندارا از ہم گذرانیدند (صـ ۵۳۲ آئین اکبری)

سلطان کی سات مرتبہ شکست کا قصہ اگرچہ ابو الفضل نے ہندو روایت کی بنا پر تسلیم کر لیا ہے مگر بالکل غلط ہے - اس لئے کہ سلطان معز الدین محمد بن سام کے سوانح حیات میں ان شکستوں کے لئے کوئی مناسب موقعہ نظر نہیں آتا *

جے چند کے لشکر میں مسلمانی فوجوں کا موجود ہونا پھر بیان واقع نہیں معلوم ہوتا - ایسے ابتدائی زمانہ میں قلب ہندوستان میں مسلمانوں کا پایا جانا غیر اغلب ہے - سواحلی مقامات پر البتہ مسلمان موجود ہیں لیکن ہندو رزمیہ کا یہ بیان صدائے بازگشت ہے - اس عہد کی جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہو کر ہندوؤں کے ساتھ ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور فوجی خدمات کے لئے عام طور پر پسند کئے جاتے ہیں *

سلطان شہاب الدین کا اندھے پرتھی راج کے تیر سے مارے جانے کا قصہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے - کیونکہ سلطان موصوف حسب بیان طبقات ناصری ملاحدہ کے ہاتھ سے غزنیں جاتے وقت منزل دمیک پر مارا جاتا ہے - قطعہ ذیل جو کسی ہمعصر شاعر کے قلم کا نوشتہ ہے - طبقات میں محفوظ ہے :-

شہادت ملک بحر و بر معز الدین کز ابتدائے جہان مثل او نیامد یک

سوم ز غرۂ شعبان بسال شش صد و دو فتادہ در رہ غزنیں بمنزل دمیک

طبقات سے بھی قدیم سند ہمارے پاس فخر مدبر کی سلسلۃ الانساب کی ہے جو بعہد قطب الدین ایبک تالیف ہوتی ہے اور جس کا دیباچہ ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں چھاپا ہے - اس تالیف میں بھی سلطان کا قتل منزل دمیک میں بتایا گیا ہے - چنانچہ :-

" و چون بمنزل گاہ دمیک رسید حکم و تقدیر ایزدی عز اسمہ کہ در ازل راندہ بود و قرنی زیادت غازی بحق شہید شد و برحمت خدای پیوست " (صـ ۲۹ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ۱۹۲۷ء - طبع رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن *)

محمود شیرانی

الحوادث الجامعہ فی المأتہ السابعہ

مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں میں نے ایک مضمون "علّامہ ابن الفوطی" پر شائع کیا تھا۔ ان کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسوم بہ "حوادث المأتہ السابعہ" کا ذکر اس مضمون میں[1] ہے۔ جس کا پورا نام حاجی خلیفہ نے "الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المأتہ السابعہ" لکھا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں المکتبۃ العربیۃ بغداد نے اس کتاب کو شائع کیا تھا۔ لیکن مضمون مذکور کو لکھتے وقت مجھے اس کے چھپ چکنے کا علم نہ تھا ورنہ میں اس وقت ضرور اس کو معرض بحث میں لاتا۔ مطبوعہ اڈیشن کے ناشر استاد مصطفیٰ جواد ہیں۔ جنہوں نے اپنے دیباچے میں کتاب اور اس کے مصنف کو ناظرین سے روشناس کیا ہے۔ شروع میں چار صفحے کا ایک مقدمہ محمد رضا الشبیبی سابق وزیر معارف کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب مذکور (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے اور عربی کی دیگر کتب تواریخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے۔ جس قلمی نسخے سے اس کو طبع کیا گیا ہے وہ ناقص الاوّل ہے لہٰذا مصنّف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں۔ ۶۲۶ھ کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۷۰۰ھ کے اخیر پر تمام ہوتا ہے۔ یہ واحد قلمی نسخہ ابتداءً شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق جرجس صفا کے کتب خانے میں تھا۔ جس نے ۱۹۱۳ء میں رسالہ المشرق میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور اس میں بتلایا کہ وہ بظاہر مصنّف کا خود نوشتہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں جابجا جملوں کو کاٹ کر ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحوں پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ پورا صفحہ یا اس کا کچھ حصّہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے وغیرہ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد

---

[1] دیکھو میگزین مذکور ص ۶۔

اس نسخے کو مصر کے مشہور فاضل اور رئیس احمد تیمور پاشا نے جرجس صفا سے خرید لیا۔ اور اس کی ایک عکسی نقل مکتبۃ الاوقاف العراقیہ بغداد کو بطور ہدیہ بھیجی۔ اسی نقل سے یہ مطبوعہ اڈیشن شائع کی گئی ہے ؛

افسوس ہے۔ کہ کتاب کی طباعت عمدہ نہیں ہوئی اور متن کی تصحیح میں بھی زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کا اور اس کے مصنف کا نام دریافت کرنے میں تحقیق و تفتیش سے کام نہیں لیا گیا۔ ہمارے نزدیک یہ امر بدرجۂ غایت مشکوک ہے کہ یہ کتاب" الحوادث الجامعۃ" ہے اور یہ کہ اس کے مصنف ابن الفوطی ہیں ؛

ناشر کے پاس جو دلیلیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ یہ کتاب" الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعۃ" ہے۔ وہ نہایت ضعیف ہیں اور کچھ ایسی قابل توجہ نہیں ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ کتاب کے متن میں ۶۲۶ھ سے ۷۰۰ھ تک کے واقعات تو موجود ہیں اور دو جگہ پر مصنف نے یوں لکھا ہے۔ کہ" ہم اس واقعہ کو اوپر بیان کر آئے ہیں"۔ اور ان اوپر بیان کئے ہوئے واقعات میں سے ایک واقعہ ۶۱۴ھ کا ہے اور دوسرا ۶۱۶ھ کا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کتاب غالباً ساتویں صدی کے آغاز سے شروع کی گئی ہے۔ لہذا" حوادث المائۃ السابعۃ" کا نام اس پر صادق آتا ہے اور یقیناً یہ وہی کتاب ہے جس کے مؤلف ابن الفوطی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ۶۹۶ھ کے واقعات میں جہاں مصنف نے سلطان غازان خان کے بغداد آنے اور مدرسہ مستنصریہ کا کتب خانہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ لکھے ہیں" فدخل خزانۃ الکتب ولمحھا" یعنی سلطان کتب خانے میں داخل ہوا اور اسکو ملاحظہ کیا۔ چونکہ اس زمانے میں ابن الفوطی اس کتب خانے کے لائبریرین تھے۔ اس لئے ان الفاظ سے فوراً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ انہی کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خاص طور سے کتب خانے میں داخل ہونے اور معائنہ کرنے کا ذکر وہی شخص کرے گا۔ جس کا اس ذکر سے کوئی خاص مقصد ہو یعنی اس کو کتب خانے کی تخصیص منظور ہو۔ سوائے لائبریرین کے ایسی تخصیص کس کو منظور ہو گی ؟

پہلی دلیل تو بالکل بے وسروپا ہے۔ اگر مصنف نے ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ کتاب ۶۰۱ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی تصنیف کا جزء ہو جو کئی جلدوں میں لکھی گئی ہو اور عربی تواریخ کے عام قاعدے کے مطابق آدمؑ کے وقت سے شروع ہوتی ہو۔ ایسی تصنیف میں ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے کونسی چیز مانع ہوگی؟ دوسری دلیل بھی اگرچہ بظاہر بے معنی ہے تاہم اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک قطعی جواب موجود ہے۔ میں نے اپنے پہلے مضمون میں جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے واضح طور سے یہ دکھلا دیا ہے۔ کہ ابن الفوطی کے عہدۂ لائبریرین کا زمانہ ۶۹۴ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ کہ جب سلطان غازان خان کتب خانہ مستنصریہ کو دیکھنے آیا ہے تو اس وقت ابن الفوطی نہیں بلکہ جمال الدین یاقوت المخازن وہاں کے لائبریرین تھے البتہ وہ ان کی معیت میں اس وقت کتب خانے میں موجود ضرور تھے[1]۔

سطور ذیل میں مَیں ان وجوہات کو بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میرا یہ قیاس ہے۔ کہ یہ کتاب ابن الفوطی کی "الحوادث الجامعۃ" نہیں ہے ؏

علامہ ابن الفوطی کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں۔ کہ وہ ۶۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۵۶ھ میں جب ہولاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا تو یہ قیدیوں میں گرفتار ہو گئے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ان کو رہا کرایا اور اپنے ساتھ مراغہ لے گئے۔ سات آٹھ برس تک ان کو پڑھایا لکھایا۔ پھر اپنے کتب خانے کا خازن مقرر کر دیا۔ ۶۷۹ھ تک وہ اس خدمت پر مامور رہے پھر بغداد چلے آئے اور اپنی زندگی کا باقی حصہ وہیں گذارا۔ ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے ؏

خواجہ نصیر الدین طوسی نے جتنا بڑا احسان ان پر کیا وہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف ان کو غلامی کی زندگی سے بچا لیا بلکہ اپنی تعلیم و تربیت سے ان کو علامۂ عصر بنا دیا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب "تلخیص مجمع الآداب" میں جہاں کہیں خواجہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ

---

[1] اورنیٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۶ ج ۲

"مولانا" یا "مولانا السعید" کے الفاظ اضافہ کرتے ہیں[1]۔ لیکن مطبوعہ "الحوادث الجامعہ" میں جہاں خواجہ نصیر الدین کی وفات کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ "و توفی بعدہ خواجہ نصیر الدین ابوجعفر محمد بن الطوسی فی ثامن عشر ذی الحجۃ[2]" صرف چھ یا سات سطریں لکھی ہیں جن میں خواجہ کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ اس مختصر عبارت سے ذرّہ بھر بھی یہ پایا جاتا ہے کہ لکھنے والا اس کی وفات سے متاثر ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ چلتے چلتے ایک معمولی واقعہ کی طرح چند سطروں میں اس کا ذکر کر کے آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو مقام پر خواجہ کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ تو صرف اتنا لکھا ہے کہ "وصل السلطان اباقاخان الی بغداد فی خدمتہ الامراء والعساکر و خواجہ نصیر الدین طوسی[3]" اور دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ ۶۶۲ھ میں خواجہ نصیر الدین طوسی بغداد میں وارد ہوئے۔ پھر واسط اور بصرہ گئے اور رصدگاہِ مراغہ کے لئے بہت سی کتابیں خریدیں۔ "فیہا (یعنی فی سنہ ۶۶۲) وصل نصیر الدین محمد الطوسی الی بغداد ۔ ۔ ۔ ۔ ثم انحدر الی واسط والبصرۃ وجمع من العراق کتبا کثیرۃ لأجل الرصد[4]"۔ ہمیں معلوم ہے۔ کہ ۶۶۲ھ میں ابن الفوطی رصدگاہِ مراغہ کے کتب خانے میں خازن کے عہدے پر مامور تھے۔ لیکن اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ لکھنے والے کو خواجہ سے یا رصدگاہ کی لائبریری سے کوئی مخصوص دلچسپی یا لگاؤ نہیں ہے ؎

علامہ تاج الدین علی بن انجب السّاعی (المتوفی ۶۷۴ھ) ابن الفوطی کے شیخ تھے ۔ اور محی الدین یوسف بن الجوزی حدیث میں ان کے استاد تھے۔ ان دونو بزرگوں کے ذکر میں بھی "الحوادث الجامعہ" کے مصنّف نے ان کا اپنے ساتھ کوئی تعلق ظاہر نہیں کیا۔ ابن الساعی کی وفات پر لکھتا ہے:۔ "وفیہا توفی تاج الدین علی بن أنجب بن عبد اللہ المعروف بابن الساعی المؤرخ وکان مولدہ سنۃ ثلاث وتسعین وخمس مائۃ ۔ ۔ ۔[5]"، ابن الجوزی کا نام اسطرح

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۳، ۱۴، ۱۵ [2] صفحہ ۳۸۰، [3] صفحہ ۳۷۵ [4] صفحہ ۳۵۰
[5] صفحہ ۳۸۶ ؎

لیتا ہے :۔ "و تولی العمل فی ذلک استاذ الدار محی الدین یوسف بن الجوزی۔ ۔ ۔ ۔ [۱]" واقعۂ بغداد میں جو مشاہیر قتل ہوئے ان کی فہرست میں[۲] ابن الجوزی کا نام صرف اس طرح لکھا ہے :۔ "محیی الدین بن الجوزی استاذ الدار" ساتویں صدی کا ایک ذی علم اپنے استادوں کے نام ایسی لاپروائی اور بے توجہی سے ہرگز نہیں لے سکتا ؂

۶۵۶ھ میں بغداد کی الم ناک تباہی کے وقت ابن الفوطی وہاں موجود تھے۔ اور انہوں نے وہ محشر خیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۴ - ۱۵ برس کی تھی۔ یہ وہ عمر ہے جبکہ ایسے واقعات کا اثر دل پر نہایت گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دیکھنے والا خود بھی مورد آفات بنا ہو۔ انہوں نے اپنے گھر کی بربادی اپنے سامنے دیکھی اور خدا جانے اپنے اعزہ و اقارب میں سے کتنوں کا خون اپنی آنکھوں سے بہتے دیکھا ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود ان خونخوار تاتاریوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے۔ ایسے عبرت انگیز ذاتی تجربوں کے بعد ہم کو ضرور ان سے توقع ہونی چاہیئے۔ کہ وہ خرابی بغداد کا ایک مؤثر نوحہ ہمیں سنائیں گے۔ وہ خود شاعر تھے۔ اور شاعروں کے قدردان تھے طبیعت یقیناً حساس پائی ہوگی۔ بالخیر۔ اگر اپنے بیان میں شاعری نہ بھی دکھاتے تاہم اپنے ان چشم دید واقعات کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ تو کرتے۔ برخلاف اس توقع کے انہوں نے ۶۵۶ھ کے حوادث کو خاصا اختصار کے ساتھ لکھا ہے[۳]۔ اور کہیں کسی جملے سے یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ لکھنے والا ان سب باتوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا یا ان سے متاثر ہوا تھا۔ بلکہ اس کے عمومی انداز بیان سے اس کی بے تعلقی خاصی واضح ہوتی ہے ؂

۶۵۷ھ میں ہولاکو خاں نے مراغہ میں جو رصدگاہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے لئے بنائی اور جہاں ابن الفوطی نے اپنی زندگی کا مفید ترین حصہ اور وہ بھی اکیس برس کا طویل زمانہ گذارا۔ اس کا ذکر "الحوادث الجامعہ" میں اس قدر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کہ ہم بجنسہ ان الفاظ کو

---

[۱] صفحہ ۲۱۰۔ [۲] صفحہ ۳۲۸، [۳] ص ۳۲۳ - ۳۴۷

یہاں لکھ دیتے ہیں :-

"وفیہا (یعنی فی سنة ۶۵۷ھ) وضع نصیر الدین طوسی الرصد بمراغہ و

عین فیہ جماعة یتولون عملہ الی ان انجز فی سنة اثنتین و سبعین"[1]

کیا یہ مناسب موقع نہ تھا۔ کہ ابن الفوطی اس مقام پر رصد کا ذکر ذرا زیادہ دلچسپی کے ساتھ کرتے۔ اور ایسے الفاظ میں کرتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے ساتھ ان کا ذاتی تعلق ظاہر ہوتا ؟

۶۷۹ھ میں عطا ملک جوینی نے ابن الفوطی کو مراغہ سے بغداد بلالیا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیا[2]۔ ساتھ ہی وہ مدرسہ مستنصریہ کی وسیع لائبریری کے خازن بھی مقرر کئے گئے" الحوادث الجامعہ فی المائتہ السابعہ" ضرور ہے۔ کہ انہوں نے ۷۰۰ھ کے بعد لکھی ہوگی۔ ۶۷۹ھ اور ۷۰۰ھ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے وہ ان کے چشمدید تھے۔ اس لئے طبعی طور پر ہمیں یہ اُمید تھی۔ کہ ان واقعات کو وہ سابقہ واقعات کی نسبت زیادہ مفصّل لکھیں گے۔ لیکن حالت برعکس ہے ۶۵۶ھ تک کے واقعات کو مصنّف نے جس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ بعد کے واقعات میں نہیں ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے بیان زیادہ مختصر ہوتا جاتا ہے۔ شروع شروع کے سالوں میں ہر سال کے حوادث آٹھ آٹھ دس دس صفحوں میں مرقوم ہیں۔ برخلاف اس کے آخری سالوں کو (خصوصاً ۶۹۰ھ کے بعد) ایک ایک دو دو صفحوں میں ختم کر دیا ہے۔ یہ صورت حالات ابن الفوطی کے مصنّف ہونے پر دلالت نہیں کرتی ؛

لیکن سب سے قوی دلیل جو ہم اس بارے میں پیش کر سکتے ہیں یہ ہے۔ کہ" الحوادث الجامعہ" کی مطبوعہ ایڈیشن کے شروع میں قلمی نسخے کے ایک صفحے کا فوٹو نمونۂ خط کے طور پر دیا گیا ہے۔ اوپر ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ فاضل ایڈیٹر کے نزدیک قلمی نسخہ مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ علامہ ابن الفوطی کے خط کا نمونہ ہے۔ میں نے اپنے سابق مضمون میں تلخیص مجمع الآداب مؤلفہ ابن الفوطی کی جلد خامس پر تبصرہ کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ وہ علامہ موصوف کے اپنے ہاتھ کی لکھی

---

[1] ص ۳۴۲ ، [2] اورنیٹل کالج میگزین ص ۱۶ [3] میگزین مذکور ص ۶

ہوئی ہے۔ وہ اس وقت مخدومی پرنسپل محمد شفیع کے کتاب خانے میں ہے۔ اور انہوں نے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء میں اس کے دو صفحوں کا فوٹوگراف شائع کیا ہے۔ خطاطی کے ان دو نمونوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر مقابلہ کرنے سے فوراً یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ الحوادث الجامعہ والا نمونہ یقیناً ابن الفوطی کے زمانے سے بہت بعد کا خط ہے۔ ہم اس بات کے ماننے سے انکار نہیں کرتے کہ وہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوگا۔ لیکن وہ مصنف ابن الفوطی نہیں۔ بلکہ تقریباً ایک صدی بعد کا کوئی آدمی ہے جیسا کہ نمونۂ خط سے ظاہر ہے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں مصر و شام میں بہت سی تاریخی کتابیں لکھی گئیں اور ان میں سے بعض بہت بڑے پیمانے پر ہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ مطبوعہ کتاب ان میں سے کسی کا ایک جزو ہے۔ میں نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ لیکن افسوس کہ کہیں بھی مصنف نے اپنا یا اپنی کسی اور تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس کا کچھ حال معلوم ہو سکتا۔

فاضل ایڈیٹر کے دیباچے سے علامہ ابن الفوطی کے متعلق بعض نئی اطلاعات میسر ہوئیں جن کو یہاں لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کو میرے سابق مضمون کا تتمہ سمجھنا چاہیے۔

"تلخیص مجمع الآداب" ابن الفوطی کی جلد خامس جس کا ابھی ذکر ہوا مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ محمد رضا الشبیبی نے مطبوعہ کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں وہ اطلاع دیتے ہیں کہ اس کی چوتھی جلد کہ وہ بھی مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ دمشق میں دارالکتب الظاہریہ میں موجود ہے[1]۔

علامہ ابن الفوطی کی تالیفات مجموعی طور پر تقریباً تین سو جلدوں میں تھیں[2]۔ جن کو ضرور ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوگا۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان تین سو جلدوں کے علاوہ انہوں نے دوسرے مصنفوں کی کتابوں کو اور خاصی ضخیم کتابوں کو اپنے قلم سے نقل کیا! فاضل ایڈیٹر نے اپنے مقدمے میں ذیل کی عبارت

---

[1] صفحہ ب [2] دیکھو میرا پہلا مضمون۔

صفدی اور ابن حجر کے حوالے سے لکھی ہے :-

قال الصفدی ... عنی بالحدیث (یعنی ابن الفوطی) وقرأ بنفسه وکتب بخطه المنسوب کثیرا من الکتب القدیمة، قال ابن حجر " ملکت بخطه خریدة القصر للعماد الکاتب فی اربع مجلدات فی قطع الکبیر (کذا) قدمتها لصاحب الیمن فأثابنی علیها ثوابا جزیلا " له

ایسے بزرگوں کو اپنے وقت میں چھاپہ خانوں کی کیا ضرورت تھی :

محمد اقبال

بابا فرید گنج شکر، شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

اس مضمون کو ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعض حصے حقیقت کے ساتھ ان اصحاب کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ جو اصلی پنجابی متون سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو بغیر کسی قابل ذکر تصرف کے بجنسہ چھاپ دیا گیا۔ تاکہ مضمون نگار کا نقطہ نظر پوری طرح سے واضح ہو۔ بعض اکابر صوفیہ کا ذکر اس طریق کے مطابق نہیں ہے۔ جو ہم میں متعارف ہیں مگر ایک غیر مسلم مضمون نگار اگر اس سے پوری طرح مانوس نہ ہو تو باعث تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ "خذ ما صفا" پر عمل پیرا ہونگے :

ایڈیٹر

۱- جس سوال کا حل مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ گورونانک کی ملاقات ان تین درویشوں میں سے کس سے ہوئی اور آدگرنتھ اور بابا نانک کی جنم ساکھیوں میں جو کلام فرید سے منسوب ہے۔ وہ کس کا یا کن کن کا ہے :

له صفحہ س :

۲- جن کتب سے ہم نے مندرجہ ذیل جواب کی ترتیب میں استناد کیا ہے۔ وہ یہ ہیں :-

ا- گورو گرنتھ صاحب کا قلمی نسخہ جو کرتارپور میں ہے۔ اور جس کے اختتام میں سنہ ۱۶۰۴ء ثبت ہے ؛

ب- بابا نانک کی ایک سوانح عمری جو پنجاب یونیورسٹی کے قلمی نسخہ ۴۱۲۱ میں شامل ہے۔ اس نسخہ کی تاریخ تحریر سنہ ۱۷۰۱ء ہے ؛

ج- خلاصۃ التواریخ جو سنہ ۱۶۹۵-۹۶ء میں تحریر ہوئی ؛

د- کہیں کہیں ہم نے سیر الاولیا۔ اخبار الاخیار۔ فوائد الفواد۔ تاریخ فرشتہ۔ آئین اکبری۔ اور تحقیقات چشتی سے استصواب کیا ہے اور اقتباسات لئے ہیں ؛

۳- بابا نانک کا عہد حیات سنہ ۱۴۶۹-۱۵۳۸ء ہے۔ گورو امرداس تیسرے گورو کا سنہ ۱۴۷۹-۱۵۷۴ء اور گورو ارجن دیو گورو گرنتھ صاحب کے مؤلف کا سنہ ۱۵۶۳-۱۶۰۶ء ؛

۴- پہلے ہم شیخ فرید الدین ثانی سے نپٹ لیتے ہیں۔ خلاصۃ التواریخ (دہلی سنہ ۱۹۱۸ء) میں مرقوم ہے (صفحہ ۳۴ - ۳۵) :-

" سہرند - از شہرہائے دیرین از اعمال سامانہ سلطان فیروزشاہ در زمان فرماں روائی خویش سنہ ہفت صد و شصت ہجری آں را از سامانہ جدا ساختہ پرگنہ علیحدہ مقرر ساخت و روز بروز آبادی و رونق آں زیادہ گشت۔ اگرچہ دراں خطہ بسیارے از زندیکان درگاہِ الٰہی خوابگاہ دارند اما از اولیائے زمان حال شیخ فرید الدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی دراں شہر آسودہ اند و ایں ہر دو اولیائے عظام در زمان حضرت شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۲۷-۱۶۵۸ء) بہدایت خلائق کامروا بودند و طوائفِ انام ارادت آوردہ بہرۂ دینی مے اندوختند۔ اکنوں از اولاد ایشاں سجادہ نشین ہستند" ؛

۵- اوپر کی تحریر سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ سنہ ۱۶۰۴ء میں تالیف شدہ آدگرنتھ میں جو کلام شیخ فرید کی طرف منسوب ہے وہ ان کا نہیں ہے اور نہ وہ شلوک جن پر

تنقید کے رنگ میں نانک (۱۴۶۹ - ۱۵۳۸) اور امرداس (۱۴۷۹ - ۱۵۷۴) نے جوابی شلوک لکھے (جو نیچے درج ہوں گے) شیخ فرید ثانی کا کلام ہے (فرید ثانی کے زمانہ کے لئے دیکھو نمبر ۹ نیچے جہاں مزید تائیدی ثبوت دیا ہے) ۔

۶ - ۱۷۰۱ء میں نقل شدہ جنم ساکھی (ب) میں یوں درج ہے (صفحات ۵۸۴/۲ اور ۵۸۹/۱ - ساکھی نمبر ۱۷) :-

"راوی کے اس پار اور ویاہ (بیاس) کے آدھ میں ماجھہ کے بیچ میں جنگل میں اُتراہ (تیراہی ؟) پٹھانوں کے گاؤں تھے - اُن میں بابا نانک آ نکلا - دو تین کوس تک اُجاڑ تھی - وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا - فرید کے تخت پر براہم (ابراہیم) بالا راجہ تھا - اس کا مُرید لکڑیاں چُننے کے لئے آیا ہوا تھا - کامل درویش - خبردار - خدا کا پیارا پیر کے حکم کے مطابق لکڑیاں چننے کے لئے آیا تھا - اس اُجاڑ میں باباجی بیٹھے تھے - مردانہ رباب بجا رہا تھا - مردانہ نے سلوک پڑھا ...."

۷ - انڈیا آفس - لندن - کے ایک قلمی نسخہ کی ایک فوٹو زنکوگراف کردہ جلد (ڈیرہ دون ۱۸۸۵) یونیورسٹی لائبریری - لاہور میں ہے - اس "جنم ساکھی (د) بابا نانک" کو سترھویں صدی عیسوی کے نصف اول کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے - اس میں لکھا ہے (صفحہ ۲۱۴ - ۲۱۶) :-

"راوی چناؤ (چناب) دیکھ کر اجاڑ میں سے ہو کر چلا - پٹن دیس میں آ نکلا - پٹن سے تین کوس پر اُجاڑ تھی - وہاں آ بیٹھا - مردانہ ساتھ تھا - پٹن کا پیر شیخ فرید تھا - اس کے تخت پر شیخ براہم (ابراہیم) تھا - اُس کا ایک مُرید صبح کے وقت لکڑیاں چُننے آیا تھا - اس کا نام شیخ کمال تھا"

کامل درویش کے بجائے اس نسخہ میں شیخ کمال تحریر ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے)

۸ - بھائی گورداس بھلہ کی تاریخ وفات ۱۶۳۷ء ہے - ۱۵۷۹ء میں اس نے سکھ دھرم قبول کیا - اس کے قلم سے ایک وار ہے - جو حالاتِ نانک پر مشتمل ہے - اُس وار میں

یوں لکھا ہے۔ (دوار نمبر ا۔ پوڑی نمبر ۴۴): اچل وٹالہ (ضلع گورداسپور) کے میلے سے بابا ملتان کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں ملتان کا پیر دودھ کا کٹورا بھر کر لایا۔ بابا نے بغل سے چنبیلی کا پھول نکال کر دودھ سے لبالب بھرے کٹورے کے اوپر رکھ دیا۔ ملتان کی زیارت کر کے بابا کرتار پور آیا۔

۹۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی تاریخ وفات مختلف کتابوں میں مختلف لکھی گئی ہے۔ بیل (اورینٹل بایوگرفیکل) ۱۲۶۵ء تسلیم کرتا ہے اور صاحب خلاصۃ التواریخ روز شنبہ پنجم محرم سال ششصد وشصت وہفت ہجری یا ۱۲۶۴ء۔ گیانی لدھا سنگھ فرید کوٹی نے اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں اس نے شیخ فرید کا شجرہ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شجرہ شیخ شاہ محمد غوثؒ سے جو اس وقت چلّہ بابا فرید گنج شکر واقعہ ریاست فرید کوٹ میں گدی نشین ہیں۔ حاصل ہوا۔ اس شجرہ (نسباولی) کی رُو سے شیخ ابراہیم دسویں پُشت متصوّر ہوتے ہیں۔ اگر فی کس ۲۵ برس کی میعاد زیست تعین کریں تو ابراہیم کا زمانہ بابا گنج شکر کی تاریخ وفات سے ۲۲۵ برس بعد قرار پاتا ہے یعنی ۱۲۶۵ + ۲۲۵ یا ۱۴۹۰ء کے قریب قریب شروع ہوتا ہے۔ اور یہ زمانہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم ساکھی قلمی محررہ ۱۷۰۱ء کے مطابق گورو نانک اپنے پہلے سفر کے دوران میں دوآبہ باری کے علاقوں کی سیاحت کر چکے تھے۔

۱۰۔ پس ہماری رائے میں بابا نانک کے ہم عصر شیخ براہم یا ابراہیم تھے۔ انہی سے نانک کی ملاقات ہوئی اور نانک کو شاید پہلے پہل انہی سے وہ کلام ملا جس کے متعلق تحقیق کا ہم اب آغاز کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ شجرہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو پاک پٹن کے گدی نشینوں کے قول کے مطابق ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے) اس فہرست میں شیخ ابراہیم کی گدی نشینی کی تاریخ $\frac{۹۴۰ھ}{۱۵۳۳ء}$ ہے۔ گورو صاحب اس وقت حیات تھے۔

۱۱۔ اوپر ہم کنایۃً عرض کر چکے ہیں کہ نانک اور امرداس ہر دو کو فریدؒ سے منسوب کلام سے اظہار اختلاف کرنا پڑا اور طرفین کے شلوک پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نانک اور امرداس کا

کلام" جوابی" ہے ؛

۱۲- رہی یہ بات کہ کیا وہ کلام تحریر کی صورت میں نانک اور امرداس تک پہنچا یا کسی کی زبان سے جس کلام کے مضمون سے انہوں نے اختلاف رائے کی بنا پر جوابی شلوک کہے یا کہ وہ کلام خود مصنف کی زبان سے اُن تک پہنچا۔ کیا وہ اشعار جو جنم ساکھی ب میں شیخ ابراہیم نے نانک سے کہے لکھے ہیں وہ خود شیخ ابراہیم کے تھے یا اس گدی کے قائم کرنے والے فرید کے تھے۔ بہرکیف اگر جنم ساکھی اور آدگرنتھ دونوں میں درج اشعار میں فرید کا نام موجود ہے تو ہمیں یہ شک کرنے کی کوئی گنجایش نہیں کہ وہ خود ابراہیم کے بھی ہو سکتے ہیں ؛

۱۳- اب ہم جنم ساکھی ب کے اشعار کو لیتے ہیں اور نمبر ۱۴ میں انہی اشعار کی اس صورت کو لینگے جس میں وہ شری گوروگرنتھ صاحب مؤلفہ ۱۶۰۴ء میں درج ہو چکے تھے ؛

(۱) نانک - جنم ساکھی ب : آپے پٹی، قلم آپ، اُپر لیکھ بھی توں
ایکو کہیئے نانکا دوجا کاہے کوں

(۲) شیخ ابراہیم - اک صاحب تے دُوہ ہادی
ہُوں کیہڑا سیوی (ریں) تے کیہڑا ردی (ریں)

(۳) نانک - ہک صاحب ہکا حد۔ ہکو سیویں دُجے ردّ
دُوجا کاہے سمریئے جمّے تے مر جائے ہکو سمرو نانکا جل تھل رہیا سمائے

(۴) ابراہیم - باڑ ہپولا دھج کریں کسلڑی بھیراں ؛ جنی ویسیں سہہ ملے ھُوں سیٹی ویس کراں

(۵) نانک - کاہے پولا دھج کریں کسّل بھیریں کائے، گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے جیت رکھیں تھائے

گھر ہی مُندھ وو دیس پر پنت سار سمالے ؛ نانک ملدیاں ڈھلّ نہ ہووئی جے نیت اس کرئے

(۶) ابراہیم - نِنڈی ہتی نہ راویا وڈی تھی گیٹ اس ؛ دھن کوکیندی گور پی تے سہہ نہ ملیا س

(۷) نانک - محل کچجی مروڑی کالی منوں کسُدّھ ؛ جے گُن ہوون تاں پر وے نانک اوگن مُندھ

(۸) ابراہیم - کون سُوا کھر کون گُن کون سو منیا منت ؛ کون سُو یس ہیں کر جیت وس آوی کنت

(۹) ۱۔ نِوَن سُوا کھٹر کھون گُن جیبھا منیاں منت ٭ ایہ ترے سبھنیں وَیس کریں تاں وَس آوی کنت

سیوا کرے جو کنت کی کنت تِسی کا ہوئے ٭ گربی کنت نہ پائیے بھاویں کھری سوالبو ہوئے

سیوا تاس بھاوسی جس کوں ندر کرئے ٭ نانک سبھے سہیاں پڑے کنت تِسی کا ہوئے

جنم ساکھی (د) میں اوپر ہی کی عبارات ہیں ٭

۱۴ ۔ شلوک نمبر ۶ گورو گرنتھ صاحب میں یوں ہے :۔

فریدا انڈھی کنٹ نہ راویو وڈی تھئی مُیاس

دھن کو کبندی گور میں تیں سہ ناں ملیاس

نمبر ۴ یوں ہے :۔

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہریوں ٭ جنی وَسیں سہ ملے اہی وَیس کریوں

نمبر ۵ ۔ جو نمبر ۴ کا جواب ہے ۔ وہ گورو نانک دیو سے نہیں بلکہ گُورو امرداس (۱۵۷۴ ۔ ۱۴۷۹) سے منسوب ہے ۔ اس جوابی شلوک کے پہلے محلہ ۳ لکھا ہے ۔ نیز جوابی کلام نمبر ۵ کا دوسرا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں پہلے شلوک کے ساتھ درج نہیں ۔ دوسرا شلوک کہاں پر ہے یہ میں ابھی تک معلوم نہیں کر سکا ٭

یہی شلوک کبیر کے مجموعہ کلام میں معمولی اختلاف کے ساتھ ملتا ہے (دیکھو میری انگریزی کتاب کبیر اینڈ دی بھگتی موومنٹ) ٭

نمبر ۸ اور نمبر ۹ کے متعلق یوں ہے کہ نمبر ۹ کا دوسرا اور تیسرا شلوک پہلے کے ساتھ گورو گرنتھ صاحب میں درج نہیں ۔ اور نمبر ۸ بالکل وہی عبارت ہے ۔ فرید لفظ دونوں مجموعوں میں نہیں ۔ نہ ہی گُورو گرنتھ صاحب کے مطابق سوال وجواب دونوں میں نانک ہی کا نام ہے ۔ اگرچہ نمبر ۸ سالم اور نمبر ۹ کا پہلا شلوک " سلوک فریدجی " کے عنوان سے درج ہیں ٭

۱۵ ۔ گورو گرنتھ صاحب میں اس طرح کے اختلافی اور جوابی شلوک ایک طرف فرید کے علاوہ کبیر سے بھی متعلق ہیں ۔ اور دوسری طرف نانک اور امرداس کے علاوہ گورو ارجن دیو مُولّف آدگرنتھ کے

قلم سے بھی موجود ہیں۔ ذیل کی اطلاعات معنوی اور تاریخی اعتبار سے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں۔

فرید:-

فریدا کالی جنہیں نہ راویا دھولی راوے کوئے   کرسائیں سیوں پر ہڑی رنگ نویلا ہوئے

گوروامرداس:-

فریدا کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چت کرئیے   آپنا لائیاں پرم نہ لگ ای جے لوچے سبھ کوئے
ایہہ پرم پیالہ خصم کا جیں بھاوے تیں دئے

فرید:-

فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے   جو تن رتے رب سیئوں تن تن رت نہ ہوئے

گوروامرداس:-

ایہہ تن سبھو رت ہے رت بن تن نہ ہوئے   جو سہہ رتے آپنے تت تن لوبھ رت نہ ہوئے
بھے پئے تن کھین ہوئے لوبھ رت وچوں جائے   جیوں بیسنتر دھات سدھ ہوئے تیوں کا بھو ہرمت میل گوائے
نانک تے جن سوہنے جے رتے ہر رنگ لائے

فرید:-

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہر ساوں   جنی ویسیں سہہ ملے سے ای ویس کرساوں

گوروامرداس:-

کاٹے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہریئے   نانک گھرہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت راس کریئے

فرید:-

فریدا من میدان کر ٹوئے ٹبے لاہ   اگے مول نہ آوسی دوزک سندی بھاہ

گوروارجن دیو:-

فریدا خالق خلق میں خلق وسے رب ماہیں   مندا کسنوں آکھیے جاں تس بن کوئی ناہیں

فرید:- فریدا میں جانیا دکھ مجھ کوں دکھ سبائیے جگ ⁂ اوچے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ

(باقی دارد)   موہن سنگھ دیوانہ

تنقید و تبصرہ

(۱) "ندیم" مدیر سید ریاست علی ندوی ۔۔ چندہ سالانہ للعہ ر ۔۔۔۔۔۔ ملنے کا پتہ:۔
دفتر "ندیم" خانقاہ منعمیہ، رام ساگر روڈ، گیا

یہ صوبہ بہار کا مشہور علمی و ادبی اُردو ماہنامہ ہے۔ جسے اب سید ریاست علی ندوی مرتب فرما رہے ہیں۔ سید ریاست علی ندوی اپنی رفاقت دار المصنفین، اعظم گڈھ کے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں، اور تاریخ صقلیہ کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں آپ کی محنت و کاوش، اور قابلیت و لیاقت ایک دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ "ندیم" کے یہ مرتب جدید شاندار مقاصد و عزائم لے کر اُٹھے ہیں، امید ہے کہ آپ کی ادارت میں "ندیم" بہت جلد ترقی کر کے ملک کے کامیاب علمی و ادبی رسائل میں ممتاز حیثیت حاصل کرے گا اور صوبہ بہار کے علم و ادب میں قابل قدر اضافہ کا موجب ہوگا۔

پیش نظر پرچہ نومبر ۱۹۳۷ء کا نمبر ہے۔ نظم و نثر دونوں کا معیار اچھا خاصہ ہے۔ تصویروں کے انتخاب میں بھی حسن ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ علمی و تاریخی مضامین میں "ہندوستان کے عہد اسلامی میں تعلیم کا نظام" اور "اسپین موجودہ خانہ جنگی سے پہلے" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسانوں میں "میزانِ نامہ اعمال" بھی قابل تعریف ہے۔

رسالہ کی ظاہری دلفریبیوں کے نقطۂ نظر سے کاغذ تو عمدہ ہے، مگر کتابت میں عمدگی اور پاکیزگی کی اور زیادہ ضرورت ہے تاکہ یہ رسالہ صوبہ کے مستقبل کے رسائل کے لئے بہترین نمونہ بن سکے۔

اہل بہار سے ہماری پُر زور درخواست ہے۔ کہ وہ "ندیم" کو پڑھیں، خود خریدیں، اور اپنے احباب کو خریدنے کی ترغیب دلائیں، تاکہ سید ریاست علی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے صوبہ کی علمی اور ادبی خدمات بجا لاسکیں۔

عبدالقیوم (میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ)

(۲) واقعاتِ اظفری (ص ۲۰۲ - طباعت عمدہ، دلپسند ٹائپ - قیمت دو روپیہ آٹھ آنے - ملنے کا پتہ - مدراس یونیورسٹی -)

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے - کہ روزنامچے، خودنوشت سوانح عمریاں، اور سفرنامے جس قدر دلچسپ ہوتے ہیں - اسی قدر مفید اور پُراز معلومات بھی ہوتے ہیں اس میں شبہ نہیں - کہ خودنوشت سوانحعمریوں میں بعض نقائص بھی ہوتے ہیں - اور بعض اوقات اِن کے صفحات میں تصنّع کے اثرات پائے جاتے ہیں - تاہم اگر سوانح نگار، حقیقت کو ملحوظِ خاطر رکھنے والا ہو - تو یہ صنف سوانح عمری کی سب اصناف سے زیادہ مقبول ہو سکتی ہے ؛

خاندانِ مغلیہ کی یہ ایک عجیب خصوصیت تھی - کہ اس کے افراد اگر ایک طرف شجاعت وجرات میں ممتاز تھے - تو دوسری طرف ذوقِ علم سے متصف اور زیورِ حکمت سے آراستہ بھی تھے تیمور کی توزک، حسین بیقرا کی مجالس العشاق، الغ بیگ کی زیج، حیدر گورگان کی تاریخ رشیدی بابر اور جہانگیر کی تزوکات، اورنگ زیب کے رقعات، دارا شکوہ کی تصانیف، جہاں آرا کی مونس الارواح وغیرہ، زیب النسا کی شعروشاعری ہمارے دعوے کی دلیل ہے ؛

اورنگ زیب کے بعد اگرچہ سلطنت مغلیہ میں انحطاط آگیا - اور خاندانِ تیموریہ کے افراد ان پرانے اوصاف سے خالی ہوتے گئے - تاہم کچھ نہ کچھ مٹے ہوئے نشان اب بھی باقی تھے - اِس دَور میں بھی مغل شاہزادے شعروسخن کا شوق کیا کرتے تھے - اور ان میں سے بعض صاحب تصانیف بھی تھے ؛

مدراس یونیورسٹی کا شعبہ فارسی و اُردو ہمارے شکریہ کا مستحق ہے - کہ اس کی سرپرستی میں خاندانِ مغلیہ کے ایک غیر معمولی فرد کی ایک تصنیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی - زیرِ تبصرہ کتاب واقعاتِ اظفری میرزا محمد ظہیر الدین علی بخت گورگانی کی فارسی تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے - اظفری شاہ عالم بادشاہ دہلی کے ہم جد اور ہم عصر تھے - ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ دہلی میں پیدا ہوئے - اور وہیں تعلیم حاصل کی - تیس سال تک اس زمانہ کی نامبارک رسم کے مطابق قلعہ معلی میں قید رہے - اِس کے

بعد وہاں سے روپوش ہو کر جے پور۔ انبیر لکھنؤ اور بنگالہ گئے اور بالآخر مدراس میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔
شاہ عالم ثانی کا عہد ایک دور اختلال تھا۔ اس میں مرہٹہ گردی، غلام قادر رہیلہ کا تخت دہلی پر متمکن ہونا
اور تیموریوں کا بالکل بے بس ہو جانا ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تاہم اظفری کو قلعہ معلی
کے اندرونی واقعات سے جو واقفیت ہے۔ وہ شاید کسی اور کو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات اظفری میں بعض حالات
زیادہ مفصل ملتے ہیں خصوصاً غلام قادر کی حرکات ناشایستہ کا ذکر نہایت شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اظفری کی بعض اور تصانیف میں بھی یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تیموری خاندان کی تباہی
کا درد بہت گہرا ہے - اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ تیموریوں میں ترکی حسیات کی کمی ہو گئی ہے، اس کتاب
میں شاہ عالم بادشاہ کی وعدہ خلافیوں کو اپنے خاندان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتا ہے۔ اظفری نے
غلام قادر رہیلہ کے ہنگامہ میں بادشاہ کی بہت سی خدمات انجام دیں لیکن ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد کوئی صلہ نہ ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ اظفری کی یہ کتاب اس تاریک دور کے بہت سے پوشیدہ اسرار کو بے نقاب کر گئی
چونکہ اس میں سیر و سفر کے حالات بھی ہیں۔ اس لئے اس کی جغرافیائی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا
سکتا قلعہ معلی کے جزئیات، اس زمانے کے معتقدات اور دیگر رسوم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے، اظفری
نے انگریزوں کے اخلاق و عادات کا جو مرقع اس کتاب میں کھینچا ہے۔ اس سے اس کے مطالعہ و مشاہدہ
کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ موجودہ تصانیف کے علاوہ اظفری کی دوسری تصانیف کا حال بھی اس کتاب
سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔

اظفری اپنے زمانے کی رسم کے مطابق بعض واقعات کو بہت پھیلا کر لکھتا ہے حالانکہ ان کی اہمیت
کچھ زیادہ نہیں۔ لیکن یہی اس زمانے کا مذاق تھا۔

زیر تبصرہ کتاب، اظفری کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ جو جناب عبدالستار صاحب منشی فاضل نے
کیا۔ اور اب جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی کی نظر ثانی کے بعد شایع ہوا ہے۔ ترجمہ جیسا کہ توقع
تھی عمدہ اور رواں معلوم ہوتا ہے جس کی خوبی کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ بادی النظر میں یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔

سید محمد عبداللہ

۳۔ صحیفۃ التکوین

(مصنفہ ہز ہائینس محمد ناصر الملک والئے چترال۔ ص۔ ۲۷۰۔ طباعت کتابت اعلےٰ مصوّر، ظاہری زیب و زینت کے لحاظ سے بہت عمدہ۔ قیمت ۲ روپیہ ۸ آنے۔ مجلد کی قیمت ۳ روپے ملنے کا پتہ۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور)

ایک مغربی محقق کا قول ہے۔ کہ گذشتہ ایک صدی کے دوران میں یورپ کے افکار و تصورات کو جس قدر ڈارون کے نظریۂ ارتقا نے متاثر کیا اتنا کسی اور خیال نے نہیں کیا۔ یہی وہ عقیدہ ہے۔ جس نے مذہب پر تنقید و تبصرہ کی تحریک کو تقویت دی۔ یہی وہ علمی مسئلہ ہے۔ جس نے یورپ میں "استعماری رجحانات" کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقتِ ثابتہ بنا دیا۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے اس استعماری اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے جنگی سپرٹ کو نشو و نما دی ؛

۱۸ویں ۱۹ویں صدی میں، ایشیا کے ممالک میں مشرق و مغرب کی جو آویزش رونما ہوئی، اس کا ایک خاصہ یہ تھا۔ کہ یورپ نے مشرق اور مشرقیات کو بے حد متاثر کیا۔ اور یہ اثر سیاسیات کے علاوہ مذہب اور دینیات تک پر حاوی ہو گیا ؛

اسلامی ممالک میں جدید گروہ نے مذہب اور سائنس میں تطبیق دینے کی کوشش کی اور وہ مسائل جن کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ ان میں سے ایک "مسئلہ ارتقا" بھی تھا۔ اس گروہ میں سر سید اور علامہ شبلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمارے اپنے زمانے میں جناب عنایت اللہ خان صاحب المشرقی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں "ارتقا" کے علمی اصول کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ؛

جو حضرات علمی مسائل کو قرآن سے ثابت کرنے کے خیال میں منہمک ہیں۔ ان کی کاوشوں کو بعض اکابر علم زیادہ پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ سائنس کے اکتشافات اکثر نظری ہوتے ہیں۔ اور ان میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ تاہم علمی رجحان رکھنے والوں کی طرف سے

قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کا یہ شوق و شغف کچھ کم لایق تحسین نہیں ؛

ہز ہائینس والئے چترال ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے فرماں روائی اور علم دوستی کو باہم تطبیق دیتے ہوئے ایک ایسی کتاب لکھی ہے۔ جسے بجا طور پر اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؛

"صحیفۃ التکوین" دراصل حیاتیات کے اہم مسئلہ کے متعلق ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق، زندگی کی ابتدا اور ارتقا سے بحث ہے۔ مصنف نے دیباچۂ کتاب میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ اس کتاب کی غرض و غایت یہ نہیں ہے کہ سائنسدانوں کے نظریات کو بزور تاویل قرآن مجید سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ یہ اقدام اس حقیقت کی بنا پر ہے۔ کہ چونکہ سائنسدانوں کے بعض تجربات و مشاہدات، قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان مسائل کا بیان کر دینا یا ان کی تشریح کر دینا کسی طرح بھی قرآن مجید کی تقدیس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ علی الخصوص جبکہ گذشتہ زمانے میں بعض اکابر ائمہ و صوفیہ نے بھی قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام فخر رازی امام راغب اصفہانی، و دیگر اشاعرہ کرام نے اپنے زمانے کے علمی مسلمات کو قرآن کی روشنی میں بامعان نظر دیکھ کر اپنے نتایج تحقیق کو تصنیفات کی صورت میں پیش کیا ہے ؛

ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ مصنف نے "مسئلہ ارتقا" کے متعلق جہاں تک کہ اسکا تعلق مغربی کشف حقایق سے ہے۔ گہری واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ پھر جہاں تک کہ اس کا تعلق آیات قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے۔ وہ بھی کافی غور و تفکر اور مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔ اگرچہ 'نظم' علمی مسائل کے بیان کے لئے کوئی موزون اور تسلی بخش ذریعہ اظہار خیال نہیں۔ تاہم موجودہ کتاب کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ شعر و قافیہ کی دشواریوں نے وضاحت کے راستے میں کوئی خاص مشکلات نہیں پیدا کیں ؛

یہ کتاب ارتقائے حیات کے مختلف مراحل کا جس شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتی ہے

اس کی جزئیات سے بحث کرنے کی یہاں گنجایش نہیں ۔ ہم یہاں صرف ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ جس میں ہمارے فاضل مصنف اور شاعر نے سب کچھ کہنے کے باوجود دامن احتیاط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ۔

عام خیال تو یہ ہے ۔ جو ڈارون کے نظریہ نسل انسانی کی ایک خاص بات ہے ۔ کہ انسان اپنے ابتدائی ادوار زندگی میں بندر یا نسناس تھا یا اس سے مماثل تھا ۔ اور اسی سے اس نے ترقی کی ہے ۔ بظاہر یہ خیال قرآن حکیم کے عقیدہ خلافت بشری سے ٹکراتا نظر آتا ہے لیکن ناظرین ہمارے مصنف کی حس دینی سے ضرور متأثر ہوں گے ۔ جب وہ مندرجہ ذیل اشعار میں حضرت ڈارون سے اختلاف کرتے دکھائی دیں گے :-

درا رو پا ڈارون فرزانۂ   لیک از دین خدا بیگانۂ
کرد او انکار ذات کبریا   گفت از خود کرد عالم ارتقا
گفتۂ اور انسازی صر زجان   نیست انسان ہرگز از بوزینگان
قربت انسان با بوزینہ نیست   بین این دو رشتۂ دیرینہ نیست

آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :-

نزد من پیدائش اب البشر   بود چون عیسےٰ ز مادر بے پدر
ہر چہ خواہد خالق ارض و سما   می شود انسان بلا چون و چرا

فاضل مصنف لکھتے ہیں ۔ کہ میں نے ابلیس اور آدمؑ کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بھی منظوم کیا تھا اور تمام اسرار کی پردہ کشائی کا ارادہ تھا ۔ لیکن جمہور سے ڈر کر میں نے حذف کر دیا ۔

بہر تسکین دل ملائے من   شد تلف آن لؤلوئے لالائے من
آنچہ قرآن گفت آمنا بگو   منکشف گردد در معنی بہ تو

وہ چھپے ہوئے اسرار جن کے متعلق آیات قرآنی نے صراحت نہیں کی اور فہم انسانی نے

مختلف ادوار میں انکے متعلق مختلف تصوّرات قائم کئے ہیں۔ مصنف کی نظر سے اوجھل نہیں۔ ان ہیں مصنف کی ساری دلیل" واللہ اعلم بالصواب" پر ختم ہو جاتی ہے ؀

جہاں کتاب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ وہاں ہمارے خیال میں اس بات کی بھی ضرورت تھی۔ کہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف ذرا زیادہ عام فہم الفاظ میں مسئلہ ارتقا کی باریکیوں سے پردہ اٹھا دیتے۔ تاکہ علما کے علاوہ عوام بھی کتاب سے فائدہ اٹھاتے۔ کیونکہ یہ نظریہ جس قدر زیادہ مشہور ہے۔ اسی قدر مشکل اور پیچیدہ بھی ہے ؀

امید ہے۔ کہ وہ فارسی داں حضرات جنہیں دینی اور علمی گتھیوں کے سلجھانے کا شوق رہتا ہے۔ اس کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مصنف کے ذوق اور جستجو کی داد دیں گے، دوسری طرف وہ ارباب علم جن کو خلق انسان کے متعلق مغربی نظریوں سے آگاہی مطلوب ہے اس کتاب سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے ؀

سیّد محمّد عبد اللہ

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہُوا ہے)

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۷ء

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۳) | بابت ماہ مئی ۱۹۳۸ء | عدد مسلسل ۵۴

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا:

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصّوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگستؔ میں شائع ہوگا ؛ سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے تحت وصول ہوگا

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہوسکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط و کتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

ؔ چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(۱۱) سر رچرڈ برٹن

(Sir Richard Burton)

سر رچرڈ برٹن نے پچھلی صدی میں انگلستان میں بحیثیت ایک نڈر سیاح اور متبحر زبان دان کے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے بعض ایسے کم غیر معروف حصوں میں پہنچا جہاں ابھی تک کسی مغربی سیاح کا گزر نہیں ہوا تھا۔ یہاں ہمیں صرف اس کی سیاحت عرب سے سروکار ہے۔

برٹن ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھا۔ جبکہ اس نے عرب کی سیاحت کا ارادہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۳ء میں وہ اسکندریہ پہنچا۔ یہاں اس نے نہ صرف مشرقی لباس اختیار کیا بلکہ شیخ عبداللہ نام اختیار کر کے مشرقی نشست و برخاست اور عربی طرزِ معاشرت کی عادت ڈالی۔ اسکندریہ سے قاہرہ آیا۔ تحریری عربی وہ اس سے پیشتر ہندوستان میں سیکھ چکا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر اس نے مزید بول چال کی مشق پیدا کی اور بالآخر دیگر مصریوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے جہاز میں سوار ہو کر ساحل حجاز کی طرف روانہ ہوا اور ینبوع کے بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مدینہ پہنچا اور ایک مدنی کے ہاں قیام کیا اور روضہ شریفہ۔ مسجد قبا اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کی۔ برٹن نے مدینہ کی آب و ہوا، وہاں کی مخلوط آبادی، باشندوں کے عادات و خصائل، طرزِ معاشرت اُن کے مکانات اور مشاغل کی اپنے سفرنامہ میں بہت دلچسپ تفصیل لکھی ہے۔ مدینہ سے وہ شامی قافلہ کے ساتھ جس میں تقریباً سات ہزار لوگ شامل تھے، درب الشرقی کے راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے اس راستہ سے کسی مغربی سیاح نے سفر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ برکہارٹ اس سے پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ درب السلطانی کے راستہ سے گیا تھا۔

برٹن نے شہر مکہ، حرم شریف اور مناسک حج کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ اس سے پہلے برکھارٹ ان کو تفصیلاً بیان کر چکا تھا۔ اس لئے برٹن کے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا۔ کہ وہ برکھارٹ کی تفصیل کا اعادہ کرے۔ چنانچہ اس نے مؤخر الذکر کے صحت بیان کی بجا تعریف کرکے بالعموم اس پر صاد کیا ہے، اور اس کے بیان پر صرف چند ایسے مقامات کی تفصیل کا اضافہ کیا ہے۔ جو مکہ کے نواحی میں ہیں اور جن کو برکھارٹ نے نہیں دیکھا تھا ؛

اختتام حج اور مکہ میں چندے قیام کرنے کے بعد برٹن جدہ کے راستہ سے واپس وطن لوٹا اور اپنے حالاتِ سفر میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ذیل میں درج[1] ہے۔ اس کا سفرنامہ بذاتِ خود ایک اہم اور لائق یادگار کارنامہ تھا۔ مگر اس کا سفرنامہ بھی اس سے کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ ملک عرب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان پر برٹن کے سفرنامہ کو کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ جو شے برٹن کے مشاہدہ میں آئی، اس نے اس کی نوکِ قلم سے ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے اور وہ عربوں کی جبلّت اور سرشت کو ایسی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان کے اوضاع و اطوار۔ اور عادات و خصائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کے زورِ بیان اور ظرافت کی چاشنی نے اس کے سفرنامہ کو اور بھی زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے ایک ہسپانی عرف علی بیگ، برکھارٹ اور دیگر اشخاص نے حرمین کی زیارت کی تھی مگر ان کے نام اور کارنامے عوام کے ذہن سے اُتر چکے تھے۔ اور جب برٹن کا دلچسپ اور بدیع المثال سفرنامہ شائع ہوا تو عوام نے یہی خیال کیا کہ اہلِ یورپ میں سے برٹن پہلا شخص ہے، جسے اپنی زبان دانی، حوصلہ مندی اور جرأت کی بدولت مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ؛

مگر علمی اور جغرافی لحاظ سے برٹن کے سفر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ برکھارٹ اور دیگر سیاح حجاز میں سفر کر چکے تھے اور وہاں کے جغرافی اور معاشرتی کوائف بیان کر چکے تھے۔

---

[1] A Pilgrimage to al-Medina and Mecca (London, 1855)

برٹن کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ اگر ممکن ہو تو حجاز پہنچ کر وہاں ضروری ذرائع و وسائل حاصل کرکے ربع الخالی کو قطع کرے۔ مگر وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ خود بدویوں کا بھی اس بیابان میں کم گزر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے منصوبہ کو ترک کرنا پڑا۔ ربع الخالی کو قطع کرنا برٹن کے ہموطن برٹرم ٹومس کے لئے مقدّر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے ؛

سفر حجاز کے تقریبًا پچیس سال بعد برٹن کو ارض مدین میں تحقیقات کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ اگرچہ زمانہ قدیم میں مدین کے گرد و نواح میں مختلف قیمتی معدنیات خصوصًا سونے کی خاطر لوگ عرصہ تک کھدائی کرتے رہے تھے۔ مگر ان کی کھدائی محض سطحی تھی۔ اور معدنی ذخیرہ کے ختم ہو جانے کے سبب سے یا مناسب آلات کے موجود نہ ہونے کے باعث یہ کام مدّت سے بند ہو چکا تھا۔ جن دنوں مصر میں خدیو اسمٰعیل پاشا حکمران تھا۔ ایک مصری تاجر اس علاقہ سے کچھ ریت لایا جس میں سونا ملا ہوا تھا۔ برٹن بھی اُن دنوں مصر میں تھا۔ اس نے فورًا یہ نتیجہ نکالا کہ مدین کے علاقہ میں اب بھی ضرور سونے کی کان ہو گی۔ خدیو کو جب ان حالات سے اطلاع ہوئی تو اس نے برٹن کو مدین جانے اور حکومتِ مصر کی طرف سے وہاں کھدائی کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ برٹن چند رفیقوں اور ایک حراستی دستۂ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ مدین کے علاقہ میں پہنچ کر دیکھا کہ متعدّد مقامات پر کھدائی کے نشانات موجود ہیں۔ مگر یہ کھدائی محض سطحی تھی۔ علاوہ ازیں اس نے اٹھارہ شہروں کے کھنڈر دیکھے جہاں صرف دیواروں کی بنیادیں اور بھٹیوں کے چند ایک نشان موجود تھے۔ یہاں اُسے کچھ قدیم سکے بھی ملے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہاں تانبا بھی کثیر مقدار میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چاندی، سونے اور لوہے کے بھی آثار ملے۔ برٹن نے اپنے سفر مدین کے حالات اور نتائج تحقیقات کو حسب ذیل دو کتابوں میں قلمبند کیا ہے[1] ؛

---

[1] *Gold Mines of Midian (London, 1878);*
The Land of Midian Revisited (London 1879);

برٹن نے بلاد السومال اور وسط افریقہ کی بھی سیاحت کی تھی ۔ علم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ سفر خاصی اہمیت رکھتے ہیں ۔ مگر اُن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔

برٹن بحیثیت الف لیلہ کے مترجم کے بھی خاصی شہرت کا مالک ہے ۔ اگرچہ اُس سے پہلے علاوہ دیگر فرنگی مترجموں کے اڈورڈ لین نے اس کا انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں لنڈن سے ۱۸۴۰ء میں شائع کیا تھا ۔ مگر یہ ترجمہ مکمل نہ تھا ۔ کیونکہ لین نے یا تو بعض حکایات کو مختصر کر دیا تھا اور یا ایسے مقامات کو جہاں عریاں بیانی اور فحش نگاری تھی ۔ بالکل قلمزد کر دیا تھا ۔ برٹن نے نہ صرف اس مشہور مجموعہ حکایات کا من و عن ترجمہ کیا ۔ بلکہ توضیح مطالب کے لئے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اسنے بہت سے حواشی کا اضافہ کیا ۔ ان میں سے بعض حواشی ایسے معاملات پر ہیں ۔ جو بالعموم معرضِ بحث میں نہیں آتے یا انہیں زبانِ قلم پر لانے سے احتراز کیا جاتا ہے ۔

(۱۲) پالگریو

(*Palgrave*)

پالگریو قومیت کے لحاظ سے انگریز اور باپ کی طرف سے یہودی النسل تھا ۔ برٹن کے سفر حجاز کے تقریباً دس سال بعد دیارِ عرب میں وارد ہوا ۔ اس کی سیاحت کا مقصد غالباً سراغرسانی اور جاسوسی تھا ۔ کیونکہ وہ خود ہی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے ۔ کہ اس کے تمام اخراجاتِ سفر کی کفالت نپولین سوم شہنشاہِ فرانس نے کی تھی ۔ ان دنوں نہر سویز کے اجرا کا مسئلہ درپیش تھا ۔ ممکن ہے کہ شاہ مذکور کو اسی مناسبت سے دیارِ عرب کے سیاسی حالات دریافت کرنا مقصود ہو اور وہ سویز کے متصل علاقوں کے عربی شیوخ اور امیروں کو اپنا حلیف بنانا چاہتا ہو ۔

بہرحال پالگریو ایک شامی شخص کے ہمراہ عربی نام اور عربی لباس اختیار کر کے معان (جنوبی فلسطین) سے روانہ ہوکر وادی سرحان کے راستہ سے الجوف کے مشہور نخلستان میں پہنچا ۔ اور وہاں اپنے آپ کو ایک شامی طبیب ظاہر کیا اور تقریباً تین ہفتے مقیم رہا ۔ اس سے پہلے والن بھی الجوف

سے گذر چکا تھا۔ پالگریو نے الجوف کا جو بیان اپنے سفرنامہ میں دیا ہے۔ وہ والن کے بیان سے بالعموم مطابقت رکھتا ہے۔ مگر زیادہ مفصل ہے۔ وہاں سے اس نے بنورشید کے پایۂ تخت حائل کا رُخ کیا اور راستہ میں صحراء نفود کو قطع کیا۔ پالگریو پہلا مغربی سیّاح ہے جس نے وہاں کے فلج یعنی گھوڑے کی نعل کی شکل کے ریتیلے گڑھوں کو دیکھا اور نفود کے بیان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعد کے سیّاحوں نے اس قسم کے گڑھوں کے ساتھ جو اس صحرا کے خصوصیات سے شمار ہوتے ہیں زیادہ اعتناء کیا ہے۔ یہ گڑھے جن کو عرب لوگ فلج کہتے ہیں۔ کئی گز گہرے اور مدوّر شکل کے ہوتے ہیں۔ محقّقین کے درمیان ان کی اصل اور طرزِ ساخت میں اختلاف ہے۔ مگر قرینِ قیاس یہی امر ہے۔ کہ یہ گڑھے باریک اور گہری ریت پر زوردار ہوا کے مسلسل اثر سے پیدا ہوتے ہیں۔ فلج کی مخصوص شکل یہ ہے۔ کہ اس کی گہرائی کے تین اطراف بلند مدوّر ٹیلے سے محصور ہوتے ہیں۔ اور چوتھی جانب ہوا کے رُخ پر خالی ہوتی ہے۔ اس قسم کے گڑھے یا ٹیلے مغربی پنجاب کے ریتیلے علاقوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

صحراء نفود کو قطع کر کے پالگریو بنو شمر کے علاقہ کے مشہور شہر حائل میں پہنچا۔ جہاں اُن دنوں بنورشید کی حکومت تھی۔ حائل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ جن کے قدیم نام اجأ اور سلمیٰ ہیں اور جن کو آجکل مجموعی طور پر جبلِ شمر کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک عرصہ سے قبیلۂ شمر وہاں آباد ہے۔ بنورشید نے حسنِ تدبیر سے ایک منظم اور پُرامن حکومت قائم کر رکھی تھی۔ جس سے وہاں کی آبادی میں روزافزوں ترقی اور فارغ البالی اور تجارت میں خوشحالی رونما تھی۔ پالگریو یہاں کئی ماہ تک مقیم رہا۔ اور چند مرتبہ حائل کے امیر کی خدمت میں بھی باریاب ہوا اور اپنے اختیار کردہ پیشہ طبابت کے واسطہ سے اُسے وہاں کے تقریبًا ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے وہاں کے نخلستانوں، لوگوں کے ذرائع معاش اور ان کی گھریلو زندگی کو تفصیل سے بیان کیا ہے[۱]۔

---

[۱] Narrative of a Year's Journey through Central and Eastern Arabia (London 1865);

حائل سے پالگریو نجد کی طرف چلا اور علاقہ قصیم کے شہروں بُریدہ اور عنیزہ سے ہوتا ہوا نجد کے پایۂ تخت ریاض میں پہنچا۔ پالگریو وہاں سات ہفتے مقیم رہا اور وہاں کے مذہبی عقائد و اعمال، اور عام طرزِ زندگی کا مطالعہ کرتا رہا۔ بالآخر لوگوں نے اور خصوصاً اہلِ حکومت نے اُسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اندریں حالات وہ اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک رات چپکے سے ریاض سے نکل پڑا اور مشرقی ساحل کا رُخ کیا۔

پالگریو شہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آسایش پسند شخص تھا۔ چنانچہ اس نے ساحلی علاقہ کے نخلستانی شہروں مثلاً خصوف، حسا اور قطیف وغیرہ میں جہاں کے لوگ نسبتاً خوشحال حضری زندگی کے نازونعمت کے خوگر اور وہابیت کے تشدد سے نفور تھے۔ بڑے مزے کے دن گذارے پالگریو نے اپنے سفرنامہ میں ان کی طرزِ زندگی کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اُن کی معاشرت کی تعریف میں رطب اللسان ہے مگر اہل بادیہ کے لئے اس کے پاس کسی قسم کی ہمدردی یا ستائش نہیں۔

علم جغرافیہ کے لحاظ سے پالگریو کی سیاحت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس نے کوئی بڑا اکتشاف نہیں کیا۔ بلکہ مختلف اقطاع عرب کی جو جغرافی کیفیت اس نے لکھی ہے بعد کے سیاحوں کے بیان سے مقابلہ کرنے پر مشکوک ٹھہرتی ہے۔ یا تو وہ خلافِ حقیقت ہے یا مبالغہ آمیز۔ اس کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ سیاحت میں اس کے پیشِ نظر کوئی علمی غرض نہ تھی۔ دورانِ سفر میں اس نے جغرافی تحقیقات اور علمی تدقیقات سے سروکار نہ رکھا تھا اور واپسی پر اپنا سفرنامہ محض اپنے حافظہ کی بنا پر لکھا تھا۔

حضری عربوں کی معاشرت اور عادات کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ مصنف کے دلآویز اندازِ بیان کے سبب سے بہت دلچسپ ہے اور بعد کے سیاحوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ مگر افسوس کہ ملک کے جغرافیہ اور دیگر امور کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ اس پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) گوارمانی

(Guarmani)

پالگریو کی سیاحت کے تھوڑی ہی مدت بعد ایک دیگر مغربی سیاح (گوارمانی) کو قصیم کے علاقہ تک ان تمام دیارِ عرب میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا - جہاں پالگریو کا گذر ہوا تھا - اس اجمال کی تفصیل یوں ہے - کہ شہنشاہِ فرانس کو (غالباً پالگریو کی رپورٹ کا واسطہ سے) اپنے اصطبل کے لئے عربی نسل کے اصیل گھوڑوں کو اُن کے اصلی وطن سے منگوانے کا شوق چرایا - ان کی خرید کے لئے اس کی نگاہِ انتخاب گوارمانی پر پڑی جو قومیت کے لحاظ سے اطالوی تھا اور القدس (یروشلم) میں ایک مغربی حکومت کے گماشتہ کی حیثیت سے ایک عرصہ دراز تک مقیم رہ چکا تھا - بلکہ اس سے پیشتر بھیس بدل کر وہ اندرون عرب میں الجوف تک سفر بھی کر چکا تھا ؛

چنانچہ ۱۸۶۴ء کے آغاز میں اس نے اندرونِ عرب کا راستہ لیا - شام کے مشرق میں قبیلہ رُوَلہ آباد ہے - چونکہ اس قبیلہ اور اس کے سردار کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے - اس لئے اُن کی حفاظت اور حمایت میں صحرائے نفود کے کنارے ہوتا ہوا وہ جلد تیماء تک جا پہنچا - اور وہاں مسلمانی وضع اختیار کر کے اپنا نام خلیل آغا رکھا اور اپنے آپ کو ترک ظاہر کیا - اور لوگوں سے کہا کہ میں والیِ دمشق کا گماشتہ ہوں اور سلطانی اصطبل کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہوں - تیماء کے جنوبی حرّہ کو قطع کر کے گوارمانی خیبر کے مقام پر پہنچا - وہ پہلا مغربی سیاح ہے جو اس مشہور اور قدیم نخلستان میں وارد ہوا - اس نے دیکھا کہ وہاں اتنے حبشی آباد ہیں کہ وہ بلاد السودان کا ایک قطعہ معلوم ہوتا تھا - امیر حائل کی طرف سے وہاں ایک حبشی امیر مقرر تھا - جو گوارمانی کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا - چونکہ یہاں گھوڑے نہ تھے اسلئے اس نے قصیم کا رُخ کیا - یہاں عُنیزہ میں عبداللہ نجدی ڈیرے ڈالے ہوئے تھا - اس نے نووارد کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور معاندانہ انداز اختیار کیا - اسلئے گوارمانی کو مجبوراً واپس حائل آنا پڑا ؛

حائل اور اس کے نواحی میں گوارمانی بلاروک ٹوک پھرتا رہا - اگرچہ اس سے پہلے والن اور پالگریو بھی حائل میں رہ چکے تھے - مگر اُن کی واقفیت اور علم صرف حائل کے شہر اور وہاں کے باشندوں تک محدود تھا - مگر گوارمانی نے جبل شمر کے نواحی میں تمام قریوں اور قبیلہ شمر کے بدویوں کو چل پھر کر دیکھا - اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے - کہ جبل شمر کے مغرب میں بہت سے قریے ہیں جو در اصل قبیلہ مذکور کی قوت و اقتدار کا اصلی مرکز ہیں ؛

واپسی پر گوارمانی نے اطالوی زبان میں اپنا سفرنامہ لکھا - جس کا عنوان ذیل میں درج ہے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے - اس میں اس نے اپنے فراہم کردہ جغرافی معلومات اور دیگر ذاتی مشاہدات اور واقعات بے کم و کاست صحیح صحیح قلمبند کئے ہیں - وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ سیاحت میں علاقہ شمر میں ایسا امن و امان قائم تھا کہ وہاں کا سفر و سیاحت اس کے وطن اٹلی سے بھی زیادہ بے خطر تھا - گوارمانی نے اگرچہ پالگریو کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر بہت سی باتوں میں اس کے سفرنامہ سے پالگریو کے بیانات کی تصحیح ہوتی ہے - چونکہ اسے شمالی نجد میں اِدھر اُدھر کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور اس کے پاس ایک اچھی کمپاس (قطب نما) بھی تھی - اسلئے اس کی اطلاعات سلسلہ ہائے کوہ کے رُخ اور مقامات کے محل وقوع اور ان کے باہمی فاصلہ کے متعلق اپنے پیشرو سیاحوں کے بیانات کی نسبت زیادہ درست اور قابل اعتماد ہیں - اسی لئے اس کے بیانات اور فراہم کردہ معلومات جغرافیہ نگاروں کے لئے شمالی نجد اور شمالی حجاز کا نقشہ تیار کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں ؛

عنایت اللہ

(ملتان)

Carlo Guarmani, Il Neged settentrionale: Itinerario da Gerusalemme a Aneizeh nel Cassim (Jerusalem, 1866)

Northern Nejd, translated by D. Carruthers. (London, 1917);

عہدِ شمسی کا ایک مؤرّخ شاعر

مولانا منہاج الدین ابو عمر عثمان بن مولانا سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان بن مولانا منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق الجوزجانی طبقاتِ ناصری کے مؤلف جو منہاج سراج منہاج کے مختصر نام سے مشہور ہیں۔ اعلےٰ پایہ کے مؤرخ ہونے کے علاوہ فن شعر میں ایک خاص رتبہ رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کا کوئی دیوان موجود نہیں اور اگر موجود تھا بھی تو زمانہ کی دستبرد سے ہم تک نہیں پہنچا۔ غالب احتمال یہی ہے کہ نہیں تھا۔ اسلئے کہ ان کے معاصرین یا خود مؤلف نے جہاں اپنے حالات یا دیگر امور کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے متعلق اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ ہاں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک بلند رتبہ شاعر تھے۔ کیونکہ ان کی تالیف میں نہ صرف مدحیہ قصائد ملتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر چند رباعیات اور قطعات بھی نظر آتے ہیں۔ زمانۂ حبس کی ایک نظم کے چند اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ مجموعہ اس فن میں ان کی مہارت تامہ پر کافی دال ہے ؛

منہاج سراج منہاج کی زندگی کے مکمل حالات ان کی اپنی زبانی جا بجا طبقات میں ملتے ہیں۔ میجر راورٹی نے نہایت کد و کاوش سے انہیں یکجا جمع کر کے اپنے انگریزی ترجمہ طبقات جلد دوم کے خاتمہ میں درج کر دیا ہے اور جن کا اعادہ یہاں محقق کی نظر میں اگرچہ نامناسب معلوم ہوگا۔ لیکن اس موقع پر جبکہ مولانا کی شاعری کا تبصرہ منظور ہے۔ یہاں ان حالات کا بسبیل اختصار تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا ؛

مصنف کے اپنے بیان کے مطابق ان کے والد جو اس وقت فیروزکوہ میں سلطان غیاث الدین محمد سام کی خدمت میں تھے۔ ۵۹۱ھ میں سلطان بہاؤالدین سام والئے بامیان وطخارستان کی خواہش پر سلطان غیاث الدین سے اجازت لے کر بامیان چلے آئے۔ یہاں بڑا اعزاز پایا اور قاضی فوج کے عہدے پر سرفراز ہونے کے علاوہ دو مدرسوں اور ان کے اوقاف کے

متوّلی قرار دیئے گئے اور حُسن خدمات کے صلہ میں انعام واکرام سے بھی مالامال ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہمارے مولانا کی عمر تین برس کی تھی[1]۔

ان کی والدہ سلطان غیاث الدین محمد سام کی دختر شہزادی ماہ ملک الملقب بہ جلال الدنیا والدین کی دودھ شریک اور ہم مکتب تھی اور چونکہ وہ شہزادی کی خدمت میں رہتی تھی۔ اس لئے مولانا نے بھی شاہی حرم کی فضا میں پرورش پائی اور یہاں ہی تربیت حاصل کی اور سن بلوغ تک اسی بارگاہ میں رہے[2]۔ چنانچہ ایک موقع پر بسبیل تذکرہ فرماتے ہیں۔ کہ ۶۰۷ھ میں میں فیروزکوہ میں سلطان کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جب امیر منکوس زردسوار خوں چکاں توبرہ لٹکائے۔ ملک رکن الدین محمود کا سر میچ میں ڈالے آیا اور محل کے اندر داخل ہوگیا[3]۔

۶۲۴ھ میں جب ان کی عمر بروئے حساب ۳۵ سال کی بنتی ہے۔ وہ پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچتے ہیں[4]۔

ناصرالدین محمود کی تخت نشینی کے موقع پر جو ۶۴۴ھ میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ایک مدحیہ قصیدہ لکھتے ہیں[5] ع

بیست سالست تاکہ منہاج سراج خستہ را

دردعاگوئی ایں حضرت فرازپاشش است

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو ہندوستان میں رہتے بیس سال گذر چکے تھے۔

خود منہاج سراج منہاج نے اپنی تاریخ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ مگر سہ سالگی[6] اور ہژدہ سالگی[7] کے حساب سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پیدائش ۵۸۹ھ کے قریب ہوئی۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جب ان کا خاندان سلطنت کے پایۂ تخت فیروزکوہ میں مقیم تھا اور سلطان غیاث الدین محمد سام کی حکومت کا دور تھا۔ ۵۹۱ھ میں ان کے والد تو بامیان کی طرف چلے گئے۔ لیکن مولانا اپنی والدہ کے ساتھ شہزادی ماہ ملک کے محل میں رہے اور شہزادی کے التفات سے شاہی حرم میں امیرزادوں کی طرح

---

[1] طب ۱۱۱ [2] طب ۸۵،۱۲۵ [3] طب ۶۷ [4] طب ۱۴۳ [5] طب ۱۲۷،۱۴۲ [6] طب ۲۰۴ [7] طب ۱۱۱ [8] طب ۸۵

پرورش پاتے رہے ۔ شہزادی ماہ ملک خود علم دوست تھیں ۔ انہوں نے محل میں ایک کتب خانہ بھی جمع کر رکھا تھا ۔ اس کتب خانہ میں مولانا نے ۶۰۲ھ میں فخر الدین مبارک شاہ مرورودی کی کتاب منظوم "نسبت نامہ" دیکھی تھی[1] ۔ جیسا کہ وہ اپنی تالیف میں ذکر کرتے ہیں ۔ ان بعض مشاہدات سے ظاہر ہے کہ وہ چودہ سال تک شاہی محل میں زیر سرپرستی ملکہ ماہ ملک تربیت پاتے رہے ۔ بلکہ ۶۰۷ھ میں بھی ہم انہیں ان کے بیان کے مطابق فیروزکوہ میں مقیم دیکھتے ہیں ؛

مولانا نے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے ۔ چنانچہ ۶۱۷ھ میں وہ حصار تولک میں موجود ہیں اور ان کے بھائی شہر و حصار فیروزکوہ میں[2] ۔ تو ۶۱۸ھ میں ولایت کزیو و تمران میں ۔ پھر اسی سال غور واپس آتے ہیں[3] ۔ اس کے بعد ۶۲۱ و ۲۲ھ میں دوبار حصار تولک سے رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے قہستان جاتے ہیں اور تیسری بار ۶۲۳ھ میں ملک رکن الدین بختیار کی طرف سے ملک تاج الدین ینالتگین شاہ سیستان کے پاس پہنچتے ہیں ۔ اور ان کی طرف سے اسی سال بادشاہ قہستان کے ہاں سفیر بن کر جاتے ہیں ۔ مگر وہاں سے پھر خیسار میں ملک رکن الدین کے پاس اقامت گزین ہوتے ہیں ۔ لیکن اسی سال ہندوستان کے سفر کا عزم کر کے ملک سے اجازت لے کر سامان سفر کی خریداری کے لئے فراہ میں پہنچتے ہیں ۔ اس وقت ینالتگین قہستانی ملاحدین سے جنگ کر کے شکست خوردہ آتا ہے اور چاہتا ہے کہ معارف سے کسی فرد کو شمس الدین محتشم فرماندہ قہستان سے مصالحت و معاہدہ کرا دینے کے لئے بھیجے مگر اس کے ملازمین میں سے اس کام پر جانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا ۔ اتنے میں اسے مولانا کے فراہ کے قریب پہنچنے کی خبر ملتی ہے ۔ وہ ایک سازوالا گھوڑا اور امراء اور ملازمین کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کرتا ہے ۔ اور مولانا کو اپنے پاس بلاتا ہے اور انہیں سفیر بنا کر ملک رکن الدین کو ان کے ہمراہ کرتا ہے ۔ محتشم اس وقت نیہ میں اپنے لشکر کے ساتھ تھا ۔ مولانا قہستان سے نیہ واپس آتے ہیں اور شرائط صلح طے کر کے واپس لوٹتے ہیں ۔ ینالتگین انہیں دوبارہ جانے کے لئے کہتا ہے ۔

---

[1] طب ص ۲۸ [2] طب ص ۳۴۴ [3] طب ص ۱۵۲، ۳۷۴ ؛

لیکن وہ انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ قید میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مگر ملک رکن الدین کی مداخلت سے رہائی حاصل کرتے ہیں ۱؎۔

۶۲۴ھ میں وہ خراسان سے غزنی اور سقان (نیبان (راورٹی)) کے راستے کشتی کے ذریعہ روز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ کو اُچہ پہنچتے ہیں۔ اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں اُچہ کے مدرسہ فیروزی کی عنان انتظام ان کے سپرد کر دی جاتی ہے اور ساتھ ملک ناصر الدین قباچہ کے صاحبزادے بہرام شاہ کی افواج کے قاضی مقرر ہوتے ہیں۔ یکم ربیع الاولیٰ ۶۲۵ھ کو شمس الدین التمش کی افواج اُچہ کی طرف پیشقدمی کرتی ہیں اور ۲۷ جمادی الاولیٰ کو اُچہ اور ۲ جمادی الآخر کو قلعہ بکر فتح ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاہی فوجیں رمضان ۶۲۵ھ میں دہلی روانہ ہوئیں اور مولانا بھی سلطان کے ساتھ دہلی آ گئے۔ جہاں ۶۲۹ھ تک مقیم رہے ۲؎۔ اسکے بعد گوالیار کی مہم پر سلطان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ گیارہ ماہ تک گوالیار کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثنا میں مولانا نے ۹۵ مرتبہ تذکیر گوئی کی ۳؎۔ ان مجالس میں خود سلطان حاضر ہوتا۔ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مولانا نے سلطان کے حکم سے امامت نماز کا فرض ادا کیا اور خطبہ پڑھا۔ سلطان نے خلعت سے سرفراز کیا۔ ۲۶ ماہ صفر ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا اور مولانا وہاں کے قاضی، خطیب، امام، محتسب اور باقی تمام امور شرعیہ کے حاکم مقرر ہوئے اور تشریفات فاخرہ اور انعامات وافرہ عطا ہوئے ۴؎۔

۶۳۵ھ میں بعہد سلطان رضیۃ الدین وہ گوالیار سے دہلی چلے آئے اور اسی سال شعبان کے مہینے میں سلطان نے دہلی کے مدرسہ ناصریہ کا انتظام اور عہدۂ قضائے گوالیار ان کے سپرد کئے ۵؎۔

۶۳۷ھ میں معز الدین بہرام شاہ بن التمش تخت نشین ہوا۔ امراء و وزراء نے حلف وفاداری اٹھایا۔ سلطان کو سیدھا سادھا حاکم سمجھ کر وزیر نے من مانی کارروائیاں کرنی شروع کیں۔ سلطان کو

۱؎ طب ص ۳۶۴، ۴۱۴، ۴۱۶ ۲؎ طب ص ۱۴۴، ۱۶۲ ۳؎ طب ص ۱۷۵ ۴؎ طب ص ۱۷۵، ۲۴۹ ۵؎ طب ص ۱۸۸، ۲۵۶

علم ہوا تو بہت جھنجھلایا اور عنان سلطنت سنبھالنے کے درپے ہوا - دو سال تک برابر عجیب فتنے برپا رہے - ۶۳۹ھ میں لاہور پر مغلوں کی یورش ہوئی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سلطان نے یہ خبر سنی تو سراسیمہ ہوا اور لوگوں کی ہمدردی بروئے کار لانے کے لئے دہلی میں قصر سفید میں ایک اجتماع کروایا - جہاں مولانا کو وعظ کرنے کا حکم دیا - اس کے بعد سلطان نے مولانا کو شنبہ کے دن ۱۰ جمادی الاولی ۶۳۹ھ میں پہلی بار دہلی کا بلکہ تمام قلمرو کا قاضی مقرر کیا اور تشریف وعواطف سے ممتاز کیا[1] اسی سال دہلی میں فساد برپا ہوا - سلطان کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی - مولانا نے اور دوسرے امرا نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں پورا پورا حصہ لیا لیکن بے سود رہا - خود مولانا پر قاتلانہ حملہ ہوا - چونکہ مسلح تھے - اس لئے حملہ آور کو جرأت نہ ہوئی[2]

مولانا اس صورت حالات میں ۶۴۰ھ میں لکھنوتی چلے جاتے ہیں[3] - جہاں سے ۶۴۳ھ میں دوشنبہ ۴ ماہ صفر کو طغانخان کی معیت میں واپس دہلی آتے ہیں - اسوقت علاؤالدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ سریر آرائے دہلی تھا - الغ خان اعظم کی سفارش پنجشنبہ ۱۷ ماہ صفر ۶۴۳ھ کو یعنی تین روز بعد حدود دہلی - مدرسہ ناصریہ اور اس کے اوقاف کی تولیت اور گوالیار کی قضا اور جامع مسجد کی تذکیرات پہلے کی طرح ان کے سپرد ہوگئیں اور ایک گھوڑا مع زین خلعت میں مرحمت ہوا[4]

یکشنبہ ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو سلطان ناصرالدنیا والدین محمود بن التتمش تخت سلطنت پر متمکن ہوا - اس بادشاہ کے زمانہ میں مولانا دوبار قاضی ممالک ہندوستان مقرر ہوئے - ایک دفعہ ۶۴۹ - ۶۵۱ھ اور دوسری دفعہ ۶۵۳ھ میں - اور ۶۵۲ھ میں صدر جہاں کے خطاب سے سربلند ہوئے[5] - مولانا نے اور بھی دیگر سیاسی واقعات میں حصہ لیا ہے جن سے ہمیں ان کی بلند شخصیت کی شناخت میں بہت مدد ملتی ہے - اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ کی بلند پایہ ہستی تھے۔

---

[1] طب ص ۱۹۵ [2] طب ص ۱۹۶-۱۹۷ [3] طب ص ۱۹۸-۲۴۴-۲۶۳ [4] طب ص ۲۰۰ [5] طب ص ۲۱۹۔

وہ طبعاً خدا دوست تھے اور اہل اللہ کی صحبت میں کافی وقت گذارتے ۔ غوثی نے اپنے تذکرہ گلزار ابرار میں انہیں مشائخ کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کیوں مولانا نے اپنی تاریخ میں اولیاء کا ذکر نہیں کیا ۔ لیکن یہ اعتراض صوفیانہ نقطۂ نظر سے ہے ۔ طبقات مولانا مورخ کی حیثیت سے لکھنے بیٹھے تھے اور اس میں انہوں نے ایک تاریخ دان کے فرائض بجالانے کی کوشش کی ہے اور یہی شاید مناسب بھی تھا ؛

۶۵۸ھ میں انہوں نے طبقات کو ختم کر دیا[1] ۔ اور اپنے بادشاہ ناصرالدین محمود ۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ کے نام پر اسے معنون کیا[2] اور اس کے نام پر ہی اس کا نام 'طبقات ناصری' رکھا ۔ اس کا کچھ حصہ الغ خاں اعظم کی خدمت میں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمانروا ہوتا ہے ۔ پیش کیا تو اس نے بیس ہزار جیتل اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا ۔ خود سلطان ناصرالدین نے اس تالیف کے پیش ہوتے وقت اپنے کندھے کی چادر اتار کر مولانا کے کندھے پر ڈال دی اور انعام میں ایک گانو اور دس ہزار جیتل دیئے جانے کا حکم دیا[3] ؛

۶۵۸ھ کے بعد مولانا کے واقعات حیات و ممات کی بابت ہم کو کوئی اطلاع نہیں ۔ تکمیل کتاب کے وقت ان کی عمر ۶۹ سال کی ہوتی ہے ۔ اگرچہ وعدہ کیا ہے کہ زندگی رہی تو باقی حالات بھی سپرد قلم کئے جائیں گے[4] ۔ لیکن افسوس ہے ۔ کہ ان کو موقع نہ ملا ۔ جس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ طبقات کے عنقریب بعد وہ رحلت گرائے عالم جاودانی ہوئے ۔ سید علی حسن نے اپنے تذکرہ[5] میں ان کی عمر ہشتاد و چہار سال لکھی ہے ۔ اگر یہ روایت کسی صحیح ماخذ پر مبنی ہے ۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پندرہ سال اور جیئے ۔ لیکن نہ معلوم یہ وقت کہاں گذارا ۔ اور کیا کرتے رہے ؛

اب وقت آگیا ہے ۔ کہ ہم مولانا کی شاعری پر ایک نگاہ ڈالیں ۔ بدقسمتی سے یہ موضوع عدم دستیابی مواد کی بنا پر بہت کچھ تشنہ رہتا نظر آتا ہے ۔ اس ضمن میں مولانا کی کوئی یادگار باقی نہیں؛

---

[1] طب ۳۱۶-۳۵۲ [2] طب ۴ [3] طب ۲۵۲ [4] طب ص ۲۲۷ [5] صبح گلشن ؛

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب خاندان شمسی کی حکومت کی ابھی ابتدا تھی اور ان کی تمام تر توجہ نئی فتوحات اور قیام سلطنت اور انتظام مملکت کی طرف مبذول تھی۔ ایسی مصروفیت کے وقت میں سلاطین کا طبقۂ شعرا کی طرف متوجہ ہونا قدرے مشکل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس زمانے کی شعری یادگاریں کم دستیاب ہوتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی شاعر کا دیوان تک نہیں ملا۔ تاج الدین ریزہ، محمد عوفی، حسن نظامی مصنف تاج المآثر اور سلطان ناصر الدین قباچہ کے دربار کے چند شعراء کے اشعار نہایت قلیل تعداد میں ملے ہیں ۔

اسی جماعت میں ہمارے مولانا کا بھی شمار ہونا چاہیئے۔ ان کو اوّل تو ہندوستان کے عہدۂ قضا وتذکیر و درباروداری سے ہی فرصت نہیں تھی اور جو وقت ان سے بچتا۔ دیگر امور کے علاوہ تصنیف وتالیف میں صرف ہوتا۔ ’ناصری نامہ‘ لکھا اور ’طبقات ناصری‘ تالیف کی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ہم خیال کرتے ہیں۔ شعر گوئی کا مشغلہ بھی موقع بموقع جاری تھا۔ اگرچہ شعر گوئی ان کا پیشہ نہیں تھا۔ لیکن تذکیر گوئی کی طرح یہ فن بھی ان کو اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان چند لفظوں سے جو ہمیں طبقات اور دیگر تذکیروں سے ملتے ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ فن شعر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اکثر قصائد سے جو سلاطین کی تخت نشینی کے موقعوں پر انہوں نے تصنیف کئے اور جن کا بہت کم حصہ بدقسمتی سے ہم تک پہنچا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ درباری شاعر بھی تھے ؛

مولانا کی طبیعت کا رجحان شرعیات کے علاوہ تصوّف کی چاشنی سے بھی ذوق یاب تھا ان کی مجالس تذکیر یں جو نہایت دلچسپ ہوتیں اور جن میں لوگوں کا کثرت سے ہجوم رہتا۔ انکی رباعیات جو تمام کی تمام صوفیانہ خیالات سے مملو تھیں حاضرین کے قلوب کو جذب کرنے میں ایک خاص تاثیر رکھتی تھیں۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی کا قول ہے" شیخ قاضی منہاج جرجانی صاحب طبقات ناصری بزرگ بود وازافاضل روزگار از اہل وجد وسماع بود۔ چوں قاضی شد این کار استقامت گرفت"[1] ؛

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۹۰

شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۴-۷۲۴ھ) فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر دوشنبہ کو ان کی مجلس تذکیر میں حاضر ہوتا۔ ایک دن حسب معمول ایک تذکیر میں شامل تھا۔ مولٰنا نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب لعل دلبران خوش کردن ۔۔۔ وآہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش ست ولیکن فردا خوش نیست ۔۔۔ خود را چو خسی لمعۂ آتش کردن

میں سنتے ہی بے خود ہو گیا اور تقریباً ایک ساعت اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا[1]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منبر پر ان کے وعظ و تذکیر نرے خشک مسائل شرعیہ کے بیانات کے حامل نہیں ہوتے تھے بلکہ مولٰنا اپنے شعر و سخن کی امداد سے بڑی حد تک ان کو پُر ذوق و پُر لطف بنا دیتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود کی سلطنت کے دائمی قیام کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ رباعی طبقات ناصری میں لکھتے ہیں[2] ؎

شہ را خضر از جام ساقی بادا ۔۔۔ ایوان درش چو چرخ نہ طاقی باد
نام طبقات تا در جہاں باقیست ۔۔۔ محمود شہ ناصر دیں باقی باد

مولٰنا کے قصائد اپنے انداز اور اپنی نوعیت میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ ان کی بندش قدما کی طرح پیچدار نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض وقت ان میں مشکل الفاظ آ جاتے ہیں۔ ان قصائد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تشبیب و تمہید کی پابندی سے آزاد ہیں۔ طوالت اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ کل قصیدہ بغیر تکلفات کے سیدھے سادے طریق سے چند مدحیہ اشعار پر ختم ہو جاتا ہے۔

اب ہم ان قصائد کا ذکر کریں گے جو مولٰنا نے مختلف مواقع پر کہے۔

ملک ناصر الدین ابوبکر بن سیف الدین سوری بن ملک شہاب الدین بن حسین حاکم مدائن غور کی خدمت میں مولٰنا نے چند سال گذارے اور ۶۱۸ھ میں غالباً جب وہ غور کی طرف روانہ ہونے والے تھے تو ملک ناصر الدین سے ایک طولانی قصیدہ کے ذریعے جس میں اپنی شادی کے

---

[1] اخبار الاخیار ۹۱ [2] طب ص ۲۵۲ [3] طبقات میں "شہاب" لکھا ہوا ہے۔ جو نہ عروض سے اور نہ معنی کے لحاظ سے ٹھیک بیٹھتا ہے۔

حالات بھی درج کئے تھے۔ ایک گھوڑے کے عطیہ کے لئے درخواست کی۔ ملک وہ قصیدہ پڑھ کر بہت خوش ہُوا اور ان کی استدعا کے مطابق ایک سہ سالہ زردہ اسپ عنایت کیا۔

افسوس ہے۔ کہ مولینا نے اپنے اس دلچسپ قصیدہ کا ایک شعر بھی کہیں درج نہیں کیا

سنہ ۶۲۳ھ میں جب مولنا نیالتگین کی سفارت پر قہستان جانے سے انکار کرتے ہیں اور ۳۴ دن کے لئے قید کر دیئے جاتے ہیں۔ مولانا نے اپنے قید کے حالات پر مشتمل ایک حبسیہ قصیدہ نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیا[1]۔ یہ قصیدہ چونکہ کتاب کی تالیف کے وقت موجود نہ تھا اسلئے صرف ان چند اشعار پر ہی اختصار کیا ہے:۔

تا کی بلور اشک مرا چرخ زمردی　　بر کہربای روی دھد لون لُبدی
آہم چو دودِ عود قماری است بی عجب　　ای آب دیدہ گر تو گلاب مصعدی
بی دد رہ سیر بر تم سیہ و نی بدی چرا[2]　　مجبوسم و اسیر بکوہ صفہندی (صفہیدی)
سیمرغ نیستم من و این کہ نہ کوہ قاف　　طوطی و حبس خوش نبود تا بسر بدی
منہاج راہ راست تو در رہ کشادہ بہ　　بر قلعہ راہ راست نیاید ز مسندی

سنہ ۶۳۷ھ میں جب معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا اور امرا و ملوک نے بیعت کی منہاج بھی اس زمرہ میں شامل تھے۔ چنانچہ بیعت کے موقع پر یہ قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھ کر خدمت میں پیش کیا[3]۔

زہی در شانِ تو منزل ز لوحِ آیاتِ سلطانی　　بہین در رایت شاہی علاماتِ جہانبانی
معزالدین والدنیا مغیث الخلق تا خلقی　　سلیمان سانت در فرمانست ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی ہنداست ارث دودہ شمسی　　بحمد اللہ ز فرزندان توئی التمش ثانی[4]

---

[1] طب صـ ۲۴۷　[2] قلمی نسخہ میں "نی شر سرت و نی بدی جرا"۔ میں یہ لکھا ہے۔ میں اُس کی تصحیح سے عاجز ہوں۔　[3] طب صـ ۱۹۱　[4] اپنے طبقات کے مطبوعہ نسخے میں سب جگہ التمش مرقوم ہے۔ لیکن اشعار بالا میں عروض کے لحاظ سے یہ نام التتمش صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ تمام موجودہ مؤرخین نے اسے التمش ہی لکھا ہے اور غلط العام زبان زد خلائق ہے۔

چو دیدند نت ہمہ عالم کہ برحق وارث ملکی — درت را قبلہ گہ کردند ہم قاصی و ہم دانی
چو منہاج سراج این است خلقان را دعائی تو — کہ یارب بر سر پر ملک و دولت جاودان مانی
بہ عہدت راست چون نیزہ چنان گردند ہمہ عالم — کہ جز در طرۂ پرچم نہ بیند کس پریشانی

مولانا نے اس قصیدہ کے صرف انہی ابیات پر قناعت کی ہے ؎

جب سلطان ناصر الدین محمود شاہ ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ سلطنت کے تمام افاضل و اماثل نے دعا و ثنا کہی۔ منہاج نے بھی کچھ نظم و نثر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے دل کھولکر سلطان کی مدح میں لکھی۔ یہ چند اشعار اس قصیدہ سے منقول ہیں[1] ؎

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است — ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است
آن جہانداری کہ سقف چرخ از ایوان او — در علو مرتبت گوئی فرو دین پوشش است
فرق فرقد سا و راست و دست و پای دولتش — فر تاج است و نگین و زیب تخت و بالش است
سکہ را از انقاب میمونش چہ اندازاست فخر — خطبہ را ز اسم ہمایونش چہ مایہ نازش است
راحت دلہا است روح عہد او بار وح خلق — بندگی دو دمانش زانکہ در آمیزش است
چاکر ایوان او ہر جا کہ ترک و تازکی — بندۂ فرمان او ہر جا کہ ہندو گبرش است
وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین — ہر کرا ز انصاف در چشم بصیرت بینش است
دولتش حساد را در ہر زمان صد شومت است — صولتش احباب را در ہر مکان صد رامش است
گر چہ بشگفتش گل دولت ولی از صد یکی — چون نہال است او کہ باغ ملک را نو بالش است
تیغ زنگاریش چون شنگرف ریز آمد مطیع — شاخ و برگ نقش عمر دشمنان در ریزش است
از مہیب زخم گرز گاو سارش ہیں کہ چون — راکب شبیر فلک در لرزہ و در تابش است
تا نوای بزم ملکش راست شد زیر او فتاد — حاسد اندر چنگ غم چون زیر ان در نالش است
گاہ گشت از انقلاب جور باد ایمن چو کوہ — در پناہ عہد عدلش چون کہ ہر آرامش است

---

[1] طبقات صفحہ ۲۰۲ ؎

ای شهنشاهی که ذیل عفو دست بذل تو | محرم و محتاج را هم کوشش و هم پاششش است
مبیت سالست تا که منهاج سراج خسته را | ورد دعاگوئی این حضرت فراز پاششش است
از برای نصرت و تائید شاه بندگانش | ورد دعا در کوشش است و دعا در خواهش است
محور چرخ جلالت باد خاک درگهت | تا که خاک و چرخ در آرامش و در جنبش است
گردش اهل زمین بر وفق فرمان تو باد | تا بروج آسمان گرد زمین در گردش است

اور دوسرا حسب ذیل ہے[۱] :-

شاه را چون نام خویشش عاقبت محمود باد | نصرت و تائید حق با عزم او مشدود باد
دوستان را زی بقا و دشمنان را زی فنا | نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد
در جهان باب امان از عدل او مفتوح باد | باب بیدادی به عهدش مغلق و مسدود باد
چون حسودش شد بطالع از فلک منحوس ورد | طالع او در پناه ایزدی مسعود باد
سفرهٔ ملک جهان را دودهٔ او شمع بس | چهرهٔ اعدای او در دیدها چون دود باد
اهل ایمان را ز چتر و رایتش امن و امان است | سایه بان دین حق تا ظل شان ممدود باد
مقصدش بر فضل حق چون تکیه گه دارد مدام | بی توقف شاه را حاصل همه مقصود باد
خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافته است | شاهد بخت جوان بر تاج او مشهود باد
دولتش بر مدت احمد مبارک آمده است | ملک محمودی بمیمون مسلم زود باد
داعی این سلطنت منهاج را ورد این دعا | تا که باد و خاک و آب و آتش است مورود باد

سنہ ۶۵۸ھ میں خراسان سے ہلاکو مغل پسر تولی بن چنگیز خان کے ایلچی دہلی کی طرف آئے تو انہیں سلطان ناصر الدین کے حکم سے منازل ماروتہ کے قریب اتارا گیا اور اس اثنا میں انکے استقبال کے لیئے ایک شاندار دربار سجایا گیا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار کی شان و شوکت اور چمک دمک دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ منہاج نے اسی موقعہ پر یہ قصیدہ لکھا جسے کسی راوی نے پڑھا تھا[۲]

---

۱ طب ص ۲۰۰ ۔ ۲ طب ص ۳۱۹ ۔

قد صلوف الرضوان ایام الوری — من روح ھذا البزم للسلطان
لا زال یبقی فے جلالتہ ملکہ — و مزید امکان و رفعۃ شان

زہی جشنی کز او اطراف چوں خلد بریں گشتہ — خہی بزمی کز و اکناف عدل راستین گشتہ
ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ
ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التتمش — ملک زد نش دعا خوانندہ فلک پیشش زمین گشتہ
شہنشاہی کہ در عالم بفیض فضل ربانی — سزای چتر شاہی لایق تخت و نگین گشتہ
چو خاقانان کین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفر است و بجاں حامی دین گشتہ
مبارک باد بر اسلام این بزم شہ عالم — کزین ترتیب ہندوستان بسی خوشتر ز چین گشتہ
ہمین از جملہ شاہان باد ہر بندہ ز درگاہش — چو منہاج سراج از جان دعاگوی کمین گشتہ

طبقات کو ناصر الدین محمود کے نام سے موسوم کرتے وقت منہاج نے ایک دلپذیر پیرایہ میں چند اشعار لکھے اور اسمیں اپنی غلطیوں کے لئے معافی کا طالب ہُوا۔ چنانچہ[1]

ہر چہ کردم سماع بنوشتم — اصل نقل و سماع گوش بود
در گذارد خطا چو دید کریم — زانکہ با عز و عقل و ہوش بود
ہر کہ او ذوق مہتری دریافت — ز و صبر ش صبر چو نوش بود
دامن عفو پرورش مدام — در رہ حلم عیب پوش بود
بدعا یاد دار دش منہاج — گرچہ اندر قفس خموش بود

طبقات کا ایک نسخہ منہاج نے الغ خان اعظم کی خدمت میں پیش کیا تو خان اعظم نے ۴۰ ہزار چیتل اور ماہی صباحی، ایک دستہ سنجاب اور ایک دستہ روباہ روانہ فرمایا۔ منہاج نے شکرانہ کے طور پر یہ قطعہ کہا[2] اور اس نسخہ کی پشت پر تحریر کر دیا۔

شہریار جہاں الغ خان آنکہ — خان البرزیست و شاہ سمک

---

[1] طبقات ص ۔ [2] طبقات ص ۴۵۳ ؎

ہر کہ از حضرتش قبولی یافت پیش ہرگز نگشت رو بفلک
پیش او کیست حاتم طائی زد او چیست یحیی برمک
کرد از لوح خاطر منہاج غصہ دہر را باحساں حک
بشنود این سخن زمن ہمہ خلق از طریق یقین نہ از رہ شک
نود و نہ مراست قسم کرم دیگر ابرا ہمہ ازاں صد یک
ہر دعائی کہ گویمش از جان کند آمین آن بصدق ملک

طبقات کے علاوہ ان کی ایک اور اہم یادگار 'ناصری نامہ' ہے جو نظم میں ہے۔ مولانا نے کئی موقعوں پر طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تالیف کا نام سلطان ناصرالدین محمود کے نام پر 'ناصری نامہ' رکھا گیا۔ ۶۴۵ھ میں ناصرالدین محمود مع الغ خان اعظم پانی پت سے ہوتے ہوئے قنوج کی حدود میں پہنچتا ہے وہاں قلعہ نندنہ (راور ٹی تلسندہ) کو سر کرنے میں لگ جاتا ہے اور آخر فتح کرتا ہے[1]۔ مصنف نے اس کتاب میں اسی مہم کے چشم دید واقعات نظم کئے ہیں۔ نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس تالیف کا کوئی نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا

قاضی منہاج سراج عربی زبان میں کافی دسترس رکھنے کے علاوہ عربی شعر کہنے پر بھی قادر تھے۔ انھوں نے امام یحیی بن اعقب رضؓ کے عربی قصیدہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے[2] اسکے علاوہ ایک فارسی قصیدہ کی ابتدا میں جو پہلے درج ہو چکا ہے انہوں نے دو شعر عربی میں بھی رقم فرمائے چنانچہ

قد صادف الرضوان ایام الوری من درج ھذا السبزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالتہ ملکہ ومزید امکان ورفعۃ شان

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض تذکروں میں جن میں 'ہفت اقلیم'، 'صبح گلشن'، اور 'گلزار ابرار' قابل ذکر ہیں۔ ہمارے مضمون کے موضوع قاضی منہاج سراج اور ان کے والد سراج منہاج کے ناموں میں تخلیط پیدا کر کے باپ کی رباعیات بیٹے کے نام درج کر دیں۔ اسی طرح 'مجمع النفائس'

---

[1] طبقات ۲۱۰ [2] طبقات ۴۴۳ [3] طبقات ۳۳۰

اور گل رعنا میں بیٹے کی تصنیف باپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ یعنی سراج منہاج کو مؤلف طبقات ناصری لکھ دیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے اور جو کچھ کہ محمد عوفی نے مولانا سراج کے متعلق لکھا۔ وہی انہوں نے مولانا منہاج کے بارے میں تحریر کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ بعض تذکروں میں لاہوری لکھے گئے ہیں۔ درانحالیکہ مولانا منہاج خود اپنے ساتھ جوزجانی لکھتے ہیں۔ جو گوزگان کا معرب ہے ؛

مولانا منہاج نے طبقات میں اپنے والد کی جائے پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں لکھا لیکن محمد عوفی معاصر وقت نے ان کی جائے ولادت لاہور اور مقام نشاء سمرقند بنایا ہے اور انہیں 'ملک الکلام' اور 'فصیح العجم' کے خطاب سے یاد کیا ہے[1]۔ خود مولانا منہاج بھی انکو 'اعجوبۃ الزمان' اور افصح العجم[2] لکھتے ہیں۔ ان کی چند رباعیات کا اندراج یہاں بیجا نہ ہوگا ؛

آن دل کہ زہجر درد ناکش کردی وز مہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خوئی تو آگہم کہ ناگہ ناگہ آوازہ در افتد کہ ہلاکش کردی

دل را برخ خوب تو میل افتادست جان دیدہ بر امید لبت بکشادست
چشم آب زنان خاک درت خواہد بود گر عمر وفا کند قرار این دادست

جب سلطان معزالدین سام نے ۵۸۱ھ میں لاہور پر لشکر کشی کی اور فتح پائی تو مولانا سراج کو ہندوستان کے عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ لیکن انہوں نے تھوڑا وقت یہاں گذارا۔ انکی وفات ۵۹۰ھ اور ۶۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ جب وہ سلطان غیاث الدین سام کی طرف سے خلیفہ الناصرالدین اللہ کی خدمت میں سفارت پر جا رہے تھے[3] ؛

آغا عبدالستار خاں

---(+)---

[1] لباب الالباب جلد اول ص۲۰۲ [2] طبقات ص۱۶۱ [3] طبقات ص۱۶۶ ؛

بابا فرید گنج شکرؒ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۸ء)

گوروارجن دیو:-

فریدا بھوم رنگاولی منجھ وسولا باگ جو جن پیر نوازیا تناں انچ نہ لاگ

گوروارجن دیو:-

فریدا عمر سُہاوڑی سنگ سوہڑی دیہہ ورلے کیئی پائین جناں پیارے نیہہ

گوروارجن دیو:-

فریدا گرب جناں وڈیائیاں دھن جوبن آگاہ خالی چلے دھنی سیؤں ٹبے جیوں میہاہ

گوروارجن دیو:- فریدا کنت رنگاولا وڈا وے محتاج - اللہ سینی رتیاں ایہہ سچاواں ساج

" " " فریدا دُکھ سُکھ اِک کر دل تے لاہ وکار - اللہ بھاوے سو بھلا تاں لبھی دربار

" " " فریدا دُنی وجائی وجدی توں بھی وجیں نال - سوئی جیو ناں وجدا جس اللہ کردا سار

" " " فریدا دل رتا اس دُنی سیوں دُنی نہ کِتے کم - مِشل فقیراں گاکھڑی سو پائیے پورکرم (شلوک ۱۱۱)

۱۶ - گورو گرنتھ صاحب میں شلوک نمبر ۱۱۲، ۱۱۳ جہاں سلوک فرید جی کے عنوان کے نیچے درج ہیں وہاں وہ گورونانک کی بانی کے نیچے بھی کسی دوسری جگہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں

۱۷ - شلوک نمبر ۱۱۸ میں فرید کا نام موجود ہے ؛

۱۸ - شلوک نمبر ۱۱۴ سے لے کر ۱۳۰ تک سوائے شلوک نمبر ۱۱۸ کے جس میں فرید کا نام ہے اور ۱۲۱ کے جس میں 'نانک' آتا ہے - باقی سب میں نہ نانک آتا ہے نہ فرید ؛

۱۹ - جنم ساکھی ب کے مطابق ۱۲۶ شیخ ابراہیم نے کہا اور ۱۲۷ اسکے جواب میں بابا نانک نے کہا

۲۰ - پڑھنے والوں پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ فرید سے منسوب شلوکوں میں ہر ایک میں فرید نہیں آیا۔

مثلاً نمبر ۳، ۵، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۴۰، ۴۵، ۶۴، ۶۵، ۷۲، ۷۷، ۸۴، ۸۶، ۹۱،

۹۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں فرید کا نام نہیں ۔

اگرچہ ذیل کے شلوک گورو نانک، گورو امرداس، یا گورو ارجن دیو سے منسوب ہیں۔ مگر ان میں فرید کا نام آتا ہے۔ بطور خطاب مخاطب کے ۔

۱۳، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ ۔

۲۱ - ذیل کے شلوک جوابی معلوم ہوتے ہیں۔ جوابی اشعار میں کہیں نانک کا نام ہے، کہیں نہیں۔ اُن پر محلہ یعنی کس گورو کی تصنیف ہے۔ درج نہیں، اِن کو پہلے گورو نانک ہی سے منسوب کیا جانا چاہیئے۔ یہ اطلاع جنم ساکھیوں کی اطلاعوں پر اضافہ سمجھئے ۔

فرید۔ ۳۱ سُہرے ڈھوئی ناں لہے پیئے ناہیں تھاؤں ۔ پر واڑہی نہ کُجھیٔ دھن سوہاگن ناؤں
نانک۔ ۳۲۔ سابُرے پیئے کنت کی کنت اگم اتھاہ ۔ نانک سو سہاگنی جو بھاوے بے پرواہ
فرید۔ ۶۴۔ کلر کیری چھپڑی آئے اُلتھے ہنجھ ۔ جھنجھو بوڑن ناں پویں اُڈن سندی ڈنجھ
نانک۔ ۶۵۔ ہنس اُڈر کو دھرے پیا لوک وڈارن جائے ۔ گہلا لوک نہ جاندا ہنس نہ کو دھرا کھائے
فرید۔ ۸۵۔ فریدا دُکھاں سیتی دیہہ گیا سُولاں سیتی رات ۔ کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپر وات
نانک۔ ۸۶۔ لمی لمی ندی وہے کندھیں کیرے ہیت ۔ بیڑے نوں کپر کیا کرے جے پاتن رہے سُچیت
فرید۔ ۹۱۔ کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھائیا ماس ۔ اے دوئے نیناں مت چھوہو پر دیکھن کی آس
نانک۔ ۹۲۔ کاگا چونڈ نہ پنجرا بسے تاں اُڈر جاہیں ۔ جت پنجرے میرا سہہ وسے ماس نہ تدو کھاہیں
فرید۔ ۱۱۲۔ پہلے پہرے پُھلڑا پھل بھی پچھا رات ۔ جو جاگن لہن سے سائیں کنوں دات
نانک۔ ۱۱۳۔ داتیں صاحب سندیاں کیا چلے تس نال ۔ اِک جاگندے نا لہن اِکناں سُتیاں دئے اُٹھال
فرید۔ ۱۱۹۔ تن تپے تنور جیوں بالن ہڈ بلن ۔ پیریں تھکاں سر جُلاں جے مونہہ پری ملن
نانک۔ ۱۲۰۔ تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال ۔ سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری نہال
فرید۔ ۱۲۱۔ ہوں ڈھونڈیندی سجناں سجن میںڈے نال ۔ نانک الکھ نہ لکھئے گورمکھ دیئے دِکھال

فرید } ۱۲۲- ہنساں ویکھ تر ندیاں بگاں آیا چاؤ ۔ ڈُب موئے بگ بپڑے سرتل اُپر پاؤ
۱۲۳- میں جانیاں ڈو ہنس ہے تاں میں کیا سنگ ۔ جے جاناں بگ بپڑا جنم نہ بھیڑیں انگ
نانک- ۱۲۴- کیا ہنس کیا بگلا جا کوُں نذر دھرے ۔ جے تس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے
فرید- ۱۲۹- اِک پھکاناں گالائے سبھناں میں سچّا دھنی ۔ حیاؤ نہ کہیں ٹھاہ مانک سبھ امولویں
نانک- ۱۳۰- سبھناں من مانک ٹھاہن مُول مچانگواں ۔ جے توُ پریا دی سِک حیاو نہ ٹھاہے کہیں دا

۲۲- اپنی اس رائے کی تائید میں کہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے جو شلوک گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔ اُن میں سے کچھ شلوک جن میں نانک کا نام نہیں آتا اور جن کا مضمون جوابی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ضرور نانک۔ پہلے گورو۔ کے ہیں۔ ہم ذیل کی اطلاع پیش کرتے ہیں اور اِس ثبوت کی طرف سکھ صاحبان کی توجہ بھی دلاتے ہیں ۔

گوُرو گرنتھ صاحب میں "سلوک واراں تے ودھیک" کے عنوان کے نیچے ذیل کے شلوک گورو نانک دیو کی تصنیف سے درج ہیں۔ یہی شلوک پھر "شلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہیں ۔

تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ھڈ نہ بال ۔ سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری سمال - ۱۸۰
سبھنیں گھٹیں سہہ وسے سہہ بن گھٹ نہ کوئے ۔ نانک تے سوہاگنی جناں گورمکھ پرگٹ ہوئے - ۱۱۹

نمبر ۱۸۱ "سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۰ ہے اور فرید کے نمبر ۱۱۹ کے جواب میں سری راگ وار میں گورو نانک صاحب کے قلم سے مترشح یہ شلوک بتایا گیا ہے :-

داتیں صاحب سندیاں کیا چلے تس نال ۔ اِک جاگندے نال لہن اکناں سُتیاں دیئے اٹھال

یہی شلوک "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے نمبر ۱۱۳ ہے۔ یعنی فرید کے نمبر ۱۱۲ کا جواب - اسی سری راگ وار میں گورو نانک دیو کا یہ شلوک ہے :-

کیا ہنس کیا بگلا جاں کوُں نذر کرے ۔ جو تس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے

یہ "سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۴ ہے۔ فرید کے نمبر ۱۲۳ کے جواب میں ۔

۲۲- جنم ساکھی منقول ۱۸۷۱ء میں شیخ ابراہیم اور گورو نانک کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں منسلک اشعار پر ایک نظر پھیر دوڑائی جاتی ہے (دیکھو نمبر ۱۳ اوپر) +

آپے پٹّی قلم آپ، اُپرّ لیکھ بھی توُں ایکو کہیئے نانکا دُوجا کاہے کوُں

یہ گورو گرنتھ صاحب میں ایک جگہ تحریر ہے۔ وار راگ ملار میں +

شیخ ابراہیم کا سوالؔ اک صاحب تے . . . . ردیؔ گورو گرنتھ صاحب میں کہیں درج نہیں نہ ہی نانک کے اس سوال کے جواب کا پہلا یا دوسرا حصّہ درج ہے +

ابراہیم کا دوسرا منظوم سوال یا بیان کبیر سے بھی منسوب ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں یہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے۔ اور وہاں پر لفظ "فریدا" شروع میں ہے۔ یعنی یہ شعر شیخ فرید کا ہے نہ کہ شیخ ابراہیم کی تصنیف۔ نمبر اس کا ۱۰۳ ہے۔ مگر بخلاف جنم ساکھی کے، اس کا جواب نانک کی تصنیف نہیں۔ بلکہ تیسرے گورو امرداس صاحب کے قلم سے ہے اور الفاظ شلوک کے گورو گرنتھ صاحب میں جنم ساکھی کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ۱۰۴ ہے۔ شلوک یوں ہے امرداس جی کا :-

کاہے پٹولا پاڑتی کمبلڑی پہریئے نانک گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت اس کیجئے

چار کے بجائے دو ہی مصرعے ہیں +

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا تیسرا شلوک بھی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق فرید کا شلوک ہے۔ شروع میں فریدا ہے۔ وہاں اس کا نمبر ۹۵ ہے اور عبارت قدرے مختلف ہے جنم ساکھی سے :

فریدا ننڈھیں کنت نہ راویو وڈی تھی موئیا سی دھن کوکیندی گور میں تیں سہہ ناں ملیاس

اس کا جواب نانک کی طرف سے "سلوک فرید" کے نیچے درج نہیں۔ بلکہ گورو گرنتھ صاحب میں راگ مارو کی وار میں تحریر ہے۔ جس کی عبارت یوں ہے :-

محل کچجّی مڑوڑی کالی منوں کسُدھ جے گُن ہوون تاں پر رئے نانک اوگن مُندھ

جنم ساکھی اور گورو گرنتھ صاحب میں کوئی فرق نہیں +

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا چوتھا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں نمبر ۱۲۶ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے ذرا سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ :-

کون سُو اکھر کون گُن کون سو منیاں منت   کون سو ویسو ہوں کریں جِت وس آوے کنت

مگر فرید کا نام اس میں نہیں۔ اس سے یقینی طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ کس کا شلوک ہے۔ اس کے جواب میں شلوک نمبر ۱۲۷ گورو گرنتھ صاحب میں اوپر کے شلوک کے بعد درج ہے۔ مگر اس میں نانک کا نام نہیں اور جنم ساکھی کے برخلاف چھ مصرعے نہیں۔ صرف دو ہی مصرعوں کا ایک شلوک ہے :-

نِون سُو اکھر کھون گن جبھیا منیاں منت   اے ترے بھیڈیں بیس کر تا وس آوی کنت

۲۴- ہم نے اوپر دیکھا کہ گورو گرنتھ صاحب میں کس قدر احتیاط، تحقیق اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔ "سلوک شیخ فرید کے" کے زیرِ عنوان جو جوابی شلوک سکھ گورو صاحبان کے درج ہوئے۔ انہیں گورو صاحبان کی بانی میں مختلف راگوں کے نیچے دوسری جگہوں پر گورو گرنتھ صاحب میں درج کر دیا تاکہ شک و شبہ کی گنجایش نہ رہے۔ مثال کے طور پر گورو ارجن دیو جی نے فرید کے شلوکوں کے جواب میں چند ایسے بھی شلوک کہے جن میں فرید سے خطاب تھا۔ یعنی شروع میں لفظ فریدا آتا تھا۔ اس سے یہ شک گذر سکتا تھا۔ کہ شاید یہ جوابی شلوک خود فرید ہی کے ہوں۔ گورو صاحب نے اپنے یہ جوابی شلوک فریدا لفظ والے، اپنے کلام میں کسی دوسری جگہ درج کر دیئے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو دھوکا نہ ہو۔ یہی برتاؤ کبیر کے جواب میں کہے اپنے شلوکوں سے گورو ارجن دیو نے کیا۔ ایسے شلوکوں سے جن میں کبیر سے خطاب کی وجہ سے لفظ کبیرا شروع میں رکھا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ اغلب ہے۔ کہ پڑھنے والے اس شلوک کو کبیر کی اپنی تصنیف مان لیں ؛

بابا فریدؒ کا ایک غضب کا مؤثر شلوک تھا :-

فریدا میں جانیا دُکھ مجھ کو دُکھ سبایۓ جگ   اوچے چڑھ کے دیکھیا تا گھر گھر ایہا اگ

اُس کے جواب میں گوروارجن دیو نے لکھا :-

فریدا بھُوم رنگاولی منجھ وِسُولا باگ
جو جن پیر نِواجیا تناں انچ نہ لاگ

'سلوک شیخ فرید کے' میں بھی اس شلوک کے پہلے محلہ ۵ لکھ دیا اور اس شلوک کو الگ بھی رام کلی کی وار میں درج کر دیا۔ یہی حال نیچے کے شلوک سے کیا۔ جو فرید کے ایک دوسرے شلوک کے جواب میں کہا تھا ؛

گُوروارجن دیو :-

فریدا عمر سُہاوڑی سنگ سوہڑی دیہہ ورلے کئی پائین جنہاں پیارے نیہہ

یہی بات گُورو امر دیو کے جوابی شلوکوں کے متعلق گوروگرنتھ صاحب میں واضح کر دی گئی ہے بابا فرید کا شلوک نمبر ا ہے۔ جس کے جواب میں گُورو امرداس جی نے اشعار نمبر ۵۲ کہے۔ وہ جوابی اشعار "سلوک شیخ فرید" کے نیچے بھی درج ہیں۔ اور رام کلی کی وار میں بھی تحریر ہیں۔ گورو امرداس جی کی دوسری بانی کے ساتھ ؛

۲۵ - اوپر کے ثبوتوں سے یہ واضح ہوا۔ کہ گوروگرنتھ صاحب میں درج "شلوک شیخ فرید کے" کسی مسلمان درویش فرید کے تھے۔ جو گُورو نانک دیو (۱۵۳۸ - ۱۴۶۹) - گورو امرداس (۱۵۷۴ ۱۴۷۹) - اور گوروارجن دیو (۱۶۰۶ - ۱۵۶۳) کے زیر مطالعہ رہے۔ یہ شلوک نہ شیخ ابراہیم کے ہیں نہ ہی فرید ثانی کے۔ جس کسی درویش کے ہیں وہ فرید ۱۴۶۹ سے پہلے گذر چکا تھا۔ پندرھویں صدی یا اس سے پہلے کے ایک مسلمان فقیر کا ملتانی زبان کا کلام ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تحقیق۔ توجہ۔ اور تحسین کا مستحق ہے ؛

۲۶ - یہاں تک تو ہم نے شلوکوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ گوروگرنتھ صاحب میں 'فرید' کا اور کلام بھی ہے جس کی طرف مسلمان محققوں کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں ہندی اور اُردو زبانوں کے ارتقا اور ترویج اور تعمیر پر اس فرید کے کلام سے کافی سے زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے -

فرید کی دوسری بانی تین راگوں کے نیچے گورو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اب تک ہم شلوک ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ اس شلوک کو دوہا اور ساکھی بھی کہا گیا ہے۔ جیسے کبیر کے دوہے جنہیں خود کبیر ساکھیاں کہتا ہے۔ دوہے کے علاوہ ایک اور نظمی صورت ہے۔ جسے پادیا پدیا شبدیا شن پدا کہتے آئے ہیں۔ اور جو شلوک کے ساتھ خاص و عام میں مقبول و منظور ہوئی۔ اس شبد کے اجزائے تعمیر ان نمونوں سے ہویدا ہوں گے۔

راگ آسا۔ شبد نمبر ۱۔

(آسا راگ میں ملتانی کلام نہایت کثرت سے لکھا جاتا ہے۔ یہ راگ اس علاقہ سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ اور بیشتر اس راگ میں کہی ہوئی چیزوں میں ملتانی کا عنصر غالب ہے جیسا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج سکھ گوروؤں کے کلام سے ظاہر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ ہر ایک راگ کا جس طرح خاص خاص مضمون سے تعلق ہے۔ اسی طرح اس کا خاص تعلق خاص بولی، خاص علاقہ یا دیس، خاص وقت اور خاص عروضی صورت سے بھی ہے)

آسا شیخ فرید جیو کی بانی

دلوں محبت جنہہ سیئی سچیا   جنہہ من ہور مکھ ہور سے کانڈھے کچیا (۱)

رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے   وسریا جنہہ نام تے بھوئے بھار تھئے (۱)

رہاؤ

آپ لئے لڑلائے در درویش سے   تنہہ دھن جنیدی ماؤ آئے سپھل سے (۲)

پروردگار اپار اگم بے انت توں   جنہاں پچھاتا سچ چُماں پیر موں (۳)

تیری پنہ خدا لئے توں بخشندگی   شیخ فریدے خیر دیجے بندگی (۴)

نمبر ۲   آسا

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے   ایہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے (۱)

آج ملاوا شیخ فرید ٹاکم کونجڑیاں منوں مچندڑیاں (۱)

رہاؤ

جے جاناں مر جائیے گھُم نہ آئیے جھوٹھی دنیا لگ نہ آپ ونجائیے (۲)
بولیے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولیے جو گور دسے واٹ مریداں جولیے (۳)
چھیل لنگھندے پار گوری من دھیریا کنچن ونّے پاسے کلوت چیریا (۴)
شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیس گیا (۵)
کتّک کونجاں چیت ڈوساون بجلیاں سیالے سوہندیاں پر گل باہڑیاں (۶)
چلّے چلّن ہار وچارا لئے منوں گنڈھیندیاں چھ ماہ تڑندیاں ہک کھنو (۷)
جمیں پچھے اسمان فریدا کھیوٹ کِن گئے جالن گوراں نال اُلامے جی سہے (۸)
(۲)

راگ سُوہی

(جو کچھ آسا راگ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کا اطلاق راگ سوہی پر بھی سمجھنا چاہیے)

شبد نمبر ۳ راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروڑوں باول ہوئی سو سہہ لوڑوں
تیں سہہ من میں کیا روس مجھ اوگن سہہ ناہی دوس (۱)
تیں صاحب کی مَیں سار نہ جانی جوبن کھوئے پاچھے پچھتانی (۱)

رہاؤ

کالی کوئل توں کِت گُن کالی اپنے پریتم کے ہوں برہے جالی
پریں بہونی کِت سُکھ پائے جا ہوئے کرپال تاں پربھو ملائے (۲)
وِدھن کھُوہی مُندھ اکیلی ناں کو ساتھی ناں کو بیلی
کر کرپا پربھ سادھ سنگ میلی جاں پھر دیکھاں تاں میرا اللہ بیلی (۳)
واٹ ہماری کھری اُڈینی کھنیوں تکھی بہت پئینی
اُس اوپر ہے مارگ میرا شیخ فریدا پنتھ سمہار سویرا (۴)

(۱)

نمبر ۴ سُوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دُہیلا (۱)
ہتھ نہ لائے کُسنبھڑے جل جاسی ڈھولا (۱)

رہاؤ

اِک آپی نے پتلی سہہ کیرے بولا دُدھا تھنیں نہ آوئی پھر ہوئے نہ میلا (۲)
کہے فرید سہیلیو سہہ الائسی ہنس چلسی ڈُمناں ایہ تن ڈھیری تھیسی (۳)
(۲)

۲۷- کیا یہ شیخ فرید جس کا کلام اوپر درج ہوا- اور جو گُورو نانک سے پہلے ہو چکا تھا- شیخ بابا فریدالدین گنج شکر اجودھنی یا پٹنی ہے ؟

اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں کلام شیخ فرید مندرجہ گُورو گرنتھ صاحب کے مضامین اور زبان دونوں پر غور کرنا ہوگا- اور اس بات کا جواب بھی دینا ہوگا کہ کیا فرید گنج شکر کے زمانہ سے پہلے یا اسی عصر میں کسی اور مصنف نے پنجابی (لاہوری- ملتانی وغیرہ) میں کوئی نظم و نثر تصنیف کی ؟ کیا شیخ فرید کا کلام 'ملتانی' ہے ؟ کیا اس کلام کی اندرونی مضمونی شہادت ایسی ہے- جو فرید کے حالات، عادات، خیالات سے جو تذکروں میں درج ہیں- کوئی تطابق رکھتی ہے ؟ کیا گورونانک- گورو امرداس- گورو ارجن دیو کو بابا فرید گنج شکرؒ کے کچھ حالات معلوم تھے ؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں- کہ چونکہ انہوں نے دوسرے نامور، معروف بھگتوں کے کلام کے جمع کرنے میں نہایت تحقیق اور تدقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے- اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ فریدالدّین ملقب بہ گنج شکرؒ المشہور بابا فرید یا شیخ فرید کے کلام کے جمع کرنے میں بھی اسی احتیاط اور تجسّس کو روا رکھا ہوگا؟ کیا گُورونانک کو جو کہ ملتان اور پٹن وغیرہ علاقوں میں کافی دیر تک سیاحت کرتے رہے- یہ معلوم نہ تھا کہ اُن اطراف میں فریدالدین گنج شکر بابا فرید کے نام سے مشہور ہے- اور ان شیخ بابا فرید کا کلام لوگوں کی زبانوں پر ہے ؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بابا نانک نے بابا فرید کا کچھ کلام فرید کے

جانشین یا خلیفہ ابراہیم سے حاصل کیا ہو ؟

ہو سکتا ہے کہ کچھ کلام گورو امرداس نے بھی جو نانک سے دس ہی برس بعد تولّد ہوئے۔ اور جنہوں نے بابا سے اُنتیس برس بعد رحلت فرمائی جمع کیا ہو ؟ یا کچھ اشعار گورو ارجن دیو نے گُورو گرنتھ صاحب کی تالیف و ترتیب کے وقت بہم پہنچائے ہوں ؟

۲۸- پہلے ہم بابا فریدالدینؒ ملقب بہ گنج شکر کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کلام شیخ فرید کُل کا کُل درج کرینگے معہ اُردو ترجمہ کے۔ پھر مقابلہ کریں گے۔ کہ کیا یہ کلام بابا فرید گنج شکرؒ کا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کلام کی لسانی خصوصیات پر غور کریں گے۔ سارے کلام کا انڈکس تیار کریں گے۔ آخر میں فرید کے عہد سے پہلے کے مصنفین اور اس کے قریبی معاصر اور بعد میں آنے والے شعرا کا کچھ ذکر معہ مضمون و لسانی مقابلہ کے کریں گے ؟

پرنسپل محمدؐ شفیع صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ حالات بابا فرید کے لئے سیر الاولیا کو دوسرے تذکروں پر ترجیح دینی چاہیئے۔ یہ تذکرہ مولانا میر خورد خلیفہ حضرت سلطان المشائخؒ نے ۸۰۰ھ/۱۳۹۷ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرہ کے بیانات کی تائید و تردید کے لئے ہم تاریخ فرشتہ اور فوائد الفواد (امیر حسن) سے مدد لے سکتے ہیں۔ 'سیر الاولیاء' لالہ چرنجی لال جلبنی رئیس قدیم درگاہ حضرت نظام الدین اولیا واقع غیاث پور نے دہلی سے ۱۸۸۵ء میں شایع کی ؟

سیر الاولیا سے ضروری فارسی عبارات اخذ کر کے نیچے دی جاتی ہیں :-

"شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین . . . جد بزرگوار شیخ قاضی شعیب باسہ پسر و اتباع دخیل در دیار لاہور تشریف آوردند در قصبۂ قسور (قصور) نزول فرمودند . . . . بعدہٗ قضائے کھتوال کہ از ملتان نزدیک است بقاضی شعیب مفوض شد و آنجا سکونت کرد۔ حق تعالے از دودمان این بزرگ بادشاہے (فرید) را پیدا آورد۔ . . . منقول است کہ شیخ (فرید) از عنفوانِ جوانی کہ قوت کامرانی است بعبادت و محبت باری تعالیٰ مشغول گشت و ترکے بہ یک باری پیش گرفت و از خویش و پیوند جُدا شد۔ چوں نیّت صادق بود..

ہم دریں حال شیخ بجہتِ تعلیم در ملتان رفت .... شیخ در مسجدے فرود آمد . . .
قطب الدین بختیار از اوش در ملتان رسیدہ . . . وخلاصۂ ایں سخن ایں مصراع است کہ
دریں باب بر زبانِ سلطان المشائخ گذشتہ است مصرع بیرونِ دروں بہ کہ درونِ بیروں +
شیخ (فرید) فرمود من ذوقے کہ درآں جامۂ پارہ داشتم دریں جامۂ نو نیافتم۔
بعد آنکہ بخلافت شیخ قطب الدین مخصوص شد وخلق ہجوم کرد ومطلوب ستر بود از شہر (دہلی)
در ہانسی رفت۔ آنجا ساکن شد ومجاہدہ ومشغولی ظاہر وباطن مشغول گشت وخود را مستور
مے داشت ونمے خواست کہ ہیچ آفریدہ بر حال او مطلع شود . . . . جامہار شیخ شیوخ العالم
رنگیں وپارہ بود . . . چوں در ہانسی عظمت وکرامت شیخ خلق را روشن شد ازیں جا نیز
طرف کھتوال رفت کہ وطن قدیم آبا واجداد ایں بادشاہِ دیں بود ومدتے آنجا مشغول بود . . .
پس پشت نمازگاہ کھتوال مشغول مے باشد . . . شیخ جلال الدین تبریزی آں انار پارہ
کرد وخوردن گرفت۔ شیخ (فرید) صایم بود افطار نکرد . . . . از آنجا در اجودہن آمد کہ مقامے
مجہول بود۔ بروایتے شانزدہ سال وبروایتے بیست وچہار سال تا آخر عمر در اجودہن ماند
وآں مقام بوجود مبارک او قبلۂ ہندوستان وخراسان شد . . . در کھتوال کہ معاش کمتر
باشد ومقامے مجہول است ساکن گشت۔ چوں آں مقام از ملتان نزدیک است انجا مستور
نماند۔ بارہا خواستے کہ از آنجا ہم برود در لاہور کہ خراب است وآبے رواں دارد سکونت سازد
فی الجملہ آخر عمر در اجودہن گذرانید۔ مقصود ازیں حکایت آں است کہ خود را مستور داشت۔
ودر اشتہار نکوشید۔ بارہا بر زبانِ مبارک ایں بیت رفتے ؎ ہر کہ در ہند نام وآوازہ است
خانۂ او برونِ دروازہ است . . . . در ہانسی . . . درآں ایام شیخ (فرید) را روزہ داؤدی
بود . . . بخاطرِ شیخ علی گشت کہ چہ نیکو بودے کہ شیخ (فرید) را صومِ دوام بودے . . . . .
شیخ (فرید) گفت آنچہ بر خاطرِ خاصگان حق گذشت تکفل کردم . . . کار شیخ (فرید) دیگر بود
ترکِ خلق گرفت۔ ودشت وبیابان اختیار کرد۔ یعنی در اجودہن ساکن گشت۔ بنان درویشانہ

بچیزہاے کہ درآں دیار خبز وچوں پیلو ومانند آں قانع گشت . . . یعنی پیوستہ درباز بودے وطعام ونعمت موجود۔ از کرم خدا۔ وآئندہ وروندہ راازاں نصیب شدے . . . . ظاہر وباطن یک روش داشت . . . . بیشتر افطارِ شیخ (فرید) بشربت بودے . . . بعدہٗ بیش از نماز دو نان بروغن چرب کردے وبیاورندے۔ آں دو نان کم از یک آثار بودے یک نان پارہ کردے بحاضراں رسانیدے ویک نانِ دیگر خود خوردے۔ وازیں نان خاص ہم کسے راکہ خاصے ہم نصیب کردے۔ بعد ازاوائے نماز شام مشغول شدے۔ بعد ازاں مائدہ پیش او آوردندے وطعام از ہر لون بودے۔ چوں طعام خرچ شدے بیش طعام دیگر نخوردے مگر باز بوقت افطار روز دیگر . . . یک شب بوقت استراحت . . . کھٹّے جنگلی راست کردند۔ ہماں گلیم کہ برآں روز نشستے ہماں بالائے کھٹ انداختندے۔ چنانچہ آں گلیم تاپایاں نمے رسید۔ آنجاکہ موضع پائے مبارک ایشاں بود شقہ آوردندے ونہادندے کہ اگر آں شقہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے . . . ویک عصائے بود کہ از قطب الدین یافتہ بود آں را مے آوردند وجانب سر آں کھٹ مے داشتند۔ شیخ (فرید) بداں متکا کردے واستراحت فرمودے۔ وبداں دست فرود آوردے وتقبیل کردے . . . شیخ (فرید) بیشتر نانِ زنبیل خوردے البتہ بوقت افطار یک دو پرکالہ نانِ زنبیل پیش بودے . . . وقتے برائے شیخ (فرید) خادم یک وانگ رانمک وام کرد۔ شیخ بنور باطن دریافت فرمود دریں طعام بوئے تصرف مے آید . . . روانباشد کہ من ایں طعام بخورم ؛

. . . چوں وقتِ افطار شد درخانہ خدمت شیخ چیزے موجود نبود کہ از آں افطار شود شیخ (فرید) را صرم بسیار بود۔ وقتے نیز حرم ایشاں بخدمت شیخ آمد وگفت خواجہ امروز فلاں پسر از سبب گرسنگی در معرضِ ہلاکت شدہ است۔ شیخ سر از مشغولی برآوردند وفرمودند مسعود بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق درآید واز جہاں سفر کند رسنے درپائے او بندی وبیروں بیفگنی وبیائی۔ بعدہٗ سلطان المشائخ فرمودند خواجہ کہ خوش خورد وخوش خُسپد وعوے محبت خدا

کنند دروغ گفتہ باشد ؛

شیخ (فرید) خواست کہ مجاہدہ پیش گیرد . . . سہ روز چیزے نخورد . . . سہ روز دیگر طے کرد . . . چوں وقت افطار شد ہیچ طعامے پیدا نشد ۔ تا یک پاس شب گذشت ضعف غالب تر شد ۔ دست مبارک جانب زمین فراز کرد چند سنگ ریزہ کہ از زمین برداشت در دہان مبارک خود انداخت ۔ آں سنگ ریزہ از برکت دہن مبارک او شکر شد . . . با خویش گفت نباید کہ از غایت ضعف از طاعت باز مانم ۔ باز چند سنگریزہ بستد در دہن انداخت شکر شد . . . آنچہ از غیب برسد بداں افطار کنی . . . شیخ قطب الدین (شیخ فرید را) فرمود کہ بلا برو چہلہ معکوس بردار ۔ چہلۂ معکوس آں باشد کہ چہل روز یا چہل شب ہائے خود بر رشتہ بندند و در چاہے سرنگوں خدائے تعالےٰ را عبادت کنند . . . شیخ (فرید) عزیمت چہلہ معکوس مصمم فرمود لیکن بنوعے کہ ایں معنی مستور ماند ۔ بعدہٗ در طلب مقامے شد کہ آنجا مسجدے باشد ۔ و درون آں مسجد چاہے و نزدیک آں چاہ درختے کہ شاخ آں درخت بر سر آں چاہ رسیدہ باشد و در آں مسجد مؤذنے باشد متدین ۔ لایق صحبت درویشاں باشد و صاحب سر ایشاں ؛

. . . شیخ ایں چنیں مقامے . . . تفحص کردند . . . تا آنکہ در خطہ اُچہ رسید ۔ آنجا مسجدے یافت . . . مؤذنے کہ نام او خواجہ رشید الدین . . . بعدہٗ سرنگون خود را

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

شبلی فکرِ جدید سے کیونکر روشناس ہوئے؟

ایک مصنّف اور شاعر اپنے سفرِ زندگی میں جن جن واقعات و حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان کا اثر اس کے لوحِ قلب پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ نقوش آہستہ آہستہ اس کے رجحان کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے میں ممد ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ اس کو محسوس کرتا ہے۔ پھر یہی حسیّات، ایک خاص ذہنی حالت۔ اور ایک خاص تصوّر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ؀

اگرچہ مولانا شبلیؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت پرانے طریقے پر ہوئی۔ لیکن خارجی واقعات اور معاشرتی ماحول ان کے تصوّرات اور رجحانات میں وقتاً فوقتاً بعض نمایاں انقلاب پیدا کرتے رہے جن کا سمجھنا اور اندازہ لگانا، ہمارے لئے نہایت ضروری ہے ؀

شبلی کی ابتدا یہ تھی۔ کہ انہیں دنیا میں وہابیوں کی تردید سے زیادہ کوئی مشغلہ دلچسپ نظر نہ آتا تھا۔ اسکا مقابلہ اس معراجِ کمال سے کیجئے جب یہی شبلی ہمارے سامنے ایک بلند پایہ محقق، ایک بے نظیر مؤرخ اور ایک بے مثال ماہرِ علمِ کلام کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں ؀

فضل و کمال کی یہ منزل کیونکر طے ہوئی ؟ اس کا سراغ لگانے میں آج ہم بعض خارجی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے شبلی کے رجحان پر گہرا اثر ڈالا اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی بتائینگے کہ شبلی یورپ کے افکار سے کیونکر واقف ہوئے؟

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ شبلی شروع میں ایک متعصّب حنفی تھے اسکات المعتدی میں جو وہابیوں کی تردید میں ایک عربی رسالہ ہے۔ وہی پرانا زاویہ نگاہ نظر آتا ہے، مولانا کی ایک قدیم اُردو تحریر امام کے پیچھے نماز باجماعت میں فاتحہ نہ پڑھنے کے مسئلہ پر موجود ہے۔ جس میں سادگی اور رنگینی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ ان جذبات ہی کو اُصولِ دین سمجھنے والا شبلی کسی دن ہندوستان کا

بہترین مصلحِ ادب اور نقادِ اسلامیات بنے گا۔

ہندوستان اور مسلمانانِ ہندوستان جس دَور سے گذر رہے تھے۔ اس کا ان اوراق میں بار بار اعادہ ہو چکا ہے۔ اُن پر سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ذہنی اور علمی انحطاط بھی غالب تھا۔ تقلید اور اشخاص پرستی مسلمانوں پر اس درجہ مستولی تھی۔ کہ اس سے سرِ مُو انحراف کرنے والا ایک جنبشِ قلم دین سے خارج ہو سکتا تھا۔ غرض مسلمانوں کی علمی ضمیر بے حد مضطرب تھی اور ان کا سیاسی شعور نہایت ناپختہ۔ اِن دنوں اسلام کی تاریخ، روایات اور کلچر پر دو طرف سے حملے ہو رہے تھے اِدھر مسیحی مبلغین مناظرانہ رنگ میں اسلامی تعلیم کا تجزیہ اور تخریب کر رہے تھے۔ اُدھر یورپ میں مستشرقین کی نوزائیدہ جماعت، جدید اصولِ تنقید کے مطابق اسلام اور اس کے تمدن پر حملے کر رہی تھی۔ سر سید احمد خان مرحوم سب سے پہلے اس معاملے میں مدافعت کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے اس چیز کی طرف توجہ کی۔ کہ یورپ کے حملوں کا جواب یورپ ہی کے طریقہ پر ہونا چاہیئے اور اسلام اور علوم اسلام کی حفاظت کے لئے مغربی اصول سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے۔ سید صاحب نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو جو رواج دیا۔ اس سے علاوہ سیاسی اور مقامی اغراض کے ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ مسلمان یورپ کے دلائل سے باخبر ہوں اور پھر ان ہی دلائل سے یورپ کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ خود انہوں نے خطباتِ احمدیہ کو مرتب کیا اور اپنے معاصرین کے لئے ایک شاہراہِ عمل تجویز کر دی۔

لیکن افسوس کہ سید صاحب علوم اسلامیہ سے کماحقہٗ واقف نہ تھے۔ وہ اس مدافعانہ جنگ میں مغرب اور مغرب کے اصول کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ ان کا ماحول اسلامی نہ تھا۔ وہ جب منقولات سے جواب پیدا نہ کر سکتے تھے۔ تو مغربی طرز کا اجتہاد کر لیتے تھے۔ ان کے ترکش کے اکثر تیر مغربی زہر میں بجھے ہوئے تھے۔ جن کا اثر

بعض اوقات خونریز انداز پر ہو جاتا تھا۔ پھر انگریزی تعلیم کا اثر جسقدر زیادہ پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر شکوک واوہام دین کے متعلق زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ سیّد صاحب نے آزادی اور عدم تقلید کا جو سبق سکھایا۔ اس سے نوجوان طبقہ میں لاادریت اور دہریت پھیلنے لگی۔ جس کے آثار خود سیّد صاحب نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔

کارکنانِ قضا وقدر کو یہ منظور ہوا کہ بندوں کا ایک طالب علم شبلی جو ابھی ابھی کنز اور قدوری کی بھول بھلیاں میں مبتلا تھا۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے اور بیک وقت دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ ادھر علما میں آزادی کی سپرٹ پیدا کرے اور اُدھر یورپ کے سیلاب کا مقابلہ کرے۔

۱۸۸۲ء میں ہمارا نوعمر مولوی اپنے بھائی محمد مہدی کو کالج میں داخل کرانے کے لئے علیگڈھ گیا۔ وہاں سرسید احمد خان سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کی فطرت کو ایک دوسرے کی پیاس تھی۔ سیّد صاحب نے مولانا کو کالج کی پروفیسری پیش کی جو قبول کرلی گئی۔ شبلی کی زندگی میں اس واقعہ سے ایک اہم انقلاب آیا۔ اگر خدانخواستہ سیّد صاحب کالج کی پروفیسری نہ پیش کرتے۔ یا شبلی اس کو قبول نہ کرتے۔ تو آج دنیا شبلی کو اس حیثیت سے نہ جانتی اور وہ بیش بہا تصنیفات بھی موجود نہ ہوتیں جو آج ہمارے علم وادب کی رونق ہیں۔

اگرچہ شبلی کی طبیعت میں علمی مذاق قدرت کا عطیہ تھا جس کی ابتدائی تربیت انہوں نے پہلے تو ان نامی گرامی اساتذہ کے زیر سایہ کی اور پھر اعظم گڑھ کے "فیاض کتاب فروش" کی دکان کے ایک گوشہ میں اس کو اور جلا ملی۔ تاہم جب وہ دارالعلوم میں پہنچے تو وہاں انہیں ہر طرف ایک نئی دنیا نظر آئی۔ ادھر نوجوانان کالج تھے۔ جو نئے ولولے لے کر سیدان میں آئے ہوئے تھے۔ اور جن کی زبان پر سید صاحب کی تلقین کی بدولت "قوم قوم" کے الفاظ بطور ورد جاری تھے۔ اُن کی پُرجوش

گفتگوئیں، ان کے بلند ارادے، ان کے جذبات وحسیات سب کے سب زندہ دل اور بیدار دماغ شبلی کو نڑپانے کے لئے کافی تھے ؛

اس ساز وسامان اور رونق بزم سے کہیں زیادہ "میر مجلس" کی عظمت اور اسکی بے نظیر ہمت اور جوش، جو اپنے خلوص کی وجہ سے مُردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا رہی تھی ان کے خطبات، ان کا علوم اسلامیہ کو از سر نو زندہ کرنے کا خیال، بیرونی حملوں کا تسلی بخش جواب دینے کی زبردست خواہش، نازک احساس شبلی کے سوز وساز میں کیوں اضافہ نہ کرتیں ؛

سیّد صاحب کا کتب خانہ مشرق ومغرب کی بہترین اور منتخب کتابوں کا مجموعہ تھا۔ شبلی کے علمی ذوق وشوق کو پورا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں" میں جس حالت میں ہوں۔ اچھا ہوں۔ سیّد صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت مجھے عام اجازت دے رکھی ہے۔ اور اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے[1]"۔ پھر فرماتے ہیں" سید صاحب کے پاس تاریخ اور جغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں۔ جن کو حقیقت میں بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے[2]" ؛

یہیں انہوں نے ۱۸ ویں صدی کے نامور مؤرخ گبن کی شہرۂ آفاق کتاب کا مطالعہ کیا۔ جس کے اثرات کا ہم آئندہ صفحات میں پتہ چلائیں گے ؛

شبلی اس کتب خانہ کی الماریوں کے پاس گھنٹوں کھڑے کھڑے مطالعہ کرتے اور جب تھک جاتے تو وہیں بیٹھ جاتے ؛

سیّد صاحب کے دائرۂ علمیہ میں ایک افرنگی بزرگ بھی تھے۔ جن کو دنیا آرنلڈ کے نام سے جانتی ہے۔ لیکن ہم ان کو مصنف "پریچنگ اف اسلام"، شبلی کے فرنچ

---

[1] مکاتیب جلد ۱۔ ص ۶۰ [2] ایضاً۔ ص ۶۰ ؛

کے استاذ اور سفر روم وشام میں جہاز کے ہم سفر کے طور پر جانتے ہیں۔ کالج کا یہ دَور بھی ایک مبارک دَور تھا۔ جس میں مذاکرۂ علمی کے لیئے ان بزرگوں کا عجیب وغریب اجتماع اتفاقات زمانہ نے قایم کر دیا تھا۔

اسی زمانے میں آرنلڈ نے اپنی کتاب "پریچنگ اوف اسلام" لکھی۔ جس کے سلسلے میں شبلی سے استفادہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کا عام رجحان وہی ہے۔ جو علیگڈھ کا اور اس عہد کا مسلّم رجحان ہے۔ یعنی یہ کہ مذہب کی عام مقبولیت اور اس کی اعلےٰ تعلیم ہی اس کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کی اصولی سادگی اور فطری پاکیزگی اس کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ کتاب کے وسیع مضامین کو دیکھ کر جن میں تاریخی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے - یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں مدرسۃ العلوم کے پروفیسر شبلی کا کتنا حصہ ہوگا۔ اس کے برعکس شبلی کی کتابوں میں جہاد کی تعلیم کے متعلق جو دھیما رجحان پایا جاتا ہے۔ اسکو "پریچنگ" کے اصول سے کس قدر مطابقت ہے۔ شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ - اور آرنلڈ نے شبلی سے عربی زبان سیکھی۔

سفرنامہ کی سطور میں شبلی نے آرنلڈ کے ساتھ اپنے پُرمحبت تعلقات کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے اس اثر کا پتہ چلانا مشکل نہیں۔ جو صاحب موصوف نے ہمارے مورخ پر ڈالا ہوگا۔

بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی ایک پختہ خیال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ شبلی یورپ کے اثرات سے بالکل آزاد تھے۔ یہ لوگ غالبًا اس کوشش سے یہ مقصد رکھتے ہیں۔ کہ اس طریق سے شبلی کے اجتہاد اور مذہبی رتبہ کو ثابت کریں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ خیال بہت حد تک غلط ہے۔ انسان خارجی اثرات کی مخلوق ہے یہی اثرات جو بتقاضائے مشیّتِ ایزدی اشخاص وافراد سے دوچار ہوتے ہیں۔ زندگی

کے سارے رجحان اور رفایت کو تبدیل کرتے ہیں۔ شبلی کے متعلق بھی یہی ہؤا۔ اور اگر شبلی ان اثرات سے متاثر نہ ہوتے تو ممکن ہے کہ آج یہ سطور لکھنے کی نوبت نہ آتی ؛

آئندہ صفحات میں ہم ان مغربی اثرات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے۔ کہ شبلی کی زندگی پر علاوہ ملک کے سیاسی ماحول اور مسلمانوں کے انحطاط کے سب سے زیادہ اثر مغرب کا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ شبلی نے ان اثرات کو، اپنی اسلامی طبیعت اور اسلامی روایات سے کس طرح تطبیق دی۔ لیکن شروع سے لے کر آخر تک شبلی نے مغربی رجحان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا ڈاکٹر لائٹنر کی کتاب "سنین اسلام" نے شبلی کے لئے ایک خفیف سی راہ عمل پیدا کی اور پہلے پہل مغربی طرز کی ایک تالیف کا دلدادہ بنایا ؛

خطبات احمدیہ نے یہ بتایا۔ کہ یہی فرض موجودہ وقت کا اہم ترین فرض ہے۔ سید صاحب نے شبلی میں مغربی اثرات کو قبول کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت پیدا کر دی۔ یورپ کی خدمت علم اور علوم اسلامیہ کی قدر دانی اور نادر کتابوں کی اشاعت نے تعصب کو دُور کر دیا اور شبلی کے قلب میں "مشرق و مغرب کے امتزاج" کی خواہش بیدار ہو گئی۔ چنانچہ شبلی کا تمام سرمایہ تصنیف اسی ایک خواہش کا مظہر ہے ؛

بہر حال کالج کے سارے زمانہ قیام میں شبلی مغربی اثرات کے اندر کھیلتے رہے اور ان کی مشرقی فطرت اس قوت کو اپنے سانچے میں ڈھالتی رہی۔ چنانچہ اسی کے نقوش، صبح امید (۱۸۸۴)، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۱۸۸۷)۔ رسائل اور المامون وغیرہ میں صاف طور پر نمایاں ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے ؛

۱۸۹۲ء میں شبلی نے الفاروق کے لئے ذخیرۂ معلومات جمع کرنے اور بعض نادر کتب کا پتہ چلانے کے لئے روم، مصر اور شام کا سفر اختیار کیا۔[1] یہی خیال تھا جس نے

---

[1] سفرنامہ ص ۱ ؛

اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی ۔ کیونکہ یہ یقین تھا ۔ کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے ۔ ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے "۔ لیکن اس سیر و سیاحت کے دوران میں شبلی کی زیادہ تر توجہ ان ممالک کے علمی، تمدنی اور کلچرل حالات کے مطالعہ کی طرف مبذول رہی ۔ ان امور کے متعلق شبلی نے جگہ جگہ پھر کر مختلف "پرابلم" پر غور کیا ۔ اور اکثر چیزوں کے اسباب و علل کے دریافت کرنے کی کوشش کی ۔

یہ عجیب بات ہے ۔ کہ ان اسلامی سلطنتوں کی سیاحت کے دوران میں اور اس کے بعد شبلی کے تصورات مختلف مسائل کے متعلق تقریباً وہی رہے ۔ بلکہ جو نقوش اور جو آب و رنگ پہلے ذرا ہلکا تھا ۔ اب تیز تر ہو گیا ۔ یعنی ہندوستان میں قوم کی بے بسی کا جو احساس ستا رہا تھا ۔ اس نے ترکی اور روم اور شام میں پہنچ کر اور بھی مجروح کر دیا شبلی نے محسوس کیا "کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے ۔ تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے ۔ کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے[1]" ۔

ہندوستان میں شبلی جس امتزاج جدید و قدیم کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل تھے مصر اور روم و شام میں پہنچ کر اس مقصد کے حل کرنے کے مسائل پر بخوبی غور ہوتا رہا ۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت ہندوستان میں تھی ۔ وہاں بھی جدید جماعت کو اسی مرض کا شکار پایا ۔ پرانی تعلیم میں جو کمزوریاں یہاں نظر آتی تھیں ۔ ان کی حالت وہاں بھی کسی طرح بہتر نہ تھی ۔ شبلی یہ محسوس کرتے تھے ۔ کہ "وہاں پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے ۔ اور دونوں سے مل کر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا" ۔

---

[1] سفرنامہ ۔ ص ۸ ۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں تمام اسلامی ممالک میں سیاسی اور ملی زندگی میں ایک انقلاب یکساں طور پر برپا تھا۔ اور اس انقلاب کے اسباب ہر جگہ تقریباً ایک ہی تھے۔ یعنی سلطنت کے فرق کے علاوہ تمام ملکوں میں قدیم و جدید کے درمیان اثرات مغرب کے ماتحت ایک کشمکش برپا تھی۔ اور ملک و قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو قلب ماہیت کیا کرتی ہے۔ ان تمام مشاہدات کا خلاصہ صرف اس قدر ہے۔ کہ شبلی کے دماغ نے ہندوستان میں جو صلح مغربی اثرات قبول کئے تھے انکا رنگ سفر میں زیادہ گہرا ہو گیا۔ اور ان کا جو حصہ غیر معتدل تھا اور جس کے خلاف شبلی کی ضمیر میں ایک ہیجان یہاں پیدا ہو چکا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت نے اس خفیف ہیجان کو ایک باقاعدہ اور زبردست "احتجاج" کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ یہ مغربی سیر و سیاحت بھی دراصل شبلی پر خارجی اثرات پڑنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے ؛

مصر ایک عرصہ سے اسلامی دنیا میں دماغ کا درجہ رکھتا ہے۔ علی الخصوص اس زمانے سے جب کہ نپولین اعظم کی کشورکشائیوں نے مصر کو بھی فتح کئے بغیر نہ چھوڑا۔ یہی دور تھا۔ جبکہ یہ ملک پہلی دفعہ مغربی اثرات سے روشناس ہوا۔ مصر جدید کے بانی محمد علی پاشا نے تمام سوسائٹی کی بنیاد نئے اصولوں پر رکھنے کی جوان تھک کوششیں کی ہیں۔ ان کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔ اس کے بعد وہاں کے علما و فضلا نے علوم و فنون کے اندر نئی روح پھونکنے کے لئے شبانہ روز محنتیں کیں۔ پریس کی آزادی اور علوم کے نظریہ ہائے جدید نے مصر کو اسلامی دنیا میں اثر و تاثیر کا ایک نہایت ہی خوشگوار سرچشمہ بنا دیا اور باوجودیکہ جامعہ ازہر ابھی تک قدیم نظام تعلیم کے ساتھ وفادارانہ وابستگی رکھتا تھا۔ ملک میں "مغرب پسند" علما کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ جس کی کوششوں کے طفیل انگریزی لٹریچر کا ایک منتخب سرمایہ عربی زبان

میں منتقل ہو چکا تھا۔ اور بہت سی" اور بجنل تصانیف" بھی شایع ہو کر اکناف و اطراف ملک میں پھیل چکی تھیں ؟

ہندوستان بھی مصر کے اس اثر سے محفوظ نہ تھا۔ اور سیاسی حالات نے مصری اور ہندوستانی مسلمانوں کے تعلقات کو اور بھی مضبوط بنا رکھا تھا پس شبلی ان اثرات سے کیسے بچ سکتے تھے ؟

مصر سے جو لٹریچر شایع ہوتا تھا۔ شبلی اس کو منگوایا کرتے تھے۔ وہاں کی تعلیمی اور علمی تحریکوں کی رفتار کا بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "نصاب تعلیم میں برسوں غور کر چکا ہوں۔ مصر کی اصلاحات کو دیکھتا رہتا ہوں۔ وہاں سے جدید کتابیں جواب تک کسی کے پاس نہیں پہنچیں۔ ان کو منگوایا گیا ہے"[1] وہاں کے علماء سے خط و کتابت برابر جاری رکھتے تھے۔ سید رشید رضا مصری جو المنار کے ایڈیٹر تھے۔ شبلی کی دعوت پر ندوہ میں تشریف لائے۔ ایک علمی بحث و مباحثہ کے وجہ سے خود مصر بھی مولانا کی ذات سے بخوبی روشناس ہو چکا تھا۔ مصر کے مشہور مورخ جرجی زیدان نے اپنی کتاب" تمدن اسلام کی تاریخ" میں شبلی کی علمی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ اور تصانیف شبلی سے حوالے نقل کئے ہیں۔ اس تصنیف پر شبلی نے ایک تنقید عربی زبان میں لکھی تھی جو المنار میں شایع ہوئی ؟

ان تفاصیل سے ہمیں صرف اس قدر غرض ہے۔ کہ شبلی کی ذہنی تربیت میں مصر کا کچھ کم حصہ نہیں۔ اور درحقیقت مصر بھی" مغربی اصول علمی" سے شبلی کی واقفیت کا ایک واسطہ تھا۔ انگریزی کی بہت سی کتابیں جو شاید شبلی کے مطالعہ میں نہ آسکتیں۔ عربی کے توسط سے ہندوستان پہنچیں۔ اور شبلی نے ان کے مطالب سے استفادہ کیا۔ کارلائل کی کتاب" ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" عربی لباس میں ہی شبلی کے پاس آئی

---

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۵۲ ؟

جنہوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "کارلائل کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے۔ اچھا ترجمہ کیا ہے۔ میرے کام کی چیز ہے[1]" یہ کیونکر شبلی کے کام کی چیز تھی۔ آئندہ سطور میں اس کے اثرات کا ہم ذکر کرینگے ؛

مصر میں ؔالیڈ کا ترجمہ ہوتا ہے۔ شبلی کی نظر سے گذرتا ہے۔ فرید وجدی اسلام کے ثبوت اور فلسفہ حال کی تطبیق پر مصر سے ایک پرچہ نکالتے ہیں۔ شبلی اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "ماہوار نکلتا ہے۔ زور کا پرچہ ہے اور واقعی عمدہ ہے۔ اڈیٹر فرنچ اور جرمن زبان کا ماہر ہے"[2]۔

ان تعلقات نے شبلی کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ مختصراً یہ کہ یورپ کے ماخذ زیادہ آسانی کے ساتھ شبلی کی نظر سے گذرے۔ اور انہوں نے ذاتی مطالعہ سے یورپ کے اصول علمی کے متعلق رائے قائم کی[1]۔ علمی زاویہ نگاہ میں ناقدانہ بصیرت پیدا ہوئی۔ جو وسعت مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جو علمی ماحول کی تنگی سے یقیناً محدود ہو جاتی[3]۔ شبلی کے "رجحان معقولیت" کو ترقی ہوئی[4]۔ شبلی کی سیاسی حسیات جو ان کی اکثر تصانیف کی جان ہیں۔ زیادہ بیدار ہوئیں اور "بین الاقوامی سلامیت" کا جذبہ جو حیات شبلی کے دور آخر میں ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بہت نشوونما پا چکا تھا۔ زیادہ مشتعل ہوا ؛

شبلی کے شاگردوں اور دوستوں کی ایک بہت بڑی جماعت انگریزی تعلیم سے بہرور تھی۔ ان کے اپنے خاندان میں انگریزی تعلیم کا رواج عام ہوچکا تھا۔ ان کے حقیقی بھائی مہدی اور جنید وکیل تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی مولانا حمیدالدین مشرقی اور مغربی تعلیم کے جامع تھے۔ پھر دوستوں میں شیخ عبدالقادر ایم۔ اے (الفنسٹن کالج بمبئی)۔ ایم مہدی حسن (مصنف افادات)۔ سید نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) اور عطیہ فیضی۔ شاگردوں میں سید سلیمان اور مولانا عبدالماجد وغیرہ سب انگریزی سے واقف

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۲۱۱　　[2] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۴۹ ؛

تھے۔ شبلی کی زندگی کی یہ ایک عجیب و غریب خصوصیت ہے۔ کہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ علمی افادہ و استفادہ، اور شاگردوں کی تربیت میں گذرا۔ مولانا نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے علمی مذاق کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا۔ اس کا مختصر سا خاکہ ہمکو مکاتیب سے مل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پُرلطف بات یہ ہے۔ کہ شبلی اپنی تصانیف کی ترتیب و تحریر کے دوران میں اپنے ان انگریزی داں دوستوں اور شاگردوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ عربی اور اُردو ترجموں کے ذریعے جن مغربی تصانیف تک پہنچنا مشکل تھا ان کے مطالب اور معانی ان لوگوں کے ذریعے معلوم کئے۔ کسی کو لکھا " فارسی شاعری میں تخیل کی چند مثال حسب خیالاتِ یورپ لکھ بھیجو" مولانا حمید الدین کو شکایت کے لہجے میں لکھتے ہیں "کاش حکمائے یورپ کے خیالات سے واقف کرتے" عبد الماجد سے میور۔ ولہاوزن۔ نولدیکی اور فارسٹر کی کتابوں اور تحقیقات کا خلاصہ مانگتے ہیں۔ شیخ عبد القادر کو لکھتے ہیں "رزمیہ یا اخلاقی شاعری پر انگریزی کا نمونہ چاہتا ہوں"

غرض قدم قدم پر اپنی اس نو تربیت یافتہ جماعت سے یورپ کی کتابوں کے سلسلے میں فائدہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو یہ مقصد تھا۔ کہ یہ لوگ بھی اسی ذوق سے متصف ہو جائیں۔ جو اُن کا اپنا خاصہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ان کی توجہ کسی وقت یورپ کے اثرات سے غافل نہ رہے۔ جن کے سلسلے میں انہوں نے مدت سے " خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل کر رکھا تھا۔ اس انہماک کے پیش نظر، ہمارے مصنف اور مؤرخ کی بیدار مغزی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ جس نے تصنیف و تالیف پر قلم اٹھانے سے پہلے، ہر مسئلہ و مضمون کے متعلق مشرق اور مغرب کے بنیادی اصول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ہر مسئلہ کے متعلق ایک نقادانہ رائے قائم کی۔

سید محمد عبد اللہ

تبصرہ و تنقید

۱۔ ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء

(سنہ ۴۲۱ھ تا سنہ ۶۷۹ھ)

(از ڈاکٹر اقبال حسین صاحب ایم۔اے۔ بی۔ ایل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ فارسی لکچرر پٹنہ کالج)

یہ مسرت کا مقام ہے۔ کہ ہندوستان کے قدیم شعرای فارسی کے متعلق تحقیقات کا شوق ملک میں پیدا ہونے لگا ہے اور زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے سند یافتہ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر وحید مرزا عربی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے حضرت امیر خسرو کی حیات و مصنفات پر ایک عالمانہ تبصرہ بزبان انگریزی تالیف کیا۔ جس کو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے مصارف سے طبع کیا۔ سید یوشع جونیر لکچرر فارسی مدراس یونیورسٹی نے فتوح السلاطین تالیف سنہ ۷۵۰ھ کا دیباچہ بنام عصامی نامہ حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اب ڈاکٹر اقبال حسین ایم۔ اے، بی۔ ایل، پی۔ ایچ۔ ڈی، فارسی لکچرر پٹنہ کالج نے امیر خسرو کے پیشروؤں پر ایک انگریزی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جو مع دیباچہ و انڈکس وغیرہ چھوٹی تقطیع کے دو سو چونتیس صفحات پر شامل ہے اور اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے۔ اس رسالہ کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مقالہ ہذا ہمارے ملک کے مشہور استاد ڈاکٹر عظیم الدین کی رہبری اور سر ڈینی سن راس اور ڈاکٹر ہادی حسن کے قیمتی مشوروں کے ساتھ طیار ہوا ہے۔ پٹنہ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے واسطے پیش کیا گیا اور منظور ہوا اور اسی یونیورسٹی نے اسے طبع کیا۔ قدیم شعرائے ہند پر قلم اٹھانا کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مترادف ہے اور ڈاکٹر اقبال حسین اس سنگلاخ اور

بنجر زمین میں اپنی تیشہ زنی اور جگر کاوی پر مستحق مبارکباد ہیں *

یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ خالص مشرقی موضوعات پر بھی ہمارے نونہال ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ناروا اور غیر مفید ضوابط کی بنا پر انگریزی زبان میں اپنے مقالے لکھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ جن سے ملکی زبانوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ ہمیں رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ جب ہم مقالہ نگار کو سلطان شمس الدین التتمش کے پورے نام "السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التتمش" کے ترجمہ کے ساتھ بعبارتِ ذیل کشمکش میں مصروف پاتے ہیں :۔

The mighty sultan, sun of the Empire and the Faith, Conquest laden Iltutmish."

اگر ڈاکٹر صاحب نے "ابو المظفر" کا ترجمہ 'کانکوئسٹ لیڈن' (فتح سے لدا) کر دیا تو اس میں ڈاکٹر صاحب کا کیا قصور ہے۔ قصور ان ضوابط کا ہے۔ جو ہمیں انگریزی لکھنے اور پھر متعارف انگریزی لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا *

مقالۂ ہذا میں چھ شاعروں ابو عبداللہ النکتی۔ ابو الفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ تاج الدین ریزہ۔ شہاب مہمرہ۔ اور عمید سنّامی کا مذکور ہے اور جس قدر ذرائع معلومات ان شعرا کے لئے میسر ہیں۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ اور سارے مواد کو ایک خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اہل پنجاب کے لئے شاید یہ اطلاع موجب اطمینان ہو کہ ڈاکٹر صاحب کی فہرست کے ان چھ شعرا میں سے چار پنجاب سے علاقہ رکھتے ہیں۔ یعنے ابو عبداللہ النکتی۔ ابو الفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ عمید سنّامی *

ڈاکٹر صاحب نے شاید ہندوستان زائی کی شرط قائم کر کے اس عہد کے دیگر شعرا کو اپنی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب جو بقول عوفی "احرار خطۂ لوہور (لاہور)" سے تعلق رکھتا ہے اور مولانا سراج منہاج لوہوری المولد

کا ادخال تو ان کی فہرست میں ضروری تھا۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ ایسے بیرونی شعرا جنکی شاعری ہندوستان کی سرزمین میں پرورش اور نشو ونما پاتی ہے۔ ہندی نژاد شعرا کے ساتھ ساتھ ہندیت کے استحقاق میں دوش بدوش ہیں۔ اگر قطب الدین ایبک۔ التتمش۔ بلبن اور بابر کا شمار سلاطین ہند میں ہو سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وطنیت کے تنگ خیال کی بنا پر ان شعر گویوں کو ہندی شاعروں کے طبقے سے خارج رکھا جائے۔ اسی خیال نے شاید انہیں ملتان کے تمام شعراء کو جو ناصر الدین قباچہ کے دربار سے متعلق تھے (مثلاً شمس الدین محمد کاتب بلخی۔ فضلی۔ ضیاء الدین سجزی وغیرہم) اپنی فہرست میں شامل کرنے سے باز رکھا ہے۔ قباچہ کو علم و فضل و شعر و سخن سے خاص دلبستگی تھی۔ اور اس کے دربار میں اچھے اچھے فضلا و شعرا جمع تھے۔ اور اس کثرت سے تھے۔ کہ مجد الدولہ سید الافاضل نے ایک علیحدہ تذکرہ ان کے ذکر میں تالیف کیا تھا اور نمونہ کلام بھی کثرت سے دیا تھا •

جس قدر شعرا ڈاکٹر صاحب نے لئے ان کے تعلق میں بھی تمام مباحث کے ساتھ کافی داد نہیں دی گئی۔ ابوالفرج کے دیوان کو اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جاتا تو اس عہد کے سیاسی و تاریخی و دیگر مسائل پر نئی روشنی پڑتی۔ وہ افغانوں اور جاٹوں (جبت) کو مشرک لکھ رہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ افغان اور جاٹ اس وقت تک من حیث القوم مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے ہاں سب سے پہلے دہلی۔ میرٹھ (میرت)، اور بدایوں (بوداوون) کا ذکر آتا ہے •

ابوالفرج کے باپ کا نام مسعود ہے۔ مگر یہ کونسا مسعود ہے۔ ایک مسعود رازی ہے جسے سلطان مسعود شہید نے اس جرم میں کہ اس نے سلجوقیوں کی بڑھتی طاقت کے توڑنے کا ایک قصیدہ میں مخلصانہ مشورہ دیا تھا ؎

مخالفان تو موران بدند مار شدند | بر آر زود زموران مار گشتہ دمار

جو مسعود کو برا معلوم ہوا۔ ہندوستان میں جلاوطن کر دیا۔ بعد میں ایک قصیدہ کی بنا پر

سنہ ۴۳۱ھ میں اگرچہ قصور معاف کردیا اور تنخواہ جہلم (جیلم) کے معاملہ پر مقرر کردی۔ مگر حکم دیا کہ ہندوستان ہی میں رہے اور غزنی نہ آنے پائے۔ ادھر خود ابوالفرج اپنے باپ کو مسعودی کے کے نام سے یاد کرتا ہے اور امیر سیف الدولہ محمود سے اپنے نام پر اس کی تنخواہ کی بحالی کا مستدعی ہے۔ چنانچہ

کز وجوہی کہ داشت مسعودی　　کند آنرا ملک بدان تمکین

صفحہ ۲۵ پر سیف الدولہ محمود کے ایک جشن کے سلسلہ میں مسعود سعد سلمان کے دیوان سے ایک تاریخ دے کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ابوالفرج نے اس کی تاریخ نہیں دی۔ مگر ابوالفرج نے جو ایک تاریخ دی تھی ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی نظر التفات نہیں ڈالی وھو ہذا :-

خسروا بندہ را بلوہاور　　در مدیح تو شعرہاست متین

ہر یکی کردہ راوی انشاد　　در سنہ اربع ستہ و ستین

آخری لفظ کی قرأت میں اختلاف ہے سبعین اور تسعین بھی قلمی نسخوں میں ملتا ہے۔ جس میں تسعین تو صریحاً غلط ہے۔ سنہ کی جگہ 'مایہ' بھی ملتا ہے۔ جس سے مراد سنہ ۴۷۰ھ یا سنہ ۴۶۶ھ ہوسکتا ہے ؎

بعض موقعوں پر غیر ضروری مباحث داخل کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۵، ۲۷ و ۲۸ پر سلطان ابراہیم غزنوی کے جلوس و وفات کے سنین کے تعلق میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم سنہ ۴۵۰ھ یا سنہ ۴۵۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس کا سال جلوس سنہ ۴۵۰ھ ہے۔ اگرچہ متعدد مآخذ گنا دیئے۔ مگر یہ فیصلہ نہیں کیا۔ کہ اس کی تخت نشینی کا صحیح سال کیا ہے۔ ابراہیم کے جلوس کے لئے سب سے قدیم اور معتبر مؤرخ ابوالفضل بیہقی ہے۔ اس نے یہ تاریخ بدیں الفاظ دی ہے :-

"روز دوشنبہ نوزدہم صفر سنہ احدی وخمسین واربعمائۃ"۔ (۱۹ صفر سنہ ۴۵۱ھ مطابق

۶ر اپریل ۱۰۵۹ء) ؎

اس طرح ابراہیم کی وفات کے لئے ہر دو روایت ۴۸۲ھ و ۴۹۲ھ تحریر کرنا۔ اور مؤخر الذکر سال کی تصدیق کے لئے برٹش میوزیم کے سکوں کی شہادت پیش کرنا ہمارے نزدیک تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ آج ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو ابراہیم کی وفات ۴۸۲ھ میں تصوّر کرتا ہو ؎

ص۱۶ ابوالفرج رونی کی وفات کے متعلق مختلف اقوال دیا کہ صحف ابراہیمی میں ۴۸۹ھ مرآت عالم میں ۴۸۲ھ۔ نشتر عشق میں ۴۹۰ھ۔ جن میں آخری تاریخ ڈاکٹر کی نگاہ میں صحت کے زیادہ قریب ہے اور کہ وہ ۴۹۲ھ کے بعد تک زندہ رہا۔ ہمارے نزدیک تصویر کا نیم رخ دکھانا ہے۔ اگر ہم ڈاکٹر کی جگہ ہوتے تو اس استدلال کو جہاں انہوں نے ختم کیا ہے۔ وہاں سے یوں شروع کرتے۔ کہ سلطان مسعود ثالث ۴۹۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے اور ابوالفرج رونی نے اس کی مدح میں سولہ سترہ کے قریب قصائد اور چند قطعات لکھے۔ جو اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کے جلوس سے بدرجۂ اقل چند سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔ وہ مسعود کی تاجپوشی کے موقعہ پر قصیدہ لکھتا ہے۔ دوسرے قصیدہ میں شاہ موصوف کے اک دنتے ہاتھی کی طرف تلمیح ہے ؎

بشکل پیل یک دندش نگہ کن   نعم چون پیل یکدندش ہزار است

"یک دند"۔ اک دنتا۔ 'دند' پنجابی شکل ہے ہندی 'دانت' کی۔ ایک قصیدہ یورش قنوج کے ذکر میں ہے۔ شاہ موصوف ہندوستان میں 'موہند' کے قریب سے جو کوہ سوالک میں ایک درہ کا نام ہے۔ گذرتا ہوا 'بشبۂ ہر مایہ' کو عبور کر کے 'سُکنت' ہوتا ہوا قنوج پہنچتا ہے اور 'ملہی' والیِ قنوج سے کچھ پیل و مال پر صلح کر کے واپس ہوتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ میں فتح قنوج اور نشاط صید کی مبارکباد دی جاتی ہے۔ ایک قصیدہ اس وقت لکھا ہے۔ جب مسعود افغانوں اور جاٹوں کو عید قربان کے ایام میں سزا دیتا ہے۔ ایک قصیدہ شاعر نے اس وقت نظم کیا۔

جب غزنیں ہیں بارگاہ خلافت سے بادشاہ کے لئے 'عہد ولوا' آیا ہے۔ اور شہر میں عام خوشیاں منائی جارہی ہیں (ہمارے قیاس میں خلیفہ المستظہر کی یہ سفارت مسعود کے پاس ۴۹۴ھ سے قبل نہیں پہنچ سکتی) ایک قصیدہ کسی جدید عمارت کی تعریف میں ہے۔ جو مسعود نے اپنے لئے بنوائی۔ موسم سرما کی آمد پر ایک اور قصیدہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شاعر بادشاہ کو غزنیں کے سردسیر سے ہندوستان کے گرم سیر کی طرف جانے اور قنوج و بنارس فتح کرنے کی تحریص کرتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ کسی غزو کی مبارکباد میں تحریر ہوا ہے۔ جس کی خوشی میں جشن بھی منایا جاتا ہے۔ دو قصیدے غالباً لاہور میں مسعود کی دوبارہ آمد پر مرقوم ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور دیگر قصاید ابوالفرج نے خاص خاص موقعوں پر لکھے ہوں گے۔ جن کے لئے ایک مدت درکار ہے۔ ادھر مسعود کے باپ ابراہیم کی تعریف میں ابوالفرج کے ہاں کل چھ سات قصیدے ملتے ہیں جس سے بظاہر یہی قیاس قایم کیا جاسکتا ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں ابوالفرج کی شاعری کا زمانہ مسعود کے عہد میں زیادہ گزرا ہے۔ اگرچہ اور توجیہیں موافق و مخالف لائی جاسکتی ہیں مگر ان واقعات کی بنا پر یہ استدلال قابلِ قبول ہوگا۔ کہ مسعود کی شان میں یہ قصیدے شاعر نے کئی سال کے عرصے میں لکھے ہوں گے۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کی تخت نشینی سے جو ۴۹۲ھ میں ہوتی ہے کئی سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔

اس مدت کی حدبندی کے لئے ہم دو تاریخیں پیش کرتے ہیں (۱) شاعر نے سلطان مسعود کی شان میں جشنِ آبان کے موقعہ پر جب 'ایام عید' بھی تھے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے ؎

شاہ را روی بخت گلگوں باد   جشن آبان بر و ہمایوں باد

آبان اور عید کی تلمیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جشن ۱۰ آبان ۴۷۱ یزدجردی کو منایا گیا ہوگا۔ جو ۱۱ ذی الحجہ ۴۹۵ھ کے مطابق ہے۔ (۲) ایک اور قصیدہ میں (مع آمد آن تیر ماہ سرو سخن) جو خواجہ ابوسعد بابو کی مدح میں ہے۔ شاعر نے فارسی مہینے 'تیر' اور 'روزہ کشائی و عید' کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قصیدہ ہذا ایسے سنہ میں لکھا گیا ہوگا جب تیر اور رمضان

اکھٹے آئے ہیں - ۱۰ ارتیر ۴۷۳ھ یزدجردی کو تاریخ یکم رمضان ۴۹۷ھ واقع ہوتی ہے۔ ان تاریخوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفرج رونی ۴۹۷ھ تک تو زندہ ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر پانچویں صدی کے اختتام تک بقید حیات ہو۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال بہ نسبت اُس استدلال کے جس میں زیادہ تر متأخر تذکرہ نگاروں کے اقوال و آرا منقول ہیں زیادہ قرین صحت اور فیصلہ کن ہے ؛

ص۲۷ - ابوالفرج کے پہلے ممدوح ابراہیم کے ذکر میں ڈاکٹر نے اس کے خطابات اور تاریخ جلوس و وفات پر بحث کرنے کے سوا اور کوئی کام کی بات نہیں کہی ؛

ص۲۹ - ابوالفرج کے دوسرے ممدوح علاء الدین مسعود کے تذکرہ میں بھی کوئی بات نہیں پیدا کی - وہی تاریخ جلوس و وفات اور خطابات پر بحث ہے۔ زیادہ زور اس بات پر صرف ہوا ہے - کہ تاریخ روضۃ الصفا میں جلال الدولہ جو اس کا خطاب درج ہے - بالکل غلط ہے۔ اس کے لئے سکوں تک کی شہادت پیش ہوئی ہے ؛

ص۳۱ - تیسرا ممدوح سیف الدولہ ہے۔ ڈاکٹر اگر چاہتے تو اس کے متعلق خواجہ مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی کے دیوانوں کے مطالعہ سے ہندوستان میں اسکے کارناموں کی تفصیل دے سکتے تھے ؛

(۴) خواجہ منصور بن سعید بن احمد بن حسن میمندی (۵) ثقۃ الملک طاہر بن علی بن مشکان (۶) ابونصر پارسی (۷) خواجہ ابوسعد بابو (۸) ابوالقاسم خاص (۹) ابورشد رشید خاص (۱۰) عبدالحمید بن احمد بن عبدالصمد (۱۱) محمد بہروز پر ڈاکٹر نے کام کے اور قیمتی نوٹ لکھے ہیں ؛

(۱۲) نجم الدین اباحلیم زریر شیبانی کو ڈاکٹر سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد کا سپہ سالار مانتے ہیں - حالانکہ وہ سلطان ابراہیم کے عہد میں تھا۔ وہ ایک ادنے سپاہی کے درجہ سے ترقی کرتے کرتے سپہ سالار ہند بن گیا۔ اس کے کارنامے دورِ محمودی کی یاد دلاتے ہیں

وہ ایک طرف بنارس (بنارسی) اور دوسری طرف سومنات پہنچا ہے۔ تھانیسر (تانیسر) کو مغلوب اور قنوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹھ (میرت) اس کے حلقۂ اثر میں ہے اور النگی والی دہلی کی سزادہی کے لئے جس نے میرٹھ پر تاخت کی تھی طیاری میں مصروف ہے۔ اتنے میں سلطان ابراہیم کی آمد کی خبر پہنچتی ہے۔ زریر کی تقصیر کا ہمیں علم نہیں مگر وہ باغی و غدّار قرار دیا جاتا ہے اور ایک قلعہ میں پناہ لیتا ہے۔ جہاں سے محاصرہ کے بعد گرفتار ہو کر ابراہیم کے سامنے لایا جاتا ہے اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

یہاں ہم کچھ اشعار جو اس کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواجہ مسعود کے دیوان سے نقل کرتے ہیں:-

بگو بدان کہ خلاف خدایگان خواہد — کہ کارنامۂ بے مغز را یکی برخوان
نگاہ کن کہ چو بر خویشتن بہ پیچید ازوی — چگونہ روی بدو داد محنت و حرمان
شدش فراش آنحال کآمد از جا جرم — نمد قبائی پوشیدہ پارۂ خلقان
براہ مرکب او بود پیرلاشہ خری — ز چوب کردہ رکاب و ز لیف کردہ عنان
ہمہ فراغت او آنکہ گرم خفتی شب — ہمہ تنعم او آنکہ سیر خوردی نان
لباس خوبش پشم و بساط ز مشش خاک — سلیح و آلت خاشاک و نان و انبان
بفر دولت و اقبال شہریار اجل — بقدر و رتبت بگذاشت تارک از کیوان
چو یافت از ملک شرق زور و زہرہ شیر — بدو سپرد ملک مرغزار ہندستان
ز رزم جویان دادش چہل ہزار سوار — چو تیغ آختہ قد و چو نیزہ بستہ میان
ولایتی کہ بدو داد خسرو عالم — ہزار رای فزون بود در نواحی آن
بطول بود ز مہیارہ تا با ساسرو — بعرض بود ز کشمیر تا بہ سیبستان
چو مار پیچان بودی ز حد تنعش رای — چو برگ لرزان بودی ز نوک تیرش خان
چو از قبائل نسبت ہمی بشیبان کرد — شدند بر فلک از مفخرش بنی شیبان

بدان سپاہ و بدانخواستہ فریفتہ شد — بگشت در سر بیہوش و مغز او عصیان
بہ نیم ساعت کفران نہر چہ نعمت داشت — ہمی نشاندش آری چنین کند کفران
طلوع بودش چون نجم و نجم نام و نسب — غروب باشد آری پس از طلوع بدان
بقرب خسرو شد محترق چنین باشد — ہر آنستارہ کہ با آفتاب کرد قران
کدام حصن ز ہند او حصار خواست گرفت — کہ نہ بدولت سلطان براوی شد زندان
چو فوجی از سپہ شاہ روی داد بدو — ہمہ نشاط وی اندوہ گشت و سود زیان
غرو موکب خسرو چو گرد حصن نجاست — گرفت سخت گریبان بخت او خذلان
سعادت ملک او را فروکشید ز حصن — بغل دو دست وی ہمخواست ز نہار و امان
شکوہ شاہ بخم کرد چون کمان پشتش — گلوی او بزہ اندر کشید ہمچو کمان

(دیوان مسعود سعد سلمان صفحہ ۱۴۴، طبع ایران، ابو القاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

ابا حلیم کے حسرتناک انجام کے بعد غالباً ایالت ہند سیف الدولہ محمود کے سپرد ہوتی ہے جو ابراہیم کا خلف اکبر تھا۔

انوری پر ابو الفرج کے اثر کے متعلق کافی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے مگر ایک بات رہ گئی۔ انوری نے ابو الفرج کے تتبّع میں جو قصیدے لکھے ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

صفحہ ۶۷ سے صفحہ ۱۴۶ تک مسعود سعد سلمان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اس شاعر کے باب میں جو اطلاع ڈاکٹر صاحب نے دی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی اپنے مضمون میں جو خواجہ مسعود پر لکھا ہے دے چکے ہیں۔ ان بیانات کی تکرار اور دوبارہ چھان بین کی بجائے اگر ڈاکٹر مسعود کے ہاں ایسے امور پر جو ہند و غزنہ کے تعلقات اور ہندوستانی معاملات سے متعلق ہیں توجہ دیتے تو ان کے لئے نیا زینہ اور ہمارے لئے معلومات کا جدید ماخذ بن جاتا۔

مسعود کے والد سعد سلمان کے ذکر میں ایک امر قابل اضافہ ہے کہ وہ ۴۲۷ھ میں بعہد سلطان مسعود شہید جب شہزادہ مجدود والی ہند مقرر ہوتا ہے۔ مستوفی کے منصب پر سرفراز ہو کر ہندوستان آتے ہیں۔ تب سے یہ خاندان اس سرزمین میں آباد ہو گیا۔ تاریخ بیہقی میں آتا ہے "وی راد شہزادہ مجدود رحمہ حاجب باسپاہ داوند و بومنصور پسر ابوالقاسم علی نوکی از دیوان ما باوی بدبیری رفت و سعد سلمان بہ مستوفی و حل وعقد سرہنگ محمد بستد"

ص۸۶۔ محمد بھلیم (Mohammad Bhylim) یہ نام پڑھ کر ہر شخص چونک اٹھے گا۔ طبقات ناصری میں رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ محمد باہلیم ہے۔ مگر فخر مدبر نے کتاب آداب الحرب میں جو بعہد سلطان شمس الدین التتمش تصنیف ہوئی ہے محمد باحلیم مذکور ہے اور یہی شکل صحیح ہے۔ آداب الحرب میں سلطان بہرام شاہ اور محمد باحلیم کی جنگ کا قصہ بھی تفصیلاً مرقوم ہے۔ ولایت ملتان (مولتان) کے ایک گانو کیکوڑ کے پاس جس کے ایک طرف پانی اور دلدل تھا۔ یہ جنگ واقع ہوئی۔ محمد باحلیم کا اکثر لشکر اس دلدل میں تلف ہو گیا۔

ص۱۰۵ و ص۱۰۶۔ جالندر۔ ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں جہاں کہیں اس شہر کا ذکر کیا۔ "چالندر" با جیم فارسی لکھا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس مقام کا نام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تقلید میں انہوں نے یہ قرأت اختیار کی جو غلط ہے۔ لیکن مرزا ایرانی ہیں اور ہندوستان کے جغرافیے سے ناواقف۔ صحیح نام "جالندھر" ہے۔ جو پنجاب کے ضلع جالندھر کا صدر مقام ہونے کے علاوہ لدھیانہ اور امرتسر کے درمیان شمال مغربی ریلوے کا اسٹیشن اور صوبہ پنجاب کا مشہور و معروف شہر ہے۔

مسعود سعد سلمان کے تذکرہ میں ڈاکٹر صاحب بڑی حد تک میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے فاضلانہ رسالہ "مسعود سعد سلمان" کے ممنون ہیں جس کا پروفیسر براؤن نے انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ مگر اس ممنونیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ بغیر

ایسے رہبر کامل کے مسعود سعد سلمان کے سفر حیات کی منازل اور ان کے نشیب و فراز طے کرنا ڈاکٹر صاحب کے لئے نہایت دشوار ہو جاتا۔ تاہم میرزا کی طرف ان کا رویہ حریفانہ ہے۔ وہ میرزا کے رسالہ کا اسی وقت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ جب اس سے اختلاف منظور ہوتا ہے ایسی حالت میں اکثر وہ اپنا راستہ گم کر جاتے ہیں۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس بیراہہ روی کی ایک آدھ مثال پر قناعت کرتے ہیں :-

(۱) صفحہ ۱۰ عفوِ سلطان نامدار رضی بر شب من فگند نور قمر

اس شعر کی سند پر میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے یہ رائے قایم کی کہ خواجہ مسعود کو پہلی قید سے جو دہ سالہ تھی سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنی زندگی ہی میں رہا کر دیا تھا اور ہر شخص ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کرے گا۔ خود شاعر کے اپنے بیان سے زیادہ کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ڈاکٹر اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" سلطان رضی سے میرزا محمد خاں کی مراد سلطان ابراہیم ہے۔ اگرچہ بعض غیر مشہور تاریخوں میں سلطان ابراہیم کو 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا ہو مگر رضی اس موقع پر اسم صفت کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اور سلطان ابراہیم مراد نہیں۔ نہ اس کے بے شمار سکوں پر یہ خطاب پایا جاتا " صفحہ ۱

ڈاکٹر اس حد تک تو سچے ہیں۔ کہ ابراہیم کے سکّوں میں یہ نام (رضی) نہیں ملتا اور ملتا بھی کہاں سے جب اس کی زندگی میں یہ خطاب اس کے لئے استعمال ہی نہیں ہوا۔ ہمارے ڈاکٹر اس لفظ کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہیں اور اسی لئے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ متوفی سلاطین کے لئے ضابطہ تھا۔ کہ سرکاری دفاتر اور تاریخوں میں خاص خاص ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ فارسی میں یہ قاعدہ بنو سامان کے عہد سے رائج ہے۔ احمد بن اسمٰعیل سامانی کو 'امیر شہید' نصر بن احمد کو 'امیر سعید'۔ نوح بن نصر کو 'امیر حمید'۔ عبدالملک کو 'امیر سدید' سلطان محمود کو 'امیر ماضی' ہمایوں کو 'جنت آشیانی' اکبر کو 'عرش آشیانی' اور عالمگیر کو خلد مکان کہتے تھے اسی طرح

ابراہیم بن مسعود غزنوی وفات کے بعد 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا۔ مسعود کے شعر بالا میں 'سلطان رضی' سے مراد یقیناً ابراہیم غزنوی ہے اور میرزا محمد کا نظریہ بالکل صحیح ہے ؛

ڈاکٹر کا یہ مقولہ کہ 'رضی' غیر متعارف تاریخوں میں آتا ہوگا۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ اکثر معتبر تاریخوں میں اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ طبقاتِ ناصری سے ایک مثال عرض ہے

"وتختِ سلطنت بہ سلطان رضی' ابراہیم علیہ الرحمۃ رسیدہ بود" (ص۲۳)

(۲) ص۲۵ تا ص۲۸ مسعود سعد سلمان نے کسی ابوالفرج کے خلاف ایک قطعہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

بوالفرج شرم نامدت کہ بخبث   بہ چنین حبس و بند م افگندی

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ابوالفرج ہمارے شاعر کو قید میں ڈلواتا ہے۔ اس ابوالفرج کے متعلق مسعود کے تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر نے شاعر مشہور ابوالفرج رونی کا نام لیا ہے۔ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مسعود کے دیوان سے دو ابوالفرج تلاش کئے پہلا یہی ابوالفرج رونی اور دوسرا ابوالفرج نصر بن رستم جو نائب دیوان ہند ہے۔ یہ مسعود کی قیدِ ثانی کا ذکر ہے جو واقعہ سلطان مسعود کے دور میں پیش آتا ہے۔ میرزا نے نمبر اول کو تو اس بنا پر خارج کر دیا کہ مسعود کے قطعات سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شاعروں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور نمبر دوم کو یوں بری کر دیا کہ سلطان سابق کے عہد میں وفات پا چکا تھا۔ جیسا کہ اس کے مرثیے سے جو خود خواجہ مسعود نے لکھا ہے ثابت ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں ؛

ہمارے ڈاکٹر ان امور کو جاننے کے باوجود ایک نہایت عجیب اور نرالے استدلال سے ابوالفرج نصر بن رستم کو مسعود کی قید کا مجرم گردانتے ہیں۔ قطعہ مذکورہ کے آخری شعر میں وہ مسعود کی ایک دھمکی

زود خواہی درود بے شبہت   بر تخمی کہ خود پراگندی

نقل کرکے کہتے ہیں۔ کہ مسعود کی یہ دھمکی بالآخر کچھ عرصہ بعد اپنا رنگ لائی جیسا کہ اشعار آیندہ سے جو شاعر نے ابوالفرج نصر بن رستم کو لکھے ہیں ظاہر ہوتا ہے:۔

اے کینہ ور زمانۂ غدار خیرہ سار ‏ ‏ بر خیرہ تیرہ کردہ بسا بر تو روزگار

بر بندگان اگر بہ ستیز است کار تو ‏ ‏ بر خواجہ عمید چرائی ستیزہ کار

بر نصر رستم از چہ ستمگار گشتہ ‏ ‏ در مہتری نبود ستمگر بہ ہیچکار

آن بوالفرج کہ داد جہان را زغم فرج ‏ ‏ اکنون ہم از جہان تو برآری ہمی دمار

مگر ڈاکٹر یہ بیان نہیں کرتے کہ اس دھمکی نے آخر کیا گل کھلایا۔ قصہ مختصر ان اشعار اور قطعہ کی بنا پر نیز اس بنا پر کہ مطبوعہ دیوان میں ابوالفرج نصر بن رستم کا نام قطعہ مذکورہ کی سرخی میں درج ہے ڈاکٹر کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ابوالفرج نصر بن رستم ہے جو ابونصر پارسی کی تباہی اور اس کے متوسلین کی (جن میں مسعود سعد سلمان بھی شامل ہے) قید و بند کا بانی کار تھا،

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ابیات بالا کی روشنی میں کس طرح اس خلاف توقع نتیجہ پر پہنچے۔ ان اشعار سے برخلاف اس کے کہ مسعود کی کسی دھمکی کی ایفا مترشح ہو ابوالفرج نصر بن رستم کے ساتھ شاعر کی دلی ہمدردی اور غمخواری ثابت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج اپنے عہدۂ امارت سے معزول ہو گیا ہے اور شاعر اس کی تسلی اور دلدہی میں یہ قصیدہ لکھتا ہے۔ ابتدا میں زمانہ کو خطاب کرتا ہے کہ تیری بیباکیوں نے ہماری اوقات تلخ کر دی ہے خیر ہم غریبوں کو تو جتنا جی چاہے ستالے مگر خواجہ عمید نصر بن رستم پر کیوں ظلم روا رکھتا ہے۔ اس نے تو اپنے دور امارت میں کبھی ستم سے کام نہیں لیا۔ وہی ابوالفرج جس نے دنیا کو ظلم سے نجات دی اور تو اب بھی بدستور دنیا کی ہلاکت میں مصروف ہے“۔ اس کے بعد شاعر اپنے ممدوح کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ چاند کو گھٹنے سے شرم نہیں محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔ گھٹنے ہی سے بڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اور چودھویں کا چاند بن جاتا ہے۔ گردش فلکی ہمیشہ نحوست میں قائم نہیں رہے گی سعادت کی طرف بھی کروٹ بدلے گی۔ آخر ایک دن تیری مراد برآئے گی

اور دنیا تیری ترقی پر ناز کرے گی، چنانچہ

اے چون مہ چہاردہ در کاہش و کمی | مہ راز کاستن نبود ہیچ ننگ و عار
مہ را ہمہ تمام نکاہد ازانچہ ہست | آخر برآید از فلک ارچہ نزار و زار
آخر فزون شود کہ فزونی ز کاستست | وز پستی آروش بہ بلندی دہ و چہار
این گردش فلک نہ ہمہ بر نحوستست | آخر سعاد نیست در بن اختر و مدار
آخر بکام دل رسی و ہوائے دل | آخر زمانہ با تو کند باز افتخار

(دیوان مسعود ص۲۰۱ - طبع ابوالقاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

یہ اشعار ڈاکٹر صاحب کے منقولہ بالا اشعار کے عین بعد آتے ہیں - اور قصیدہ اس دعا پر ختم ہوتا ہے ؎

عز و بقات باد و سرت سبز و تن درست | دلشاد و شاد کام و تن آباد و شادخوار
مسپار دل بانده و گیتی ہمی سپر | مگذر تو از جہان و جہان خوش ہمی گذار (ص۲۰۱)

مطبوعہ دیوان میں قطعہ مذکورہ کا ابو الفرج نصر بن رستم کے نام کے ذیل میں دیا جانا کوئی معتبر سند نہیں - یہ دیوان بالکل غیر متنقدانہ حالت میں طبع ہوا ہے - متن بے حد سقیم ہے اور سرخیوں میں بھی کئی موقعوں پر غلط اندراج ہیں - قطعہ کے متعلق دیوان کی تنہا شہادت کافی نہیں اور قطعہ اپنی سرخی کی تائید میں بھی نہیں - لیکن جب میرزا محمد اطلاع دے چکے کہ ابو الفرج نصر بن رستم سلطان ابراہیم کے عہد میں وفات پا چکا اور مسعود نے اس کا مرثیہ بھی لکھا - اس واضح اور صاف اطلاع کے بعد ڈاکٹر کا نصر بن رستم کو اس کی وفات سے کئی سال بعد ظہور پذیر ہونے والے حبس مسعود سعد سلمان کے لئے ماخوذ کرنا بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے - ڈاکٹر یا تو مرزا کے بیان کی تردید کر کے ثابت کرتے کہ ابو الفرج معلوم مسعود کی قید دوم کے وقت زندہ موجود تھا یا بجائے قطعہ کی سرخی پر اعتبار کرنے کے دیوان مسعود کے مخطوطات کی ورق گردانی کرتے اور یہ دکھاتے کہ وہ مرثیہ وجود ہی نہیں رکھتا - میرزا محمد کا اس مرثیے کے اشعار نہ دینا ان کی ثقاہت پر حرف

نہیں لاتا۔ اور نہ ان کے بیان کی اہمیت کو گھٹاتا ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کے دعوے کے واسطے بھی کوئی معقول وجہ یا قرینہ موجود ہے؟ دیوان میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الفرج نصر بن رستم 'عمید ملک' 'سالار' اور 'صاحب دیوان ہند' (وزیر دیوان ہند) ہے۔ مسعود نے اس کی شان میں آٹھ نو قصیدے لکھے ہیں۔ وہ اس کو نہایت ادب اور احترام کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اپنا سرپرست اور مربی تسلیم کرتا ہے۔ اس کا لہجہ نہایت مخلصانہ اور نیازمندانہ ہے اور شاعر پر اس کے احسانات مسلّم ان قصاید میں کسی ناخوشگوار واقعہ کی طرف تلمیح تک نہیں جس کی بنا پر مسعود اس ممدوح کے خلاف اپنی ابرو پر شکن لاتا یا شکایت سے لب آشنا کرتا۔ یہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس کے زوال دولت کے وقت بھی شاعر اس کے ساتھ وفادار رہا ہے۔ جیسا کہ ابیات بالا سے ظاہر ہے۔ پھر مراتب زندگی اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک امیر کبیر اور سالار صاحب اقتدار اور دوسرا اس کا مداح اور متوسل۔ ادھر قطعۂ بالا میں جس ابو الفرج کو شاعر نے خطاب کیا ہے وہ یقیناً شاعر کا ہم رتبہ بلکہ کم رتبہ ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شاعر کے ساتھ سلوک و احسان کرتا الٹے شاعر نے اس کے ساتھ سلوک کئے ہیں۔ چنانچہ مسعود اسی قطعہ میں کہتا ہے :۔

شد فراموش کز برای تو باز   من چہ کردم زنیک پیوندی

یعنے میں نے اپنی شرافت سے تیرے ساتھ جو سلوک کئے۔ تو نے سب کو نسیاً منسیا کر دیا کیا ایک رئیس اعظم اور امیر محترم کو اس طرح سے خطاب کیا جاسکتا ہے۔ یہ شعر بھی قابل غور ہے

تا من اکنون زغم ہمی گریم   تو بہ شادی زدور بخندی

کہ میں تو غم میں رو رہا ہوں اور تو مجھے روتا دیکھ کر دور سے کھڑا کھڑا ہنس رہا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کیا غمزدہ مسعود کا یہ نالہ ایک امیر والاجاہ کے خلاف فریاد خوانی کا پتہ دیتا ہے یا ایک سنگدل حریف کے برخلاف جو اپنے رقیب کو پامال ہوتا دیکھ کر جوش مسرت میں

بغلیں بجانے لگتا ہے۔ پورے قطعہ کی زبان۔ اس کا اسلوب بیان اور جذبات سب اس خیال کے مؤید ہیں کہ ان کا مخاطب ایک بے وفا دوست اور ہمسر ہے نہ کہ کوئی امیر جلیل القدر ہم ایک شعر اور نقل کرتے ہیں ؎

وین چنین قوتی تراست کہ تو   پارسی را کنی شکاوندی

اور اب تو تیرا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ (ابونصر) پارسی کی کرید میں لگ گیا ہے۔ اس شعر سے بھی ہمارے خیال کی تائید مزید ہوتی ہے ؛

یہاں ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جب ایالت ہند عضد الدولہ شیرزاد کے سپرد ہوئی۔ ابونصر پارسی عمید ملک اور نائب مقرر ہوا۔ یہ وہی منصب ہے۔ جس پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو بھی سرفراز دیکھتے ہیں۔ یعنے وہ عمید ملک اور وزیر دیوان ہند ہے ابوالفرج رونی اور مسعود کے قصائد سے یہ امر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ دو شخص ایک وقت میں اسی ایک خدمت پر مامور نہیں ہو سکتے۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے لامحالہ ہمیں ان کے زمانوں میں فرق ماننا پڑے گا۔ ادھر شیرزاد کے دَور کے منصبداروں کی فہرست میں جو مسعود کی مثنوی میں محفوظ ہے۔ ابونصر پارسی کا نام ملتا ہے۔ مگر ابوالفرج نصر بن رستم کا نام موجود نہیں۔ اس سے بھی ان کے زمانوں میں تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ لہذا ہم کہیں گے۔ کہ ابوالفرج نصر بن رستم ابراہیم کے دَور میں اور ابونصر پارسی مسعود کے عہد میں نائب ہند تھے۔ جب ان کا زمانہ مختلف لازم آگیا تو ان وزیروں کا اسی ایک معاملہ میں بحیثیت فریق مخالف حصہ لینا تقریباً دشوار ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو اس قطعہ کا مخاطب تسلیم نہیں کر سکتے ؛

ہمارا ان دو مثالوں سے یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ ڈاکٹر نے جہاں جہاں میرزا سے مختلف الرای ہونے کی کوشش کی ہے مطلق کامیابی حاصل نہیں کی۔ بلکہ اپنے مشکلات میں گرفتار ہو گئے ؛

باقی رہا یہ سوال کہ اس قطعہ کا مخاطب کونسا ابوالفرج ہے - ہم اس کے متعلق صرف اسی قدر کہیں گے - کہ یا تو ہمیں ایک تیسرا ابوالفرج تسلیم کرنا پڑے گا یا پھر ابن احمد رازی کا ہمنوا ہو کر ابوالفرج رونی پر شبہ کی نظریں دوڑانی پڑیں گی - ڈاکٹر کو اعتراض ہے کہ ابن احمد نے افسانہ تراش لیا - ممکن ہے کہ افسانہ ہو مگر اس افسانہ کے لئے گنجائش ضرور موجود ہے ہو سکتا ہے کہ ابوالفرج رونی نے سعایت کی ہو ع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن - رشک و حسد شعرا کی عام خصوصیت ہے - خود مسعود سعد سلمان اپنے پہلے حبس کے متعلق تو صاف صاف ایک شاعر ہی کو ملزم قرار دے رہا ہے - وہ سلطان ابراہیم سے مخاطب ہے :-

همی ندانم خود را گناهی و جرمی — مگر سعایت و تلبیس دشمن مکّار
زمن نترسد ای شاه خصم ناقص من — که کار مدح بمن باز گردد آخر کار

(دیوان ص۸۶)

ان اشعار کے ساتھ جب صاحب ہفت اقلیم نے اس قطعہ کو بھی دیکھا - جس میں ابوالفرج کا نام مذکور ہے - تو وہ قدرتاً اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ابوالفرج رونی ہے - جس نے غریب مسعود کو قید میں ڈلوایا - اس لئے تذکرہ نگاروں کا یہ اعتقاد اسقدر گمراہ کن نہیں جسقدر ڈاکٹر سمجھے ہیں - لاہور میں اس وقت چوٹی کے شاعر صرف دو تھے - پہلا مسعود سعد سلمان اور دوسرا ابوالفرج رونی - جب مسعود شکایت کرتا ہے کہ میرے ہم پیشہ شاعر نے بر بنائے رشک میری بدگوئی کی تاکہ منصب مداحی پر میری بازبحالی نہ ہو سکے - تو ظاہر ہے کہ تذکرہ نگاروں کی نگاہیں قدرتاً ابوالفرج رونی پر اٹھیں گی ؛

ص۱۱۱ - ڈاکٹر کا اعتقاد ہے - کہ مسعود نے اگرچہ ملک ارسلان کی شان میں قصائد لکھے لیکن اس کو شاہی عنایت حاصل نہیں ہوئی - البتہ اس کے جانشین بہرام شاہ کے دور میں مسعود سعد سلمان ندیمان خاص میں شامل ہے - یہ پادشاہ شعرا کا بڑا قدردان تھا اور مسعود کا زمانہ اس کے دربار میں آسائش و راحت سے بسر ہونے لگا ؛

مگر دیوان پر سرسری نظر ڈالنے سے قضیہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ بہرام شاہ کی تعریف میں قصائد کی تعداد چار سے زیادہ نہیں۔ ادھر ملک ارسلان کی شان میں چھ عدد غزلیات وقطعات کے علاوہ بارہ قصائد ملتے ہیں۔ ان قصائد میں اس کا انداز بڑی حد تک غیر مکلفانہ ہے۔ کبھی وہ اپنے متعلق کبھی دوسروں کے متعلق عرض و معروض میں مصروف ہے۔ ایک قصیدہ میں وہ اپنے پرانے دوست ابونصر پارسی کی وفات کا ذکر کرتا ہے ؎

بونصر پارسی ملکا جان تو سپرد   زیرا سزای مجلس عالی جز آن نداشت (ص۲۱)

پھر اس کے اخلاق و محاسن بیان کرکے کہتا ہے کہ اس نے ترسیٹھ سال کی عمر میں جان دی۔ مرتے وقت اس کے آخری الفاظ شاہ کی مدح و ثنا میں تھے۔ مرحوم مجھ پر خاص طور سے مہربان تھا۔ ہم میں دوستی کا یہ سلسلہ چالیس سال سے قائم تھا۔ اب بادشاہ کو چاہیئے کہ اس کی اولاد کی عزیز داشت سے غافل نہ رہے۔

ارسلانی قصائد میں شاعر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی قید کے واقعہ کی طرف تلمیح کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے اواخر عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک موقعہ پر کہتا ہے ؎

ای شاہ جہان فلک ندانست   آنگاہ کہ بر منم جفا کرد
چون دید مرا بخدمت تو   دانست کہ آن جفا خطا کرد (ص۳۶ دیوان)

دوسری جگہ کہتا ہے :۔

در انتظار رحمت و فضل تو ماندہ ام   ای کردہ روزگار ترا دولت انتظار
داند خدای عرش کہ گیتی قرار داد   کز رنج دل نیابم شبہا ہمی قرار
من بندہ سال سیزدہ محبوس ماندہ ام   جان کندہ ام زمحنت در حبس و در حصار
زین زینہار خوار فلک جان من گریخت   در زینہارت ای ملک زینہار دار
در حبسہای تنگ و خشن ماندہ مستمند   در بندہای سخت بتر ماندہ سوگوار (ص۹۴ دیوان)

اب وہ اپنی بے نوائی اور قرض کے متعلق گویا ہے :-

دارم ہزار دشمن و یکجان و یک تن ۔۔۔ لیکن گذشتہ وام من از ہشتصد ہزار

پیر ضعیف عالم و درویش عاجزم ۔۔۔ بر پیری و ضعیفی من بندہ رحمت آر

گیرم گناہگارم و اللہ کہ نیستم ۔۔۔ نہ عفو کردہ گنہے ہر گنا ہگار

ان گذارشات سے روشن ہے کہ ملک ارسلان کے ساتھ شاعر کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ اس کی بہت توقعات وابستہ ہیں ۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے مسعود کا سال وفات ۵۱۵ھ مانا ہے ۔ ڈاکٹر برخلاف جمہور تقی کاشی کی تقلید میں ۵۲۵ھ لکھتے ہیں ۔ جس کے واسطے کوئی معقول وجہ تو موجود نہیں ۔ بہرام شاہ ۵۱۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے ۔ اس کی مدح میں مسعود نے کل چار قصیدے لکھے ہیں ۔ جن سے قیاس ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے عہد میں ہمارا شاعر دیر تک زندہ نہیں رہا ۔ اسلئے جو لوگ اس کی وفات ۵۱۵ھ میں بیان کرتے ہیں ۔ انکی رائے صحت کے قریب ہے ۔

مقالہ کا جو حصہ مسعود کی شاعری اور اس کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے ۔ ہماری رائے میں نہایت مفید اور قیمتی کارگذاری ہے ۔ اگرچہ اس میں بھی اضافہ کی گنجایش محسوس ہوتی ہے ۔ عروضی نقطۂ نظر سے خواجہ مسعود کے ہاں بعض جدید اوزان ملتے ہیں اور ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں ۔ جن کو ہندی اثرات کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے مثلاً بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ جسے خواجہ نے غزلیات شہوریہ کے نام سے یاد کیا ہے اور غزلیات اسبوعیہ و ایامیہ اور شہر آشوب ۔ نظموں کی یہ قسمیں ۔ سرزمین پنجاب میں فارسی اور ہندی کے روابط کی یادگار ہیں اور فارسی شاعری کے مورخ کے لئے ان کا جائزہ لینا ازبس ضروری ۔ فارسی میں ان نظموں کی روشناسی سے یہ امر تو صاف روشنی میں آجاتا ہے کہ خواجہ مسعود ہندی کی ان اقسام نظم سے یقیناً واقف تھے اور تذکرہ نگاروں کا یہ دعوے کہ خواجہ مسعود نے ہندی میں بھی ایک دیوان یادگار چھوڑا ۔ بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ۔

یہاں ہم ایک پائنٹ کا بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کو پیش آئی۔ تاج ریزہ کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں کہ "تقی اوحدی اور رضا قلی خاں نے انوری کے بعض اشعار تاج ریزہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ مثلاً یہ قصیدہ :۔

افزود باز رونق ہر مرغزار گل　　　چون زیر یافت نالۂ ہر مرغزار گل

حالانکہ دیوان انوری میں موجود ہے۔ تاج کے حوالے کر دیا ہے۔" ص۱۶۰

ہماری رائے میں یہ قصیدہ تاج کا ہے نہ انوری کا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اہل مطبع نے کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ صرف یہی قصیدہ بلکہ تاج ریزہ کے کئی اور قصیدے کلیات انوری میں شامل کر لئے۔ یہ غلطی قدیم ہے اور انوری کے بعض مخطوطات میں بھی موجود ہے۔ تاج کے قصائد زبان کی سادگی و سلاست اور داخلی شہادت کی بنا پر انوری کے کلام سے جس کی خصوصیت تکلف۔ دقت بیان اور حسن ادا ہے۔ بآسانی پہچانے جا سکتے ہیں قصیدۂ بالا التتمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی تعریف میں ہے اور اس کا نام متن میں موجود ہے۔ اسی غیاث الدین کی مدح میں ایک اور قصیدہ ہے جو کلیاتِ انوری میں ص۸۵ پر پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلع ہے :۔

ساقی بیا کہ وقت مے لعل روشن است　　　میدان خاک تیرہ کنون سبز گلشن است

التتمش کا مدحیہ قصیدہ جو ڈاکٹر نے ص۱۵۰-۱۵۱ پر نقل کیا ہے۔ کلیات انوری میں ص۱۳۳ پر مع مطلع موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ کلیات انوری میں دو قصیدے (ص۸۳ اور ص۲۴۷) سلطان رکن الدین فیروز کی تعریف میں اور دو قصیدے (ص۸۷ و ص۱۳۶) نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کی ثنا میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک قصیدے میں شاعر اپنی ہندی نژادی کے متعلق گویا ہے :۔

مولد و منشا ببین در خاک ہندستان مرا　　　نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

(ص۸۹ کلیات انوری)

ایک اور قصیدہ، غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے۔ جب التتمش زندہ ہے:۔

راضی زتو ای رضیۃ الدین ❊ حق قادر ذوالجلال اکرم (ص ۲۸۱ کلیات انوری)

ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس موضوع پر رسالہ اُردو (اپریل ۱۹۲۴ء) میں بحث کی ہے۔ جو ص ۲۲۷ سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں اس مختصر پر قناعت کی جاتی ہے ❊

سنام کا تلفظ فی زمانہ بضم اول ہے۔ قدیم تلفظ بضم اول و تشدید دوم ہے۔ سب سے پہلے اس قصبہ کا ذکر عثمان مختاری کے ایک قصیدہ میں آتا ہے جب مسعود ثالث نے اس پر حملہ کیا ہے:۔

خبر رسید کہ اندر نواحی سُنّام ❊ سر حصاری کو داشت با ستارہ قران

سنام ریاست پٹیالہ کی عملداری میں پٹیالہ سے ۳۴ میل جانب مغرب نظامت کرمگڑھ میں لدھیانہ جاکھل ریلوے پر واقع ہے ❊

تاج ریزہ۔ شہاب مہرہ۔ اور عمید سنامی کے سلسلہ میں تمام ذرائع سے ضروری اطلاع فراہم کر لی گئی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ایک دراز عرصہ تک ان شعرا پر جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔ اس پر جدید اضافہ نہیں ہو سکے گا ❊

یہ بعض اختلافی اور اضافی امور جو ہم نے گذشتہ صفحات میں درج کئے۔ ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی مساعی کی قرار واقعی شناخت سے قاصر ہیں۔ بلکہ یہ مقصد ہے۔ کہ مقالے کی دوسری اشاعت کے وقت ہماری ان گذارشات پر بھی غور کر لی جائے۔

شعرا کا کلام نقل کرتے وقت متن کی تصحیح میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اور پروف تو بڑی عجلت سے پڑھے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ چند مثالیں عرض ہیں:۔

ص ۹ پر النکنی کا شعر ۔ بطراز قد و خرخری زلفین دراز ❊ رستخیز ہمہ خوبان طراز و خزراست

بحالت موجودہ پہلا مصرعہ نہ صرف مہمل بلکہ خارج از وزن ہے۔ وزن کی خاطر ہمیں "بطراز [ی] قدو خر [خیزی] ی زلفین دراز" پڑھنا ہوگا۔ لیکن دوسرے مصرعہ میں 'طراز' اور 'خزر' کا استعمال مقتضی ہے کہ پہلے مصرع میں بھی یہ الفاظ آنے چاہئیں۔ اس صورت میں ہمیں مصرعِ اوّل میں یوں ترمیم کرنی ہوگی ع بطراز [ی] قد [ی] و [آن خزری لف] دراز"

ص۵۱ ۔ انوری کا شعر ؎ وینک ای صورت منصورتہ باغی نہ سرای الخ

مصرع ہذا میں 'منصورتہ' کی جگہ 'منصوریہ' چاہیئے۔ جو شہر طوس کے ایک باغ و عمارت کا نام ہے۔ اس کا ذکر معاصر تاریخوں میں بکثرت آتا ہے۔ انوری نے کئی موقعوں پر اپنے اشعار میں منصوریہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ؎

منصوریہ ہرگزت درآمد بضمیر   کاید بدرت موکب میمون وزیر

تاریخ جہانگشای جوینی (جلد سوم ص۳۴ و ص۱۰۱) میں بھی اس کا مذکور آتا ہے ؎

پروف کی بعض غلطیاں ذیل میں بقید صفحہ و سطر دی جاتی ہیں :۔

صفحہ و سطر	غلط	صحیح	صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۲۲/۷	کہ مسعود	کہ سعد مسعود	۱۵۸/۵	نبات	بنات
۲۲/۸	اشارتی	اشعاری	۱۵۸/۱۶	عطرگر	عطرکز
۱۵/۴	خیرہ ساز	خیرہ سار	۱۵۹/۲	بمن	یمن
۶۱/۴	لطالع	لطالعی	۱۵۹/۳	روی و	رو و لی
۶۲/۱۱	کہ	گہ	۱۶۸/۶	معانی	امانی
۶۳/۴	بیالاید	بپالاید	۱۶۸/۹	گبیرم	نگیرم
۷۷/۱	لهاور	لهانور	۱۶۹/۴	ستائی	ستانی
۱۳۴/۳	برآمد	برآمد [ابد؟]	۱۶۹/۷	شد	شدہ
۱۳۳/۱۲	عناد	عناء	۱۶۹/۹	طبعم	طعم

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۱۷۱/۱	دم کوزۂ	دم کورۂ	۱۹۳/۵	خونین	خونی
۱۷۱/۵	بشببہ	بشبہ	۱۹۴/۴	تیز تر	تیز پر
۱۷۱/۱۲	اول	زاول	۱۹۴/۱۸	سوزلپسر	سوگ لپسر
۱۹۳/۱	چنگ بندد	چنگ وبندو	۱۹۵/۹	میناز و	میسازو؟
۱۹۳/۳	رشک او	رشک چنگ او			

کتاب پر قیمت درج نہیں ۔مصنف سے پٹنہ کالج پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے ؟

"ش"

۲۔ فارسی ادب کی تلمیحات واشارات

برائے امیدواران امتحانات یونیورسٹی از میٹرک تا ایم اے زبان انگریزی

(از جناب زال شہریار رستم ایرانی بی ۔ اے ، ایس ۔ ٹی سی ، مدرس فارسی سینٹ میریز ہائی سکول بمبئی ۱۰)

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ۔ فارسی ادب کی مستعملہ تلمیحات مذہبی ۔ تاریخی وافسانوی مع ضروری تشریح درج ہیں ۔ جن کا جاننا ہر فارسی آموز کے واسطے لازمی ہے جو لوگ انگریزی کے ذریعے فارسی سیکھتے ہیں ۔ ان کے لئے رسالہ ہذا بڑی حد تک مفید ثابت ہوگا ۔ اس کے ترپین صفحات ہیں ۔ جن میں تین سو چودہ تلمیحات کی شرح دی گئی ہے ان میں ایک چوتھائی ایسی ہیں جو مکرر آئی ہیں ۔ اصطلاحات پہلے فارسی خط میں بعدۂ انگریزی خط میں دی ہیں ۔ انگریزی تلفظ میں ہمارے خیال میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ۔ مثلاً ملاء پر مہر گیاہ کو 'meher-e-Gyah' ناقۂ صالح کو 'Naqa-ye-Saleh' اور نامہ سیاہ کو 'Nameh-ye-Siyeh' اور نخشب کو 'Nakh-Shab' قلمبند کیا ہے ۔ بعض اوقات اسی لفظ کے ایک سے زیادہ تلفظ

دیے ہیں۔ مثلاً ص۱ میں سبکتگین کو سبکتگین Sabaktagin اور ص۱۳۹ میں سُبکتگین Subuktagin
تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی بدگمان اعتراض کرے تو زال شہریار رستم صاحب ایرانی کہہ سکتے ہیں
کہ ہم نے دو تلفظ دیئے اور تم دونوں سے مطمئن نہیں۔ اور سچ بھی تو ہے آخر آٹھ آنے میں
جو اس رسالہ کی قیمت ہے اور کتنے تلفظ دیئے جاتے۔ بابل کے متعلق بھی جناب مؤلف نے
اور تسامح سے کام لیا ہے یعنے ص۳۱ میں بابل اور ص۷۵ میں بابُل اور ص۳۰ میں بُابلی کو 'بابلی'
Baboli رقم کیا۔ تلفظ میں ایسا تصرف انگریزی خواں ہندوستانی کیا کم کیا کرتے ہیں پھر ہم
کس منہ سے مؤلف کی جو ایرانی ہیں شکایت کریں ؛

چغلخوری اخلاقی لحاظ سے ایک بدنما عیب ہے مگر تبصرہ نگار ہیں ہنر اسلیئے ہم مبصر کے
اس مبارک وصف یعنے غمازی سے کام لے کر عرض کرتے ہیں کہ صاحب رسالہ کے نزدیک ص۱۶۱ میں
'دم عیسیٰ' اور 'مسیحا دم' ایک دوسرے کے مترادف ہیں ص۱۱۲ میں 'رستم دستان' کو بلا اضافت لکھا ہے مصنف کی
رائے میں جو سفید ہاتھی رستم نے ہلاک کیا تھا وہ بادشاہ کا تھا اگرچہ فردوسی کی روایت سے خود سپہدار زال یعنے
رستم کے باپ کا تھا سہ کہ پیل سپید سپہبد زبند۔ رہا گشت و آمد بمردم گزند۔ اسی طرح اسفندیار مؤلف کے
نزدیک ایران کا بادشاہ ہے حالانکہ تخت ایران کے ارمان ہی میں وہ رستم سے جنگ کرکے مارا جاتا ہے ص۲۹ میں
ایاز کو محمود کا حبشی غلام بتایا ہے اگرچہ ہمیں ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔ اسکے نام ایاز و یاق سے
تو صاف ظاہر ہے کہ وہ ترکی الاصل ہے۔ فرخی سہ امیر جنگجو ایاز اویماق۔ دل و بازوی خسرو روز پیکار
ص۱۳۹ میں سبکتگین کو غزنوی خاندان کا بانی بتایا ہے اگرچہ مورخین الپتگین کو یہ عزت دیتے ہیں ؛

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر اغلاط کی جو سرزد ہوئی ہیں صاحب رسالہ اشاعت ثانی میں
تصحیح کر دینگے۔ ہم نے یہاں رسالہ کی انگریزی کی خامیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے۔ ٹائپ اور چھپائی
اعلیٰ اور آٹھ آنے میں جو اسکی قیمت ہے۔ طالب علموں کے لیئے بے سود از نہیں ؛

ملنے کا پتہ :۔ حاجی آغا شیرازی و فرزندان کتاب فروشان۔ عمر کھاڑی بمبئی ۹

"ش"

۴۔ مکاتیب غالب ۔ بہ اضافہ مقدمہ و حواشی از منشی امتیاز علی صاحب عرشی۔ ناظم کتابخانہ ریاست رامپور (بسلسلہ مطبوعات کتابخانہ رامپور نمبر ۱) مطبوعہ قیمہ بمبئی ۱۹۳۷ء صفحات ۳۲۰ (فہرست مضامین ۲ صفحہ + تقریب ۱۶ صفحہ + دیباچہ ۱۶۷ صفحہ + مکاتیب ۱۲۱ صفحہ + فہرست اشخاص و مقامات و جرائد ۱۱ صفحہ + تصحیح و استدراک ۳ صفحہ) تصاویر علاوہ، قیمت للعہ، مطبوعہ قیمہ بمبئی یا جناب مصنف سے طلب کیا جائے +

دنیا میں شہرت و ناموری کا معاملہ بہ ظاہر بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ جو اپنی زندگی میں اتنے مشہور و ہر دلعزیز تھے۔ کہ کوئی مجلس ادب و شعر ان کے نام کو طراز انعقاد بنائے بغیر عوام کی طرف سے گرمجوشانہ پذیرائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن جب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے تو آہستہ آہستہ ان کی شہرت بھی ختم ہوگئی۔ اور اب ان کے نام صرف تذکروں کے صفحات بڑھانے کا سروسامان ہیں +

چند لوگ ایسے بھی ہیں۔ جن کے لئے زندگی میں ان کی حیثیت و مرتبہ یا تمنّا و آرزو کے مطابق استقبال کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن جب وہ اپنی حیاتِ مستعار کی مقررّہ میعاد کو پورا کر کے موت کی آغوش میں چلے گئے تو ان کے لئے مستقل شہرت و ہر دلعزیزی کے دروازے وا ہوگئے۔ یعنی ان کی آنکھیں بند ہوگئیں تو دنیا کی آنکھیں کھلیں۔ اور ان کے کام کی اہمیّت کا صحیح احساس پیدا ہوا +

مروجات کے پابند لیکن غور کیا جائے۔ تو یہ صورت حالات بالکل قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے دوائرِ علم و عمل کی طرح ادب و شعر کا شیوہ اختیار کرنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بڑا گروہ ایسا ہے جو صرف اپنے ماحول کی عام طلب کا جواب مہیّا کر دینا ہی حقیقی کام سمجھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے عہد اور مقام کے

مروجہ مرغوبات سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ وقت کے بازار میں جس جنس کی خرید زیادہ پاتے ہیں۔ اس کی دکان آراستہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی وہ محض عام رجحانات کی ترجمانی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل قدرتی طور پر ان کے لئے وقتی شہرت کا سامان بن جاتا ہے۔ لیکن جب وقت بدل جاتا ہے۔ رجحانات و مرغوبات میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی حاصل کی ہوئی شہرت بھی مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔

نئے دور کے رہنما اس کے برعکس جو لوگ وقت کے عام مالوفات میں محصور نہیں رہتے۔ بلکہ مذاقِ زمانہ کے ممکنات ارتقا کا صحیح اندازہ کر کے نئے راستے نکالتے ہیں۔ اور اپنے محدود زمان و مکان کی حدوں کو توڑ کر وسیع تر زمان و مکان پیدا کرتے ہیں۔ ان کو طبعاً اپنے عہد میں اتنی شہرت و ہردلعزیزی حاصل نہیں ہوتی جس کے وہ ہر اعتبار سے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن جب زمانہ ترقی کرتے کرتے ان لوگوں کے نتائجِ طبع کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی شہرت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ شہرت و ہردلعزیزی ان کے نتائجِ طبع کی پائداری اور ان کے پیدا کردہ زمان و مکان کی وسعت کے برابر ہوتی ہے

ہندوستان کے اُردو شاعروں اور ادیبوں میں سے غالبؔ کا تعلق اسی آخری گروہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی قدر و منزلت اس کی زندگی سے کہیں بڑھ کر اس کی موت کے بعد شروع ہوئی۔ اور تدریجاً اس میں اضافہ ہو رہا ہے

غالبؔ کا مقام غالبؔ نے خود کہا تھا۔

کوکبم را در عدم اوجِ قبولے بودہ است　　شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

یہ پیشگوئی میرے نزدیک اسی پختہ احساس کا نتیجہ تھی۔ کہ زمانے کا مذاق ضرور بدلے گا۔ اور اس تبدیلی کے بعد لازماً اس کے کلام کی حقیقی اہمیت دنیا پر

پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔ اُردو کے گذشتہ شعراء میں غالبؔ کے سوا کون ہے جس نے اپنے بلند تخیل اور دلکش انداز بیان سے اُردو شاعری کے لئے ایک ایسا جامع اور بدیع سانچہ مہیا کیا۔ جو بعد کے دَور کی تمام ضرورتوں اور تمام تقاضوں کو پورا کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا؟ دنیا کی ترقی رُک نہیں گئی۔ اور خدا جانے بعد کو آنے والی نسلوں کی ضرورتیں کس قسم کی ہوں گی۔ لیکن تصوّر کا نقاش نئی نئی ضرورتوں کے جتنے نقش مہیّا کر سکتا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھ لینے کے بعد بھی کم از کم میرا اندازہ یہی ہے۔ کہ غالبؔ کا کلام (اس سے میرا مقصود وہ کلام ہے۔ جو "غالبیّت" کا صحیح مرقع ہے) کبھی بھی پرانا نہ ہوگا جس طرح مثلاً ذوقؔ یا دوسرے شعراء کا کلام پُرانا معلوم ہونے لگا ہے۔

غالب کی ہر دلعزیزی کے مظاہر غالبؔ کے ساتھ اعتناء و توجّہ کی افزائش کے عملی نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے مختصر سے اُردو دیوان کے کئی نہایت پُرتکلّف ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ دورِ حاضر کے مشہور مصوّر خان بہادر چغتائی کو اپنے کمالِ مصوّری کی نمائش کے لئے کسی جامع اُردو مرقع کی تلاش ہوئی۔ تو ان کی نظرِ انتخاب بھی اسی دیوان پر پڑی۔ جس کے اشعار کی تعداد صرف اٹھارہ سو بتائی جاتی ہے۔ اس دیوان کی اتنی شرحیں لکھی گئیں۔ کہ دُنیا کے صرف معدود شاعروں کے کلام کے ساتھ اس قسم کے شغف کی مثالیں مل سکتی ہیں۔

غالبؔ کی مفصّل سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ اس کے کلام کو بہ اعتبار سنین مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اس کی ایک ایک چیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی اور شائع کی گئی۔ اس سلسلے کی تازہ کڑی "مکاتیب غالب" ہے۔ جس پر سرسری تبصرہ موجودہ مقالہ کا موضوع ہے۔

مکاتیب غالب دربار رام پور کے ساتھ غالبؔ کا گہرا تعلق بارہ برس قائم رہا۔ اس دَور میں اس نے فرمانروایان رام پور کی خدمت میں جو عرائض بھیجے۔ وہ

شاہی دارالانشاء میں محفوظ تھے۔ اعلیحضرت فرمانروائے رام پور کی علم نوازی اور ان کے قابل وزیر اعظم جناب بشیر حسین صاحب زیدی کی توجہ فرمائی سے غالب کے تبرکات کا یہ گرانبہا ذخیرہ ستر پچھتر برس کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ کتابخانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب امتیاز علی صاحب عرشی نے اسے انتہائی کاوش و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اور اس پر ایک مبسوط و مفصّل دیباچہ رقم فرمایا ہے۔ کتاب ٹایپ میں چھپی ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ طباعت کی دیدہ زیبی کے اعتبار سے اوّل درجے کی اُردو کتابوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

کتاب کی عام کیفیت | پوری کتاب کے صفحات قریبًا سوا تین سو ہیں۔ ایک سو تراسی ۱۸۳ صفحے کا دیباچہ ہے۔ ایک سو اکیس ۱۲۱ صفحوں میں غالب کے مکاتیب آئے ہیں۔ جن کی کل تعداد ۱۱۷ ہے۔ آخر میں تین انڈکس ہیں۔ ایک رجال و افراد کے متعلق۔ دوسرا مقامات کے متعلق اور تیسرا کتب و جرائد کے متعلق، چار عکس ہیں۔ ایک غالب کا۔ دوسرا فردوس مکان نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کا تیسرا خلد آشیان نواب کلب علی خان بہادر کا۔ چوتھا عکس غالب کے ایک خط کا ہے۔ کتاب پر مبسوط حواشی ہیں۔ جن میں مکاتیب غالب کے ہر مبہم یا کم واضح پہلو کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ خود فرمانروایان رام پور کے بعض جوابی مکاتیب کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ تاکہ غالب کی متعلقہ تحریر کے مفہوم کا کوئی پہلو بھی مخفی نہ رہے۔ اور اس کی بعض گزارشات کے ضمن میں دربار کی طرف سے جو انتظامات ہوئے۔ وہ بھی سامنے آ جائیں۔

مکاتیب کی تفصیل | غرض کتاب نہ محض اسی اعتبار سے قابل قدر ہے۔ کہ یہ غالب کی غیر مطبوعہ تحریرات کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کلام غالب کے بعض غیر مطبوعہ فارسی اور اُردو قطعات بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی قابل قدر ہے۔ کہ اِس میں ترتیب و تہذیب کا ایک بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس

میں غالبؔ کے کل ایک سو سترہ مکاتیب ہیں۔ جن کا اجمالی مرقع درج ذیل ہے:۔

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	کیفیت
نواب یوسف علی خان ناظم مرحوم	۴۲	پانچ فارسی ہیں باقی سب اردو میں
نواب کلب علی خان مرحوم	۶۵	ایک فارسی ہیں باقی سب اردو میں
نواب زین العابدین خان عرف کلن میاں	۲	اردو میں
میر منشی رام پور	۶	"
خلیفہ احمد علی صاحب احمد رام پوری	۱	"
مولوی محمد حسن خان صاحب مالک مطبع	۱	"

کتاب کی عام حیثیت کے اس سرسری بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تبرکات غالب کے اس نئے گنجینہ کی علمی و ادبی حیثیت کے متعلق بھی چند گزارشات پیش کر دی جائیں ؛

خطوط غالب کی خصوصیات | غالبؔ کے مکاتیب کی خصوصیات کے استقصاء کا یہ موقع نہیں۔ لیکن چند خصوصیات عام طور پر نمایاں ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) غالب کا انداز نگارش و انشاء بے حد دلکش۔ بدیع اور بے تکلف ہے۔ اس کی کوئی مثال اس سے پیشتر کے ادیبوں یا اس کے معاصروں میں نہیں ملتی۔ اس کے بعد کے اکابر علم و ادب کے خطوط کے جو مجموعے چھپ کر ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں سے بھی کسی کا انداز نگارش دلربائی میں غالبؔ کے برابر نہیں پہنچتا۔ غالبؔ کے زمانے تک مقفےٰ نثر کا عام دستور تھا۔ لیکن اس میں بڑے تکلفات سے کام لیا جاتا تھا۔ آج ان عبارتوں کو پڑھا جائے تو وہ حد درجہ الجھی ہوئی اور بے مزہ معلوم ہوں گی۔ غالبؔ کے ہاں بھی جابجا مقفےٰ نثر موجود ہے۔ لیکن اتنی دلکش ہے کہ گویا دوران نگارش میں بغیر کسی عزم و اہتمام کے خود بخود قافیے پیدا ہو گئے ؛

(۲) غالبؔ کے مکاتیب میں اس کے عہد کے مختلف حالات کا جو ذخیرہ

موجود ہے۔ وہ کسی دوسرے ادیب ونثر نگار کی تحریرات میں نہیں ملتا ؛

(۳) غالبؔ کے مکاتیب میں خود اس کی زندگی کے حالات کا بہت بڑا مواد موجود ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ غالب کے خطوط نہ تو اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ اس عہد کا تاریخی یا معاشرتی مرقع مرتب ہو جائے اور نہ ان خطوط کا مقصود یہ تھا کہ آئندہ چل کر یہ غالبؔ کے سوانح حیات کے ماخذ بن جائیں۔ لیکن غالبؔ کا اسلوب بیان ایسا ہے۔ کہ وہ بے تکلف اپنا اور اپنے ماحول کا نقشہ جا بجا پیش کرتا جاتا ہے ؛

(۴) غالبؔ کے مکاتیب میں علمی نکات کا کافی ذخیرہ موجود ہے ؛

مکاتیب غالب کی حیثیت "مکاتیب غالب" کے بیشتر خطوط ایسے ہیں۔ جن کو محض رام پور والے مستقل وظیفے یا موقت عطیات کی رسیدیں سمجھنا چاہیئے بعض خطوط ایسے ہیں۔ جن میں غالبؔ نے اپنی ضروریات پیش کی ہیں۔ لیکن بقیہ خطوط غالبؔ کے انداز تحریر کی محولہ بالا خصوصیات کا بہت اچھا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی ان میں علمی نکات بھی ہیں۔ غالبؔ کے حالات کے متعلق بھی مواد موجود ہے۔ اس کے عہد کے بعض معاشرتی اور دوسرے پہلو بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر خطوط میں اس کا دلکش انداز نگارش بھی قائم ہے۔ اس وجہ سے خطوط غالبؔ کا یہ نیا ذخیرہ بلاشبہ قابلِ قدر ہے۔ افسوس کہ میں قلت فرصت کے باعث تمام خصوصیات کی مثالیں پیش نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ؛

خلعت غالب کی تفصیل غالبؔ کی مطبوعہ تحریرات میں خلعت کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل اب تک صرف اس قدر معلوم تھی۔ کہ جیغہ سرپیچ اور مالائے مروارید کے علاوہ "سات پارچے" ملا کرتے تھے۔ "مکاتیب غالب" کے ایک خط سے ان سات پارچوں کی تفصیل پہلی مرتبہ معلوم ہوتی ہے۔ یعنی:۔

(۱) کمخواب کا ایک تھان (۲) بنارسی تھان سنہری بوٹوں والا (۳) بنارسی سیلا (۴) الوان

کی چادر کنارہ کلابتون (۵) کناوریز کاتھان (۶) الوان کی چادر بے کنارہ (۷) دوشالہ ۔

مکاتیب کا دیباچہ | حواشی کے علاوہ "مکاتیب غالب" کا دیباچہ بڑا جامع اور فاضلانہ ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلو صرف رام پوری مکاتیب کی بناء پر بیان کئے گئے ہیں۔ دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالب کی وفات کے قریب اس پر آٹھ سو روپے کی رقم بہ طور قرض موجود تھی۔ جس کے اتارنے کے لئے وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں چند مرتبہ فرمانروائے رام پور کی بارگاہ میں درخواستیں پیش کر چکا تھا اور غالب کی وفات کے بعد اس کی بیگم صاحبہ نے جہاں اپنے گزارے کے لئے دربار رام پور میں درخواستیں بھیجیں۔ وہاں اس آٹھ سو روپے کی رقم کے لئے بھی چند مرتبہ عرض کیا۔ یہ درخواستیں بھی دارالانشاء میں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکار انگلشیہ نے غالب کی وفات کے بعد اسکے وظیفہ کی رقم اسکے متبنے حسین علی خان (ابن زین العابدین خان عارف) کے نام منتقل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور بیگم صاحبہ کو اس شرط پر ماہوار بیس روپے کی رقم دینی منظور کی تھی۔ کہ وہ کچہری میں پہنچکر اسے وصول کیا کریں۔ لیکن بیگم صاحبہ نے اس سے انکار کر دیا۔ فرمانروائے رام پور نے بیگم صاحبہ کی درخواستوں کے جواب میں نواب مرزا خان داغ کو زبانی حکم دے دیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس حکم کا مفاد کیا تھا ۔

بعض مسامحات | بہرحال "مکاتیب غالب" مختلف اعتبارات سے غالب کے متعلق لٹریچر میں بڑا قیمتی اضافہ ہے لیکن یہ گزارش غالباً غیر مناسب نہیں سمجھی جائے گی کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں فاضل مرتب سے بعض مسامحتیں بھی سرزد ہو گئیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کتاب کے وقت غالب کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کا وہ مجموعہ ان کے پیش نظر نہ تھا جو "سبد چین" کے نام سے کلیات کے بعد چھپا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "سبد چین" کے مجموعہ کی بعض نظموں کو غیر مطبوعہ قرار دیا گیا ہے یا "مکاتیب" کے صفحہ ۴۲ کے حاشیہ میں نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کے غسل صحت

کے متعلق چھ شعر کا جو قطعہ تذکرہ "انتخاب یادگار" کے حوالے سے درج ہے۔ اس کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے کہ اس میں سے ایک شعر ساقط ہے حالانکہ "سبد چین" میں یہ قطعہ چھپا ہوا موجود ہے اور اس کے اشعار چھ یا سات نہیں۔ بلکہ پینتیس ۳۵ ہیں۔ بعض اور مسامحتیں بھی ہیں لیکن ان سے کتاب کی قدر و قیمت یا فاضل مرتب کی محنت، دیدہ ریزی اور کمال ترتیب و تحشیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ انکی یہ سعی ہر اعتبار سے مستحق احترام ہے۔ **غلام رسول مہر بی اے،**

۴۔ فہرس کتب خانہ سٹی کالج۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ء

یہ سٹی کالج حیدرآباد دکن کی عربی فارسی اور اُردو کتابوں کی ایک اجمالی فہرست ہے۔ جسے جناب غلام رسول صاحب مددگار گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد نے مرتب کیا ہے جیسا کہ فہرست نگار نے اپنے دیباچہ میں وضاحت کی ہے اس کتب خانہ کی کتابوں کی "ترتیب" کومن "تقسیم" کے مطابق ہے۔ یہی اصول کار اس فہرست کی ترتیب میں بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اُردو کتابوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سرسری طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے مرتب کی محنت قابلِ داد ہے لیکن افسوس ہے کہ "ذیلی تقسیم" میں تاریخ اشاعت و طباعت کے تقدم و تأخر کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مزید براں جابجا غلطیاں بھی نظر آتی ہیں جن میں سے بعض کو کاتب کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آغانی (بجائے اغانی) فہیانی (بجائے ذُبیانی) الشمعی (بجائے الشہی)، وجاہت شاداں (بجائے وجاہت شادانی) الشرقونی (بجائے الشرنونی) وغیرہ وغیرہ۔ امید ہے کہ مرتب کی محنت کی قدر کی جائے گی۔

سید محمد عبداللہ

اسماء شعرا

جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت فروری ۱۹۳۶ء)

فہرست اسمائے شعرا

جن کے

اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج

ہوئے ہیں

عرضِ حال

لسان العرب[1] عربی زبان کی ضخیم اور بغایت مفید کتاب ہے۔ مؤلف نے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے بہت سے الفاظ کے استعمال کی سند اشعار، محاورات اور قرآن وحدیث سے پیش کی ہے۔ اس سلسلے کی اہم کڑی شاعروں کے نام اور ان کے اشعار ہیں اور یہ اس لئے کہ اس شعبۂ ادب کا اکثر حصّہ تو حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گیا، اور جو بچ گیا وہ مختلف کتابوں میں کچھ اس طرح بکھرا ہُوا ہے کہ اس کا جمع کرنا بہت دشوار ہے۔ "لسان العرب" اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ بہت سے شاعروں کے نام جو دیگر کتب میں نہیں ملتے "لسان العرب" میں موجود ہیں، اسی طرح اکثر اشعار۔

یہ کتاب ۱۳۰۰ھ میں بیس ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی۔ جن شعرا کے اشعار شواہد کے طور پر درج ہوئے ہیں۔ ان کی اور قوافی کی فہرست اس سے پہلے مرتب نہیں ہوئی۔ اس لئے استاذ مکرم پرنسپل محمد شفیع صاحب کی تجویز کو انہی کے زیرِ ہدایت میں نے عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کام کو شروع کر دیا۔ فہرست شعرا کو مکمل کر لیا ہے۔ اور اس کو باقساط ہدیہ ناظرین کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فہرست قوافی کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) پورا بیت (۲) مصرع۔ یہ بھی التزام کیا گیا ہے۔ کہ شعر کا بحر بھی ساتھ بتلا دیا جائے۔ یہ فہرست اب زیرِ تالیف ہے۔

عبد القیوم

میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ

---

[1] فاضل مؤلف جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم الافریقی المصری المعروف بابن منظور (۶۳۰ — ۷۱۱ھ مطابق ۱۲۳۲ — ۱۳۱۱ء) کے مفصل حالات کے لئے درر کامنہ: ابن حجر، حسن المحاضرہ اور بغیۃ الوعاۃ: سیوطی، شذرات الذہب: ابن عماد، وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

مئی ۱۹۳۷ء

فہرس اسماء الشعرا

ذیل میں "لسان العرب" کے اُن شعرا کی فہرست درج کی جاتی ہے جن کے اشعار کے ساتھ مؤلف نے ناموں کا بھی ذکر کیا ہے۔

نوٹ: (۱) خط کشیدہ ہندسے یہ ظاہر کرتے ہیں۔کہ اس صفحہ پر شاعر کا نام ایک سے زائد مرتبہ مذکور ہے (۲) (؟) یہ نشان مشکوک مقامات ظاہر کرتا ہے۔

ا

الأحمر **٤**: ١١٦، **٦**: ٣٣٩،

ابن احمر (هو عمرو بن احمر) الباهلی **١**: ١١٨، ١٤٥، ١٧٠، ٢٠٣، ٢٥٥، ٢٨٦، ٣٥٤، ٣٩٢، ٤١٥، ٤٢٧، **٢**: ٣٦، ٧٢، ٩٧، ٢٤٠، ٢٧٧، ٢٨٩، ٣٠٧، ٣٤١، ٤٤٣، ٤٥٥، ٤٧٦، **٣**: ٧١، ٨٥، ٩٦، ١٧٠، ٢١١، ٢١٨، ٢٦٣، ٣١٦، ٣٢٩، ٣٦٢، ٣٨٣، ٣٩٦، ٤٢٣، ٤٧٦، **٤**: ٥٠، ٨٠، ١٠١، ١٦١، ١٩٦، ٢٦٥، ٣٥٢، ٣٩٥، ٤١٣، ٤٢١، ٤٣٠، ٤٤٦، **٥**: ٢٤، ٣٥، ٤٤، ٥٩، ١١٣، ١٣٣، ١٨٣، ٢٠٧، ٢١٨، ٢١٩، ٢٢٩، ٢٣٣، ٢٣٤، ٢٩١، ٢٩٣، ٢٩٨، ٣١٢، ٣٤٠، ٣٦٥، ٣٦٨، ٣٧٠، ٣٩٤، ٤٠٥، **٦**: ٤٤، ٤٦، ٨٩، ٩٤، ١٤٢، ٢٢٧، ٢٢٨، ٢٣٢، ٢٤٢، ٢٥٢، ٢٥٥، ٢٦١، ٢٨٣، ٢٨٤، ٢٩١، ٣٢٨، ٣٩٨، ٤٢٤، ٤٢٦، **٧**: ٤٩، ٥٥، ٥٧، ٧٢، ٧٧، ١٤٣، ٢١٢، ٢١٤، ٢٣٨، ٢٤٣، ٣١٣، ٣٢١، ٣٢٩، ٣٥٨، ٣٨٣، **٨**: ١٦، ١٨، ٩٢، ١٠٧، ١٠٨، ١١٢، ١٧٨، ٢٠٤، ٣٢٦، ٣٨١، **٩**: ١٥، ٤٢، ٤٩، ٧١، ١٤٥، ١٦٨، ٢٠٢، ٢٣٧ (؟)، ٢٩٣، ٢٩٨، ٣٦٥، ٣٨١، ٤٢٧، ٤٤٢، ٤٨٤، **١٠**: ١٤، ٣٩، ٥٢، ٦٨، ١٦٥، ٢٠٠، ٢٢٥، ٢٤٨، ٢٨٧، ٣٥٥، ٣٦٢، **١١**: ٢، ٥٨، ١٠١، ١١٧، ١٢١، ١٨١، ١٩٨، ٢١٢، ٢٥٩، ٢٦٤، ٢٨٤، ٢٩٥، ٢٩٦، ٣٧٨، ٤٢١، **١٢**: ٨٠، ٨٤، ٨٨، ٩٤، ٩٦، ١١١، ١٥٠، ١٧١، ٢٤٣، ٢٦٦، ٣٨٤، ٤٠١، **١٣**: ٧٠، ٧٩، ٨٣، ١٠٧، ١٢٣، ١٤٠ (؟)، ١٨٢، ١٩٧ (؟)، ٢٤٠، ٢٤٥، ٢٤٦، ٢٦٢، ٣٠٤، ٣٠٨، ٣٠٩، ٣٢١، ٣٢٤، ٣٥١، ٣٦٣، ٣٦٨، **١٤**: ٥٧، ٨٣، ١٨٢، ٢١٣، ٢١٩، ٢٣١، ٢٣٣، ٢٣٨، ٣٢٩، ٣٣٩، **١٥**: ١٧، ٣٩، ١٠٧، ١٥١، ٢٣٥، ٢٣٦، ٢٤٢، ٢٥٥، ٣٣٣، ٣٦١، **١٦**: ٢٤، ٩٧، ١٥٢، ١٥٣، ٢٤٠، ٢٤٧، ٢٥٣، ٢٧٥، ٢٨٣، **١٧**: ٢، ٩، ٣٣، ١٠٢، ١٥٤، ١٩٧، ٢٠٥،

أبو الأخزر الحِمّانيّ (اسمه قتيبة) **٦**: ٤٢٨، **٧**: ٦٨، **٩**: ٣٠٦، **١٥**: ١٣٤، ٤١٦، **١٦**: ١١٠، ١٣٨، ٢٦٠، **١٧**: ٢٢٨؛

أبو أخزم الطائي **١٣**: ٤١٣، **١٥**: ٦٧،

الأخزم بن قارب الطائي **١١**: ٣٥٢ (؟)،

أخضر بن عبّاد المازني الجاهلي **١٥**: ١٣؛

الأخضر بن هُبيرة الضبّي **٣**: ٢٥٢، **٩**: ٢١٨،

الأخطل (هو غياث بن غوث) **١**: ٨٥، ١٤١، ١٥٨، ١٨٠، ٢٢٢، ٣٣٣، ٣٤٧، ٤٠١، ٤٢٨، ٤٣٥، ٤٦٦، ٤٦٧، ٤٧٦، **٢**: ٤، ١٠٠، ١١٥، ٢٠٠، ٢٠٣، ٢١٦، ٢٧٨، ٢٩٥، ٣٣٠، ٣٣٣، ٤٠٥، ٤٥٧، ٤٦٧، **٣**: ٩٣، ١٥٦، ١٧٣، ٤٢١، ٤٣٤، ٤٤٥، ٤٥٠، ٥٠٠، **٤**: ٧٤، ٩٢، ١١١، ١٢٩، ١٥٣، ٣١٣، ٣٢٧، ٣٥٦، ٣٥٧، ٤٠٥، ٤٣٥، ٤٥٢، **٥**: ٥، ٢٨، ٦٧، ١٥٧، ١٧٠، ١٧٤، ١٨٠، ٢٠٨، ٢٢٢، ٢٢٨، ٢٤١، ٢٤٧، ٢٦٩، ٣٤٦، ٣٧١، ٤٠٧، **٦**: ٢، ٨، ٣٣، ٣٤، ٣٥، ٥١، ٦١، ٨١، ٩١، ١١٢، ١٢٥، ١٤٧، ١٤٩، ١٥٢، ١٥٥، ١٦٤، ٢١٩، ٢٢٢، ٢٢٧، ٢٢٨، ٢٣٣، ٢٣٤، ٢٤٠، ٣٤٥، ٣٦٠، **٧**: ١٥، ٢٦، ٣٩، ٤٥، ٤٨، ٦٠، ١١٨، ١٤٨، ١٧١، ٢٢٢، [illegible]، ٢٥١، ٢٥٢، ٢٧٦، ٢٨٠، ٢٩٢، ٤١٠، ٤١٤، ٤١٩، ٤٢٤، ٤٣٤، **٨**: ١٣، ١٦، ٣٥، ٣٦، ٧٣، ١٣٥، ١٧٩، ٢٢٢، ٢٩٧، ٣٠٠، ٣٠٨، ٣٨٢، ٣٩٨، **٩**: ١٧٥، ٢٠٥، ٢٥٨، ٣٣١، ٣٦٥، ٣٩٤، ٤١٧، ٤٤٩، [illegible]، **١٠**: ٤٨، ٦٩، ٨٣، ٢٣١، ٢٨٥، ٣٣٨، ٣٣٩، ٤١٩، **١١**: ١٨، ٧١، ٧٥، ١٣٤، ١٦٥، ٣٢١، ٤٢٣، **١٢**: ١٢، ٢٠، ٢٢، ٣٤، ٥٢، ٥٥، ٥٧، ٧٨، ٩٨، ١٣٣، ١٤٦، ١٥٣، ٢٣٤، ٢٤٥ (؟) ٢٥٠، ٢٦٢، ٣٠٤، ٣٤٧، ٣٥٣، **١٣**: ٥٦، ٨٥، ٩٣، ١٤٦، ١٦٩، ١٧٥، ١٩٥، ٢٧٩،

لسان ۲/۱ ناغصة، معجم الشعرا بالعین

الاسدی **۴**: ۱۸۹، **۸**: ۱۵۲، **۹**: ۲۷۶(؟)، **۱۰**: ۸۸، **۱۳**: ۱۰۷(؟)، ۱۱۷،
۳۹۹، **۱۷**: ۲۱۱، **۱۸**: ۲۲۲، **۲۰**: ۱۰۴، ۲۸۳؛
الاَسْعَر الجُعْفِیّ **۶**: ۳۲، **۱۳**: ۳۰۱، **۱۶**: ۲۵۴، **۲۰**: ۲۵۴؛
الاَسْعَر بن حُمْران **۱۵**: ۲۸۶ (؟)؛ (نیز ملاحظہ ہو الاسعر الجعفی)
ابن الاَسْلَت — ملاحظہ ہو ابوقیس بن الاَسْلَت السَّلَمِی
الاَسلع بن قِصاف الطُّہَوِیّ **۱۴**: ۳۲۸؛
اَسْمَاء بن خارجة **۱**: ۴۸، **۷**: ۳۱۵، **۱۱**: ۱۱۲، **۱۳**: ۶۶، ۲۷۰، **۱۴**: ۲۱۲،
۱۹: ۱۵۴؛
ابو اسماء بن الضَریبَة **۱۴**: ۳۶۰، ۳۶۱ (؟)؛
الاسود (؟) **۹**: ۳۹۴، ۴۳۱، **۱۰**: ۹۰، ۴۴۵، **۱۴**: ۲۶۳؛
ابو الاسود **۲**: ۶۷، **۳**: ۲۱۷، **۷**: ۱۳۷، **۱۳**: ۷، ۲۶۷، ۴۷۴، **۱۷**:
۲۵۸، **۱۹**: ۴، ۱۷۶؛
ابو الاسود الاسدی **۱۳**: ۷۲؛
ابو الاسود الدُّؤَلِیّ **۲**: ۳۵۴، **۵**: ۲۳۲، **۷**: ۴۲۴، **۹**: ۳۲۷، **۱۰**:
۲۶۳، **۱۱**: ۳۷۷، **۱۲**: ۱۶۵، **۱۳**: ۲۸۲، **۱۷**: ۱۶۸، ۲۵۳، **۱۸**:
۲۳۳، **۱۹**: ۱۵۱، ۳۷۱؛
ابو اسود العِجْلِیّ **۳**: ۱۰۴، ۴۷۰، **۸**: ۲۷۳، ۳۱۶(؟)، **۱۰**: ۹۸، **۱۱**: ۶۷،
۱۳: ۴۳، ۱۰۳، ۳۹۷، **۱۵**: ۳۱۷، **۱۷**: ۳۵، **۲۰**: ۱۴؛
الاسود بن عُمارة النَّوْفلیّ **۱۵**: ۲۹۳؛
الاَسْوَد بن یَعْفُر **۱**: ۱۳۰، ۱۶۸، ۳۷۳، **۲**: ۲۱۳، ۳۰۱، **۳**: ۱۳۰، **۴**: ۹۷،

۱۴۴، ۱۹۴، ۲۰۸، ۲۹۴، ۳۱۵، ۳۳۰، **۵**: ۱۵۶، **۷**: ۹۰، ۹۲،
۳۸۳، **۸**: ۱۲۶، **۹**: ۶۶، ۱۹۶، ۲۰۵، **۱۰**: ۱۷۳، ۴۴۳، **۱۱**:
۱۴۵، ۲۷۲، ۳۰۰، ۳۲۵، **۱۲**: ۳۷، ۱۶۶، ۲۵۹، ۳۲۹، ۳۹۶،
۱۳: ۱۷۲، ۴۲۰، **۱۴**: ۱۱۱، ۱۴۴، ۲۴۲، ۳۷۱، ۸۷، ۳۷۸، **۱۵**: ۱۹۳،
۲۳۸، **۱۶**: ۷۴، ۱۹۱، ۱۹۲، **۱۷**: ۲۰۳، ۴۳۹، **۱۸**: ۲۶، ۴۴،
۲۷۱، **۱۹**: ۴۸، ۱۹۶، **۲۰**: ۳، ۱۹، ۲۶، ۶۶، ۱۰۵، ۲۶۴، ۲۷۱؛
(نیز ملاحظہ ہو۔ ابن لَجُفر)

أُسَیْد بن الحَلاحِل **۴**: ۲۷۴؛
أُسَیْد بن عَنْقاء الفَزارِی **۱۵**: ۲۰۵؛
ابو اُسَیْدَة الدُّبَیری **۷**: ۱۵۹؛
الاَشْتَر النَّخَعی **۷**: ۴۱۸؛
الاشجع السُّلَمِی **۵**: ۳۲؛
الاَشجَعِی **۱**: ۲۲۴، **۲**: ۸۵؛
اَشْرَس بن بَشّامَة الحَنظَلی **۲**: ۹۸؛
الاَشْعَر الجُعْفی **۳**: ۱۷۱؛ **۴**: ۲۷۰، ۳۶۱، **۸**: ۱۹۱، **۱۲**: ۱۳۲(؟)؛
(نیز ملاحظہ ہو الاسعر الجعفی)
الاَشْعَر الرَّقبان الاسدی **۴**: ۲۳، **۶**: ۱۵۸؛
الاشعری الجعفی — ملاحظہ ہو الاشعر الجعفی
الاَشْهَب بن رُمَیْلَة **۳**: ۱۷۳، **۴**: ۱۲۲، **۱۷**: ۱۹۹، **۱۸**: ۲۵۹، **۲۰**: ۱۲؛
الاشیم بن معاذ بن سنان (المعروف بالافرع) **۱۰**: ۱۴۲؛
الاصبغ **۱۷**: ۳۸۱؛

الاصمعی **۳**: ۱۸، **۴**: ۳۵۲، **۷**: ۴۲۲؛

الاَضْبَط بن قُرَیع (بن عوف) السَّعْدی **۳**: ۳۸۱، **۱۴**: ۲۸۴، **۲۰**: ۱۴۹؛

ابن الإطْنابَة **۳**: ۳۳۱، **۱۹**: ۱۵۵؛

أُطَیط **۱۳**: ۱۲؛

الاعرج الطائی **۵**: ۶۲؛

الاعرج المغنی **۴**: ۱۲۲؛

الاعز بن مانوس **۱۵**: ۲۵۴؛ (معجم الشعراء الاعز)

الاعشی **۱**: ۲۵، ۲۷، ۵۷، ۶۳، ۶۴، ۱۲۶، ۱۶۴، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۵۴، ۲۸۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۸۹، ۴۳۷، ۴۴۱، ۴۵۱، ۴۷۰، ۴۹۱، **۲**: ۸، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۲۰، ۳۰، ۴۹، ۵۵، ۶۴، ۶۵، ۱۲۵، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۱، ۲۰۵، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۳۳، ۲۵۶، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۱، ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۳۰، ۳۳۷، ۳۵۴، ۳۷۵، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۳۷، **۳**: ۶، ۱۴، ۳۰، ۳۵، ۵۴، ۶۵، ۷۶، ۸۰، ۹۳، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۸، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۷۲، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۹، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۸، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۶۵، ۴۷۲، ۴۷۴، **۴**: ۷، ۵۴، ۵۷، ۶۴، ۶۹، ۸۰، ۸۵، ۹۲، ۹۷، ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۹۴، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۶۸، ۲۸۲، ۲۹۸، ۳۱۴، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۵۷، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۶، ۴۲۴،

۴۳۲، ۴۳۴، ۴۸۰، **۵**: ۲، ۲۴، ۲۵، ۵۵، ۵۶، ۶۱، ۶۲، ۷۱، ۷۳، ۷۶،
۸۲، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۹۶، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۷۸،
۱۷۹، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۱۷، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۴۵، ۲۴۹،
۲۵۵، ۲۶۱، ۲۸۶، ۲۹۲، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۷۸، ۴۱۸، ۴۲۳،
۴۲۵، **۶**: ۸، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۴۷، ۵۸، ۹۳، ۹۶، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۳۰،
۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۸۳، ۲۰۵، ۲۱۶، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۶۶، ۲۷۸،
۲۸۳، ۲۹۴، ۲۹۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۳۹، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹ (؟)، ۳۷۹،
۳۸۵، ۴۰۰، ۴۱۰، ۴۲۶، ۴۳۳، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۵۱، **۷**: ۱۱، ۱۳، ۱۷، ۱۱،
۳۴، ۳۷، ۴۷، ۶۰، ۶۱، ۷۰، ۷۱، ۸۴، ۹۱، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۵، ۱۵۰،
۱۵۴، ۱۶۲، ۱۷۷، ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۷۷، ۲۸۵،
۳۱۳، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۷۱، ۴۱۲، **۸**: ۲۷، ۳۱، ۷۳، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۱، ۱۵۸، ۲۱۵،
۲۲۵، ۲۵۷، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲،
۳۱۰، ۳۱۵، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۳،
۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۶۶، ۳۶۸، ۴۰۸، **۹**: ۸، ۳۴، ۴۲، ۴۷، ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۸۲،
۱۱۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۴، ۱۶۶، ۱۷۵، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۹۴، ۲۰۰، ۲۱۲، ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۵۸، ۲۶۵، ۲۸۶،
۳۱۴، ۳۳۷، ۳۴۶، ۳۸۱، ۳۸۵، ۳۹۷، ۴۳۳، ۴۴۲، ۴۵۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۷۴،
۴۷۹، **۱۰**: ۶، ۱۲، ۳۸، ۵۰، ۵۴، ۵۵، ۵۹، ۸۸، ۹۰، ۹۳، ۹۹، ۱۲۱، ۱۲۸،
۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۵، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۵،
۳۰۰ (؟)، ۳۴۷، ۳۵۵، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۳، ۳۹۲، ۳۹۳،
۳۹۹، ۴۱۵، ۴۲۹، ۴۴۲، ۴۶۴، **۱۱**: ۲۲، ۲۴، ۴۷، ۴۸، ۸۹، ۹۴،
۱۱۲، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۱، ۲۰۳،

۲۰۴، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۸۳، ۲۸۶، ۲۸۸، ۳۰۷،
۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۴، ۳۱۵ (؟)، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۵۰، ۳۶۵، ۳۷۹،
۳۷۸، ۳۸۵، ۳۸۸، ۴۰۶، ۴۱۵، ۴۲۱، ۴۲۵، **۲**: ۴، ۱۲، ۲۲، ۲۶،
۲۷، ۳۱، ۴۴، ۴۵، ۵۲، ۶۱، ۷۱، ۷۷، ۸۱، ۹۰، ۹۳، ۹۵، ۱۰۷، ۱۲۳،
۱۲۴، ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۵۷، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳،
۱۹۹، ۲۴۷، ۲۶۴، ۲۷۸، ۲۸۶، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۵،
۳۳۰، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۷۱، ۳۹۶، **۳**: ۶، ۸، ۱۴، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۳۵، ۳۸،
۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۵، ۵۲، ۵۷، ۶۸، ۸۰، ۹۱، ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۴۳،
۱۴۴، ۱۵۴، ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۹۱، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۴۴، ۲۷۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۲۱، ۳۳۲،
۳۳۳، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۸۵، ۳۹۹،
۴۰۰، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۱۰، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۶،
۴۶۷، ۴۶۸، ۴۷۳، ۴۸۱، ۴۹۷، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۱۵، **۴**: ۲۵، ۲۷،
۳۰، ۴۱، ۵۱، ۵۶، ۶۰، ۶۹، ۸۲، ۸۷، ۹۴، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۳۸،
۱۴۱، ۱۵۷، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۷، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۱۶، ۲۲۵،
۲۵۳، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۴، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۳، ۳۱۸، ۳۳۵،
۳۴۳، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۷۹، **۵**: ۵، ۶، ۹،
۱۰، ۱۲، ۱۶، ۳۱، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۸،
۷۷، ۸۴، ۸۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۵،
۱۸۴، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۷۶، ۳۰۲، ۳۰۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۳۲،
۳۵۴، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۹۹، ۴۱۰، **۶**: ۳، ۵، ۹، ۵۲، ۵۵،

۵۸، ۷۴، ۷۸، ۹۷، ۹۹، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۲،
۲۱۳، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۳، ۲۶۴،
۲۶۸، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۷، ۳۰۲، ۱۷: ۵، ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۲۲، ۱۳۲، ۱۶۶،
۱۷۵، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۳۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۷۰، ۲۹۷،
۳۰۳، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۹، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۹، ۳۵۰،
۳۶۲، ۳۶۸، ۳۹۰، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۳۴، ۴۶۰، ۴۶۲، ۱۸: ۱۸،
۳۶، ۴۶، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۸۶، ۸۹، ۱۰۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۷۳، ۱۷۹، ۱۹۹،
۲۰۵، ۲۱۹، ۲۲۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۱۹: ۱۵، ۳۲، ۴۸، ۶۳، ۶۷،
۶۸، ۶۹، ۷۴، ۸۳، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۸۵، ۱۹۵، ۱۹۸، ۱۹۹،
۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۱، ۳۰۶، ۳۴۱، ۳۵۱، ۳۵۸،
۳۶۰، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۳، ۲۰: ۲۰، ۳۴، ۷۳، ۹۶، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۳۱،
۱۴۰، ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۸۹، ۲۰۴، ۲۱۸، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۵۱، ۲۶۳،
۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۸، ۲۹۰، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۷۵،
۳۷۶؛

اعشی باهِلَة ۱: ۱۸۰، ۲: ۱۲، ۴۶۳، ۵: ۱۴، ۱۴، ۶: ۱۶، ۱۳۱، ۱۳۱، ۲۸۳، ۳۳۵،
۴۲۳، ۷: ۲۰۰، ۹: ۱۵۶، ۳۹۷، ۱۰: ۲۸۴، ۱۱: ۴۰۹، ۱۴، ۱۸۶، ۱۹۹،
۱۷: ۲۷۰، ۲۷۱، ۱۸: ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۲۵۸، ۱۹: ۳۱۶؛

الأعشی الجِرمازی ۱: ۲۰۸، ۳۷۲ (؟)، ۱۰: ۴۳۳؛

اعشیٰ عُکلِ ۱۰: ۴۵؛

اعشیٰ فہمِ ۳: ۲۸۳ (؟)؛

اعشی بنی مازن ۱: ۳۷۲، ۱۰: ۴۳۸؛

اعشی همدان ۳: ۴۸۳، ۱۷: ۱۹۴؛

اَعْصُر بن سَعد بن قیس عَیلان (هو ابو باهلة) ۶: ۲۵۷، ۹: ۳۰۶؛

الاَعْلَم بن جرادة السعدی ۱۹: ۵؛

الاَعْلَم بن عُقَیل الجاهلی — ملاحظہ ہو الوحرب بن عُقَیل

الاَعلم الهُذَلی (هو حبیب بن عبد الله) ۱: ۳۱، ۵۵، ۲۸۸، ۳۰۸، ۲: ۱۱۵، ۳۲۷، ۳: ۱۸۵، ۴: ۱۹۹، ۵: ۲۱۰، ۲۲۷، ۲۳۵، ۴۱۸، ۶: ۲۵۱، ۷: ۲۱۳، ۳۶۴، ۱۱: ۱۰۱، ۳۶۰، ۱۲: ۳۷۳، ۱۳: ۲۰۲، ۳۵۲، ۴۵۸، ۱۷: ۲۲۹، ۲۴۱، ۳۲۴، ۱۸: ۷۵، ۱۹: ۱۵۹، ۲۰: ۱۲؛

الاَعْوَر بن براء ۱۲: ۲۴، ۱۸: ۱۲؛

الاعور الشَّنّی ۱۷: ۸۵، ۱۸: ۱۰۱، ۲۰: ۲۱۵(؟)؛

الاعور الکلبی ۵: ۱۱۷؛

الاعور النَّبْهانی ۸: ۸۳، ۱۷: ۲۱۵، ۲۱۶؛

الاَغَرّ بن عبد الله بن الحارث ۱۶: ۱۴۷؛

الاغلب العِجْلی ۱: ۲۲۳، ۲۳۱، ۳۲۵، ۳۷۴، ۳: ۴۰۵، ۴۳۷، ۴۸۸، ۴: ۲۴۷، ۳۳۸، ۵: ۷۳(؟)، ۲۰۱، ۳۰۷، ۴۲۶، ۶: ۳۵۰، ۴۳۵، ۷: ۱۱۷، ۱۵۵، ۸: ۳۰۳، ۳۱۳، ۴۱۰، ۹: ۸۴، ۱۲۵، ۲۵۹، ۱۰: ۲۱۴، ۳۷۶، ۱۱: ۳۲، ۲۰۶، ۱۲: ۲۳۱، ۳۴۲، ۳۶۳، ۱۳: ۲۱۴، ۱۴: ۲۴۷، ۱۵: ۷۴، ۱۰۴، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۵۴، ۴۲۱، ۱۶: ۵۳، ۱۷۸، ۲۳۴، ۱۷: ۴۲، ۱۹۱، ۱۸: ۱۲۱، ۲۱۲، ۱۹: ۱۹۰، ۳۶۸، ۲۰: ۲۶۲، ۲۷۰؛

اُفْنُون التَّغْلِبی ۱۲: ۱۴۰، ۱۳: ۲۲۹، ۱۴: ۵۱، ۳۲۳، ۱۷: ۳۶۳، ۱۹: ۳۵۵(؟)، ۲۰: ۲۸۵؛

۳۶۴، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۱، ۴۲۴، ۴۷۰، **۵**: ۲۷، ۲۸، ۵۵، ۶۹، ۷۱، ۷۶،
۹۰، ۹۲، ۱۱۲، ۱۴۱، ۱۶۲، ۱۷۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۵۵،
۲۹۱، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۸۴، ۴۰۵، **۶**: ۸، ۱۲، ۱۴، ۲۳،
۳۵، ۶۹، ۷۲، ۷۶، ۸۵، ۹۱، ۹۴، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۷۸، ۲۰۸،
۲۲۳، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۹، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۹۸، ۳۰۵،
۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۸، ۳۳۷، ۲۴۲، ۳۵۹، ۳۹۸، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۷، ۴۱۹،
۷: ۶۱، ۷۹، ۸۴، ۹۰، ۹۴، ۱۰۵، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۶۸، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۹۱،
۲۵۱، ۲۹۱، ۳۴۸، ۳۶۲(؟)، ۳۷۰، ۳۹۱، ۳۹۴، ۴۰۱، ۴۱۰، **۸**: ۱۷، ۱۸، ۵۰،
۶۹، ۷۹، ۹۱، ۹۸، ۱۲۵، ۱۴۱، ۱۶۶، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۶۸، ۲۷۴،
۲۷۹، ۲۹۲، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۴۹،
۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۸۱، ۳۸۶، ۳۹۹، ۴۰۳، **۹**: ۹،
۲۵، ۳۱، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۳۹،
۲۴۴، ۲۵۴، ۳۰۸، ۳۳۶، ۳۴۱، ۳۶۳، ۳۹۸، ۴۰۴، ۴۲۸، ۴۷۹، ۴۸۲،
۴۸۵، ۴۸۶، ۴۹۷، **۱۰**: ۱۷، ۶۶، ۷۶، ۷۵، ۹۹، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۷۲، ۳۲۸،
۳۵۶، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۸۴، ۳۹۰، ۳۹۸، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۴،
۴۲۷، ۴۵۱، **۱۱**: ۳، ۷، ۳۷، ۴۲، ۶۶، ۷۹، ۹۷، ۱۱۳، ۱۷۳، ۱۸۵، ۱۹۹،
۲۲۳، ۲۲۶، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۷۴، ۲۹۱ (؟) ۲۹۲، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۳۰،
۱۲: ۱۳، ۲۴، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۴۶، ۷۹، ۱۱۴، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۷،
۱۴۱، ۱۸۲، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۵۱، ۳۱۰، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۹۷، **۱۳**: ۸، ۱۸،
۲۷، ۸۱، ۸۹، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۴، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۱، ۱۷۹، ۱۸۴،
۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۹، ۲۵۶، ۲۷۱،

٢٧٤، ٢٧٧، ٢٩٦، ٣٠٥، ٣١٣، ٣٣٠، ٣٤٨، ٣٥٢، ٣٦٩، ٣٨٤،
٣٨٧، ٣٩٤، ٤٥١، ٤٥٣، ٤٦٨، ٥٠١، ٥١٣، ٤|: ٩، ٢١، ٢٤، ٣٢،
٥٢، ٧٤، ٧٧، ٨٠، ١١٧، ١٢٢، ١٢٤، ١٦٥، ١٦٦، ١٦٩، ١٧٨(؟)، ١٩٢
٢٢٣، ٢٢٤، ٢٥٩، ٢٧٣، ٢٨٧، ٣٣٤، ٣٤٢، ٣٥٧، ٣٧٢، ٥|:
١٧، ٦٠، ٦٦، ٦٧، ١٢٦، ١٧٣، ١٨٩، ٢٣٧، ٢٣٨، ٢٤٤، ٢٦٠، ٢٨٣،
٢٩٥، ٣٠١(؟)، ٣١٨، ٣٤٠، ٣٤٥، ٣٤٩، ٣٥٤، ٤٢٦، ٦|: ٣، ١١، ٥٤
٩١، ٩٧، ١٤٣، ١٤٧، ١٩٥، ٢٠٣، ٢٠٨، ٢٣٤، ٢٨٦، ٢٩٩، ٧|: ١٦،
٣١، ٧١، ٨٣، ٨٧، ٩٧، ١٠٤، ١٥٥، ١٦٣، ١٦٩، ١٨٢، ٢٠٤، ٢١١،
٢٢٠، ٢٣٧، ٢٣٩، ٢٦٠، ٢٦١، ٢٧٩، ٢٨٤، ٢٩٢، ٣٢٩، ٣٣٠،
٣٥٥، ٣٦٨، ٣٧٢، ٤٥٦، ٨|: ٢٤، ٢٩، ٣٤، ٥٨، ١٠٤، ١٣٤،
١٧٥، ١٨٩، ٢٢٠، ٢٢٥، ٢٤٣، ٢٥٣، ٢٥٤، ٢٥٦، ٢٦٢، ٢٧٣، ٣٠٩،
٩|: ٨٨، ١١٧، ١٣٧، ١٤٤، ١٦٢، ١٦٣، ١٨٧، ١٩٢، ١٩٧، ٢٠١، ٢٠٣، ٢٠٧،
٢٣٩، ٢٤١، ٢٤٩، ٢٦٦، ٢٦٧، ٣١٦، ٣٥٠، ٣٥٦، ٢٠: ٣٧، ٥١، ٥٦،
٦١، ٦٨، ٧٦، ٧٨، ١٣٩، ١٤٩، ١٥٣، ١٦٨، ١٧٥، ١٩٦، ٢٠٢، ٢١٧، ٢٣٣، ٢٤٢،
٢٤٥، ٢٨٥، ٢٩٧، ٣١١، ٣٣٣، ٣٦٥، ٣٧٤، ٣٧٥؛

امرؤ القيس بن عابس الكندي ٢: ٨٤(؟)، ٧: ٣٨٨(؟)؛ ٥|: ١٨٧، ١٨:
٢٥٦، ٢٠: ٢٠(؟)؛

أُمَيَّة (؟) ا: ٣٨٤، ٤١٦، ٢: ١٩٠، ٢٩٢، ٣: ٢٩٨، ٣٠٠، ٤: ١٢٥، ٢٢٩، ٤٢٥،
٤٤٤، ٥: ٣٢، ٢٨٨، ٦: ٤٤٧، ٤٦٧، ٧: ٢٢، ٣٣٠، ٨، ٥٧، ٣٠٧؛
٩: ٦٨، ١٣٥، ٢٢٠، ٢٣٢، ٢٧٤، ٣٢٣، ١١: ٢، ٢٦٣، ١٢: ٦٦، ١٣: ٩٥،
١٦٠، ٢٢٩، ٤١٥، ٤٤٩، ٤٥٧، ١٤: ١٣١، ٢٢١، ١٥: ٦٦، ١٨٣، ٤١٣، ٢٧٦،

ب

ت

ج

۴۷۷، ۴۸۵، **۲**: ۲، ۱۴، ۱۷، ۱۹، ۳۲، ۴۳، ۱۲۷، ۱۵۲، ۱۶۵، ۲۰۸،
۲۱۲ (؟)، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۹، ۳۲۸، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴،
۴۵۱، ۴۶۴، ۴۶۷، **۳**: ۲، ۱۴، ۴۷، ۴۹، ۸۲، ۸۳، ۸۸، ۸۹، ۹۹،
۱۰۸، ۱۲۰، ۱۴۸، ۱۷۶، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۶۷، ۲۸۴، ۳۰۷، ۳۱۹، ۳۲۵، ۳۷۹،
۳۸۰، ۳۹۰، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۳۸، ۴۵۴، ۴۷۲، ۴۹۰، ۴۹۳، ۵۰۶،
۴: ۱۱، ۱۶، ۲۹، ۹۱، ۹۶، ۹۹، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۸۱،
۱۸۷، ۲۴۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۸۰، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۱۶، ۳۳۱،
۳۴۴، ۳۴۸، ۳۸۶، ۳۹۹، ۴۲۴، ۴۴۱، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۸ (؟)، ۴۷۱،
۴۷۳، ۴۷۴، ۴۸۲، **۵**: ۱۰۴، ۱۳۶، ۱۶۵، ۱۷۲، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۲۹، ۲۵۰،
۲۶۹، ۲۷۲، ۲۹۶، ۳۰۴، ۳۱۹، ۳۴۶، ۳۵۸، ۳۸۱، ۴۲۲، **۶**: ۸،
۲۷، ۳۹، ۵۲، ۹۹، ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۲۸،
۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۸۰، ۲۸۴، ۳۳۸، ۴۱۷، ۴۳۶، ۴۴۷، ۴۶۶،
۷: ۹، ۱۰، ۳۸، ۶۹، ۷۳، ۷۴، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۷۴، ۲۰۳، ۲۲۵،
۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۴، ۳۱۲، ۳۳۰، ۳۸۱، ۴۱۱، ۴۲۶، **۸**: ۳، ۷،
۱۱، ۲۹، ۳۰، ۴۵، ۶۱، ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۱۱۴، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۴۳، ۱۸۶،
۱۸۷، ۲۰۷، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۷۹، ۳۲۶، ۳۵۰، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۹۸،
۹: ۲۷، ۳۶، ۴۰، ۴۲، ۶۱، ۶۲، ۹۶ (؟)، ۹۸، ۱۱۹، ۱۳۷، ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۲۵، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۶۷، ۲۷۹، ۳۲۹،
۳۴۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۶۸، ۳۸۶، ۴۰۲، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۱،
۴۳۲، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۹، ۴۸۷، **۱۰**: ۴، ۴۹، ۵۳،
۵۷، ۶۲، ۶۷، ۸۵، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۲۸، ۱۶۱، ۱۹۶، ۲۰۶،

۲۱۰، ۲۳۹، ۲۴۶، ۲۶۹، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۲۸،
۳۴۰، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۳، ۳۸۱، ۴۲۲، ۴۲۹، **۱۱**: ۱۱، ۱۳، ۱۵،
۱۶، ۴۹، ۵۷ (؟)، ۷۱، ۸۳، ۸۵ (؟)، ۱۱۶، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۸۲، ۲۰۵،
۲۰۸، ۲۲۶، ۲۷۲، ۲۸۵، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۲۹، ۳۵۱، ۳۵۲،
۳۵۷، ۳۸۳، **۱۲**: ۵، ۲۸، ۳۵، ۶۲، ۶۳، ۷۵، ۱۳۳، ۱۷۵، ۲۳۳،
۲۳۸، ۲۷۰، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۸، ۴۰۵، **۱۳**: ۳۷،
۶۳، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۹۳، ۲۱۹، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۵۰،
۲۷۲، ۲۷۹، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۶، ۳۴۱، ۳۷۷ (؟)، ۳۸۶، ۳۸۸،
۳۹۳، ۴۲۴، ۴۳۲، ۴۳۷، ۴۷۰، ۴۹۰، ۴۹۶، ۵۰۶، **۱۴**: ۲۱،
۲۳، ۳۵، ۵۰، ۷۳، ۱۲۰، ۱۳۳، ۱۶۱، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۷،
۲۱۸، ۲۱۹، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۹۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۹،
۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۶۷، **۱۵**: ۳۳، ۳۵، ۶۳، ۸۵، ۱۰۰، ۱۰۷،
۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۳۴ (؟)، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۴۹،
۲۵۶، ۲۸۵، ۳۱۴، ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۶۱، ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۲،
۳۸۸، ۴۱۸، ۴۲۰، **۱۶**: ۲۹، ۳۷، ۴۱، ۸۱، ۹۳، ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۵۰،
۱۵۲، ۱۷۶، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۴، ۲۷۴، ۲۹۶، ۳۰۱،
۱۷: ۲۰، ۲۲، ۶۲، ۸۲، ۹۰، ۱۰۴، ۱۱۷، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۷۹، ۱۹۹،
۲۱۵، ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۱۶،
۳۴۵، ۳۹۰، ۴۵۱، **۱۸**: ۱۲، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴،
۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۹۴، **۱۹**: ۵۶،
۹۸، ۱۰۴، ۱۸۱، ۱۸۴، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۴۲، ۲۹۴، ۳۰۱، ۳۴۲،

ح

حُرَیث بن زید الخیل ۱۸: ۳۸؛

حُرَیث بن عَتّاب النبهانی الطائی ۳: ۵۰۹، ۱۲: ۲۲۲، ۱۹: ۴۹، ۳۴۹، ۲۰: ۲۰۰؛

(معجم الشعراء للمرزبانی: عتاب کی بجائے عتاب)

ابو حُزابة الولید بن حنیفة ۸: ۸۳ (؟)، ۱۸: ۲۳۸؛

ابو حزام العُکلی ۷: ۳۰۰؛

ابن ام حَزنَة ۲: ۲۵۰؛

الحزین الکنانی (= هو عمرو بن عبد وُهَیب) ۶: ۱۰۲ (؟)

۱۶: ۲۶۹؛

الحزین اللیثی ۱۵: ۳۰۶ (؟)؛

حَسّان بن ثابت الانصاری ۱: ۵۷، ۸۶، ۱۴۳، ۱۷۰، ۳۲۶، ۳۸۶، ۳۸۷،

۴۷۷، ۲: ۱۷، ۹۳، ۱۶۶، ۲۲۶، ۳۵۴، ۴۷۸، ۴۸۷، ۳: ۳۰۳، ۳۸۳،

۳۹۱، ۵۰۷، ۴: ۶، ۴۴، ۵۵، ۱۰۶، ۱۴۷، ۲۴۰، ۲۵۰، ۳۸۸، ۴۳۰، ۵: ۱۶۴،

۱۶۶، ۱۸۴، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۷۳، ۳۰۴، ۴۱۷، ۶: ۱۸، ۲۳، ۷:

۲۸، ۴۷، ۷۱، ۲۳۶، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۷۷، ۳۱۹، ۳۳۰، ۳۹۷،

۸: ۳۴، ۴۴، ۴۴، ۲۰۶، ۲۳۹، ۲۷۱، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۹۵، ۹: ۳۲، ۹۴،

۱۳۰، ۱۸۰، ۲۰۴، ۲۴۴، ۲۹۷، ۳۲۶، ۳۵۹، ۳۶۳، ۳۶۷، ۴۲۲،

۱۰: ۷۸، ۱۲۰، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۵۵، ۳۷۹، ۴۳۸، ۱۱: ۱۱۶، ۳۰۸،

۳۱۲، ۳۱۸، ۳۸۰، ۱۲: ۶۳، ۷۱، ۱۰۷، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۴۷، ۳۲۱،

۳۳۷، ۴۰۵، ۱۳: ۲۶، ۴۲، ۳۴۲، ۳۶۱، ۳۶۶، ۴۷۶، ۱۴: ۳۸،

۶۸، ۸۳، ۱۳۹، ۱۵۸، ۳۰۴، ۳۳۲، ۳۴۵، ۱۵: ۴۶، ۸۱، ۸۴، ۱۶۸،

۱۶۹، ۱۹، ۲۶۲، ۳۹۸، ۴۰۶، ۴۲۳، ۱۶: ۱۸، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۸۹،

۱۶: ۱۰۵، ۱۷: ۶۲، ۱۲۰، ۱۴۷، ۳۴۲، ۱۸: ۴، ۳۴، ۱۹: ۲۱۹، ۳۰۸،
۲۰: ۳، ۳۳، ۳۲۷؛

حُمَیْد الاَرْقط ۱: ۳۳۳، ۲: ۱۸۰، ۳: ۱۷۵، ۲۷۳، ۴: ۳۴۶، ۵: ۲۳۱، ۲۹۲، ۶: ۱۸۸، ۷: ۴۲۹، ۸: ۴۰۶، ۹: ۱۲۳، ۱۸۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۰، ۳۰۲، ۳۵۳، ۱۰: ۱۷۷، ۳۲۶، ۳۷۳ (؟)، ۱۱: ۴۶، ۱۲: ۲۰، ۲۱۲، ۲۱۸، ۱۳: ۵۳، ۶۵ (؟)، ۳۶۸، ۱۴: ۱۴۳، ۱۵: ۵۹، ۱۴۷، ۲۹۴، ۱۶: ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۹۲، ۲۱۲، ۱۷: ۳۸، ۱۸۸، ۲۵۰، ۲۷۹، ۳۳۲، ۴۵۱، ۱۸: ۱۵، ۱۶، ۱۱۶، ۲۷۲، ۱۹: ۱۷۵، ۲۰: ۹۴، ۲۵۳، ۲۸۰؛

حُمَیْد بن ثَوْر الہِلالی ۱: ۴۳، ۱۱۹، ۱۵۵، ۲۳۰، ۲۵۴، ۲۶۲، ۳۳۵، ۳۴۶، ۳۸۰، ۲: ۴۹ (؟)، ۸۸، ۲۸۸، ۳۴۳، ۴۲۱، ۳: ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۱۶، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۷۷، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۰، ۴: ۱۰۲، ۱۸۹، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۵۷، ۲۹۱، ۳۹۳، ۴۲۸، ۴۸۳، ۵: ۲۱۵، ۲۳۸، ۲۵۶، ۲۵۷، ۶: ۳، ۳۷، ۴۲، ۵۴، ۲۰۰، ۲۵۲، ۲۷۶، ۳۶۶، ۷: ۱۳۷، ۱۵۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۳۴۰ (؟)، ۴۲۸، ۴۲۹ (۹)، ۸: ۲۵، ۸۷، ۱۳۶، ۱۴۶، ۲۸۱، ۲۸۷، ۳۶۲، ۳۷۶، ۹: ۱۸۴، ۲۲۲، ۲۲۹، ۳۲۵، ۴۰۱، ۴۳۴، ۴۳۹، ۴۵۰، ۴۷۴، ۱۰: ۲۰، ۷۸، ۱۰۹، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۳۰، ۲۹۶، ۳۷۳، ۱۱: ۳۶، ۶۷، ۱۲۳، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۲۹، ۲۷۹، ۳۶۰، ۳۷۸، ۴۲۳، ۱۲: ۳۶، ۱۸۰، ۳۱۴، ۱۳: ۳۵۵، ۴۳۱، ۱۴: ۲۳۲، ۳۰۸، ۳۲۸، ۱۵: ۱۱، ۱۴، ۹۴، ۱۳۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۳۰۹، ۲۴۰، ۲۸۹، ۳۲۶، ۳۳۴

خ

خالد بن مالک الہُذَلِی **۳**: ۳۵۹؛

خالد بن الولید **۱**: ۴۰۲، **۷**: ۲۴۶، **۱۲**: ۲۵۴، **۱۹**: ۱۴۴؛

خَبّاب بن عُنزِی **۱۵**: ۱۴؛

خُبَیب بن عَدِی **۱۰**: ۲۱۳، ۲۴۶؛

خُثَیم بن عَدِی **۱۵**: ۳ (؟)، ۵۶، **۲۰**: ۲۸۶ (؟)؛

خِدَاش بن بشر (ابومالک) ـــــ ملاحظہ ہو البعیث

خِدَاش بن زُہَیر العامری **۲**: ۲۰۵، ۲۹۹، **۳**: ۲۶۹، ۳۰۶، **۴**: ۲۱۲، **۶**: ۱۶۰، **۷**: ۶۶، **۸**: ۳۸۰، **۹**: ۷۲، **۱۰**: ۱۳۸، **۱۱**: ۳۲۰، ۳۹۵، **۱۲**: ۱۸۰، ۲۳۲، ۲۳۳، **۱۳**: ۸۶، ۱۰۹، **۱۵**: ۱۴ ـــــ **۱۸**: ۳۱۷، **۱۹**: ۲۱۶؛

خَدِیج بن حَبیب **۱۶**: ۱۲۸؛

ابن خَذّاق **۲۰**: ۲۱۵ (؟)؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن حَذّاق)

خِذَام الاسدی **۱۶**: ۱۰۳؛

الخزاز بن عمرو **۹**: ۲۰۴؛

خِراش بن زہیر **۱۳**: ۳۰۷؛

ابوخراش (ہو خُوَیلد بن مُرَّۃ) الہُذَلِی **۱**: ۸۱، ۱۵۰، ۱۵۵، ۲۴۴، ۲۸۷، ۴۴۹، ۵۸۴، **۲**: ۶، ۱۶۶، ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۸۱، ۴۳۵، **۳**: ۴۵، ۴۷، ۱۲۷، ۱۵۱، ۴، **۴**: ۳۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۵۴، ۱۸۱، ۲۵۸، ۲۸۹، ۳۰۷، ۳۸۷، ۴۳۵، ۴۶۰، **۵**: ۵۴، **۶**: ۱۱، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۹۴، ۲۷۹، ۳۲۱، **۷**: ۲۰۵، ۲۳۷، **۸**: ۱۱۹ (؟)، **۹**: ۳۶۳، ۴۹۶، **۱۰**: ۳۹، ۴۰، ۱۲۲، ۳۵۶، **۱۱**: ۲۰، ۶۵، ۹۳، ۱۱۳، ۱۲۹، ۲۳۳ (؟)، ۳۲۶، ۴۲۰، **۱۲**: ۳۹۷، **۱۳**: ۴۶

۱۳۴، ۲۰۲، ۲۳۵، ۲۶۷، ۲۸۰، ۳۱۶، ۳۸۹، ۴۱۲، ۴۳۴، ۴۶۱، ۴،
۴۶۹، **۱۴**: ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۸، ۲۴۷، ۲۸۱، ۳۳۰، ۳۵۹،
۳۷۱، **۱۵**: ۴، ۲۳، ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۸۰، ۲۵۷، ۲۸۷، ۳۴۷، ۴۱۹، ۴۲۴،
۱۶: ۲۳، ۴۹، ۱۴۶، ۲۱۳، **۱۷**: ۱۹۸، **۱۸**: ۳۰۹، ۳۱۶، **۱۹**: ۳۶،
۱۰۷، ۱۶۴، **۲۰**: ۱۹۸؛

خِراشَة بن عَمرو العَبْسی **۵**: ۱۱۳؛

ابن الخِرع **۱۹**: ۱۲۰؛

خَرِع بن سنان الغسانی **۴**: ۱۲۶؛

خِرْنِق **۲**: ۳۰۳، **۸**: ۳۲۶؛

الخِرنِق اخت طرفة **۲**: ۴۰۳؛

خِرنِق بنت عُبجُبَة **۱۲**: ۲۱۶؛

الخِرنِق بنت هَفّان **۷**: ۷۰؛

خُرَیم بن فاتك الاسدی **۷**: ۳۶۹؛

خُزَز بن لَوذانَ السدوسی **۱۲**: ۱۰۸ (؟)، **۱۵**: ۳ (؟)، ۴۰۸، **۱۶**: ۶۳،
۱۷: ۳۵۰ (؟)؛

خُزَیمة بن مالك بن نَهد **۱۱**: ۱۳؛

خُزَیمة بن نَهد **۹**: ۳۳۵؛ (ایک ہی شعر دونوں کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ ولدیت میں غلطی معلوم ہوتی ہے، آغانی میں بھی اسی طرح دونوں مختلف نام آئے ہیں۔)

ابنة الخُسّ **۱۸**: ۱۷۹؛

ابن خَشرم **۱۰**: ۳۴؛ (نیز ملاحظہ ہو هدبة بن خشرم)

ابو الخُشناء **۱۰**: ۱۵۷ (؟)؛

د

ذ

ذِرْوة بن خَجُفَة (کذا) الصَّمُوتی **۴**: ۱۱۱ خجفة کی بجائے حجفة)؛ **۱۵**: ۸۰،
۲۰: ۱۵۳ (حُجفة)؛

ابن ذُرَیح ـــ ملاحظہ ہو قیس بن ذریح

ذَکوان العِجلی **۱۳**: ۴۰۲؛

ذُهل بن فُرَیع **۱۳**: ۴۳۹ (؟)؛

ذو الإِصبع العَدَوانی **۲**: ۱۱۶، **۳**: ۶۴، **۴**: ۱۸۲، **۶**: ۲۲۲، ۲۵۰،
۷: ۲۱۴، **۸**: ۱۰۳، ۱۸۶، ۲۷۵، **۱۰**: ۱۹۹، ۲۶۱، ۲۹۲، **۱۱**: ۲۱۲،
۱۳، ۳۵۸، **۱۴**: ۳۹، ۱۶۶، **۱۶**: ۶۳، ۱۰۹، ۲۷۰، **۱۷**: ۲۴، ۲۸، ۱۴۹،
۱۷۰، ۳۳۰، ۳۵۹، ۴۳۶، **۱۸**: ۴، ۲۴۱، ۲۴۷، **۱۹**: ۴۳، ۱۴۷،
۲۰: ۳۲۳؛

ذو البِجادَین ـــ ملاحظہ ہو عبد اللہ ذو البجادین المزنی

ذو الخِرَق الطُّهَوِیّ **۱**: ۴۳۸، ۴۴۰، **۲**: ۳۰۵، **۹**: ۳۹۰، **۱۱**: ۳۶۴،
۱۲: ۱۲۵، ۲۸۴، **۱۴**: ۳۱۷، **۱۵**: ۲۷، **۱۹**: ۳۱۳؛

ذو الرُّمّة (هو غَیلان العَدَوی) **۱**: ۱۱، ۷۸، ۹۵، ۱۱۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶،
۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۹۶، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۵۰،
۲۷۲، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۴۹، ۳۵۶،
۳۶۴، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۵، ۴۰۴،
۴۳۱، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۶۴، ۴۶۹،
۴۷۵، ۴۸۲، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۵، **۲**: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۵، ۳۷،
۳۸، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۷۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۶۷،
۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۳،

۲۴۴، ۲۴۷، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۰،
۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۰، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۷۵، ۳۷۹، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۰۸،
۴۱۷، ۴۳۶، ۴۵۲، ۴۶۶، ۴۸۶، **۳**: ۲۸، ۳۲، ۵۸، ۶۰، ۶۵، ۹۰، ۹۳،
۹۴، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۵،
۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵،
۲۳۶، ۲۵۴، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۶، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۱۶، ۳۲۱،
۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۹۴، ۳۹۵،
۴۱۰، ۴۲۰، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۵۴، ۴۶۴، ۵۰۷، ۵۰۸،
۵۰۹، **۴**: ۱۲، ۳۴، ۴۳، ۵۴، ۶۳، ۷۰، ۹۰، ۹۵، ۹۹، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۹،
۱۳۰، ۱۴۵، ۱۵۷، ۱۶۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۳۱، ۲۵۶، ۲۵۹، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۵،
۳۰۸، ۳۳۱، ۳۵۹، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۱، ۴۱۲، ۴۲۵، ۴
۵: ۳۰، ۴۱، ۴۴، ۵۴، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۴۵، ۱۴۸، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۴۲، ۲۵۵،
۲۶۶، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۲۲، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۸۸،
۳۹۶، ۴۰۰، ۴۱۱، **۶**: ۳، ۵، ۶، ۱۴، ۱۸، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۴۹، ۷۰، ۸۰،
۸۷، ۹۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۶۰، ۱۶۱،
۱۸۰، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۶۸،
۲۸۱، ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۲۵، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۲، ۳۴۳، ۴۳۷، ۴۵۵،
۷: ۱۱، ۴۵، ۴۶، ۵۷، ۷۱، ۸۵، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۵۱،
۱۵۵، ۱۸۳، ۱۹۸، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۴۱، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۵، ۲۶۶،
۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۶۸، ۳۸۶،
۳۹۲، ۳۹۴، ۴۰۱، ۴۱۹، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۴، **۸**: ۵، ۱۲، ۱۷، ۲۷،

۴۳، ۴۴، ۵۴، ۶۶، ۶۹، ۸۹، ۹۱، ۹۲، ۱۰۰، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۶۷،
۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۳۰، ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۷۳،
۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۵۰، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۸۱، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۱، **۹**: ۱۰، ۱۱،
۱۲، ۱۸، ۲۷، ۴۸، ۶۴، ۷۴، ۷۸، ۸۵، ۸۶، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۱۸،
۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۸۱، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۳،
۲۱۹، ۲۲۰، ۲۳۳، ۲۵۹، ۲۷۴، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۵۱،
۳۶۶، ۳۶۹، ۳۷۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۶، ۴۲۳، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۴۱، ۴۶۱،
۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۹، **۱۰**: ۷، ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۴۸،
۵۴، ۵۵، ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۶۸، ۷۰، ۸۲، ۸۴، ۸۴، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۹۴،
۱۴۷، ۱۵۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۹، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۴۷،
۲۶۲، ۲۷۴، ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۳۹، ۳۴۳، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴،
۳۵۸، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۶، ۳۹۶، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۳۵،
۱۱: ۳، ۴، ۱۲، ۶۶، ۸۲، ۱۰۰، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۲،
۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۴، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۳،
۲۶۴، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۸۴، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۱،
۳۳۱، ۳۴۰، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۸۰، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۱۶، ۴۱۹،
۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، **۱۲**: ۵، ۳۵، ۳۷، ۵۲، ۵۳، ۸۲، ۸۹،
۹۱، ۹۷، ۹۹، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۷۸، ۱۸۵،
۲۱۹، ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۶۷، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱،
۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۶۲، ۳۶۵،
۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۷، ۴۰۱، **۱۳**: ۵، ۳۶، ۳۹، ۴۴، ۴۵، ۴۷،

۷۹، ۸۴، ۹۳، ۹۷، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۳،
۱۵۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۷۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۳۳،
۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۷۱، ۲۸۰، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۲۷، ۳۲۸،
۳۳۳، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۵۶، ۳۶۸، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۰،
۳۸۱، ۳۸۵، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۲۱، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۴،
۴۴۶، ۴۴۷، ۴۵۳، ۴۶۱، ۴۷۹، ۴۸۶، ۴۸۹، ۴۹۳، ۴۹۴،
۱۴: ۵، ۱۴، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۳۱، ۳۳، ۴۴، ۶۷، ۶۹، ۸۴، ۸۶، ۸۸،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۱۱،
۲۱۵، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۵۷،
۲۵۸، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۹۴، ۳۱۳ - ۳۱۴،
۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۷۴، **۱۵**: ۸، ۳۳،
۶۹، ۷۱، ۷۹، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۲۵، ۱۳۲،
۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۱، ۱۶۵ (؟)، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۰، ۱۹۶،
۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۶۵،
۲۷۹، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۶۱، ۳۶۲،
۳۶۴، ۳۷۶، ۳۸۴، ۴۲۶، ۴۳۱، ۴۳۴، **۱۶**: ۱۷، ۴۲، ۴۳،
۴۵، ۶۴، ۶۶، ۷۳، ۸۰، ۸۲، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۳۱، ۱۴۰،
۱۶۸، ۱۸۱، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۵، ۲۲۷، ۲۳۹، ۲۴۴، ۳۰۲،
۳۰۳، **۱۷**: ۱۴، ۲۰، ۳۴، ۷۲، ۷۴، ۸۸، ۱۰۳، ۱۵۴، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۶،
۱۸۴، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۶۹، ۳۰۲، ۳۳۷،
۳۶۶، ۳۸۲، ۳۹۳، ۴۱۳، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۴۴، ۴۴۴،

۳۶۳، **۱۸**: ۵۶، ۵۷، ۶۴، ۶۸، ۸۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۵۰، ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۹۱، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۶،
۲۳۲، ۲۴۸، ۲۶۰، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۸،
۱۹: ۱۴، ۲۴، ۳۶، ۶۲، ۸۷، ۹۰، ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۷،
۲۴۳، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۶، ۳۳۷، ۳۳۸،
۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۷، **۲۰**: ۲، ۸، ۲۲، ۲۸، ۳۹، ۴۲،
۴۸، ۶۱، ۶۶، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۷، ۱۶۵،
۱۷۱، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۶۹، ۲۷۴،
۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۶، ۳۵۷، ۳۶۳، ۳۷۵!

ذُوَیب بن نُہَیم الطُّہَوِیّ ۷: ۹۸؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن نُہَیم)

ابو ذُؤَیب الہُذَلِیّ ۱: ۱، ۴۱، ۴۹، ۷۹، ۱۶۴، ۱۷۴، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۶۳(؟)
۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۹۱، ۳۹۶،
۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۲، ۴
۴۹۵، **۲**: ۱۲، ۱۸، ۲۴، ۲۵، ۳۴، ۳۶، ۴۶، ۸۷، ۹۵، ۹۶، ۱۰۴،
۱۱۲، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۶۹، ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۵،
۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۸۰، ۳۳۶ (؟)، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۸۴، ۴۰۱،
۴۵۶، ۴۷۶، **۳**: ۸، ۲۷، ۲۹، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۳،
۵۱، ۶۸، ۷۵، ۷۸، ۷۹، ۸۱، ۹۰، ۹۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۹۰،

۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۶، ۲۱۶، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۲،
۲۶۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۲، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۲۰، ۳۳۱،
۳۴۲، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۷۹، ۳۹۰، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۰۷،
۴۲۲، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۴، ۴۳۷، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۸،
۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۷، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۸، ۴۸۷، ۴۸۸.
۴: ۳۵، ۴۷، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۱۵۵، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴، (؟) ۱۷۹،
۱۸۴، ۱۹۵، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۷۲، ۳۰۲، ۳۱۴،
۳۲۵، ۳۶۴، ۴۰۱، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۶، ۴۴۳،
۴۶۴، ۴۷۲، ۴۷۴، ۵: ۶، ۷، ۸۴، ۷۳، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۱۷، ۱۲۵،
۹۰،
۱۳۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۶۱، ۲۷۱، ۲۷۵،
۲۷۶، ۳۰۴، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۸۸، ۶: ۲۶، ۵۱، ۵۶، ۶۳، ۹۹،
۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۸۸، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۸۳،
۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۹۱، ۳۳۹،
۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۷، ۳۸۱، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۷،
۴۰۹، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۷۱، ۴۷۲، ۷: ۷، ۱۱، ۱۶، ۱۷، ۶۱، ۸۲، ۹۵،
۹۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۷۸، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۵۸، ۳۱۰، ۳۳۵،
۳۶۶، ۳۸۷، ۸: ۹، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۶۶، ۷۶، ۸۴، ۱۰۰،
۱۴۰، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۹۸، ۲۴۰، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۷۶،
۳۵۲، ۳۵۷، ۳۸۴، ۴۱۱، ۹: ۲۲، ۲۶، ۳۰، ۷۸، ۸۷، ۹۱، ۱۰۹،
۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۲۲، ۲۴۲، ۲۷۳، ۳۲۷، ۳۳۵، ۳۴۴،
۳۵۸، ۳۶۲، ۳۶۹؛ ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۱، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۹،

۱۰۴، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۴۹، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۴، ۲۰۱، ۴، ۵،

۹، ۱۲، ۵۲، ۵۳، ۶۲، ۶۴، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۹۳، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۱

۱۴۹، ۱۵۰، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۳ (؟)، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۹۳، ۲۹۴،

۲۹۵، ۳۱۲، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۸۹، ۴۰۰، ۴۰۴، ۴۱۶، ۴۳۵، ۴۳۸،

۴۴۴، ۴۴۹، ۱: ۳، ۹، ۳۴، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷،

۱۲۶، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۶۱، ۲۰۸، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۷۸،

۲۷۹، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۶۱، ۳۶۳، ۴۰۴، ۲: ۱۳، ۴۲،

۴۵، ۶۱، ۶۳، ۷۳، ۹۴، ۹۷، ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۷۶،

۲۰۹، ۲۵۸، ۲۷۷، ۳۴۶، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۱، ۳: ۴، ۹، ۱۶،

۳۹، ۴۰، ۵۶، ۷۹، ۹۶، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۳ (؟)، ۱۲۴، ۱۳۹، ۱۴۰،

۱۴۹، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۲۴، ۲۴۵، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۳،

۳۰۱، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۶،

۳۶۹، ۳۸۶، ۳۸۸، ۴۱۵، ۴۲۷، ۴۴۰، ۴۷۱، ۵۱۰، ۴: ۳۷، ۳۹،

۴۳، ۷۶، ۷۹، ۸۰، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۳۹، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۰،

۱۹۴، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۴، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۳۶، ۳۵۶، ۳۶۸، ۵: ۱

۱۰، ۴۵، ۵۱، ۶۲، ۸۵، ۹۹، ۱۰۴، ۱۱۴، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۹۳،

۱۹۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۳۰، ۳۳۲،

۴۱۹، ۶: ۵، ۱۵، ۱۷، ۴۷، ۵۷، ۶۲، ۶۵، ۷۲، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۵۴،

۲۶۷، ۲۶۸، ۷: ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۸، ۵۰، ۷۳، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۷۷، ۲۰۳،

۲۱۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۴۱۷، ۸: ۸، ۳۶، ۶۹، ۸۱، ۱۱۱، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۴،

۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۶، ۱۹۹، ۲۱۰، ۲۶۸، ۲۷۱، ۳۰۶، ۳۱۶،

١٩: ٨، ٢٣، ٢٤، ٢٨، ٤٤، ٥٤، ٥٥، ٦٢، ٧٧، ٧٩، ٨٨، ٨٩، ١١٢، ١١٣، ١١٨، ١٣٨، ١٤٤، ١٧٨، ١٩٧، ٢٠٧، ٢٢١ (؟)، ٢٣٤، ٢٤٩؛ ٢٥٨، ٢٥٨، ٢٩٢، ٣١٦، ٣٢٠، ٣٢٣، ٣٢٦، ٣٣٦، ٣٤٦، ٣٦٠، **٢٠**: ٤٧، ٧٦، ١٤٣، ١٥٦، ١٦٢، ١٩٣، ٢٠٠، ٢١٠، ٢١٧، ٢١٩، ٢٢٤، ٢٣٤، ٢٣٦، ٢٤٩، ٢٥٠، ٢٥٨، ٢٧٩، ٣٠٠، ٣٥٠، ٣٦٤؛

ابن ذِي كِبار **١٨**: ٢٤٦؛

ابن ذي يَزَن ملاحظه سَيْف بن ذي يَزَن

راشد بن شهاب اليشكري **١٥**: ٢٨٩؛

راشد بن عَبْدِ ربّه **١٨**: ٨٠؛

الراعش **١٥**: ٨٢؛

الرّاعي (هو ابو جندل عُبَيْد بن حصين النُّمَيْري) **١**: ٤٠، ١٦٩، ١٨٧، ٢٣٤، ٢٣٩، ٢٤١، ٢٤٢، ٢٥٣، ٢٨٧، ٢٩٢، ٣٠٣، ٣١٠، ٣٣٢، ٣٣٣، ٣٣٧، ٤٧٨، ٤٨٠، **٢**: ١٥، ٢٦ (؟)، ٣٩، ١٤١، ١٦٢، ١٧٠، ١٩١، ١٩٢، ٢٢٠ (؟)، ٣٠٥، ٣٢٤، ٣٦٠، ٤٠٥، **٣**: ٥، ١٩، ٢٣، ٣٧، ١٢٩، ١٣٧، ١٤٢، ١٤٦، ٢٠٩، ٢١٨، ٢١٩، ٢٢٨، ٢٤١، ٢٦١، ٢٦٤، ٣١٠، ٣٤٣، ٣٥١، ٣٥٤، ٣٨٥، ٤٢٧، ٤٤٥، ٤٤٨، ٤٥٤، ٤٦١، ٤٦٣، **٤**: ١٤، ٦٢، ٦٥، ٦٩، ١١٥، ١٣٠، ١٦٤، ١٦٨، ١٧١، ١٨٦، ٢٣٧، ٢٣٨، ٢٥١، ٢٥٧، ٢٧٦، ٢٨٠، ٢٩٩، ٣٠٢، ٣٠٣، ٣٢٩، ٣٦٦، ٣٧٢، ٣٧٩، ٣٩٠، ٤٠٨، ٤٢٣، ٤٤٥، ٤٤٨، ٤٥٢، ٤٦٧، ٤٧٣، ٤٨٧، **٥**: ٢١، ٣٥، ٤٣، ٤٥، ٤٨، ٨٢، ٩٥، ١٠١، ١٢٢، ١٢٤، ١٣٣، ١٦٣، ١٦٨، ٢٠٧، ٢٢٧، ٢٣٣، ٢٤٢، ٣٠٣، ٣٣٩، ٣٤٤، ٣٩٠، ٣٩٤، ٤١٣، **٦**: ١١، ١٧، ٥٢، ٦٨،

۸۹، ۹۶، ۱۱۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۴، ۳۲۴، ۳۲۸،
۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۶۷، ۳۷۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۱۷، ۴۶۶،
۴۷۴، ۷: ۱۷، ۳۱، ۳۵، ۵۰، ۶۷، ۹۵، ۱۳۴، ۱۴۴، ۱۹۴، ۲۱۶،
۲۱۸، ۲۲۳، ۲۵۸، ۲۹۲، ۳۱۱، ۳۲۵، ۳۴۳، ۳۷۳، ۴۲۱، ۴۳۱،
۸: ۳، ۵، ۲۱، ۲۵، ۲۸، ۷۵، ۱۱۸، ۱۴۹، ۱۷۳، ۱۸۹، ۲۵۳، ۲۵۸،
۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۴، ۳۰۹، ۳۱۵، ۳۹۴، ۹: ۲۵، ۴۸، ۷۸، ۸۱،
۹۳، ۹۹، ۱۰۵، ۱۹۲، ۲۸۲، ۳۲۴، ۳۵۴، ۳۶۷، ۳۸۶، ۳۹۳،
۴۱۳، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۹،
۱۰: ۵، ۱۳، ۱۵، ۴۴، ۴۵، ۶۰، ۷۱، ۷۸، ۹۳، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۴۱،
۱۵۶، ۱۷۴، ۱۸۲، (؟)، ۲۰۸، ۲۲۹، ۲۴۴، ۲۶۱، ۲۶۹، ۳۵۰، ۴۰۸،
۴۲۷، ۱۱: ۱۳، ۵۳، ۶۷، ۶۸، ۱۱۳، ۱۴۲، ۲۲۲، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۷۰،
۳۷۸، ۱۲: ۲۲، ۸۰، ۸۲، ۸۶، ۹۱، ۹۹، ۱۲۳، ۱۵۰، ۱۷۱، ۱۷۳،
۱۷۹، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۸، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۸۱،
۲۹۷، ۲۹۸، ۳۲۷، ۳۳۲، ۳۶۶، ۳۷۳، ۳۹۹، ۴۰۳، ۱۳: ۲۳، ۴۱،
۵۵، ۶۳، ۸۴، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۵۷، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۸۴، ۲۵۰،
۲۵۸، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۰۵، ۳۲۵، ۳۴۱، ۳۷۲، ۴۰۶، ۴۱۸، ۴۳۰،
۴۵۳، ۱۴: ۹، ۱۰، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۴۱، ۵۸، ۱۰۲، ۱۴۴، ۲۱۵، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۷۲، ۳۲۷، ۳۳۶، ۳۵۰، ۱۵: ۱۳، ۵۱، ۷۸، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۳۱،
۱۴۸، ۲۰۳، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۷۵، ۲۹۱، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۴۱، ۴۲۴،
۱۶: ۲۹، ۳۸، ۴۷، ۴۸، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۴۱، ۱۵۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۹۸،
۲۴۷، ۲۶۵، ۱۷: ۲۱، ۷۷، ۸۷، ۹۶، ۱۰۳، ۱۳۱، ۱۷۸، ۱۸۰،

۱۸۴، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۶۱، ۲۹۷، ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۶۴، ۴۴۲،
۱۸: ۱، ۲۱، ۳۱، ۳۸، ۳۹، ۶۲، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۲۴، ۱۴۹، ۱۷۷، ۱۸۳،
۲۴۲، ۲۴۶، ۲۶۱، ۳۱۶، **۱۹**: ۹، ۲۸، ۹۱، ۱۱۹، ۱۷۴، ۱۹۸، ۲۰۷،
۲۱۵، ۲۲۳، ۲۴۳، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۱، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۷۷، **۲۰**: ۱۰،
۳۷، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۴۱، ۱۷۵، ۱۹۱، ۲۳۵، ۲۵۲، ۲۵۵، ۳۱۹، ۳۲۰،
۳۷۴؛

رافع بن هُرَیْم **۸**: ۸۵، **۹**: ۱۴۱ (هزیم کی بجائے هریم پڑھنا چاہیے)، **۱۵**: ۲۶۷ (؟)، **۱۹**: ۱۳۴؛

الراهب (هو زهرة بن سِرحان) **۹**: ۱۲۵ (؟)؛

ابو الرئبیس المازنی (هو عُبادة بن طَهفة) **۵**: ۱۰۰: ابو الرئبیس کی بجائے ابو الرُّبَیس پڑھنا چاہیے)

ابن ربعِ الهذلی — ملاحظہ ہو عبد مناف بن ربع الهذلی

رِبعان **۱۵**: ۳۲۴؛

رِبعِیّ الدُّبَیرِیّ **۱۰**: ۳۳۳، **۱۱**: ۲۷۵، **۱۶**: ۱۴۶؛

رِبعِیّ بن ربیعة **۱۳**: ۲۹ (؟)؛

ربعِیّ الزبیری **۹**: ۱۴۵؛

ابو الرُّبَیسِ الثَّعلَبِیّ (هو عُبادة بن طهفة المازنی) **۳**: ۹، ۱۴۹، **۱۲**: ۳، ۷۳، ۱۹۶، ۳۶۳، **۱۳**: ۱۲۰، **۱۵**: ۱۹۱، **۱۸**: ۲۶۶، **۲۰**: ۱۳۴، ۲۶۲؛
(نیز ملاحظہ ہو ابو الرئبیس المازنی)

ابو الربیع **۱۱**: ۲۵۸؛

الربیع بن ابی الحُقَیق **۱۱**: ۳۵، **۱۵**: ۳۸۲؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن ابی الحقیق)

الربیع بن زیاد العبسی ۷: ۳۵، ۱۳: ۳۶۹ (؟)، ۱۴: ۹، ۳۵۶، ۲۰: ۷۰؛

الربیع بن ضَبُع الفَزاری ۵: ۳۶۸، ۱۳: ۶۸، ۱۷: ۱۲۸، ۱۸: ۴۲، ۲۰: ۳؛

۲الربیع الکامل ۱۳: ۳۶۹ (؟)؛

۲ابن ابی ربیعة - ملاحظہ ہو عمر بن ابی ربیعة

ربیعة الاسدی ۱۷: ۳۵۶، ۲۰: ۷۸؛

ربیعة بن الجَحْدَر الهُذَلِیّ ۲: ۱۴۳، ۳: ۱۸۵، ۸: ۷۷؛

ربیعة بن جَحْدَل اللحیانی ۱۷: ۴۱۰؛

ربیعة بن جُشَم ۱۶: ۲۳۴ (؟)؛

ربیعة الرَّقِی ۲: ۳۵۴؛

ربیعة بن مالک - ملاحظہ ہو المخبل السعدی

ربیعة بن مَقْرُوم الضَبّی ۴: ۳۱۶، ۵: ۱۶۲، ۸: ۵۸، ۱۶۴، ۹: ۲۲۰، ۳۹۲، ۴۹۷، ۱۰: ۵۸، ۷۰، ۲۲۶، ۱۳: ۴۵، ۳۹۵، ۱۵: ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۴۳، ۱۷: ۱۶۳، ۲۰: ۱۵۵، ۲۵۷؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن مقروم)

ربیعة بن هَمّام بن عامر البکری ۱۳: ۱۶۶؛

۲الرحال (هو عمرو بن النعمان بن البراء) ۱۹: ۱۸۴؛

رَداء بن منظور ۱۷: ۲۶؛

رذاذ الکلبی ۴: ۳۱۸؛

رَزَاح (اخو قُصَیّ بن کلاب) ۵: ۳۱؛

ابو رزمة ۶: ۲۶۱؛

رَزِین بن لُغْط (کذا) ۱۴: ۱۸۶؛

الرَّمّاح ۔ ملاحظہ ہو ابن مَیّادَة

ابن رُمَیضِ (وقیل رُمَیص) العَنبَرِی ۴: ۲۱۹، ۱۵: ۱۱۹، ۱۷: ۳۸۹،

ابوالرهیم العنبری ۱۲: ۳۱۵؛

ابن رواحة الانصاری۔ ملاحظہ ہو عبد اللہ بن رواحة

رؤبة (بن العجاج) ۱: ۱۲، ۴۸، ۵۸، ۶۸، ۱۸۲، ۲۱۰، ۲۱۸، ۲۳۵،
۲۴۱، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۹۹، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۵۲،
۳۵۴، ۳۵۸، ۳۷۴، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۲۰، ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۴۲،
۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۸، ۴۷۶، ۲: ۵، ۱۵، ۵۷، ۵۸، ۸۰، ۹۹،
۱۳۸، ۱۴۵، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۳۰، ۲۸۱، ۲۸۲،
۲۸۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۴۳،
۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۵، ۳۸۱، ۳۸۳،
۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۴۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۷،
۴۶۸، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۳: ۳، ۴، ۹،
۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۵۲، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۵،
۹۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۱۳،
۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۴، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۸۷، ۳۰۰؛
۳۰۹، ۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۰، ۳۸۸، ۴۲۱، ۴۴۷، ۴۵۳،
۴۷۸، ۴۸۶، ۵۰۴، ۴: ۱۵، ۲۵، ۳۷، ۳۸، ۵۹، ۱۰۰، ۱۴۱، ۱۷۸،
۱۸۴، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۷۰، ۳۷۳،
۳۷۷، ۳۸۷، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۱۱، ۴۲۰، ۴۳۴، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۷۱،
۴۷۳، ۴۸۳، ۴۸۴، ۵: ۳، ۴۳، ۱۲۰، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۸،

۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۹، ۳۰۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۶۲، ۳۷۴، ۳۹۶،
۴۰۲، ۴۲۵، ۶: ۲۲، ۴۷، ۴۸، ۷۱، ۹۸؛ ۱۴۵، ۱۶۵، ۲۱۴ (؟)،
۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۳ (؟)، ۲۷۷، ۳۵۸، ۳۸۲، ۳۹۷، ۴۱۱، ۴۳۷، ۴۴۴،
۴۴۵، ۴۴۹، ۴۵۴، ۷: ۲۸، ۳۰، ۳۶، ۶۷، ۷۱، ۷۸، (؟) ۱۴۸،
۱۷۱، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۲، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸،
۲۳۱، ۲۳۴، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۱،
۲۷۲، ۲۷۴، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۶، ۳۱۶، ۳۴۸،
۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۱۵،
۴۱۷، ۴۲۹، ۴۳۳، ۴۴۳، ۸: ۴، ۵، ۶، ۱۱، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۳،
۳۳، ۳۷، ۵۶، ۵۸، ۶۲، ۶۵، ۷۱، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۳۱، ۱۴۲،
۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۲،
۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶،
۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۴۳،
۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۷۱، ۳۴۸، ۳۵۶، ۳۵۸،
۳۷۸، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۴،
۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۹: ۳، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۷،
۴۱، ۶۳، ۶۴، ۷۵، ۸۱، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹،
۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۹۶ (؟)،
۲۱۸، ۲۳۷، ۲۴۴؛ ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۵،
۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۷، ۳۰۴، ۳۱۲، ۳۱۸، ۳۲۶، ۳۳۱، ۳۳۳،
۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۲، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷،

۳۶۸، ۳۸۰ (؟) ۴۱۰، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۴۱، ۴۴

۴۶۸، ۴۷۷، ۴۸۵، ۴۹۴، ۱۰: ۳، ۲۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۵۴، ۶۶،

۷۰، ۷۸، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۹۰، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۵۶،

۱۶۰، ۱۷۳، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۹،

۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۲۸۱،

۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۳،

۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۳، ۳۳۵ ۳۳۴، ۳۳۷،

۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۵۴، ۳۵۸، ۳۸۳، ۳۹۵، ۴۷۴،

۱۱: ۴، ۹ (؟)، ۱۵، ۳۵، ۴۶، ۵۵، ۶۶، ۷۸، ۱۰۹، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۶۸،

۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۷، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۶۸، ۲۸۱، ۲۸۷، ۲۹۳، ۲۹۷،

۳۰۴، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۴۰، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۰،

۳۷۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۴،

۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۳، ۴۲۴،

۴۲۸، ۱۲: ۲، ۴، ۹، ۱۱، ۱۴، ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۳۰، ۳۷، ۵۴، ۶۰،

۶۲، ۶۷، ۷، ۷۱، ۷۴، ۷۷، ۸۵، ۸۷، ۹۲، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۳،

۱۰۴، ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲،

۱۵۳، ۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۵،

۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶،

۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۵۷، ۲۶۱،

۲۶۲، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۴، ۳۰۶، ۳۱۲، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۶،

۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۹،

۳۸۸، ۳۹۶، ۴۰۷، **۱۳**: ۸، ۲۴، ۳۰، ۴۹، ۴۴، ۴۷، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۴۲، ۹
۱۵۷ (؟)، ۱۷۰ (؟)، ۱۷۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۶۱،
۲۷۱، ۳۱۱، ۳۲۳ (؟)، ۳۵۰، ۳۶۴، ۳۶۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۲۴،
۴۲۵، ۴۴۶، ۴۷۵، ۴۸۲، ۴۹۴، **۱۴**: ۲۶، ۴۳، ۸۹، ۹۱، ۱۱۱،
۱۲۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۷۸، ۱۸۸، ۲۰۸ (؟)، ۲۳۷، ۲۵۱، ۲۶۶، ۲۷۲،
۲۸۱، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۲۲، ۳۳۰، ۳۳۷، ۳۵۱، ۳۷۷،
۳۷۸، **۱۵**: ۱۹، ۵۲، ۸۵، ۸۶، ۸۹، ۹۰، ۹۴، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۸، ۱۸۹،
۱۹۵، ۲۳۴، ۲۴۲ (؟)، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۵۴ (؟)، ۲۸۱،
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۳۱، ۳۳۳،
۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۶،
۳۶۸، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۳، ۳۹۴، ۴۰۱، ۴۱۳، ۴۲۸، **۱۶**: ۷، ۱۱،
۱۹، ۲۱، ۴۹، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۷۹، ۸۲، ۸۴، ۸۷، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۸،
۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۵۶، ۱۶۹، ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۲۹،
۲۳۲، ۲۳۹، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۸۵، ۲۹۶، ۲۹۹، **۱۷**: ۶، ۸، ۹،
۱۳، ۱۷، ۱۹، ۲۶، ۳۴، ۴۵، ۶۲، ۷۰، ۹۴، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۳،
۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۱۶،
۲۲۲، ۲۴۱، ۲۶۱، ۲۶۷، ۲۸۳، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵ (؟)،
۳۲۰، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۲، ۳۵۸، ۳۶۴،
۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۸۲، ۳۸۳،
۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۴، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۵، ۴۲۷، ۴۲۸،

۹: ۲۰، ۱۰۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۴۸، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۵۹، ۳۸۶، ۴۰۵،
۴۷۳، ۴۴، **۱۰**: ۴، ۲۰۰، ۲۰۳، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۲۴۶، ۴۰۰، ۴۴، ۴۳۴،
۴۴۵، **۱۱**: ۵۸، ۸۴، ۱۸۱، ۱۹۳، ۲۱۱، ۳، ۲۸۳، ۳۱۶، ۳۶۰، ۳۷۵،
۳۹۱، ۴۰۳، ۴۱۸، ۴۲۲، **۱۲**: ۴، ۱۹، ۳۶، ۷۰، ۷۱، ۷۷، ۱۵۰، ۱۶۶،
۲۳۴، ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۲۴، ۳۲۷، ۳۵۲،
۳۵۴، ۳۶۱، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۷، ۳۷۹، ۴۰۳، **۱۳**: ۱۲، ۱۸، ۵۵،
۷۹، ۸۹، ۹۵، ۹۸، ۱۴۱، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۷، ۲۰۴، ۲۸۱، ۲۲۸،
۲۳۵، ۲۳۷، ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۳۵، ۳۴۸، ۳۶۲، ۳۸۷، ۴۰۷،
۴۱۲، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۶۱، ۴۹۳، ۴۹۹، **۱۴**: ۹، ۱۷، ۲۲، ۵۹، ۶۹،
۷۱، ۱۳۶، ۱۸۱، ۲۵۳، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۴، ۳۳۸، ۳۴۶،
۳۷۱، ۳۷۶، **۱۵**: ۶، ۱۲، ۱۸، ۳۴، ۴۱، ۸۳ (؟)، ۸۴، ۱۱۹،
۱۲۳، ۱۴۲، ۱۵۱، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۹۸، ۲۰۷، ۲۲۵،
۲۲۹، ۲۳۲، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۷۰، ۳۱۵، ۳۴۴، ۳۸۳، ۳۸۴،
۳۸۶، ۴۰۷، ۴۰۹، **۱۶**: ۴۶، ۴۷، ۵۵، ۸۹، ۹۰، ۱۱۷، ۱۳۰،
۱۵۵، ۱۷۷، ۱۹۱، ۲۳۳، ۲۵۳، ۲۷۷، ۲۸۴، **۱۷**: ۱۹، ۹۱،
۱۰۸، ۱۴۵، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۱۱، ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۴۲،
۲۵۰(؟)، ۲۷۵، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۶۴، ۴۰۲، ۴۴۳، **۱۸**: ۳۰،
۳۲(؟)، ۳۴، ۵۵، ۹۰، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۲، ۲۶۸،
۲۷۱، ۳۱۵، **۱۹**: ۳۹، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۴، ۲۱۸، ۳۶۶،
۲۴۴، ۲۶۰، ۲۸۶، ۲۹۵، ۳۰۸، ۳۱۰، **۲۰**: ۱۱، ۱۲، ۱۶، ۱۷، ۲۱،
۲۵، ۴۹، ۱۰۲، ۱۷۶، ۱۹۸، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۸، ۲۶۰، ۳۷۲، ۳۷۹،

۱۳: ۱۸، ۱۶: ۱۸۲؛

زید بن تُرکی الدُّبَیری ۱۶: ۸۶؛

زید الخَیْل الطائی ۲: ۳۹۳، ۳: ۲۲۱، ۴: ۴۰۶ (؟)، ۵: ۳۵۹، ۶: ۴۷۱،
۸: ۳۴۷، ۹: ۲۵۲، ۱۲: ۲۵۲، ۱۴: ۶۶، ۱۱۹، ۱۸۰، ۲۲۳، ۲۶۹،
۱۹: ۲۱۵، ۲۰: ۲۷؛

زید بن ضبة ۱۹: ۱۸۲؛

زید بن عَتاهِیَة التمیمی ۵: ۲۵۲؛

زید بن عدی ۷: ۵۸؛

زید بن عمرو بن قیس بن عَتّاب بن ہرمی بن ریاح۔ ملاحظہ ہو الاحوص بن عبد اللہ الریاحی

زید بن عمرو بن نُفَیل ۴: ۱۱۸، ۱۴: ۳۶۷، ۱۸: ۲۷۵، ۲۰: ۳۰۰ (؟)،
۳۸۱ (؟)؛

زید الفوارس الضَّبّیّ ۵: ۱۵۸؛

زید بن کُثْوَة العَنْبَری ۹: ۴۱۴؛

زینب بنت الطثریة (اخت یزید بن الطثریة) ۶: ۲۳۰، ۲۳: ۴۳،
۳۱۸ (؟)، ۴۰۹ (؟)، ۴۱۲ (؟)، ۴۶۴؛

س

ساعدة۔ ملاحظہ ہو ساعدة بن جُؤَیَّة الهذلی

ساعِدَة جُؤَیَّة الهُذَلِیّ ۱: ۴۴، ۷۰، ۱۸۸، ۲۱۰، ۲۳۶، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۸۳،
۳۰۳، ۳۰۸، ۳۴۹، ۴۵۹، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۱۴، ۴۷۵، ۴۸۱،

۵ ۹۴، **۲**: ۶۶، ۹۶، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۲۵۶(؟)،

۳۰۴، ۶۱۴، ۲۳۴، ۴۶۴، ۵۶۴، **۳**: -۳۶، ۸۶، ۹۲، ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۴۶، ۱۴۱، ۱۶۱،

۱۶۸، ۱۷۶، ۱۹۲، ۲۶۷، ۳۵۶، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۹، ۴۸۴، **۴**: ۱۲، ۱۲۶،

۳۵، ۱۱۱، ۱۶۴، ۱۸۶، ۱۸۳، ۲۳۸، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۰، ۳۱۷، ۳۲۴، ۴۴۷، ۴۵۷،

۵: ۱۲۶، ۳۲۲، **۶**: ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۵۱، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۷۸،

۳۴۰، ۳۴۹، ۳۸۰، **۷**: ۳۴، ۵۳، ۵۵، ۱۰۴، ۱۲۷، ۱۳۹،

۱۴۰، ۱۵۵، ۴۰۰، ۳۴۰، **۸**: ۱۱۳، ۱۳۴، ۲۱۱، ۲۸۸، ۳۷۹، ۳۸۳، ۳۸۹،

۹: ۲۷، ۱۲۰، ۱۴۸، ۲۳۳، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۶۶، ۳۶۳

۴۴۸، ۴، **۱۰**: ۱۷، ۳۴، ۱۵۰، ۲۲۱، ۲۸۳، ۳۶۶، ۳۹۰، ۴۱۵، ۴۴۴، ۴۴،

۱۱: ۴۹، ۶۵، ۷۰، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۳۸، ۱۵۵، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲

۲۶۳، ۳۲۱، ۳۶۱، ۳۸۸، **۱۲**: ۱۴۳، ۱۵۴، ۲۱۶، ۲۹۴، ۳۲۹، ۴۰۴، ۴،

۱۳: ۸، ۲۰۷، ۷۹، ۱۴۷، ۲۳۱، ۳۲۶، ۴۲۲، ۴۳۲، ۴۷۳، ۴۸۵، ۴،

۵۰۳، ۵۰۵، ۵، **۱۴**: ۷۴، ۱۱۱، ۱۴۵، ۱۵۹، ۱۶۲، ۲۰۹، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۷۹،

۲۸۳، ۳۰۴، ۳۴۹، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۶، ۳،

۱۵: ۲۰، ۲۵، ۲۷، ۴۶، ۹۳، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۹۲، ۲۱۵، ۲۲۲،

۲۲۳، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۷۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۳۳، ۳۴۲، ۳۶۱، ۴۲۲، ۴،

۱۶: ۹، ۴۹، ۵۴، ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۱۰۵، ۱۸۸، ۱۹۵، ۲۳۳، ۲۷۷، **۱۷**:

۳۸، ۹۶، ۱۱۴، ۱۷۰، ۱۸۳، ۲۳۲، ۴۶، ۳، ۱۴، ۴، **۱۸**: ۴، ۱۸، ۱۷۳،

۱۷۴، ۱۸۳، ۲۰۰، ۲۹۷، ۳۱۱، **۱۹**: ۱۱، ۹۶، ۱۴۵، ۱۹۵، ۲۰۷،

۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۸۰، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۵۹، ۳۶۷،

۲۰: ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۷۳، ۲۹۳، ۳۵۴، ۳۶۴!

سوید بن ابی کاهل الیشکری ۴: ۲۶۷، ۷: ۲۱۴، ۹: ۱۶۸، ۱۷۱۴،
۱۰: ۳۵، ۳۸، ۷۲، ۱۲۸، ۱۹۱، ۲۰۶، ۲۳۳، ۲۶۲، ۲۶۴، ۱۱: ۹۲،
۱۳: ۱۳۷؛

سوید بن کُراع العُکلی (کراع اسم امه واسم ابیه عُمَیر) ۱: ۲۱۷،
۳: ۶۴۴، ۴: ۳۲۰، ۴۷۹، ۷: ۱۸۴، ۸: ۳۸۰ (یہی شعر سوید
بن ابی کاهل کی طرف منسوب ہے ۱۳: ۱۳۷)؛ ۱۰: ۱۹۵، ۲۶۱ (یہ شعر بھی
سوید بن ابی کاهل کی طرف منسوب ہے ۱۰: ۳۶۲)، ۱۱: ۱۲۱، ۱۲: ۱۸۶،
۱۹: ۱۸۲؛

سَیّار الاَبانی ۲: ۱۱۲، ۱۰: ۲۵، ۱۱: ۳۸۲، (یہی اشعار سنان الابانی کی
طرف منسوب ہیں ملاحظہ ہو ۸: ۲۷۲)؛

سَیّار بن قُصیر ۱۷: ۶۴؛

سیف بن ذی یَزَن ۱۰: ۱۶۹، ۱۱: ۴۰۹، ۱۲: ۳۸۹، ۱۳: ۴۰۰، ۱۴: ۱۸،
۱۵: ۱۶۶، ۳۵۶؛

ش

شَاُس بن نَهار ــ ملاحظہ ہو المُمَزَّق العَبدی

شُبرُمة الضَّبی ۱۱: ۲۹۹؛

شُبرُمة بن الطُّفَیل ۱۰: ۲۴۴، ۱۱: ۱۲۵، ۱۲: ۲۶۶؛

ابو شِبل الاعرابی ۱: ۱۳۳؛

شَبِیب بن البَرصَاء ۱: ۳۷۱، ۷: ۴۰، ۱۵: ۲۸۸، ۴۳۰، ۱۶: ۱۹۳،
۱۹: ۳۶۸، ۲۰: ۱۸۰، ۳۷۳؛

شبیب بن شَیبَة ۱۲: ۳۹۵، ۳۸۷؛

٩٧، ١١٠، ١٧٠، ٢٢٩، ٢٣٠، ٣٠٦، ٣٢٧؛ ٦: ١٩، ٥٠، ٥٧، ٨٣،
٩٧، ٩٨، ١٦٥، ١٧٠، ٢٥٥، ٣٠٠، ٣٢٨، ٣٣٦، ٣٩٥، ٤١٧، ٤٢٢،
٧: ٣٩، ٤٢، ٤٧، ٩٠، ٩٦، ١١٤، ١٦٩، ١٨٢، ١٨٦، ١٨٩، ١٩٩،
٢٠٠، ٢٠٣، ٢٠٥، ٢١٩، ٢٢٨، ٢٣٢، ٢٣٤، ٢٤١، ٢٤٧، ٢٦٦، ٢٨١،
٢٨٣، ٢٨٦، ٢٨٧، ٢٨٩، ٢٩٩، ٣١٧، ٣٤١؛ ٨: ١٠، ٩١، ١١٤، ٢٠٦،
٣١٨، ٣٩٦، ٣٥٠، ٣٥٨، ٣٩٦؛ ٩: ٣٩، ٤٦، ٤٧، ٨٢، ٨٧، ٨٨، ٩٤،
١٩٩، ٣٥٣، ٣٧١، ٣٧٨، ٤٠٠، ٤٥٨، ٤٥٠؛ ١٠: ٦، ٨١، ١٠١، ١٤٧، ٢٤، ٢٧، ١٠٠،
١٢٣، ١٣٢، ١٥٧، ١٧: ١٧، ١٧٦، ٢١٦، ٢٢٣، ٢٤٨، ٢٨٨، ٣٢٧،
١١: ٩٦، ١٥٠، ١٥٤، ٢٥٩، ٢٧٢، ٢٧٨، ٣٦٨، ٤٠١؛ ١٢: ٢٨،
٣٥، ٣٦، ٧٥، ١١٢، ١٢٠، ١٣٠، ١٤٣، ١٥٩، ١٨٧، ١٩٧، ٢٤٦، ٢٦٤، ٣٢٦،
٣٣٦، ٣٨٥؛ ١٣: ٤٣، ٢١٨، ٢٣٩، ٣٤٣، ٣٤٢، ٣٦١، ٣٧٠،
٤٠٧، ٤٣٣، ٤١٤، ٤٧٠، ٤٧١، ٤١٨، ٤١؛ ١٤: ١٨٠، ٢٢٠، ٢٨٥،
٣٥٧؛ ١٥: ٥٠، ١٢٠، ١٣٩، ٢١٤؛ ١٦: ٢٢٣، ٢٦٤، ٢٦٥،
٢٧٠؛ ١٧: ٣١، ١٢٤، ٢٠٨، ٢٧٣، ٣٢١، ٣٢٣، ٣٥٣، ٣٦٨،
٣٩٣، ٤١٢؛ ١٨: ٧٠، ١٥٤، ١٩٤، ٢١١، ٢١٤، ٢١٤، ٢٤٧، ٢٩٠(؟)؛
٣٠٤، ٣١٣؛ ١٩: ٢٧، ٥٢، ٩١، ١٤٦، ٣٦٩؛ ٢٠: ٨٨، ٤، ٤١،
١٥٠، ٢٠٦، ٢٣١، ٢٥١، ٣٥٤، ٣٦٧؛
شَمِر ٦: ٢٩٩، ٢٠: ٢٨؛
شَمِر بن الحارث الضَّبِّيّ ٤: ١٢٦(؟)، ٧: ٣٠٨، ١٧: ٣٠٩؛
أبو شَمِر بن حُجْر ٥: ١٥٢(؟)؛
الشَّمَرْدَل ٢: ١٦١، ٩: ٥٤٤؛

ض

ط

۲۴۶، ۸، ۲۴، ۳۰۴، ۲۷۴، ۳۱، ۷۴، ۴، ۷۴، ۴، **۵**: ۵۷، ۸۳، ۱۱۹، ۱

۱۵۷، ۲۵۵، ۲۵۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱ ۲۷، ۳، ۳۱۱، ۳۴۵، ۳۶۵،

۶: ۲۴، ۶۷، ۸۹، ۹۰، ۱۱۴، ۱۵۸، ۱۶۸، ۱۹۰، ۲۲۵، ۲۳۴، ۲۵۰،

۲۵۵، ۲۶۲، ۲۸۲، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۶۹، ۳۷۷، (؟)، ۳۷۹،

۲۲۶، ۳۱۴، **۷**: ۶، ۳۶۶، ۸۰، ۸۷، ۸۸، ۱۱۹، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴،

۱۸۵، ۲۱۷، ۲۴۳، ۲۷۹، ۳۲۲، ۳۳، ۳۲۴، **۸**: ۱۱، ۱۹، ۳۰، ۱۰۰، ۱۸۴،

۳۹۳، **۹**: ۸، ۱۲۳، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۹۵، ۳۰۸، ۳۷۲، ۳۴۳، ۴۰، ۴، ۳۵۴،

۸۹، ۹۸، ۱۰، ۲۶۱، ۴۷، ۶۷، ۲۰۳، ۲۲۵، ۲۴، ۲۷۹، ۳۰۹،

۳۶۱، (؟)، ۳۹۳، ۳۹۶، ۴۰، ۵۰۴، **۱۱**: ۵، ۸۴، ۵۰، ۹۰، ۱۱۴،

۱۱۸، ۱۸۷، ۲۲۵، ۲۴۷، ۲۵۶، ۲۷۲، ۲۹۷، ۳۱۰، ۳۲۴، ۳۹۱،

۱۲: ۵۷، ۴۰، ۱۰، ۲۷۷، ۳۷، ۳۵۶، ۳۸۶، **۱۳**: ۱۷، ۲۴، ۱۲۱، ۱

۱۲۳، ۱۳۱، ۲۷۶، ۲۹۱، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۳۱، ۳۵۲، ۳۲۴ (؟)، ۳۸۴،

۳۶۴، **۱۴**: ۲۹، ۵۱، ۱۶۹، ۱۷۴، ۲۷۴، ۳۱۱، **۱۵**: ۳۲، ۲۴، ۷۴،

۱۶۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۲۸، ۲۳۵، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۶۸، ۳۸۶، ۳،

۵۰۴، ۳۱۴، **۱۶**: ۳۰، ۲۴، ۹۴، ۶۷، ۹۷، ۱۱۴، ۱۳۰، ۱۵۳، ۱۷۳، ۱

۲۳۰، ۲۳۸، ۲۸۶، ۲۹۰، ۲۹۷، **۱۷**: ۱۴، ۵۰۴، ۳۷۴، ۱۷۴، ۲۷۱، ۳۱۸،

۳۴۳، ۳۶۲، ۳۴۴، ۲۰۴، ۲۴۴، ۴۴، ۴۴، **۱۸**: ۳۹، ۷۴، ۸۹، ۹۹، ۱۳۲، ۱۴۴، ۱

۱۷۳، ۲۱۹، ۲۶۵، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۹۸، **۱۹**: ۱، ۳۲، ۳۲، ۶۲، ۱۱۴، ۱۴۹، ۱

۲۲۲، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۵۷، ۳۰، **۲۰**: ۹۹، ۱۲۵، ۱۹۱، ۲۳۲، ۲۷۵، ۳۲۶؛

جد طرفة ۱۲: ۴۳؛

الحجر مُلح — ما احتفظ به الطرماح بن الحكيم

الطِّرِمَّاح الأُجَئيّ **١٥**: ١٥٢ (؟)؛

الطرماح بن الجُهَم **٧**: ٣٣٤؛

الطرماح بن الحكيم **١**: ١٠٦، ١٥٢، ٢٠٦، ٢٥٥، ٢٦٧، ٣٤٣، ٣٦٢، ٣٦٥، ٣٨٣، ٤٣٢، ٤٨٠، ٤، **٢**: ٤٦، ٥٠، ١١٠، ١١٧ (؟)، ١٣٢، ١٧٢، ٢٢٤، ٢٣٨، ٣٥٣، ٤٠٤، ٤١٥، ٤٨١، **٣**: ٦٠، ٨٥، ١١٦، ١٢٤، ١٣٤، ٢٣٢، ٢٢٧، ٢٤١، ٢٤٣، ٢٥٣، ٢٧١، ٢٧٣، ٢٧٤، ٢٧٨، ٢٨١، ٣١٤، ٣١٥، ٣١٦، ٣٢٤، ٣٢٧، ٣٤٢، ٣٤٤، ٣٤٩، ٣٦٣، ٣٩٣، ٤٠٧، ٤٣٥، ٤٥٠، (؟) ٤٦٦، ٤٧٣، **٤**: ٤، ٦، ٥٨، ٨٥، ٨٦، ٨٩، ٩٣، ١٠٣، ١٠٨، ١٤٣، ١٦٦، ١٨٥، ٢٢٤، ٢٥٨، ٣٠٨، ٣١٧، ٣٢٨، ٣٤٠، ٣٥٢، ٣٦٤، ٣٩٦، ٤٨٣، ٤، **٥**: ١٦، ٤٤، ٥٥، ١٠٦، ١٢٨، ١٣٦، ١٥٩، ١٧٥، ١٩٠، ١٩٤، ٢٢٣، ٢٤٠، ٢٥٦، ٣٠٣، ٣٠٥، ٣٣٣، ٣٤٧، ٤٣ - **٦**: ٨٠، ١٠٠، ٢٣٤، ٢٤٢، ٢٥٧، ٢٥٨، ٣٠٥، ٤٢٨، ٤٢٩، ٤، **٧**: ٤، ٢١، ١٠٦، ١٤٦، ٢٠٧، ٢٥٩، ٢٦٤، ٢٩٥، ٣١٤، ٣٨٠، ٤٠٠، ٤٠٨، ٤٤٤، ٤١٥، **٨**: ١٣، ٢٦، ٢٨، ٧٥، ١٢٩، ٢٦٠، ٢٧٧، ٣٠٨، ٣١٠، ٣٢٨، ٣٥٣، ٤٠٤، ٤٠٥، ٤١٠، **٩**: ٣٠، ٤٨، ٨١، ٨٧، ٩٣، ١٠٧، ١١٤، ١١٨، ١١٩، ١٥٤، ٢٠٤، ٢٥٣، ٣٢٥، ٣٦٩، ٤١٦، ٤٢٠، ٤٤٠، ٤٤، **١٠**: ٢٢، ٣٤، ٥٧، ٨٢، ١٢٢، ١٣٢، ١٤١، ٢٤٤، ٢٥٣، ٢٥٤، ٢٥٧، ٢٧٦، ٣٠٠، ٣٢٨، ٤٠٦، ٤٠٩، ٤٢٠، ٤٤٩، ٤٤، **١١**: ١١٠، ١١٦، ١١٧، ١٤٠، ١٦٧، ١٦٨، ١٧٠، ٢٧٦، ٢٩٣، ٣٢٨، ٤٢٤، ٤٢٢، **١٢**: ١٣٦، ٢٠٣، ٢٤٣، ٢٩٧، ٣٢٥، ٣٥٦، ٣٨٥، **١٣**: ٧، ١٥٩، ١٨١، ٢١٩، ٢٢٠، ٢٢٥، ٢٩٢، ٣٥٣، ٣٥٧، ٣٩٠، ٣٩٢، ٤٥٥، ٤٦٩، ٤٧٥، ٤، **١٤**: ١٩، ١٠٠، ١١١، ١٨٩، ٢٤٩، ٢٩٣، ٤

ع

۲۷۹، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۸، ۳۶۳، ۳۷۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۵۹،
۳ : ۶، ۲۰، ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۶، ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۴۸، ۵۲،
۵۵، ۵۸، ۶۵، ۶۶، ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۹۶، ۹۹، ۱۰۱،
۱۰۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۶،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۰ (؟)، ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳،
۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۸۸، ۲۹۵،
۳۰۸، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۸، ۴۴۲، ۴۵۳، ۴۸۳، ۴۸۶، ۴۹۳،
۵۰۷، **۴** : ۴، ۹، ۱۳، ۱۵، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۴۲، ۴۴،
۷۳، ۹۵، ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۸،
۲۰۶، ۲۵۶، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۸۰، ۴۰۴،
۴۴۵، **۵** : ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۵۵، ۷۰، ۷۷، ۸۳، ۸۵، ۸۹، ۹۳،
۱۴۰، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۱، ۲۰۰، ۲۲۹،
۲۵۰، ۲۶۳، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۶،
۳۴۸، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۲، ۴۲۱، **۶** : ۵، ۱۳،
۱۵، ۲۲، ۳۱، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۸۹، ۹۱، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۱،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۸۰، ۱۹۰، ۲۱۰، ۲۱۴،
۲۲۲، ۲۳۳، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۱۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶،
۳۷۸، ۳۹۰، ۴۰۳، ۴۱۴، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۶،
۴۵۸، ۴۶۵، ۴۶۹، **۷** : ۶، ۳۳، ۴۲، ۷۸، ۷۹، ۸۶، ۹۰،
۱۰۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۷۴،
۱۸۲، ۲۰۶، ۲۱۷، ۲۴۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۸، ۳۳۵،

۳۴۶، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۹۲ ،

۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۳، ۴۱۶، ۴۳۲ ، **۸** : ۴، ۶ (؟)، ۱۰، ۱۳، ۱۴،

۲۰، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۳۸، ۴۴، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۶۰، ۶۶، ۷۱ (؟)، ۷۴،

۷۵، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۹۲، ۹۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۴۴،

۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۸۵، ۲۰۶، ۲۷۲، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۲۷، ۳۷۳، ۳۹۹ ،

۹ : ۹، ۱۵، ۱۶، ۴۲، ۶۹، ۸۵، ۱۰۶، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۴۹، ۱۵۵،

۱۵۶، ۱۵۷، ۱۷۴، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۶ (؟)، ۲۰۳، ۲۱۲، ۲۵۱ (؟)،

۲۹۶، ۲۹۷، ۳۱۲، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۲۶، ۳۳۳، ۳۵۷، ۳۶۹، ۳۸۰ ،

۳۹۵، ۴۲۰، ۴۲۵، ۴۳۴ (؟)، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۸۳، **۱۰** : ۲، ۱۲، ۳۸،

۶۸، ۱۳۴، ۱۹۱، ۲۱۷، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۰، ۲۷۵، ۳۱۰، ۳۲۶، ۳۵۴ ،

۳۶۴، ۳۸۰، ۳۸۷، ۳۹۴، ۳۹۸، ۴۲۰، ۴۲۶، **۱۱** : ۶، ۹ (؟) ،

۱۹، ۲۹، ۳۱، ۳۸، ۴۶، ۵۱، ۷۰، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۵، ۸۷، ۹۲،

۱۳۲، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۹۱، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۲۶،

۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۶۸، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۴، ۳۶۷، ۳۸۹، ۴۱۵، ۴۱۷،

۴۲۹، **۱۲** : ۲۲، ۳۵، ۴۲، ۵۱، ۶۸، ۷۴، ۹۲، ۱۳۶، ۱۷۰، ۲۱۸ ،

۲۲۸، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۰، ۳۲۶، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۸۹، ۳۹۴، **۱۳** : ۳۰ ،

۸۷، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۵۵، ۱۵۷ (؟)، ۱۷۰ (؟)، ۱۷۲ (؟)،

۲۱۷، ۲۲۵، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۴، ۳۱۲، ۳۱۳،

۳۲۳ (؟)، ۳۴۴، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۹۳، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۱۴، ۴۱۸ ،

۴۳۵، ۴۴۶، ۵۰۱، **۱۴** : ۲، ۴، ۲۲، ۵۰، ۵۵، ۹۷، ۱۰۶، ۱۰۷،

۱۱۷، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۳، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۷۱،

۲۷۵، ۲۸۴، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۳۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۴۹، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۷۰، **۱۵** : ۴۸، ۵۵، ۶۴، ۷۳، ۷۴،
۸۷، ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۳۶،
۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۶،
۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۷، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۹۵، ۳۹۶،
۴۰۱، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۱، **۱۶** : ۷، ۱۰، ۳۰، ۷۷، ۸۴، ۹۹، ۱۰۴، ۱۳۶،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۸۲، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۶۶، **۱۷** : ۲۱، ۴۰، ۴۳، ۴۷،
۷۲، ۸۷، ۱۰۱، ۱۵۵، ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۷۰، ۲۹۵(؟)،
۳۶۵، ۳۷۵، ۳۹۹، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۵۲، **۱۸** : ۱۴، ۳۰، ۵۲، ۵۵،
۹۱، ۱۰۴، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۳۴، ۲۵۰،
۲۸۳، ۲۹۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۰، **۱۹** : ۲۰، ۴۰، ۶۴، ۷۶، ۷۸، ۸۳،
۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۹۲، ۲۰۱(؟)، ۲۱۹،
۲۲۶، ۲۳۳، ۲۶۴، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۹، **۲۰** : ۷، ۱۰، ۵۰، ۷۳،
۷۹، ۸۶، ۹۴، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۷(؟)، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۴۲، ۲۵۳،
۲۵۷، ۲۶۵، ۲۶۷، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۵، ۳۷۵؛

ابن العجلانِ الهُذَلِی **۱۷** : ۳۷۷؛

العِجلِی **۱۹** : ۳۱۶؛

العُجَیرُ السَّلُولِی **۱** : ۲۹۱، ۴۷۸، **۳** : ۹۰، ۴۴۸، ۴۶۵، **۴** : ۴۴۶،
۶ : ۱۸۶، ۱۹۱، ۴۲۹، **۷** : ۲۹۰، ۴۰۰، **۸** : ۶۴، **۹** : ۱۰۹،
۳۲۱، **۱۰** : ۳۴۶، ۳۷۴، **۱۲** : ۳۵۷، ۳۹۳، **۱۳** : ۴۳(؟)، ۱۵۷،

عمرو بن الاھتم ۱۰: ۴۱۸، ۱۱: ۱۵۹، ۱۲: ۲۶۷، ۲۰: ۸۸،
(نیز ملاحظہ ہو عمرو بن الاھیم)

عمرو بن الاَھْیَم ۱۶: ۱۴۸؛

عمرو بن الأیْھَم ۱۶: ۸۰؛

عمرو بن بدرٍ الھذلی ۱۹: ۲۶۴؛

عمرو بن براء ۱۰: ۲۲۱، ۱۱: ۱۸۶؛

عمرو بن جَبَل ۱۴: ۳۶۶؛ (۱۴: ۳۶۷، پر یہی مصرع عمرو بن جمیل کی جانب منسوب ہے)

عمرو بن جَمِیل الاسدی ۶: ۳۹۱، ۱۰: ۲۴۵، ۱۴: ۳۶۷، ۱۸: ۳، ۱۴۷؛

عمرو بن جُوَین ۷: ۳۶۲ (؟)، ۸: ۳۷۹، ۱۴: ۱۷۸ (؟)؛ (یہ نام عامر بن جوین الطائی سے مشابہ ہے)۔

عمرو بن الحرث ۱۴: ۱۱۰؛

عمرو بن الحرث بن مُضاض بن عمرو ۱۶: ۲۶۴ (؟)؛

عمرو بن حارثۃ (المعروف بالاشعر الزفیان) ۲۰: ۳۲۹؛ (معجم الشعراء میں الزفیان کی بجائے الرقبان مرقوم ہے)۔

عمرو بن حَسّان (من بنی الحرث بن ھمام بن مُرّۃ) ۶: ۴۴۶، ۹: ۹۷، ۱۲: ۱۰۲، ۱۳: ۱۸۷ (؟)، ۴۳۱، ۱۷: ۳۰۴، ۱۹: ۳۴۹؛

عمرو بن الدخل ۶: ۲۷۳، ۳۲۱؛

عمرو بن دَرّاک العبدی ۱۵: ۱۷۷؛

عمرو ذو الکلب الھذلی ۲: ۲۳۲، ۴: ۲۲، ۲۲۰، ۷: ۳۱۱، ۱۲: ۲۹۳، ۱۳: ۴۹، ۱۴۱، ۱۵: ۴۱، ۱۲۵، ۲۱۴، ۳۲۱، ۱۶: ۹۲، ۲۲۱، ۱۹:

غ

ف

۸ : ۱۲۷ ، ۱۷۲ ، ۲۰۸ ، ۲۱۴ ، ۲۹۴ ، ۲۹۷ ، ۳۳۷ ، ۳۵۲ ، ۴۱۲ ،
۹ : ۸۱ ، ۹۰ ، ۹۶ (؟) ، ۱۸۹ ، ۱۹۳ ، ۳۰۵ ، ۳۱۱ ، ۳۴۵ ، ۳۷۲ ،
۴۲۶ ، ۴۴۱ ، ۴۵۶ ، ۴۷۸ ، ۴۸۳ ، ۱۰ : ۱۰ ، ۵۳ ، ۷۱ ، ۱۳۹ ، ۱۴۲ ،
۱۴۸ ، ۱۸۶ ، ۲۴۵ ، ۲۶۱ ، ۲۹۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۶ ، ۳۷۵ ، ۳۸۰ ، ۳۹۰ ،
۴۱۷ ، ۴۲۵ ، ۱۱ : ۷ ، ۳۰ ، ۳۳ ، ۴۴ ، ۴۸ ، ۵۶ ، ۵۷ (؟) ، ۸۱ ،
۸۴ ، ۸۵ (؟) ، ۹۲ ، ۱۱۲ ، ۱۲۱ ، ۱۳۲ ، ۱۴۹ ، ۱۶۳ ، ۱۷۹ ، ۱۹۹ ، ۲۲۸ ،
۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۶۶ ، ۳۱۱ ، ۳۱۹ ، ۳۳۵ ، ۳۴۳ ، ۳۴۷ ، ۱۲ : ۱۶ ، ۱۸ ،
۲۱ ، ۷۵ ، ۱۲۷ ، ۱۳۸ ، ۱۴۲ ، ۱۴۷ ، ۱۶۵ ، ۱۶۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۶ ،
۲۵۲ ، ۲۸۴ ، ۳۱۶ ، ۳۳۹ ، ۳۴۳ ، ۳۴۵ ، ۳۴۷ ، ۳۷۵ ، ۳۸۲ ،
۱۳ : ۱۵ ، ۲۸ ، ۳۱ ، ۳۶ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۷۵ ، ۷۸ ، ۱۰۰ ، ۱۳۸ ، ۱۵۲ ،
۱۸۴ ، ۱۹۴ ، ۲۰۴ ، ۲۴۳ ، ۲۹۵ ، ۳۶۰ ، ۴۱۶ ، ۴۷۷ ، ۴۹۴ ، ۵۰۰ ،
۵۰۸ ، ۵۰۹ ، ۱۴ : ۸ ، ۹ ، ۲۰ ، ۳۳ ، ۶۴ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۳۰ ، ۱۷۴ ،
۲۶۹ ، ۳۱۰ (؟) ، ۳۲۶ ، ۳۳۵ ، ۳۳۷ ، ۳۵۱ ، ۳۶۴ ، ۳۶۹ ، ۱۵ :
۴ ، ۱۹ ، ۴۹ ، ۵۴ ، ۸۹ ، ۱۳۷ ، ۱۴۲ ، ۲۲۳ ، ۳۰۱ ، ۳۳۷ ، ۳۵۷ ،
۳۹۶ ، ۴۰۳ ، ۴۲۶ ، ۴۳۱ ، ۱۶ : ۳۱ ، ۳۹ ، ۴۱ ، ۶۰ ، ۹۱ ، ۱۰۸ ، ۱۳۰ ،
۱۵۰ ، ۲۱۱ (؟) ، ۲۲۵ ، ۲۴۶ ، ۲۵۵ ، ۲۹۴ ، ۱۷ : ۷ ، ۹ ، ۱۰ ، ۴۲ ،
۹۸ ، ۱۱۶ ، ۱۵۱ ، ۱۵۷ ، ۱۸۴ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۳ ، ۲۷۵ ، ۳۲۸ ،
۳۴۸ ، ۳۷۹ ، ۴۰۲ ، ۴۰۴ ، ۴۲۳ ، ۴۲۵ ، ۱۸ : ۶ ، ۵۹ ، ۱۱۳ ،
۱۵۲ ، ۱۷۴ ، ۱۷۶ ، ۲۲۴ ، ۳۰۸ ، ۱۹ : ۱۵ ، ۱۶ ، ۳۱ ، ۶۶ ، ۷۰ ، ۷۹ ،
۱۳۵ ، ۱۷۴ ، ۱۸۶ ، ۲۴۸ ، ۲۷۵ (؟) ، ۳۳۳ ، ۳۳۵ ، ۳۴۱ ، ۳۴۶ ،
۳۵۴ ، ۳۵۵ ، ۲۰ : ۱۶ ، ۴۳ ، ۶۲ ، ۸۴ ، ۹۵ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۷۵ ،

ق

۲۰ : ۱۹؛

قیس بن خویلد الهذلی ۵ : ۲۶۲، ۱۰ : ۲۳۱، ۱۴ : ۱۹۴، ۱۶ : ۲۶۲؛

قیس بن ذُرَیح ۱ : ۴۸۴، ۲ : ۲۷۰، ۳۷۱، ۵ : ۳۵۰، ۸ : ۲۱۰،
۹ : ۳۷۳، ۴۸۱، ۱۰ : ۱۷، ۴۷، ۶۱، ۶۲، ۸۸، ۱۰۶، ۴۱۰، ۴۵۱،
۱۱ : ۵۱، ۱۴۳، ۱۲ : ۵۰، ۱۷۰، ۱۵ : ۱۲۵، ۲۱۸، ۱۶ : ۲۰۹، ۲۱۵،
۱۷ : ۹۶، ۱۹ : ۲۴۹، ۲۷۴، ۳۵۰، ۲۰ : ۱۶۱؛

قیس بن رِفاعة ۳ : ۶۹، ۱۱ : ۱۹۰، ۲۰۱، ۱۲ : ۳۰۳؛

ابو قیس بن رِفاعة ۲ : ۳۸۰ (؟)، ۸ : ۲۷؛

قیس الرُّقَیّات ۲ : ۹۷، ۱۸ : ۲۱۱؛

ابن قیس الرُّقَیّات ۲ : ۲۰، ۷۰، ۳۱۳، ۳ : ۸۵، ۱۴۶، ۲۱۲، ۳۱۹، ۳۶۵،
۴ : ۲۸۸، ۷ : ۲۹۱، ۱۱ : ۶۲، ۱۳ : ۳۹۱، ۱۴ : ۶۸، ۱۵ : ۳۵،
۱۶ : ۷۱، ۱۷۲، ۱۹ : ۱۶۴، ۳۷۵، ۲۰ : ۸۱؛

قیس بن زهیر العبسی ۶ : ۲۳۴، ۱۱ : ۱۴۰، ۱۳ : ۲۶۳، ۱۵ : ۱۰۳،
۱۷۱، ۳۱۲، ۱۷ : ۴۶۲، ۱۸ : ۱۴، ۱۹ : ۲۰۲؛

قیس بن عاصم المِنقَری ۱ : ۸۴، ۹ : ۲۴۰، ۱۰ : ۷۱، ۱۱ : ۲۶۵ (؟)،
۱۴ : ۲۶۱ (؟)، ۱۶ : ۲۹۸، ۱۷ : ۲۰۰؛

قیس بن عُبادة ۱۳ : ۳۵۵؛

قیس بن عبداللہ ابو لَیلیٰ — ملاحظہ ہو الجَعدی

ابن قیس العدوی ۹ : ۴۴۸؛

قیس بن عَیزارة الهُذَلی ۳ : ۲۴۸، ۸ : ۳۳، ۱۰ : ۹۲، ۱۱ :
۸۷، ۱۲ : ۳۲۸، ۱۶ : ۹۲، ۱۷ : ۳۷۰، ۱۹ : ۷۱، ۲۰ : ۲۶، ۶۷،

(آخری دونوں صفحوں پر عیزارۃ کی بجائے عیزار مرقوم ہے)۔

قیس بن معاذ — ملاحظہ ہو مجنون بنی عامر

قیس بن المُلَوِّح ۲ : ۱۲۹، ۱۶: ۱۹۵، ۲۰ : ۱۲۰؛

قَیل بن عمرو بن الہُجَیم ۱۵ : ۱۲۴؛

ک

کاھل ۱۷: ۳۸۶؛

ابوکاھل الیَشکُرِیّ ۱: ۴۱۸، ۵ : ۱۶۰، ۲۴۴، ۶ : ۶۹، ۷: ۲۹۵، ۱۹: ۱۶۵؛

کَبشَۃ (اخت عمرو بن معد یکرب) ۱۳ : ۴۸۷؛

ابوکبیر الہذلی (ہو عامر بن الحُلَیس) ۱: ۳۲۷، ۲ : ۴۱۹، ۴۶۲، ۳: ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۷۷، ۴۷۳، ۵۰۴، ۴ : ۱۲۷، ۲۰۸، ۲۹۶، ۳۱۱، ۵ : ۱۵۱، ۱۷۷، ۲۳۵، ۳۸۹، ۴۲۴، ۶ : ۴۹، ۵۱۱، ۱۷۳، ۲۱۰، ۲۸۲، ۲۹۷، ۳۰۶، ۴۷۳، ۷ : ۵۳، ۷۰، ۱۲۷، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۴۲، ۲۶۱، ۳۱۷، ۸ : ۱۷۸، ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۶۲، ۹ : ۴۹، ۲۳۷ (؟)، ۱۰ : ۴۹، ۱۹۶، ۲۵۳، ۲۸۳، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۷۷، ۳۸۹، ۴۱۲، ۴۱۹، ۴۳۹، ۱۱ : ۴۶، ۸۴، ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۴۲، ۱۷۱، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۷، ۲۴۳، ۳۲۸، ۳۴۲، ۱۲ : ۷۰، ۱۱۷، ۱۴۴، ۱۸۰، ۳۳۰، ۳۳۹، ۱۳ : ۴۳، ۵۹، ۸۲، ۹۹، ۱۱۰، ۱۲۰، ۱۸۷، ۳۵۳، ۳۶۵، ۴۲۶، ۴۴۷، ۴۶۸، ۵۱۳، ۱۴ : ۲۴، ۶۲، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۴۹، ۳۰۷، ۳۷۱، ۱۵ : ۴۳،

۴۶، ۶۲، ۷۰، ۸۵، ۲۱۴، ۳۱۰، ۳۳۳، ۱۷: ۹۱، ۳۵۴، ۱۸: ۷۵؛
۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۹: ۲۷۵، ۳۲۰، ۲۰: ۱۴۳، ۱۹۲، ۲۰۲،
۳۷۹، ۳۸۱؛

ابو کَثْوَة ۱۶: ۶۱، ۱۹: ۸۵ (یہاں ابن کثوۃ مرقوم ہے، مگر دونوں جگہ
ایک ہی شعر ہے)؛

کُثَیِّر — ھو کثیر عزۃ

کُثَیِّر بن جابر المحاربی ۲: ۷۲، ۷۵، ۱۰: ۳۰۷، ۱۶: ۱۰۱، ۲۰۶، ۱۸:
۳۳، ۲۴۷؛

کثیر بن سعد ۶: ۲۳۰؛

کُثَیِّر عَزَّة (ھو ابن عبدالرحمٰن الخزاعی) ۱: ۴۳، ۴۷، ۸۷، ۸۹، ۱۲۰، ۲۰۰،
۲۲۴، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۴۲، ۳۶۵، ۳۸۳، ۴۰۳، ۴۰۸، ۲:
۲۱، ۲۲، ۷۴، ۹۸، ۱۲۲، ۱۴۵، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۶۳، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۲۱، ۳۷۷ (؟)، ۳۸۷، ۳۹۴، ۴۱۶، ۴۵۳، ۴۷۳، ۴۷۶؛
۳: ۴، ۱۳، ۶۱، ۷۴، ۲۷۵، ۳۲۱، ۳۴۷، ۴۷۲، ۴: ۸، ۳۹،
۵۸، ۸۷، ۹۵، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۹،
۲۱۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۴۳۵، ۴۴۳،
۴۵۰، ۵: ۱۲، ۳۴، ۳۸، ۵۹، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۲،
۱۵۹، ۱۷۳، ۳۹۲، ۶: ۴۱، ۷۱، ۸۲، ۹۵، ۱۳۵، ۱۴۵، ۲۰۲؛
۲۰۷، ۲۱۰، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۳۳، ۳۶۶، ۴۱۰، ۴۱۴، ۴۵۱، ۴۷۱؛
۷: ۵۷، ۵۸، ۱۳۰، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۹۴، ۲۰۱، ۸: ۱۰۳،
۱۶۸، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۶۲ (؟)، ۳۸۳، ۹: ۷۴، ۱۵۱، ۲۰۸، ۳۸۶، ۴۲۰،

٤٨١، ١٠: ٤٣، ٥٣، ٥٦، ١١٤، ١٦٠، ٢٢٤، ٢٣١، ٢٧٥، ٢٩٤،
٣٠٨، ٤٠٢، ٤٤١، ٤٤٤، ١١: ١٧، ٤٤، ٥٥، ٦٣، ٨٧، ١٥٠،
١٥٤، ١٦٥، ٣٠٢، ٣٦٣، ١٢: ٤٠، ٦٢، ٧٣، ٩٩، ١٢٧، ١٣٤،
١٧٩، ٢٤٥، ٢٤٧، ٢٤٩، ٢٦٥، ٢٦٨، ٣١٣، ٣١٩، ٣٤٦،
٣٩٩، ١٣: ٩، ١٠، ٤١، ٤٧، ٥٨، ٧١، ٩٢، ١٠٣، ١٢٥، ١٤٦،
١٦٧، ١٨٥، ٢٧٧، ٢٨٢، ٣٠١، ٣١٢، ٣٢٦، ٣٣٤، ٣٤٤،
٤٠٤، ٤٤٣، ٤٥٦، ٥١١، ١٤: ٢٥، ١٠٦، ١٦١، ١٧٧، ١٧٨،
١٩١، ٢١٧، ٢٩٧، ٣١١، ٣١٨، ٣٣١، ١٥: ٢٥، ١٠٨، ١٠٩،
١٣٢، ١٥١، ١٦٤، ١٧٩، ١٨٨، ٢٦٧، ٢٩١، ٣٣١، ٣٤٥،
٣٤٦، ٣٥٣، ٤٢٧، ١٦: ١٥، ١٠٩، ١١١، ١١٥، ١٩٣،
٢٠٧، ٢٢٠، ٢٤٥، ٢٤٩، ٢٧٠، ٢٨١، ٢٩٩، ١٧: ١٠،
٧٤، ٨١، ١١٣، ١٤٨، ١٧١، ٢٣١، ٢٣٥، ٢٣٨، ٢٧٠،
٢٧١، ٣٤٠، ٣٤٣، ١٨: ٧٣، ٧٧، ٧٩، ٨٧ (؟)،
١٢٠، ١٢٧، ١٤٢، ٢٠٨، ٢٦٤، ٢٩٣، ٣٠٤، ١٩: ١٦،
٣١، ٣٤، ٤١، ٦٣، ٧٥، ٨٩، ١٠٣، ١١٢، ١٣٥، ١٦٠، ١٧٣،
١٨٩، ١٩٦، ٢٦٤، ٢٦٨، ٢٦٩، ٢٩٢، ٣٣٥، ٣٥٧، ٢٠:
٤٣، ٦٠، ٩٦، ١٠٤، ١٥١، ١٦٧، ٢٠٣، ٢٠٤، ٢٠٦، ٢٣٦، ٢٧٤،
٢٨٠، ٢٩٢، ٢٩٨، ٣٠١؛

كثير بن العزيزة ١٣: ١٧١؛

كُثَيِّر بن كُثَيِّر النَّوفَلِيّ ٢: ٥١؛

كُثَيِّر بن مُرَّة بن زِدٍ ٦: ٨، ١٣: ٧٣، ٢٤١، ٣٣٦؛

الکذاب الحرمازی ۷: ۳۰۱، ۱۲: ۲۳ (؟)؛

الکروس بن حصن ۱۴: ۲۱۰؛

الکسعی (هو محارب بن قیس) ۱: ۲۸۹، ۱۰: ۱۸۶؛

کعب — هو کعب بن زهیر المزنی

کعب بن ارقم الیشکری ۱۵: ۳۸۲ (؟)؛

کعب الامثال ۱۰: ۲۹۵، ۲۰: ۲۴۷؛

کعب بن جعیل ۲: ۱۴۶، ۴: ۲۴۲، ۶: ۶۹ (؟)، ۱۲: ۳۴، ۱۳:
۲۲۲، ۱۴: ۱۵۷؛

کعب بن زهیر المزنی ۱: ۱۳۹، ۱۴۱، ۲۱۴، ۲۹۲، ۳۶۱، ۳۸۴،
۴۰۹، ۴۳۱، ۴۶۲، ۲: ۱۶۲، ۳۰۵، ۳: ۱۲۸، ۲۱۸،
۲۳۰، ۳۶۳، ۴: ۲۶، ۲۹، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۵۰، ۲۷۹،
۳۲۷، ۳۷۴، ۴۳۹، ۴۵۴، ۵: ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۵۶،
۳۱۳، ۳۲۱، ۳۹۵، ۳۹۷، ۴۲۳، ۶: ۵۲، ۱۶۸، ۱۷۴،
۲۱۶، ۲۶۱، ۳۰۱، ۴۳۵، ۷: ۱۵۸، ۲۰۰، ۲۳۳، ۲۵۴،
۲۵۹، ۳۱۷، ۳۸۱، ۳۸۲، ۸: ۱۲۸، ۳۳۱، ۳۸۴، ۹:
۲۰، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۹، ۶۱، ۱۰۳، ۱۹۸، ۲۴۱، ۴۰۰،
۱۰: ۱۶۲، ۱۹۶، ۲۹۲، ۳۷۰، ۳۸۷، ۴۴۷، ۱۱: ۷۹،
۸۲، ۱۳۲، ۱۳۸، ۲۴۵، ۲۵۳ (؟)، ۲۶۰، ۱۲: ۶۴، ۱۱۰،
۲۰۴، ۲۰۹، ۲۳۶، ۳۱۲، ۳۳۱، ۳۳۹، ۱۳: ۴۱، ۵۴، ۵۶،
۶۳، ۸۰، ۸۵، ۹۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۵۸،
۲۸۲، ۳۰۰، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۵۶، ۳۹۰،

۳۹۴، ۴۱۹، ۴۶۸، ۴۷۴، ۴۸۲، ۴۹۶، ۵۰۰، ۱۴: ۱۵،
۲۶، ۴۷، ۹۹، ۱۲۸، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۲۹،
۲۸۵، ۳۴۲، ۱۵: ۷۶، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۷۱، ۱۹۳، ۲۰۹،
۲۱۹، ۲۲۷، ۲۵۰، ۲۷۲، ۳۱۷، ۳۵۳، ۴۰۰، ۴۰۶،
۱۶: ۱۴۴، ۱۸۷، ۳۰۳، ۱۷: ۱۶، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۸۹،
۱۹۱، ۲۱۶، ۲۶۰، ۳۲۲، ۳۳۳، ۱۸: ۳۲ (؟)، ۸۲،
۱۳۰، ۱۳۷، ۲۲۵، ۲۴۶، ۲۷۰، ۱۹: ۱۰۴، ۱۲۱،
۲۵۶، ۲۰: ۶۵، ۱۲۷، ۱۶۴، ۱۸۲، ۳۴۶، ۳۶۹؛

کعب بن سعد الغَنَوِی ۱: ۲۷۵، ۳۱۸، ۹: ۲۸۷، ۱۴:
۹۱، ۹۵، ۲۹۶، ۱۸: ۲۰۰، ۱۹: ۳۲۴ (؟)،
۲۰: ۲۵۰، ۳۰۵، ۳۴۱؛

کعب بن سُوَید الغنوی ۱۳: ۵۰۱؛

کعب بن لُؤَی ۳: ۴۳، ۹: ۶۵؛

کعب بن مالک الانصاری ۱: ۳۳۴، ۳۷۱، ۴۲۷، ۲: ۱۴۴،
۴۶۶، ۳: ۲۷۶، ۴: ۴۳، ۵: ۷۰، ۱۸۴، ۲۲۸، ۱۰:
۲۱۷، ۱۱: ۱۱، ۱۷۶، ۱۳: ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۷۳، ۱۴:
۶۶، ۱۷: ۶۸، ۳۰۴، ۳۷۱، ۱۸: ۵، ۸۸، ۱۹: ۸۸،
۲۰: ۲۰۱؛

کعب بن مُرَّة ۳: ۲۶۵؛

الکلابی ۱: ۳۷۵، ۹: ۵۸، ۱۴: ۱۳۶، ۱۶: ۳۰۲، ۲۰: ۴۸؛

ابن کُلثوم — ملاحظہ ہو عمرو بن کلثوم

الکلحبة الیربوعی (ھو ھُبَیرة بن عبد مناف) ۲ : ۳۸۶، ۴ : ۷، ۱۷۷، ۲۸۰،
۶ : ۲۳۵، ۱۰ : ۱۲۳، ۱۰۳۰۴ (یہاں ابن الکلحبة مرقوم
ہے)، ۱۱ : ۹۴، ۱۲ : ۴۰۵، ۱۵ : ۱۷، ۵۹،
۱۸ : ۸۶؛

کُلَیب بن رَبیعة التغلبی ۶ : ۳۷۷ (؟)؛ ۲۰ : ۳۸۵؛

کلیب الکلابی ۱۲ : ۲۶۸؛

الکمیت ـــ ھو الکمیت بن زید الاسدی

الکمیت بن ثعلبة الاکبر الفقعسی ۵ : ۳۸۶ (؟)؛ ۷ : ۸،
۱۰ : ۱۴۵ (؟)؛

الکمیت بن زید الاسدی ۱ : ۲۱، ۴۶، ۵۳، ۸۲، ۱۰۵،
۱۱۱، ۱۳۵، ۱۸۷، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۴۰، ۲۶۴، ۲۷۵،
۲۷۹ (؟)، ۲۸۸، ۳۲۱، ۳۲۸، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۱۰،
۴۲۸، ۴۳۴، ۴۵۳، ۴۵۹، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۸،
۴۸۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۲ : ۶، ۱۴، ۲۴، ۲۷، ۳۲،
۳۶، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۶۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۸۸، ۲۱۸،
۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۸۰،
۲۸۴، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۷۲، ۴۰۴، ۴۱۷، ۴۴۷،
۳ : ۳، ۲۴، ۳۳، ۸۵، ۱۴۰، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۵،
۲۰۸، ۲۱۴، ۲۲۷، ۳۶۷، ۳۹۲، ۴۳۴، ۴۴۱،
۴۵۹، ۴۷۰، ۵۰۲؛ ۴ : ۲۳، ۳۳، ۳۸، ۴۵، ۷۱،

۹۶، ۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۸۸، ۱۹۳،
۲۰۳، ۳۰۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۸۱، ۳۹۹، ۴۲۱، ۴۳۸،
۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۶، ۵: ۳۴، ۴۱، ۴۲،
۴۶، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۲،
۲۰۲، ۲۰۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۱۹، ۳۴۶، ۳۵۱، ۳۵۳،
۳۶۴، ۳۷۶، ۴۰۰، ۴۱۳، ۶: ۷، ۸، ۱۲، ۱۵،
۴۶، ۶۹، ۷۱، ۸۸، ۱۶۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۷،
۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۶۱، ۲۶۶،
۳۱۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۵۷، ۴۳۴،
۴۴۷، ۴۴۸، ۴۷۳، ۷: ۳۳، ۴۹، ۷۰، ۸۱،
۱۰۶، ۱۲۳، ۱۵۵، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۳۸، ۲۵۷،
۲۶۰، ۳۱۳، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۷،
۳۶۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۳۰، ۸: ۶، ۹،
۱۴، ۳۴، ۶۰، ۶۳، ۷۷، ۸۶، ۹۰، ۹۷، ۱۰۱،
۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۶،
۲۴۶، ۲۵۳، ۲۶۵، ۲۹۱، ۳۳۶، ۹: ۳۵، ۴۶،
۸۳، ۸۹، ۱۵۹، ۱۶۸، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۱،
۲۱۳، ۲۳۸، ۲۴۸، ۲۶۸، ۳۹۸، ۴۲۵، ۴۲۸،
۴۴۴، ۴۷۶، ۵۰۰، ۱۰: ۷۲، ۹۸، ۱۰۸، ۲۸۱،
۳۱۷، ۳۳۳، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۰، ۴۲۶،
۴۴۵، ۴۵۱، ۱۱: ۲۱، ۶۹، ۷۸، ۱۲۷، ۱۴۶،

۱۴۸، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۴۸،
۲۵۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۵،
۳۷۵، ۴۰۱، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۱، ۱۲: ۳، ۳۶،
۴۷، ۵۸، ۸۱، ۹۰، ۱۳۵، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۳،
۱۹۶، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۵۲، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۶،
۳۰۶، ۳۳۰، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۶۷، ۱۳: ۳، ۱۳،
۲۵، ۴۸، ۶۶، ۶۷، ۸۲، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۰،
۱۱۴، ۱۴۱، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۸،
۲۱۹، ۲۲۵، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۸۰،
۲۸۷، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۶۸، ۳۷۴،
۳۷۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۹، ۴۴۴،
۴۵۳، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۲، ۴۹۹، ۵۱۰، ۵۱۱،
۵۱۵، ۱۴: ۶، ۱۹، ۲۷، ۲۸، ۴۷، ۴۸، ۵۰، ۹۳،
۱۰۵، ۱۲۹، ۱۵۷، ۱۵۸ (؟)، ۱۶۴، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰،
۲۰۳، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۷،
۲۷۹، ۲۹۵، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۵۶، ۱۵: ۲۶،
۴۰، ۷۹، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۹،
۱۷۶، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۳۸،
۲۶۰، ۲۹۲، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۸، ۱۶: ۲۰، ۵۲،
۷۹، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۵۸، ۱۹۰، ۲۰۳،
۲۱۸، ۲۷۸، ۲۸۸، ۱۷: ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۳۵،

۱۵۰، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۹، ۲۵۸، ۲۸۰، ۲۹۴، ۳۲۰،
۳۳۰، ۳۳۵، ۳۵۰، ۴۳۴، ۴۶۰، ۴۶۱، **۱۸**:
۸، ۲۵، ۳۴، ۴۷، ۵۱، ۶۷، ۸۰، ۸۷ (؟)،
۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۵۴، ۱۸۱، ۱۸۶، ۲۰۲،
۲۰۶، ۲۱۰، ۲۲۳، ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۰۴، **۱۹**:
۱۵، ۲۷، ۷۳، ۷۸، ۹۷، ۱۰۱، ۱۴۶، ۱۷۹،
۲۴۷، ۲۶۹، ۲۸۲، ۳۰۹، ۳۲۷، ۳۳۰، **۲۰**:
۳، ۱۰، ۲۴، ۳۴، ۴۸، ۵۹، ۱۰۵، ۱۳۴، ۲۰۸،
۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۳، ۳۰۳، ۳۰۹، ۳۳۴، ۳۴۴،
۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۷۲؛

الکمیت بن معروف **۱**: ۳۹۸، **۳**: ۶۶، **۵**: ۳۸۶ (؟)؛
۶: ۳۴۱، **۱۰**: ۱۴۵ (؟)، **۱۵**: ۹۵ (؟)؛

کِناز الجرمی **۱۷**: ۳۴؛

کناز بن نُفَیع **۱**: ۲۰۵؛

کنان بن ربیعة **۱۳**: ۲۹؛ (یہی اشعار کناز بن نفیع کی جانب منسوب ہیں)۔

اخو کِندة (؟) **۱۵**: ۱۸۷؛

الکِندیّة **۲**: ۲۷۵؛

ل

لَبِید (بن ربیعة العامری) **۱**: ۲۶، ۲۹، ۱۰۳، ۱۳۲،

۱۸۸، ۱۸۹، ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۳۶، ۲۷۸، ۲۷۹،

۲۹۷، ۳۱۰، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۶۶، ۳۷۹،

۳۸۰، ۴۰۸، ۴۵۵، ۴۶۱، ۴۶۷، ۴۷۵، ۴۷۶،

۴۷۷، ۴۸۰، ۴۸۶، ۲ : ۱۳، ۵۸ (؟)، ۷۱،

۱۰۱، ۱۰۵، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۷،

۱۷۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۰۳، ۲۳۷، ۲۴۸، ۲۵۶،

۲۶۴، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۱۹، ۳۴۱، ۳۶۲،

۴۳۳، ۴۳۹، ۴۷۸، ۳ : ۱۶، ۱۸، ۵۳، ۵۸،

۵۹، ۷۸، ۸۵، ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳،

۱۵۷، ۱۵۸، ۱۸۲، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۳۶،

۲۳۷، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۰، ۲۹۳،

۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۹۱، ۴۰۹،

۴۱۰، ۴۳۵، ۴۵۱، ۴۶۷، ۴۷۳، ۴۹۱، ۵۰۰،

۵۰۳، ۵۰۷، ۵۰۸، ۴ : ۳۵، ۶۴، ۷۱، ۸۲،

۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۸۴،

۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۴۳، ۲۷۳، ۲۷۹،

۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۸، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۱،

۳۳۸، ۳۵۷، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۹۷، ۴۰۲، ۴۳۰،

۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۸، ۴۷۴، ۵ : ۴، ۱۹، ۲۰، ۴۵،

۴۸، ۸۸، ۹۶، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۴۲، ۱۵۹، ۱۶۴،

۱۶۶، ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۳،

٢٩٦، ٣٠٤، ٣١٥، ٣١٧، ٣٤٠، ٣٤٤، ٣٥٩،
٣٦١، ٣٨١، ٣٩٤، ٣٩٦، ٤٠٣، ٦: ٥، ٨،
١١، ١٣، ٢٣، ٢٧، ٤٧، ٤٨، ٦٤، ٦٦، ٩١،
١٠٩، ١١٨، ١٨٣، ١٨٩، ١٩٩، ٢٠٨، ٢١٩،
٢٢٦، ٢٣٠، ٢٣٢، ٢٤٩، ٢٥٤، ٢٦٢، ٢٧٢،
٢٨٠، ٢٨١، ٢٩٤، ٣١٤، ٣٣٤، ٣٥٠، ٣٥٣،
٣٥٥، ٣٦٨، ٣٧٩، ٣٨٤، ٣٨٥، ٤٠١،
٤٠٨، ٤١٧، ٤٢١، ٤٤٨، ٤٦٣، ٤٦٥، ٧:
٩، ٢٩، ٣٢، ٥٤، ٥٩، ٨٦، ١٠٣، ١١٥، ١١٧،
١٢٦، ١٣٢، ١٥٢، ١٦٣، ١٧٣، ٢٠١، ٢٠٢، ٢١١،
٢١٧، ٢٢٩، ٢٥٣، ٣١٩، ٣٨٢، ٣٩٤، ٤٣١،
٨: ١٢، ٣٥، ٨٢، ٩٤، ٩٦، ١١٢، ١٦٠، ١٦١،
١٦٤، ١٧٨، ١٨٩، ١٩٨، ٢٢١، ٢٨٩، ٣٠٩، ٣٢٦،
٣٥٠، ٣٦٨، ٣٧٩، ٣٨٤، ٣٨٥، ٣٨٨، ٩:
٣١، ٣٤، ٣٨، ٤٥، ٧٠، ٨٣، ١١٤، ١١٥، ١٣٥،
١٥٣، ١٧١، ١٨٦، ٢٢١، ٢٤٣، ٢٤٥، ٢٧٥، ٢٩٣،
٣٠٠، ٣٧٩، ٣٨٦ ٣٩٨، ٤٠٥، ٤٢٧، ٤٤٠،
٤٥٦، ٤٥٧، ٤٦٩، ٤٧٣، ٤٧٧، ٤٧٩،
٤٨٢، ٤٨٨ (؟)، ٤٩٣، ١٠: ١١، ١٨، ١٩، ٣٩،
٥٦، ٥٧، ٥٩، ٦٠، ٦٢، ٦٥، ٦٧، ٧٩، ٩١،
٩٤، ١٠٣، ١١٦، ١١٨، ١٢٥، ١٢٧، ١٣٥، ١٤٩،

فروری سنہ ۳۸ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

فہرست مضامین

(گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔)

آدینہ بیگ خاں

۱۹۳۶ئہ میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس دوم منعقدہ لاہور میں جب راقم نے پنجاب کے آخری مغل وائسرائے آدینہ بیگ خاں کے متعلق ایک مقالہ بزبانِ انگریزی پڑھا۔ تو اُس وقت ذیل کا مضمون حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ مضمون ایک مخطوطے کی صورت میں برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ اپنی نوعیت کی واحد تصنیف ہے۔ اور اس کا اور کوئی نسخہ برٹش میوزیم کے نسخے کے سوا کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس مخطوطے میں آدینہ بیگ خاں کے سوانح حیات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ تصنیف ناکارہ ہے۔ فارسی ٹوٹی پھوٹی بلکہ غلط لکھی گئی ہے۔ کئی الفاظ کے ہجا غلط ہیں۔ مثلاً یحیی، نذرانہ، شرقپور، عبدالصمد خاں، قلعہ، قانونگویاں، قفس، قولنج کو بیٹے، نظرانہ، شرک پور، سمد خاں، فعلہ، کانگویاں، نفقص، کلنج لکھا گیا ہے۔ کئی ایک سنین بھی غلط درج کئے گئے ہیں۔ جن کی تصحیح راقم نے حتی المقدور کی ہے۔ مخطوطے کا متن بجنسہٖ نقل کر دیا گیا ہے۔ صرف حاشیے کے نوٹ اور خطوط کے درمیان کی عبارت راقم کا اضافہ ہیں۔ جہاں متن کے الفاظ سے کوئی بامعنی عبارت نہیں بن سکی۔ وہاں حاشیے میں ایسی عبارت تجویز کی گئی ہے جس سے مفہوم معین ہو سکتا ہے ۔

تاریخی لحاظ سے اس تصنیف کو اتنی اہمیت ضرور حاصل ہے۔ کہ اس میں آدینہ بیگ خاں کے متعلق وہ تمام واقعات یکجا جمع کئے گئے ہیں۔ جو دیگر کتب تاریخ میں منتشر طور پر ملتے ہیں ۔

اس مخطوطے کے مصنف کے متعلق تحقیق کرنے سے بھی کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے ۱۸۰۶ئہ کے نواح میں یعنی آدینہ بیگ خاں کی وفات سے قریباً پچاس برس کے بعد یہ حال قلمبند کیا۔ ملاحظہ ہو ورق ۶۱ و ۶۲

'دروقت خالصہ جی . . . علاقہ . . . ہم شاملِ آدینانگر بود'

'در ۱۸۰۶ء ازاں روئے آب ستلج عملداری سرکار کمپنی گردید'

بعض باتوں سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کہ مصنف غیر مسلم ہے۔ اور پنجاب کا باشندہ ہے مثلاً ورق ۱۹۱ پر 'مدعا کہ' کا استعمال 'مجملاً' کے معنوں میں کیا گیا ہے۔ جو خالص پنجابی عوام کا تکیہ کلام ہے چونکہ دو ہجری سنین کے سوا باقی تمام سنین بکرمی یا عیسوی ہیں۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ مصنف غیر مسلم ہے ۔

اس مخطوطے میں جن واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہاں مجملاً اُن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے مصنف کا بیان ہے۔ کہ آدینہ بیگ خاں قوم کا ارائیں تھا۔ اور شرقپور رہٹی متصل لاہور میں ایک شخص چنو کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا بچپن جلال آباد، خان پور اور بجواڑہ میں گذرا اور اس کی ابتدائی تربیت مغلوں کے گھر میں ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ سپاہی رہا لیکن بعد میں یہ کام چھوڑ کر موضع جسووال (ضلع لدھیانہ) میں پٹواری ہو گیا۔ پٹواری کے عہدے سے ترقی کرتا ہُوا وہ سلطان پور کا کاردار ہُوا۔ اور پھر دوآبہ جالندھر کا حاکم مقرر ہُوا۔ سازش کرنا آدینہ بیگ خاں کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور اس سازش کے نتائج سے وہ ہمیشہ اپنا مستقبل استوار کرتا تھا۔ لاہور پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے وہ مختلف چالیں چلتا رہا۔ کبھی لاہور کے گورنر کو مرکزی حکومت کے خلاف اُکساتا۔ کبھی سکھوں سے مِل کر شورش برپا کرتا۔ بلکہ ضرورت پر مرہٹوں کو پنجاب میں بلانے سے بھی اُس نے دریغ نہ کیا۔ لیکن جب اس کا مطلب حل ہو جاتا تو وہ کسی سے تعلق نہ رکھتا۔ اِسی طرح وہ رفتہ رفتہ پنجاب کا وائسرائے مقرر ہو گیا۔ اور لاہور، جالندھر، ماجھہ کے علاوہ کوہستان کے راجوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی ۔

لیکن اُسے حکومت کرنے کا بہت کم موقعہ ملا۔ اور وہ ۱۷۵۸ء میں خانپور متصل ہوشیار پور میں فوت ہو گیا۔ وقائع نگار کا بیان ہے۔ کہ اس کی قبر اسی موضع میں ہے ۔

چونکہ آدینہ بیگ خاں نے ساری عمر شادی نہ کی۔ اور موت سے چند ماہ قبل ایک سید عورت سے نکاح کر کے اس سے بھی ازدواجی تعلقات منقطع کر لئے۔ لہٰذا اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور وہ اپنا کوئی وارث چھوڑ کر نہ گیا ۔

محمد باقر ملک

احوال آدینا بیگ خاں

(ورق ۱۵۰) میگویند کہ آدینا بیگ خاں قوم ارائیں در خانہ چنو نامی شخصی ساکن موضع شرک پور[1] پٹی متصل لاہور ولادت یافت و در خانہ مغلاں پرورده شد۔ و اکثر اوقات در جلال آباد[2] و خان پور و بجواڑه صرف اوقات میکرد۔ مگر از سبب مفلسی سپاہ پیشہ و محصلی موضع جیووال[3] کہ معروف باسم کنگ در علاقہ لوہیاں واقع است می نمود۔ چونکہ مرد قابل و حساب دان بود و قد و قامت دراز بعد چند سال بوساطت ضمانت لالہ سری نواس قوم وہیر ساہوکار سلطان پور بہ اجارہ بخشش مواضع در علاقہ کنگ گرفت۔ و آئندہ سال را تمام علاقہ کنگ گرفت۔ چوں علاقہ ہذا شامل علاقہ سلطان پور بود معاملہ آن متفق؟ ہمراه آدینا بیگ خاں در لاہور می رسید۔ اتفاقاً حاکم ضلعہ سلطان پور وفات یافت۔ آدینا بیگ خاں بسازش متصدیان دفتر و خزانہ بحضور نواب خان بہادر حاضر شد۔ بہ متصدیان حکم رفت کہ ضامنی این کس قبول کنید۔ پس بضمانت لالہ سری نواس بعہده علاقہ سلطان پور سرفراز گشتہ وارد علاقہ خود گشت۔ و لالہ سری نواس را مختار ملک کرد۔ و برادر کلانش کہ بھوانی داس نام داشت و فارسی می دانست مالک دفتر خود ساخت۔ و روز بروز ترقی گرفت۔

پس در ۱۱۹۵ھ[4] کہ نادر شاه ہندوستان را تسخیر کرده وارد لاہور شد مبلغ سہ کروڑ روپیہ مفصلہ ذیل تاوان گرفت۔ بنام نواب خان بہادر یک کروڑ۔ و عوض آن تاوان صاحب زاده فلو رنجان کہ از حضور بادشاه خطاب شہنواز خاں یافتہ بود در ضامنی شامل رکاب رفت۔ و بنام دیگر امیران لاہور یک کروڑ بابت آن دلپت رای پسر لکھپت رای دیوان تا ادای مبلغات شامل رکاب ماند و بنام مردمان شہر یک کروڑ۔ در ادای تاوان تمام شہر تباه شد۔ وقتیکہ آدینا بیگ خاں حاکم سلطان پور بود فوج غلزئی

---

[1] شرقپور۔ [2] موضع جلال آباد دریائے بیاس کے کنارے ۲۵ ۱۳ طول بلد اور ۱۲ ۸۱ عرض بلد پر واقع ہے (دیکھو سکھوں کی عملداری کا نقشہ از جان واکر John Walker)۔ [3] موضع کنگ تحصیل نکودر کا ایک گاؤں ہے اور لوہیاں سے دو تین میل کے فاصلے پر نہر بین کے جنوب میں واقع ہے (دیکھو ضلع جالندھر کی گزیٹیر ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۵) ممکن ہے کسی وقت اسے جیووال بھی کہا جاتا ہو۔ [4] مطابق ۱۷۳۸ عیسوی۔

بسیار جا آتش زدند۔ مگر آدینا بیگ خاں بہ حکمت عملی ہزار گونہ تردّد کردہ و صدہا روپیہ خرچ نمودہ دو رق ۵۱ ا بسیار یرغمالان زنانہ و مردانہ موضع ٹھٹہ وہٹہ ؟ را رہائی دہانید ؛

و در ۱۱۵۸ھ[1] نادر شاہ وفات یافت و در ۱۱۵۹ھ احمد شاہ بر تخت نشست۔ بعد رفتن نادر شاہ نواب خان بہادر را از طلب تقاضای مردمان فوج تنگ آمدہ دیوان لکھپت رای را حکم ادای طلب فوج فرمودند۔ بواسطہ عذر قید شد۔ و برادرش جسپت رای ہم گرفتار آمدند۔ جسپت رائے کہ دانا بود عرض کرد کہ موجب قید اگر ہمین معاملہ است ارشاد شود کہ تجویز آن کنم۔ و اگر تقصیر دیگر است از جان گذرانید۔ نواب خان بہادر فرمود کہ تنخواہ تمام فوج از خود ادا کن۔ عرض کرد کہ اگر دیوان لکھپت رائے برادرم را خلعت بخشند ہم در عشرہ فارغخطی تمام فوج گرفتہ حاضر کنم۔ پس نواب قبول کرد۔ لالہ ممدوح تمامی افسران از التمارش و حسن سلوکی دست آویز خود نوشتہ داد و فارغ خطی از تمام فوج گرفتہ پیش از ہشت روز بحضور نواب صاحب گذرانید۔ نواب ازین معنی خورسند شدہ آفرینہا فرمودند۔ درین موقع لالہ مذکور عرض کرد کہ لکھہا روپیہ در بسیار جا رایگاں افتادہ و سوائے حکم حضور بدست نمی آید۔ اگر حکم شود ازان جاہا فراہم کنانیدہ داخل خانہ سرکار کنم۔ نواب حکم کرد کہ از ہر جا فراہم کن۔ باز لالہ مذکور عرض کرد کہ سوای تہدید و درشتی فراہم نخواہد شد۔ نواب خان بہادر حکم کرد کہ تو مختار ہستی، طوریکہ خواہی از ہر کس گرفتہ حاضر کن ؛

پس لالہ مذکور اولاً از میر سید مومن شاہ کہ مقرب خاص خان بہادر بود بابت اضافہ جاگیرش طلب حساب کرد۔ میر مذکور گفت کہ من جاگیردار نیستم۔ از من بکدام راہ حساب می طلبید۔ نواب ازین معنی میر مذکور را خفہ شد کہ چرا حساب نمی دہی۔ مشارالیہ از خفگی نواب ترسیدہ ہماں وقت یک لکھہ روپیہ را نشان داد۔ ازین رو تمام اہل حساب ترسیدند و لکھہا روپیہ خود بخود حاضر کردند ؛

درین اثنا آدینا بیگ خاں را برائے حساب در لاہور حاضر کردند۔ و آدینا بیگ خاں وقت شب تنہا بخانہ دیوان لکھپت رائے برائے ملاقات رفت۔ و عرض رسانید کہ آدینا حاضر است

[1] مطابق ۱۷۴۵ء عیسوی۔ یہ سن غلط درج کیا گیا ہے۔ تمام کتب تاریخ اس پر متفق ہیں کہ نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا تھا۔

دیوان مذکور از استماع عرض او متوجہ بحالش نشدند - و آدینا بیگ خاں شکستہ دل برگشتہ بڈیرہ خود رسید - چون در معاملہ آدینا بیگ خاں بسبب زیادتی خرچ او کمی تمام بود لہذا ارسال مال بخزانہ نواب خان بہادر داخل نشد - ولیکن بشرط سازش و حسن سلوکی او کہ ہمراہ عملہ دربار و متصدیان سرکار میداشت عدم ارسال مالش ہمچناں (ورق ۵۲) چند مدت پوشیدہ ماند - آخر وقت حساب چند کسان مفصلہ ذیل گرفتار شدند - آدینا بیگ خاں ، بھوانی داس ، چودھری ندہان سنگھ ساکن متصل بٹالہ - تامدت یک سال قید ماندند - بعدش لالہ بھوانی داس بضمانت لالہ سری نواس ادای محاسبہ را ذمہ خود کرد - و آدینا بیگ خان را از قید رہائی دہانید ؛

چوں آدینا بیگ خان در قید بسیار آزار یافتہ بود - لہذا بی اطلاع وقت شب فراری شدہ در کوہ جیووال رفت و بھوانی داس ازین معنی بسیار مورد عتاب گردید - بلک در دیگ نشانیدہ گرم کردند - ہر چند بدنش از آتش آزار کشید لیکن از راہ نمک حلالی ہیچ نشان کاغذ آمدنی و خرچ و امانت (آ) دینا بیگ خان بر زبان نیاورد - ہمیں عرض کرد - کہ ہر قدر کہ حضور فرمانید از مال و جان حاضرم - اما گذارش حساب سوای بالمواجہہ خاوند خود صورت نہ بندد - چون مزاج دیوان لکھپت رای منصف و قدردان بود بر نمک حلالی معزالیہ آفرینہا گفتہ آنرا از دیگ بیرون کنانیدہ و در تخبیہ پیچانیدہ بمکان محفوظ داخل کرد - و حکما را فرمود کہ علاج کنند - حکماء علاج کردند - وقت صحت کہ در دربار طلب داشت حکم شد کہ ہر خدمتی کہ خواہی مامور کردہ خواہد شد - لالہ مذکور عرض کرد کہ اگر توجہات و رحمت فرمانید خاوندم را (آ) دینا بیگ را طلبیدہ مامور فرمایند و در یکسال معاملہ حساب از درمی تا دامی داخل خزانہ حضور کنم ؛

نواب صاحب ہماں وقت پروانہ تسلی بطلبش فرستاد - چوں (آ) دینا بیگ خان حاضر شد بہ تہدید و وعید خلعت دادہ مامور ملک کرد - اگرچہ (آ) دینا بیگ خان ماموری ملکداری گشتہ خورسند گشت لیکن از نواب خان بہادر بسیار می ترسید - چوں در سنہ ۱۱۶۱ [1] نواب خان بہادر فوت شد -

[1] مطابق ۱۷۴۸ء عیسوی - تمام متداول تاریخوں میں عضد الدولہ نواب زکریا خاں خان بہادر کا سن وفات ۱۷۴۷ء درج ہے - کیونکہ اس کی وفات نادر شاہ کے قتل سے کچھ عرصہ بعد واقع ہوتی ہے ؛

بیتیے[1] خاں پسر نواب خان بہادر کوس نوابی نواخت - ہنوزش کہ در ملک تسلط دلخواہ نشدہ بود کہ از نوابی موقوف گروید - و بجایش شہنواز خان برادر خورد بر تخت نشاندند ۔

بعد عرصہ احمد شاہ دُرّانی در سنہ ۱۸۰۲[2] از ولایت آمد و شہنواز خاں ہمراہش جنگ کردہ شکست خورد - و گریختہ در ملتان رفت - و (آ) دینا بیگ خان کہ چون بخت او یاور بود درین افراط و تفریط و شاہ گردی بملک خود ہمچنان در امان ماند و فوج و خزانہ بسیار جمع کردہ در سنہ ۱۸۰۴[3] ہمراہ سکھاں مفصلہ ذیل بسبب عدم اطاعت پذیری کہ ہر کس بجاہای خود دم نخوت می زدند جنگ کردہ فتح یافت ۔

گنڈا سنگھ بھنگی ،
جھنڈا سنگھ بھنگی ،
جسا سنگھ رام گڑھیہ ،
حقیقت سنگھ کنہیہ ،
جی سنگھ کنہیہ ،
امر سنگھ کنہیہ ،

(ورق ۵۳) ہرگاہ کہ احمد شاہ بدوابہ آمدہ بود (آ) دینا بیگ خان در کوہ جمون در راجپور رفتہ دفع الوقتی نمودہ بود - و ہمراہ احمد شاہ وزیر قمر الدین کہ محمد شاہ بادشاہ آنرا از دہلی برائے مقابلہ مامور کردہ فرستادہ بود متصل سرہند جنگ کرد - و لشکر احمد شاہ شکست خوردہ از گذر گران ؟ در پی آب عبور کردہ بولایت رفت - و وزیر قمر الدین در جنگ سرہند بضرب گولی تفنگ فوت شد - یک شخص خواجہ خاصی نامے کہ در فوج وزیر قمر الدین بود مرد قابل و کار آزمودہ بود - از مرگ وزیر مذکور کسی را آگاہ شدن نداد - و ہمچناں باشارت انگشت خود فوج را تہوری و دلیری) دادہ ماند و بسر کردگی منون خان

---

[1] یحییٰ خان ۔ [2] مطابق ۱۷۴۵ عیسوی لیکن یہ سن بھی غلط ہے - احمد شاہ پہلی مرتبہ لاہور میں ۱۷۴۸ء میں آتا ہے اور شہنواز خاں شکست یاب ہو کر دہلی بھاگ جاتا ہے (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۱۶)

[3] مطابق ۱۷۴۷ عیسوی ۔

که فرزند وزیر مرحوم بود تا دریای چهلم عقب گیران احمد شاه رفت ✦

و آدینا بیگ خان از کوه جمون و راجپور باز بملک خود آمده متصرف گشت - و چندین ضلعه دوآبه شامل گردیدند - همدران سال ۱۸۰۴ء[۱] محمد شاه بادشاه دهلی فوت شد - و لپسرش که احمد شاه نام داشت بر تخت نشست - فرمان نوابی و صوبه دارے لاهور بنام نواب منون خان که فرزند وزیر مرحوم بود - صادر شد - و صغر الله بانتظام مهام صوبه دارے پرداخت - آدینا بیگ خان را مرد لایق و قابل دانسته سرفراز داشت ✦

در ۱۸۰۴ء کوڑا مل دیوان از حضور نواب منو خان باستخلاص صوبه ملتان مامور گشت - شهنواز خان دران مقابله مرد میدان شد - بعد مراجعت کوڑا مل هنوز نواب منو خان از بندوبست ملک فراغت کلی نشده بود که در ۱۸۰۵ء[۲] احمد شاه باز از ولایت تاخت آورد - نواب منو خان بجنگ پیوست - اگرچه پنج شش ماه مورچه بندی بمیان ماند مگر فوج احمد شاه شکست خورده فراری شد و فتح بنام کوڑا مل گشت ✦

شخصی افغان قصوریه که ملازم نواب منو خان بود و افسر چند سواران بود رشک خورد که فتح بنام هندو آمد و ما محروم ماندیم - بضرب تفنگ کوڑا مل را کشت - چون مسموع شد که کوڑا مل فوت شد - (ورق ۵۴) فوج احمد شاه قوی دل بوده بلشکر نواب منو خان حمله کرد - چنانچه فوج خان مذکور فراری گشت - پس احمد شاه بعد فتح داخل لاهور شد - و نواب موصوف شرمسار بوده حاضر بلاهور گشت - حکم شاهی درباره اش نفاذ یافت که هر کس که همراه بادشاهان بی ادبی سازد سزایش چیست - نواب مذکور بسیار شرمنده شده عرض کرد که اگر سوداگر هستی بنده را بفروش و اگر بادشاهی بخش - بادشاه فرمود که

---

[۱] مطابق ۱۷۴۷ء عیسوی - محمد شاه بادشاه دہلی ۱۷۴۷ء میں فوت ہوا تھا - (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۱۹) [۲] مطابق ۱۷۴۸ء عیسوی لیکن یہاں احمد شاہ کے جس حملے کا ذکر کیا گیا ہے وہ ۱۷۵۱-۵۲ء میں کیا گیا تھا - کیونکہ جس جنگ میں دیوان کوڑا مل مارا جاتا ہے - وہ اسی سن میں ہوتی ہے - (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳) ✦

بخشیدم و ملک تو تبو عنایت کردم ۔

درین اثنائے نواب عرض کرد ای بادشاہ شہر از دست تطاول فوج مغلئی غارت میگردد بادشاہ فوج را از تعدی منع فرمود۔ مگر نواب منو خان معرفت شاہ ولی وزیر یک کروڑ روپیہ نظرانہ[1] مقرر شد ۔

پس لشکر شاہی روانہ بدہلی گشت۔ ازین معنی آدینا بیگ خان از خوف ورود لشکر شاہی باز درکوہ جموں و راجپور کہ دوراہ آدینا بیگ خان مشہور است متواری و پوشیدہ سلامت ماند۔ درانوقت ابتدائے ظہور سکھاں شدہ بود۔ آدینا بیگ با خالصہ سازش میداشت۔ چنانچہ گورو صاحب وڈبھاگ سنگھ خود و چودھریان پھگواڑہ صفائی کرد ۔

و وقت مراجعت فوج شاہی بدہلی[2] نواب منو خان موافق رنجیدگی درویش از اسپ فرو افتادہ فوت شد۔ مگر بادشاہ وقت مراجعت از دہلی شاہزادہ طیمور شاہ[3] را بوزارت جہانخان درلاہور مامور فرمودہ خود بولایت رفت۔ ہنگام مراجعت لشکر کہ آوازہ تعین شاہزادہ طیمور شاہ درلاہور رسید آدینا بیگ خان از ینمعنی اندیشہ کرد کہ اکنون کار خوار است۔ بدون متابعت شاہزادہ گذارہ نخواہد بود۔ از راہ دوراندیشی شہاب خان بیگو والیہ و چودہری صاحب خان نوشہریہ و دہرم داس نرخنیہ و چودہری جودہانگری و رائے براہم کپور تہلیہ را بطور وکالت معہ تحایف بحضور بادشاہ فرستادہ مستدعی عفو تقصیرات عدم احضار گردید۔ چون وقت مراجعت ڈیرہ شاہی دراثناء راہ چند جائے قوم خالصہ مصدر ایذا و خرابی شدہ بودند و ہم در وقت روانگی زورق ۵۵ چون سیماب قرار یکدم روانئی شد لاجرم براہ بلند حوصلگی و دوربینی نواختن و بحال داشتن آدینا بیگ خان مقرون صواب تصور یدہ بنا بر ماموری و مختاری ملک بدستور وانقیاد و

---

[1] نذرانہ۔ یہاں حاشیے میں ذیل کی عبارت درج ہے:۔

"منوخان شصت لکھ نقد از توشہ خانہ خود و بست لکھ را غلہ و زیور دہ لکھ از امرایان خویش دہ لکھ معاف شد "

[2] از دہلی ۔ [3] تیمور شاہ ۔

متابعت شاہزادہ پروانہ عالی عطا فرمود ٭

(آ) دینا بیگ خان از اقامت شہزادہ در لاہور خار حسرت بجگر خوردہ و بدبختگی خود نگاہ کردہ اگرچہ بظاہر در اطاعت و چاپلوسی براہ نوشتخواند بحضور شاہزادہ قصور نوزید لیکن بطور پوشیدگے معرفت معتبران براہ فریب بامیران فوج مرہٹہ سازش و رابطہ انداختہ بنمایش طمع یک لکھ کوچ و پنجاہ ہزار مقام لشکر مرہٹہ باینطرف کنانید۔ چون لشکر مرہٹہ متصل بٹالہ رسید (آ) دینا بیگ خان (کہ) مردی متفنی بود وپیشگی خود شامل ڈیرہ مرہٹہ شدہ بخدمت شاہزادہ طیمور شاہ و جہانخان وزیر نوشت کہ لشکر مرہٹہ (مانند) بلا ناگہانے از کہن آمدہ فدوی براہ زمانہ سازی ہمراہ شدہ۔ ازانجا کہ نمک پروردہ حضور ام براہ نمک حلالی معروض داشتہ ام کہ مناسب وقت ہمین است کہ عرضی بندہ بعد عبور از دریاے راوی بملاحظہ شریف درآرند۔ یک ساعت توقف جایز نفرمایند کہ کوچ این مردم تا یک صد کروہ روزمرہ می باشد۔ مناسب کہ جلد تر باینطرف[1] کوچ فرمایند ٭

بمجرد استماع این خبر شاہزادہ معہ وزیر روانہ ولایت شد۔ و فوج مرہٹہ تا کنارہ اٹک عقب گیران بودند۔ و سمد[2] خان عمون احمد شاہ ولایتی کہ در سرہند بود بقید مرہٹہ آمد۔ بعدش معرفت (آ) دینا بیگ خان خلاصی یافت و بطرف ولایت رفت ٭

بعد ازان کہ سلطنت شاہجہان آباد سست شدہ (آ) دینا بیگ خان خطاب نوابی بنام خود کہ سواے لاہور (الک) ملک دوآبہ یعنی بست جالندھر و ماجھہ و کوہستان (بود) کنانید و بموجب تفصیل جمعیت افواج مستجمع گردانید۔ و دران وقت ہمہ سرداران این ملک و کوہستان و سکھان متابعت (آ) دینا بیگ خان می کردند۔ و (آ) دینا (ورق ۵۶) بیگ (خان) از راہ دور اندیشی تمام

---

[1] باینطرف [2] احمد شاہ ۱۷۵۸ء میں جب پنجاب کو فتح کرتا ہے۔ تو لاہور کو اپنے بیٹے شہزادہ تیمور شاہ کی تحویل میں چھوڑ کر ترکستان چلا جاتا ہے۔ اس وقت عبدالصمد خان محمد زئی کو سرہند کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہی عبدالصمد خان بعد میں سرہند میں مرہٹوں کے ہاتھ شکست کھاتا ہے۔ 'سمد خاں' سے مصنف کی مراد غالباً عبدالصمد خاں ہے۔ لیکن یہ کہیں سے معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ عبدالصمد خاں احمد شاہ کا چچا بھی تھا یا نہیں ٭

رئیسان سازش و رابطہ می داشت ۔ واز رعایا خراج باسلوبی و نرمی میگرفت ۔ وخرچ افزون بود لاجرم مدام مترصد زر و خیال اخذ وگر ساہوکار مالدارے داشت ۔

تفصیل فوج این است :

سوار خبردار

۵ ہزار

پیادہ ہوشیار

۹ ہزار

جاگیرداران کوہستان وغیرہ سوار و پیادہ

۱۰ ہزار

ہرکارہ اخبار ادرس؟ جواب تعلق تحصیلدار

۲۹۵ نفر

کاہ تراش[1] و بہلیہ

۵ ہزار

پیادہ و نفر تصدق خوار ؛

۵ ہزار

اکثر مردمان مسلمان و اندکی سکہان مثل جباسنگہ رام گہڑیہ و دیگر ملازم بودند ۔ افسران فوج اول عزیز بیگ خان بعدش لالہ بشنبرداس ؛

چون خرابی احوال پنجاب و سرکشی (آ) دینابیگ خان بگوش اہالیان دربار بادشاہ دہلی رسید از شاہجہان آباد قطب شاہ رُہیلہ در ۱۸۱۲ء معہ افواج قاہرہ بانتظام انیطرف آمد (آ) دینابیگ خان اطلاع یافتہ سوای مقابلہ مصلحت ندید ۔ چراکہ اندشید کہ اگر فوج بادشاہی درین ملک آید

---

[1] یعنی گھسیارہ ؛

سرداران وزمینداران این ملک ضرور اطاعت پذیر شاهی خواهند شد - مبادا که مرا گرفتار کرده حواله کنند
چون فوج مذکور متصل ماچهی واڑه رسید را) دینا بیگ خان از پیش سوار شده برلب تله خشک در موضع
بهلول پور با فوج بادشاهی مقابله کرد - (آ) دینا بیگ خان شکست خورد و تمامی افسران شل عزیز بیگ
وغیره رو بفرار نهادند - (آ) دینا بیگ خان هم مستعد فرار گردید - درین اثنا لاله بشنبهر داس که بالمواجهه سوار
شده ایستاده بود عرض نمود که اگر درین وقت حضور روگردان شوید حیف است - و خاک بر سر تو
خواهد افتاد اگر درین مقابله خواهیم مرد البته نام خواهد ماند و الا روسیاهی بهر دو جهان خواهد ماند - نواب
(آ) دینا بیگ خان از استماع این کلام سر بگریبان تامل فرو برد و اندیشید که حالا مردن بهتر است - از
زندگی بخود قایم شد و اراده جنگ کرد +

از انجا که تائید آسمانی و نیروی بخت شامل حال بود ناگاه قطب شاه روهیله که افسر فوج بادشاهی
بود بضرب گولی تفنگ فوت گشت - و تفرقه در فوج شاهی افتاد - و فوج (آ) دینا بیگ خان جمعیت
یافت و غالب آمد - و مال و اسباب بسیار از ڈیره شاهی غارت کرد (آ) دینا بیگ خان ازین فتح
خورسند گشته چادر فیروزی بر سر کشیده غنوده ماند بر فرش استراحت ارام فرمود - و لاله بشنبهر داس را
ارشاد داد که نذرات[1] این فتح از افسران فوج خود شما بگیرید - پس تمام افسران لاله مذکور (را) نظرات[1]
دادند - عزیز بیگ هم آمده نذر گذارش (ورق ۵۷) کرد - لاله بشنبهر داس خواست که نظر[1] بگیرد - عزیز بیگ
گفت که تو کیستی که از ما نظر[1] بگیری - لاله مذکور هنوز لب بند بود که نواب (آ) دینا بیگ خان بجذبه تمام
برخاسته فرمود که این نذر داماد تو خواهد گرفت - گر خیته لقلقان مادر خود رفته بودی - ای نمک حرام بینی ؟
تو بر رواست - دور شو از نظر من - و لاله بشنبهر داس داماد تست که ریاست و عزت من قایم داشته
میر عزیز بیگ نذر بلاله مذکور داد - و ازان وقت دیوانی فوج بنام لاله مذکور مقرر گشت +

در فوج جاگیرداران کوهستان وغیره شوهر رانی رنچند رپهگواڑه واله افسر بود - و نواب (آ) دینا بیگ
خان آنرا خلف الصدق خوانده بود - چون در وقت سستی نواب موصوف در جالندهر کلینجان افغان

---

[1] نذر +

آزار زخم شمشیر دو نیم کردہ بود۔ بہمین وسیلہ خاطر تلوک چند از دیگر افسران این ملک زیادہ میداشت۔
چودہری جوہری مل پہگواڑیہ راہم عزیز میدانست و راجگان کوہستان رانیز دوست می داشت۔
چنانچہ بااین طرف اول بگورو وڈہباگ سنگہ جو[1] در کوہستان براجہ گہومنڈ چند کٹوچ و راجہ جسوان و
ازان طرف باراجہ بہوپ چند پدر راجہ رنجند دیو[2] کمال اتحاد و حسن سلوکی و مدو میداشت۔ افسران
ملک جوہری مل چودہری پہگواڑیہ گورو وڈہباگ سنگہ کرتارپوریہ و رای ابراہیم خان کپورتہلیہ۔ و
کرم بخش قوم راجپوت ملتان والہ۔ و دیوان دفتر بہوانی داس سلطان پوری۔ و درگاہی تل قانون گوی
راہون والہ مختار آمدنی وغیرہ لالہ سری نواس سلطان پوری، ضلع سلطان پور وغیرہ توابع آن
ہم تحویل لالہ مذکور بود۔ شیخ سعادت یار ساکن قصبہ بٹالہ مردی قابل بود۔ دیوان صاحب[3] کی پرورد
دختری باو دادہ بودند۔ لہذا شہرت بداما دی نواب می داشت و چندی در دوابہ ملک دار ماند۔ چون
اکثر اقامت او در کانگڑہ واقع می شد بعد از مرگ نواب صاحب ہم چند پرگنات زیر ملک داری او ماند
در سمت ۱۸۱۸ لاولد بہ بیماری شکم در کانگڑہ فوت شدہ بود ؛

اگرچہ دوآبہ و ماہجہ و کوہستان زیر تصرف بود۔ لاکن تعداد آمدنی فی بخزانہ بقدر سی[4] و پنج لکھہ
سوای تحایف و نذرانہ کوہستان بودی۔ چون آمدنی اندک و خرچ افزون بود ازین معنی از راہ حکمت
عملی چنان تجویز داشتہ بود کہ از تمامی افواج نصف را معزول و نصف و نصف بحال۔ تا انفراغ
حساب طلب معزولان کہ شش ماہ می گذشت قلم بحالی شان جاری نصف باقی را معزولی،
او ہمس[5]ل و لعب بسبب قرار مدار ہم فوج آویختہ میماند و (ہم) صرفہ[6] خرچ می شد۔ و گاہ از تنگی خرچ
چنان می شد۔ کہ در تعلقہ کوہستان یک گوسائین سنیاسی دولتمند و طبیب حاذق (ورق ۵۸) بود

---

[1] جیو ؛ [2] رنجیت دیو ؛ [3] یہ غالباً 'نواب صاحب' ہے۔ سہواً 'دیوان صاحب' لکھا
گیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر 'شہرت بداما دی نواب' لکھا ہے۔ اور چونکہ شیخ سعادت یار مسلمان ہے۔ اس لئے
پروردہ لڑکی بھی مسلمان ہی ہوگی۔ اور نواب صاحب نے ہی اُسے پالا ہوگا ؛

[5] از بن لیت و لعل ؛ [6] یعنی کفایت ؛

بوقت نزول وایۂ[1] بآن نواح به بهانه بیماری او را طلبیده خود را بوضع کسلمندان وانموده دست بدستش داده ٭

ناسوه هرچند تجسس کرد آثار بیماری هیچ دریافت نشد - لاچار متفکر شده عرض داشت داده که هر نسخه مرغوب حضور باشد تیار شود - فرمود که عارضه طلب فوج دامنگیر دارم - ظهور مرض ازآن وقت استیلا بر طبیعم گردیده کار بمغز جان آورده - ازآنجا که دواء این مرض بجز شفاخانه آن طبیب صادق در طبله دیگر نیست - جلد تجویزش فرمایند - چون نامبرده از گرفتاری آن بیماری همت جان بری ندیده - گویند دو کرآبه[2] لبالب اشرفی[3] گذرانیده خلاصی یافت - فقط ٭

روزی باورچی نواب صاحب حسب الحکم برای قدری مربه نزد عثمان خان جالندریه رفت تا مربه بیارد اما از شامت طالع بخیال خام عثمان خان درآمد که اگر امروز مربه خواهم داد شاید که نواب صاحب درآید و فرمایش ده بیست روپیه شود - ازین جهت بحیله حواله پرداخته عذر عدم موجودیان آورد - و نوابصاحب دو روپیه حساب بدست عاجزی شخصی بیوپاری داده فرستاد - چنانچه بطور بیوپار مربه ازو خریده آورد - وقت دربار نوابصاحب آن مربه در خوان چینی اندوخته پیش مهمان و افغان قصبه جالندر برگذراشت که از طباخی کیست سچایت دعثمان خان را مزه زندگانی تلخ کامی آمده هیچ نتوانست جواب داد - باز حکم شد که سزای آنکسی که از حاکم منکر گردد و به عاجزان بزرگیری بدهد چیست - همگنان بیان کرد که هرچه رضای حاکم - پس همان وقت عثمان خان را بعد گرفتاری هرچند خواری حکم داد که مثل مربه در دیگ اندازند - تا ذایقه این حرامزادگی دریابد - بمجرد تعمیل این حکم همه مردم شهر بعد متقرر بست و پنجروپیه تاوان و کشایش ملتمس عفو جرایم گردیده ازان دیگ جوشان رهاید گویند که تا دم حیات در جمله اعضاء او سوزش و درد و تاب مانده - فقط ٭

دیگر روزی قوضا کار بر کمیت صبا رفتار سوار بوده در محله و بازار جالندر بر سیر فرمای بودند - و در چبوتره پیش خانه قاضیان قدری پوست کوکنار مالیده افتاده دید فرمود که چه کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی

---

[1] یعنی ذیره [2] قرابه [3] اشرفی ٭

بمانزمان قاضیان را بدار القضاء زندان پابند ان بردہ سی ہزار روپیہ جرمانہ گرفت - ودران جاگیر ضبط کرد - ہمچنین وقت بوقت احتیاج بحجت شرعی وحکمت علی کارروائی روا می داشتند - ولی فرمودند - اگرچہ ستم صریح است کہ بحز ضرورت بود روا باشد - وحکیم کہ ؎ احتیاج است احتیاج است احتیاج - آنکہ شیران راکند روبہ مزاج ؛ بے شائبہ ہنگام احتیاج چشم ایمان تیرہ وعقل دانا خیرہ می گردد - والّا درامری عدالت کبک وشیر وکنجشک وباز ہم پلہ میشاید - و ازعدالت (ورق ۵۹) او ہم بسیار حکایتہا اند ؛

تفصیل مہمات :- درسنہ ۱۹۰۷[1] بہ تسخیر کولسر مورچہ بندی نمود - آنجا بسردار جسا سنگھ اہلوولیہ ودیگر سکھان ہم جنگ بوقوع آمد -

درسنہ ۱۸۰۸[2] مطابق دہم شوال سنہ ۱۱۶۷ ہجری روز شنبہ احمد شاہ دُرّانی[3] دہلی وفات یافت وعزیز الدین[4] عالمگیر ثانی بر تخت نشست - ازغایت شورش ہر جانب متوجہ پنجاب نشدند - در آخر سنہ ۱۸۰۹ کہ احمد شاہ درانی باز آمدہ بود مگر از ماہچہ برگشت چندی جای بہ ٹبہ سکھان خصوص بسردار جسا سنگھ جنگ شد ؛

درسمت ۱۹۱۰[5] مقام جلال آباد برلب دریای بیاس خیام عالی بودہ وسکھان معہ سردار موصوف متفق بودہ متصل کھڈور شعلہ افروز ہنگامہ شدند - قطب خان وشادی رسالداران عمدہ زخم کاری یافتہ ؛

درسنہ ۱۸۱۱ نورنگ آباد مورچہ بندی نمودند - چراکہ ازغلبہ سکھان از اطاعت منحرف شدہ بودند

---

[1] مگر: [2] مطابق سنہ ۱۸۵۰ عیسوی - غالباً سمت ۱۹۰۷ ہے - جو سنہ ۱۸۵۰ء کے مطابق ہوتا ہے ؛ [3] یہاں احمد شاہ شاہِ دہلی کی وفات کا ذکر کرنا مطلوب تھا - لیکن "درانی" کا غلطی سے اضافہ ہوگیا ہے - علاوہ ازین احمد شاہ سنہ ۱۱۸۸ھ میں فوت ہؤا تھا سمت ۱۸۱۱، عیسوی سنہ ۱۷۵۴ اور ہجری سنہ ۱۱۶۵ کے مطابق ہے - اور یہ تمام سنین صحیح سن سے بالکل مختلف ہیں ؛ [4] صحیح نام عزالدین عالمگیر ثانی ہے ؛ [5] مطابق سنہ ۱۸۵۳ء - غالباً سمت ۱۸۱۰ ہے - جو سنہ ۱۷۵۳ء کے مطابق ہوتا ہے ؛

بازبہ پذیرائی اطاعت وسازش وسفارش بعضی امرائیان ہمچنان معطل گذاشت ؛

سنہ ۱۸۱۲ درجالندر سکھان تاخت کردند۔ جنگ شد ؛

سنہ ۱۸۱۳ قعلہ[۱] سرہند معہ پرگنہ از صدیق بیگ خاں آدینا بیگ خاں بجوزۂ تصرف خود آوردہ وصدیق بیگ خاں مردی بود کہ برای گرفتاری شخص[۲] حملہ گروبندہ گوروگوبندسنگھ حکم[۳] بادشاہی ۔ خان بہادرسہ کسان (را) حکم داد ۔ افغان ( ) کوت عیسی خان وصدیق بیگ خان ۔ ہمہ فروماندند۔ صدیق بیگ خان[۴] تا پنجاہ کروہ جنگ کنان عقب گیران رفتہ متصل بٹالہ درگورداسپور مورچال ساختہ اوراگرفتاری کردہ دردہلی رسانید۔ گویندکہ بندہ مذکور صاحب بندگی وکرامت بود معزالدین بادشاہ فرمودکہ شمارا بکدام مرگ کشتہ شود۔ جواب دادکہ ہرکہ اقتضای خود بدولت است پس تسمہ کشانیدہ بکشتند۔ طشت بام مشہور عام کہ بعد یکسال سیدان وارہ (بارہ) معزالدین بادشاہ راتسمہ کشیدہ ازہم گذرانید[۵] ؎

ازمکافات عمل غافل مشو

گندم ازگندم بروید جوزجو

درآغاز سنہ ۱۸۱۴ ملہار راؤ مرہٹہ از دکن متسلط ہندوستان شد۔ احمدشاہ درانی ازولایت

---

۱ قلعہ ؛ ۲ بندہ ؛ ۳ دسم ؛ دہم ؛ ۴ متداول تاریخوں میں مرقوم ہے۔ کہ گروبندہ کو عبدالصمد خاں دلیرجنگ نے گرفتار کیا تھا۔ صدیق بیگ خاں کی شخصیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ہاں ڈبلیو۔ ایل۔ میگریگر نے [illegible] میں گروبندہ کی گرفتاری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ مسلمان سپاہیوں کا خیال تھا۔ کہ گروبندہ صاحب کرامت ہے۔ لہذا گرفتاری کے بعد جب گروبندہ کو دہلی پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا تو بہت آدمیوں کا خیال تھا۔ کہ وہ راستے میں ہی فرار ہو جائے گا۔ اس پر ایک مغل نے کہا "ہم دونو کو ایک ہاتھی پر باندھ دو اور اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا تو میں اپنا خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دوں گا"۔ چنانچہ دونو کو ہاتھی پر باندھ دیا گیا اور اس طرح گروبندہ کو دہلی لے جایا گیا۔ ممکن ہے یہ مغل ہی صدیق بیگ خان ہو ؛ ۵ یہ سارا افسانہ مصنف کا خود ساختہ ہے۔ گروبندہ محمد فرخ سیر کے عہد میں قتل کیا گیا تھا۔ نہ کہ معزالدین کے عہد میں ؛

شورش نمود۔ آزوی آب جمن متصل پانی پت کرنال باہم ہردو لشکر مقابلۂ عظیم واقع شد۔ چنانچہ یک طرف احمد شاہ دُرانی[1] و شاہ ہند و نجف خان و نجیب خان و شجاع الدولہ و طرف ثانی لشکر مرہٹہ۔ عرصہ گیتی تختہ قیامت گردید۔ ناگہان افسر مرہٹہ را مرگ رسید و ازین معنی لشکر مرہٹہ را شکست رسید و احمد شاہ ہندوستان را متصرف گردید۔ و بسیار مال و اسباب از خزانہ شاہجہان آباد بولایت برد۔ و متھرا غارت کرد۔ و بعد مراجعت نمود۔ کابلی مل (ورق ۶۰) کھتری قوم کپور را کہ متصدی قابل و معتمد بود و ساکن قندہار بود بصوبہ داری لاہور سرفراز گردانید ٭

و آدینا بیگ خان در کوہستان کہڈی[2] (و) آدینہ نگر منزوی ماند۔ بعد مرور لشکر شاہی باز بدو واپس آمد ٭

چون غلبہ سکہاں ہم دران زمان بدرجہ تمام رو دادہ بود۔ لاجرم بجز اندرون شہر لاہور تحت ریاست و سیاست کابلی مل بیرون تا ہیچ کروہ صورت نیافت ٭

و در ہمین سال ۱۱۷۴ھ[3] عزیز الدین عالمگیر ثانی[4] (کہ) از روز شکست فوج و کشتہ شدن قطب شاہ بخار از طرف آدینا بیگ خان بر سینہ داشت۔ و ہنوز شورش مرہٹہ ہیچ تدارک کردن نیافتہ بود۔ مطابق ۱۱۷۳ھ ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید۔ و حضرت عالی گوہر مسند نشین شد۔ مطابق ۱۱۷۳ھ[5] ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید ٭

ہمچنان ملک پنجاب بقابو[6] آدینا بیگ خان بی خلش و خراش بماند ٭

در آخر ۱۱۸۱ھ دیوان لشنبھرداس معہ قدری سوار بسیر کہڈی[7] ہوشیارپور رفتہ بود متصل ٹانڈہ بر لب جو کہ انجا واقع بود افواج خالصہ معہ سردار جسا سنگھ قابو یافتہ بر افتادند۔ درین (۸) دیوان موصوف مردانہ شہادت یافت۔ مشہور کہ باوجود فرار تمام ہمراہی دیوان مسلو تنہا مرد میدان ستہ تیر

---

[1] درانی ٭ [2] یہ غالباً کہڈ وڑ ہے۔ (دیکھو سکھوں کی عملداری کا نقشہ از جان واکر۔ طول بلد ۷۶ ، ۳۰۔ عرض بلد ۳۱ ، ۱۵۔ [3] مطابق ۱۷۶۰ء ٭ [4] عزالدین عالمگیر ثانی [5] مطابق ۱۷۵۹ء۔ یہ تاریخ صحیح دی گئی ہے ٭
[5] یہ فقرہ غالباً دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اور سن غلط لکھا گیا ہے [6] بہ قابوی [7] دیکھو نوٹ [2] (گذشتہ صفحہ)

برزمین انداختہ بزانو نشست - تاجان نداد دست از مردانگی برنداشت - وقتیکہ طایر روح پاکش از قفص[1] عنصری بہ پرواز آمد سردار جسا سنگھ کہ جوہر شناس مرد مشہور بود بر سرِ قتلش رسیدہ صد آفرین فرمود وروئش رابدوشالہ خود از غبار مصفا نمود - و لوح رخش از تکفین و تجہیز مصروف توجہ، تا منزل آخرین ہمراہ رفتند - فقط ء

مقام قیام - در اوائل اکثر اتفاق جسووال مشہور کنگ واقعہ شدہ - باز در کارواری سلطان ور در فوجداری اول ۱۸۰۸ء چھاونی جلال آباد بکنارہ دریای بیاس بمدت یکسال شش ماہ - باز در ۱۸۰۹ء کہ برائے سیر و بندوبست کوہستان و کھنڈور[2] نواح پٹھان کوٹ نزول رایات شد - و تا[3] سال چھاونی در آن مقام استحکام ماند - شہر مشہور بدینانگر بنا فرمود - کہ زمین انجا از زمینداران راجپوتان کہ بقوم ہرچند مشہور است بطور رعایت گرفتہ (ورق ۱۶) آبادی ساخت - از نظر امر عدالت باڈکات چبوترہ ء محصول انجا (در) تحویل راجپوتان ہرچند[4] قوم وو گذاشت ء

و نیز خوبترین از گرو بناہ بکیندلہ زمین ہمراہ از (آ) دینانگر نیست - اینہمہ باغات وغیرہ کہ ہست داخل علاقہ مہنار ؟ است - مگر در وقت خالصہ جی کہ علاقہ نیار ؟ ہم شامل آدینانگر بود - لاجرم ہمہ بدینانگر معروف - لیکن عمل دخل ضبط و تسلط دران زمین ہنوز بقبضہ زمینداران علاقہ نیا ید بتوء

بعد انفراغ این نواح کہ ؟ باز تشریف فرمائے دو آبہ شدند ء

در آغاز ۱۸۱۴ء بمقام موضع دراج ؟ واقعہ ماہجہ چھاونی تعین یافت و تا یکسال ہشت ماہ رونق پذیر آنجا - دیگر قیام فوج و خود بدولت بطور دورہ سیر ملک وہر جانب می فرمودند ء

دیگر میان دو آبہ جالندہر و کوہستان معہ کل فوج رتا گاہ ماہ مگر ؟ بطور دورہ مدام برسل[5] رایت اقبال می افراشتند - مدعا[6] کہ از روز ملک داری و خود ممتاز سے کہ از ان ۱۸۰۸ء عقلاً امتیا

---

[1] قفس [2] دیکھو نوٹ ۔ (گذشتہ صفحہ) [3] سہ ؟ [4] ہرچند راجپوتوں کی ایک گوت ہے جو راجپوتوں کی ایک اور گوت دودٔ سے کمتر سمجھی جاتی ہے ۔ دونو قسم کے راجپوت زیادہ تر ہوشیارپور میں آباد ہیں (دیکھو ہوشیارپور گزیٹیر حصہ ا ۱۹۱۴ء صفحہ ۷۰،۷۴) ء [5] ہر سال [6] پنجابی عوام کا تکیہ کلام ء

می شود۔ کلہم بقدر دوازدہ سیزدہ سال کوس صوبہ داری بنواخت ۔ چہ در ۱۸۰۵ء صاحب رزم (و) عزم (و) بزم شدند۔ در ۱۸۱۵ء[1] پانزدہم ماہ بھادوں[2] کہ اول در جنگی زخمی کارے بر سینہ داشتند درزمانیکہ ہوای مختلف (بود) بیماری ادہرنگ یعنی کلنج[3] لاحق شد۔ در خانپور متصل لدھیانہ و ہوشیارپور رحلت نمود۔ قبرش[4] در انجا واقعہ است ؛

اگرچہ تا زیست بجز الفت و دلبری باحدی ایذا روا نداشت لیکن بمقتضاے رضای الٰہی از سہ قوم بغض در خاطرش ماندی۔ اول کانگویاں[5] کہ ہرگاہ ملک و حویلی اوشاں می دید می گفت کہ گل و حل آن از خون و خشت از استخوان مردم است۔ دوم صرافاں میگفت امانت وزد غریب کش۔ نقد ہزارہا روپیہ عاجزان و امانتے غربا راہ بی ایمانی زیر داشتہ در روز روشن چراغ دوالہ افروزند۔ سوم افغانان کہ آن مردم بندہ شہوت و مجہول اند کہ ننگ و ناموس اہل عزت از دست اندازی (ایشاں محفوظ نیست) و خدا پرستی روانمی دارند ؛

شجرہ وجودش از ثمرہ اولاد بی بہرہ و بی بار رفت۔ گویند کہ در عمر واپسین قریب ۱۸۱۴ء زنی (ورق ۶۲) آوارہ بی نکاح کہ حسین بود خواستہ بحبالہ نکاح آوردہ بود۔ وچون شب محفل خالی از غیر بیاراست و استفسار احوال از طرفین بمیان آمد۔ زنی مذکور بیان کرد کہ از قوم سیدام۔ ہمان وقت سر بر زمین توبہ نہادہ طلاق داد و مادر خواند۔ و تمام زیست خود پرورش می داشت۔ بعد وفاتش۔ ہم زاویہ نشین عفت ماندہ۔ اخیر در گذشت ؛

چون پیالہ عمرش یعنی آدینا بیگ خاں بآب اجل لبریز گردید۔ کہ آلات اقمشہ و سلاحہاے و ضروب توپ و بندوق وغیرہ اسباب چیزی از نقدی آنہم بدست ہرکس کہ در افتاد غنیمت انگاشت۔ و ملک زیر تصرف ہرکس از رای براہم و چوہدری بھگواڑیہ و گورو صاحب

---

[1] مطابق ۱۱۷۱ھ ؛ [2] تولیخ ؛ [3] ضلع ہوشیارپور کی گزیٹیر مرتبہ ۱۹۰۴ء میں درج ہے ۔ کہ "آدینا بیگ خاں کی قبر موضع ٹلوپان ضلع ہوشیارپور میں ہے (دیکھو صفحہ)"۔

[4] قانونگویان ؛ [5] ہم ؟

ف١
زیبای بر کتہ جہان گورو وڈ بہاگ سنگھ و کرم بخش ملسیہ وغیرہ کہ بود ہمچناں قابض ماندند و بندہ ؟
احوال اختلال سلطنت دہلی مشہور۔ ور سنہ ۱۸۰۶ء[2] ازان روے آب ستلج عملداری سرکار کمپنی گردید
وسلطنت دہلی بالکل سست شدہ۔ ور سنہ ۱۹۶۳ھ بادشاہ عالی گوہر وفات یافت۔ تمام شدہ

تنقید و تبصرہ

۱۔ برہان مآثر سنہ ۱۰۰۰ھ

مولف کتاب ہذا علی بن عزیز اللہ طباطبائی ہیں۔ قبیلہ طباطبائی اسمٰعیل بن ابراہیم بن الحسنؑ بن علیؑ رضوان اللہ علیہم سے منسوب ہے۔ اسماعیل کا لقب طباطبا اس وجہ سے ہؤا کہ اسماعیل تو تلے تھے قاف کی جگہ طوئے اپنے توتلے پن کی وجہ سے 　　 ۔بولتے تھے ایک سائل کو انھوں نے اپنی قبا دی۔ ایک دن وہ سائل بازار میں کسی قدر دور جاتے ہوئے دکھائی دیا۔ ان کو اس سے کچھ کہنا تھا۔ انھوں نے اس کو طبائی یطبائی (قبائی۔ قبائی) کہہ کر پکارا۔ لوگ اس وقت سے ان کو طباطبا کہنے لگے۔ یہ قبیلہ سادات حسنی میں سے ہے؛

الغرض مؤلف اس کتاب کے علی محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں عراق سے دکھن میں آئے اور مورخ فرشتہ[3] کے ہم عصر تھے۔ تاریخ فرشتہ سے چند سال قبل برہان مآثر لکھی گئی علی مؤلف اس کتاب کا قلعہ نلدرگ کے محاصرہ میں محمد قلی قطب شاہ کے ساتھ موجود تھا لیکن قطب شاہ کی وفات پر شاہان احمد نگر کی ملازمت کرلی اور تاریخ برہان مآثر برہان نظام شاہ کی فرمایش سے لکھی۔ برہان مآثر

ف١ رہنمای ہر دو جہان گورو؛ ف٢ مطابق سنہ ۱۸۰۶ء؛ ف٣ محمد قاسم نام اور تخلص فرشتہ ہے۔ استرآباد میں بحر خزر کے حدود پر سنہ ۱۵۷۰ء و سنہ ۱۵۹۰ء مطابق سنہ ۹۵۸ھ و سنہ ۹۷۸ھ کے درمیان پیدا ہؤا۔ اس کے والد کا نام غلام علی ہندو شاہ تھا جو اپنے وطن کو چھوڑ کے ہندوستان چلا آیا مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانہ میں پہلے احمد نگر پہنچا اور (باقی بر صفحہ آیندہ)

اس کا نام تاریخی ہے جس سے سنہ ہ نکلتا ہے ؛

مولف نے اس میں صرف شاہان دکن کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو تین طبقوں پر منقسم کیا ہے۔

طبقہ اول میں سلاطین گلبرگہ کا ذکر ہے جو سلطان علاؤالدین حسن شاہ گنگوئی سے شروع ہوتا ہے۔ اور سلطان فیروز شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے۔ بہمنی خاندان کے سلاطین آٹھ ہوئے ہیں ؛

طبقہ دوم میں سلاطین بیدر کا ذکر ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بہمنی سے شروع ہوکر سلطان محمود شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے ؛

طبقہ سوم میں سلاطین احمد نگر کا تذکرہ ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بحری سے شروع ہوکر سلطانہ چاند بی بی پر ختم ہوتا ہے ؛

ناشر و چاپ زن اس کتاب کے سید ہاشمی معتمد اعزازی مجلس مخطوطات فارسیہ دکن اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں یہ کتاب ایک مدت سے نادر الوجود ہوگئی ہے اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ جلی قلم سے تقریبا پانسو صفحات پر ختم ہوتا ہے اول اور آخر کے چند اوراق ضائع او تلف ہوگئے ہیں اور سیلن پہنچ جانے سے بعضی عبارتیں پڑھی نہیں جاتیں۔ دو نسخے اس کے برٹش میوزیم میں ہیں۔ بہترین اور کامل نسخہ اسکا کیمبرج میں محفوظ ہے۔ جس کا پہلا حصہ غالباً خود مصنف نے لکھایا لکھوایا اور دوسرا اس کے بیٹے ابو طالب نے ۱۰۲۰ھ میں تکمیل کو پہنچایا۔ اسی نسخہ کا عکس مولوی غلام یزدانی سے ستعار لیکر مجلس مخطوطات نے اپنا نسخہ مرتب کیا کہیں کہیں مولوی عبدالحق صاحب کے نسخہ سے بھی اسکی تصحیح کی گئی ہے جس کا ذکر فٹ نوٹس میں کردیا گیا ہے

شہزادہ حسین کا استاد فارسی مقرر ہوا۔ مگر اپنا کام شروع کرنے سے پہلے چل بسا۔ محمد قاسم فرشتہ مرتضیٰ نظام شاہ کی وفات پر ۹۹۸ھ میں بیجاپور چلا آیا (یہ زمانہ شہنشاہ اکبر کی سلطنت کا تھا) اور دلاور خاں کی امداد سے ابراہیم عادل شاہ دوم کے دربار میں رسائی ہوئی۔ تاریخ فرشتہ اسی بادشاہ کے حکم سے ۱۰۲۲ھ میں فرشتہ نے لکھی۔ اور اسی بادشاہ کی نسبت سے تاریخ فرشتہ کا نام رکھا۔ جس کا دوسرا نام نورس نامہ بھی ہے۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ انگریزی میں برگس نے کیا ہے۔ بقول برگس ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی ؛

بعض بعض مقامات پر تاریخی سامعات بھی ہیں جن کا ذکر ناشر نے حواشی ذیل میں کر دیا ہے اور ایسا ہونا تقاضائے بشری یا ضرورت وقت کے لحاظ سے کچھ بعید نہیں۔ میزان تحقیق میں اس کتاب کا پلہ تاریخ فرشتہ سے کم ہے پھر بھی اس کے بیان سے فرشتہ کے قول کی تصدیق و تکمیل اور بعض مقامات پر تصحیح میں بیش بہا مدد ملتی ہے، ان اہم اختلافات روایات کا بھی ذکر فٹ نوٹس میں کر دیا گیا ہے۔ سر ولزلی ہیگ کے انگریزی ترجمہ سے بھی ناشر نے مدد لی ہے چند سال ہوئے جو انڈین اینٹی کوری میں بااقساط چھپا اور پھر کتاب کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

کتاب نہایت صاف، سادہ اور سلیس فارسی میں لکھی گئی ہے اور تاریخ کی عبارت ایسی ہی ہونا چاہیئے۔ نہ کہ جہانکشائے جوینی و تاریخ وصاف و درۂ نادرہ کی ایسی۔ اشعار جو برمحل مناسب طور سے تضمین کئے گئے ہیں زیادہ تر مؤلف کتاب کی تالیف معلوم ہوتے ہیں اپنی صفائی اور روانی میں شاہنامہ کے اشعار سے ملتے جلتے ہیں جو حسن کتاب میں اضافہ کر رہے ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ کسی کتاب کا صحیح چھپ جانا ہندوستان میں دشوار ہے چاہے لیتھو ہو یا ٹائپ چنانچہ ناشر نے طباعت کی سو غلطیوں کا آخر میں ایک صحت نامہ لگایا ہے پھر بھی تھوڑی بہت غلطیاں ضرور رہ گئی ہونگی۔ کتاب کی الٹ پلٹ میں سرسری طور پر جو نظر پڑ گئیں وہ دو چار یہ ہیں :-

صفحہ ۳۵۰ سطر ۷۔ کہ چون وقت آن شد کہ شاہ بزرگ ٭ بردرخت خود زین جہان سترگ ۔ اگر "جہان سترگ" سے مراد دنیا ہو تو "زین" ٹھیک ہے اور اگر آخرت مراد لیں تو "زی" بمعنی جانب اور طرف ہونا چاہیئے

صفحہ ۲۵۲۔ سطر ۶۔ ارشادات اللہ یزلیہ لم یزل کو اسم مان کر مصنف اس پر الف لام لائے ۔

صفحہ ۲۵۸ سطر ۱۴ "تسخیر قلاع حصونیست کہ حصوض حناقش بمرکز زمین منتہی میگرددید" حضیض کی جمع حضض اور احضہ ہے نہ حضوض ممکن ہے تصرف اہل ایران ہو۔ صفحہ ۶۲۷ سطر ۱۸۔ زانگہ کہ برمن شوی دست یاب زن بیوہ را دادہ باشی جواب ۔ "توانگہ" میں "الف" بر "مد" چھپنے سے رہ گیا اور "زن" کی جگہ "زنے" بہتر ہے۔

کتاب ۱۱ × ۸½" تقطیع کے چھ سو بتیس ۶۳۲ صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائٹل پیج کے دوسرے صفحہ پر ارکان مجلس مخطوطات فارسی کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ دو صفحے میں ناشر کا دیباچہ ہے اور آٹھ صفحات پر فہرست مضامین کتاب قبل از آغاز کتاب ہے۔ آخر میں بہ تتبع اہل یورپ بائیس صفحات پر فہرست اعلام ہے اور دو صفحات پر غلط نامہ۔ مگر بلاشبہ غلطنامہ اس سے زیادہ مفصل ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ جس قسم

کی اغلاط علطنامہ میں درج ہوئی ہیں وہ ابھی بہت سی باقی ہیں۔ شاید اس نقص کا تدارک اب بھی ممکن ہے کاغذ ولایتی آہار اور مہرہ کیا ہوا (گلیزڈ) اچھا ہے۔ ٹائپ ضخامت نہ بڑھ جانے کے خیال سے کسی قدر مہین ہے مطبع جامعہ دہلی میں دسمبر ۱۹۳۶ء کو چھپی۔ ہندوستان کے اندر انگریزی سکہ سے دس روپیہ مع محصولڈاک قیمت ہے اور بیرون ہند سے ایک پاونڈ انگریزی۔ غالباً سید ہاشمی مرتب و معتمد اعزازی مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن سے ملتی ہے ۔

۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء (ا)

۲۔ جامعہ - یہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کا ماہوار رسالہ ہے۔ جو زیر ادارت ڈاکٹر سید عابد حسین ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، شائع ہوتا ہے۔ اس میں سیاسی و معاشی مسائل پر خصوصی مضامین لکھے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت اردو کے دیگر رسائل میں بالکل کمیاب ہے۔ اور رسالہ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ "جامعہ سیاست حاضرہ اور دنیا کے اقتصادی مسائل پر تنقیدی بحث کرنے والا ہندوستانی زبان کا سب سے پہلا رسالہ ہے"۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے علم میں اردو کے اور کسی رسالہ میں یہ مسائل اس خوبی سے بیان نہیں ہوتے۔ سال رواں کے پہلے نمبر میں گذشتہ سال کے سیاسی واقعات پر ایک قابل تعریف تبصرہ مرقوم ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اس کے تین حصے ہیں (۱) ہندوستان (۲) ممالک غیر (۳) اسلامی دنیا ۔ قیمت فی پرچہ ۸/۔ سالانہ چندہ ۵ روپے۔ مکتبہ جامعہ دہلی (ش)

لہ بعض اغلاط بطور نمونہ ایک صفحہ سے لے کر ذیل میں درج کی جاتی ہیں :۔

ص ۱۱ س ۱ "دو اندار شد" چاہیئے (بجائے شدود اندار)، س ۱۱ خاجب قصبہ و قبا غیرہ واضح ہے، شاید قصبہ کی بجائے قصبہ پڑھنا چاہیئے دوسمیں عمامی نامہ ص ۱۱، "آخری" بظاہر آخر یکی ہے، س ۱۲ سر انسات لعین بریدہ کی بجائے سر سنات لعین را بریدہ چاہیئے ۔

مطلع السعدین و مجمع البحرین

(سلسلے کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۹۲)

مصحوب ایشان قاهداال رفته مجموع شادمان و خرم باردوی معظم رسیدند ◆

ذکر قضایا که در عراق عجم واقع شد

چون میرزا اسکندر ممالک فارس مضبوط ساخت کمند همت بلند بکنگرهٔ قصر[1] تسخیر عراق عجم انداخت و امیر عبدالصمد و امیر صدیق را بجانب اصفهان روان فرمود و ایشان بقصبهٔ ورزنه[2] آمدند و قلعه آنرا محکم ساخته[3] . میرزا رستم خبر یافت[4] و قلعه را محاصره کرد و میرزا اسکندر آگاه شد امیر تولک و امیر یوسف جلیل[5] را بمدد فرستاد و خود نیز متوجه شد میرزا یوسف از آمدن تولک و یوسف جلیل واقف گشته باستقبال ایشان آمد ایشان مرد میدان رستم نبودند پناه بقلعهٔ خرابهٔ دستجرد بردند میرزا رستم و میرزا بایقرا که دران زودی بعراق آمده بود عزم محاصره کردند ناگاه شنیدند که میرزا اسکندر بقصبهٔ یزد رسید مرزا رستم عازم اصفهان شد و میرزا اسکندر چنان بتعجیل آمد که بعضی رستمیان را اسکندریان گرفتند و همچنان بسرعت می آمدند میرزا رستم سه فرسنگ استقبال نموده هر دو لشکر بهم رسیدند مصرعه

غریو کوس و بانگ نای برخواست

و آن دو لشکر چون امواج بحر اخضر یا افواج دشت محشر برهم زدند و میرزا اسکندر ظفر یافته میرزا رستم باصفهان در آمد و میرزا اسکندر بموضع آتشگاه فرود آمد و پیش ازین مرزا خلیل سلطان حسب فرمان خاقان سعید از خراسان با ده هزار سوار بجانب عراق و آذربایجان آمده بود چنانچه شرح آن گذشت و مقرر چنان بود که هر جا خواهد ساکن شود و او چندگاه در ولایت ری می بود درین دلا میرزا رستم کس فرستاده استمداد نمود میرزا خلیل سلطان بقصد مصالحه میان برادران عزیمت فرمود و هر چند پیغام صلح پیش مرزا اسکندر فرستاده مفید نیفتاد و میرزا اسکندر در یک طرف اصفهان داشت میرزا خلیل سلطان از طرفی دیگر باصفهان در آمد و میرزا اسکندر هر روز جمعی بدروازه

---

۱ ب ش ل، متن آ = تسخیر قصر، با : قصر، ۲ آ : ورزنه ۳ آ : ساخت اک : ساختند، ۴ آ : یافته ۵ ب : حلیل، با : خلیل ◆

فرستاده از طرفین جنگها سخت میکردند اما از عدم قوت قوّت اصفهانیان فوت شده از تعذر اسباب معیشت طاقت ایشان طاق شد میرزا رستم بضرورت اصفهان را گذاشته عازم جانب امیر قرا یوسف گشت و میرزا اسکندر جمعی را تا قم[۱] در عقب* فرستاد او از سید ندو میرزا خلیل سلطان در اصفهان بود و میرزا اسکندر همچنان عناد و خصومت می نمود درین اثنا جمعی از لشکر شول واکراد بی اجازت میرزا اسکندر برگشتند بدین سبب[۲]* ترک محاصره گرفته عازم شیراز شد و اصفهانیان برنج غلا و بلای قحط مبتلا شدند[۳] و آتش جوع مشتعل گشت و صعوبت نایافت از حد گذشت از مواشی آنچه داغ استغلال بر جبین داشت هر کس بهرچه ممکن بود می خرید و بهیچ جا نمیرسید تمام چوبهای عمارات و ستونهاء ایوانات بجای هیزم بسوخت . بیت

بسوخت آتش قهر تو[۴] جمله را تر و خشک چنین بود چو درافتد بمرغزار آتش

و در ایام در بندان اصفهان گویند میرزا خلیل سلطان بسر پالیز درویشی رسید که در شهر بآب چاه مزروع گردانیده بود و درویش خربزهٔ آورده شرط خدمت بادا رسانید میرزا خواست که درویش را رعایتی فرماید میسر نشد درویش را | عذرخواهی نمود فاعتبروا یا اولی الابصار، ب

میرزا خلیل از اصفهان به ری آمد و عرضه[۵] داشت بپایهٔ سریر اعلا فرستاد مضمون آنکه چون در اصفهان از جهت قحط نمیتوانست بود بجانب ری عود نمودیم، اکنون بهرچه امر فرمایند عمل نماید.

---

۵ در نسخهٔ ب گفته است که صورت این قضایا در رمضان ۸۱۳ھ به شاهرخ سلطان رسید و متعاقب نوکر امیر زاده خلیل سلطان بهادر رسید و عرضه داشتی رسانید مضمون آنکه در اصفهان روی مقام نمود زیرا نوکران متفرق می شدند و چون از جهت فوت قوّت (قُوتِ) فاساک بمعروف نداشت مانع او تسریح باحسان نمی توانست شد بیش از آن که این چند معدود نیز متفرق گشتند متوجه جانب ری شده ایم.

۱ ب: از عقب، اک: مثل متن، در ب ندارد. ۲ با: بدین سبب میرزا اسکندر (بجای بدین سبب) ۳ در ا: و اد را ندارد ۴ با ب اک: جمله (بجای جمله را)

ذکر آمدن سلطان احمد به تبریز و قتل او بفرمان امیر قرایوسف بن امیر قرا محمد ترکمان

سلطان احمد دوازدهم[1] محرم از دار السلام بغداد عازم آذربایجان شد و در نواحی همدان اکراد آن بلاد را در قبضهٔ اقتدار آورد. شاه محمد بن امیر[2] قرایوسف در ییلاق اوجان واقف شده عزیمت خوی نمود و سلطان ببیست هشتم ربیع الاول در دولتخانهٔ تبریز نزول فرمود و کسان در عقب شاه محمد فرستاده در سلماس[3] باو رسیدند و او را گریزانیدند و درین حال امیر قرایوسف در ولایت[4] ارزنجان بود[5] و ضبط و یاسامیشی مهمات آن نواحی می نمود و شرح آن گذشت[6] چون این خبر شنید متوجه تبریز شد[7] و روز جمعه بیست و هشتم ربیع الآخر سلطان و قرایوسف[8] در قریهٔ اسد که دو فرسخی تبریز است بهم رسیدند و از طرفین صفها کشیده اسباب مقاتله و جدال[9] ترتیب داده ابواب محاربه و قتال[10] گشادند[11] بیت[12]

زپیکان الماس و پر عقاب ... نبد هیچ پیدا رخ آفتاب
زسرخاب[13] سرخ آب* بر سان رود ... گذر کرد بر دامن سر درود

---

[1] زبدة : بردست [2] زبده : روز دوازدهم محرم سنه ثلاث عشر و ثمانمائه [3] ورک ندارد [4] زبده : بموضع قراباغ سلماس [5] با : گریزانیدند ، آ : مثل متن [6] زبده : مصحفا ، لشکری بجامرز اذربایجان برده بود [7] رک به ص ۳۰۰۷، اس ۱۰۰ [8] در زبده افزوده است که امیر مجدود نوشهر عرض لشکر خود کرده جبیاد بعدش بجمعه و تبریز آمد سلطان از دولت خانه تبریز بسبب عراق (کذا) نزول کرد و تعداد لشکر بغداد که بیست هزار خانه بحساب در آمد [9] آ ک : امیر یوسف با بب : امیر قرایوسف ، [10] فقط زبده : آیند ، [11] آ : مجادله و قتال [12] صاحب زبده لفته است که چون امیر یوسف بقریه مذکور رسید دلاوران طرفین محاربه نمودند تا روز جمعه مذکور امیر یوسف و سلطان احمد با لشکرهای جرار صف قتال ترتیب داده دست بحرب گشادند [13] این ابیات را در زبده دارد [14] ک : سرخاب ،

آتش حرب برافروخت وتاب التهاب جان دلیران میسوخت[1] سلطان بنفس خود جنگهای مردانه
وکوششهای بهادرانه فرمود اما ع
چون سعادت نبود کوشش بسیار چه سود[2]
وسپاه سلطان مردمیدان ترکمانان[3] نبود بیت[4]
قضارا یکی تیر زهرآب دار گذر کرد بر بازوی شهریار
دلیران احمدشه سرفراز گرفتند در پیش راه دراز
هزیمت غنیمت شمردند زود سراسیمه گشتند برسان دود
احمدیان روبهزیمت نهادند ویوسفیان[5] دست بغنیمت گشادند سلطان خودرا باغی انداخت
ویکی از لیام تبریزه بهاء الدین جولاه[6] نام امیر یوسف رامطلع ساخت وجمعی بطلب او رفته[7] چون
چشم بادشاه برایشان افتاد بیت
بدانست شه کآمد اورا زمان بدست قرایوسف ترکمان
بحکم رضینا بقضاء الله تعالی این بیت[8] خواند که بیت
چوبامن بود لطف یزدان پاک نباشد زمردن مرا هیچ باک
دست به بند وگردن بکمند داده پیش قرایوسف آمد وبعد از انواع حکایات بفرمان امیر مشارالیه
بخنه (کذا)[9] هلاک شد وچون این خبر بعرض حضرت خاقان سعید رسید از خواجه عبدالقادر گوینده[10]

---

[1] در زبده اعلام بعضی از امراء جانبین که در میمنه ومیسره بودند درج نموده است [2] ب: چه سود
[3] آ: ترکمان [4] این ابیات از جمله هفت ابیات است که در زبده دارد، [5] زبده: قرایوسفیان۔
[6] زبده: جولا [7] زبده: اعلام لشکریان امیر یوسف کرد وامیر یوسف چون ازین حال خبر یافت تملش و
تکری برش را بآن شخص همراه گردانیده بطلب احمد فرستاد، [8] فقط ک: دوبیت، [9] ب، آ: بخنه؛
ب: بخبه، زبده: بعد از انواع حکایات حکم کرد اورا بخفه هلاک گردانیدند، [10]
در زبده ندارد۔

که سالها ملازم سلطان می بود پرسید که برای سلطان احمد مسیح ساخته[1] خواجه[2] این رباعی گفته[3] [وعلی ساخته] بوقت عرض رسانید رباعی

عبدالقادر ز دیده هر دم خون ریز / با دور سپهر نیست جای ستیز
کان مهر سپهر خسروی را ناگاه / تاریخ وفات گشت قصد تبریز[4] ۸۱۳

فی الجمله سلطان احمد را بعد از هلاک دوشنبه روز[5] بر خاک انداختند بسبب آنکه فتنه انگیزان می ساختند که سلطان بسلامت بیرون رفت، تبریزیان اجازت خواسته بموجب وصیت سلطان در عمارت دشتقیه پهلوی مادر و برادر مدفون شد[6] بیت

سپردند[7] تبریز یا لش بخاک / سوی خانه رفتند دل چاک چاک[8]

و شاه ولد بن شاهزاده شیخ علی بن سلطان اویس که ملازم عم[9] به تبریز آمده بود و سلطان علاء الدوله بن سلطان احمد که در قلعه عبد[10]الجوز محبوس بود شربت شهادت چشیدند و بد[11]شتقیه سر نهادند*،

و سلطان[12] در وقت عزیمت تبریز* از بادشاه شروان امیر شیخ ابراهیم استمداد نموده بود و او پسر خود گیومرث را روان فرمود و در روز هزیمت (ورق ۲۸۸) سلطان احمد گیومرث نزدیک (۲۸۸ ر)
رسیده[13] متحیر ماند ع

[14] نه رای[15] سفر کردن[16] و نه روی[17] اقامت

---

[1] زبده: گفته، [2] زبده: خواجه عبدالصمد (مصحفا بجای خواجه عبدالقادر) [3] ازروی آ، درک ندارد، زبده: خواجه ... این رباعی در تاریخ وفات او گفته سلطان علی ساخت و در بندگی عرضه داشت ،
[4] لفظ درک و آ، از "قصد تبریز" بحساب ابجد ۸۱۳ حاصل می شود، [5] در زبده ندارد، [6] در ب از کلمه بیت تا کلمه ایشان ص ۲۰۵ س ۱ پادشاهان را نصیحت تلخ آید چو ایشان، را ندارد، [7] در زبده پیش ازین بیت افزوده: زیکسو برادر بدو مادرش - بدیگر طرف خویش و هم خواهرش، [8] زبده: کشته،
[9] زبده: سلطان احمد، [10] فقط آ: عبدالجواز، (نیز برک ب ص ۱۳۹ ح ۵) زبده: عبدالجوز، [11] زبده: و ایشان هردو را نیز نقل دشتقیه کردند [12] زبده: دران ایام که سلطان احمد از بغداد متوجه تبریز میگشت [13] آ: تبریز رسیده [14] زبده: فی روی [15] ب، فی رای در رای، ؛

امیر قرا یوسف او را گرفته در قلعه ارجیش[1] حبس فرمود و امیر شیخ ابراهیم هرچند مال تقبل نمود مفید نبود[2]،
چون امیر یوسف[3] را این فتوحات میسر شد از غارت و گناه تبریزیان که مدد سلطان احمد[4] کرده اند گذشته[5] از راه مرند عزیمت یورت خود نمود، و چندگاه آنجا بوده بعزم قشلاق[6] به تبریز آمد درین اثنا شنید[7] که میرزا رستم[8] از محاربه برادر و قحط اصفهان روگردان شده متوجه تبریز است[*]. چنانچه ذکر آن گذشت[9] امیر قرا یوسف شرایط تعظیم تقدیم نمود، و چند روز طوبهاء سنگین فرمود و بعزم[10] روان داشتن[*] میرزا رستم اواسط[11] رجب بطرف مراغه آمد و در حدود لیلان[12] امیر محمد سارو[13] ترکمان از جانب عراق عرب آمده بتشریف و نواخت مشرف شد و اواخر[14] رجب میرزا رستم را با نوکران خدمتهاء خسروانه و خلعتهاء ملوکانه تعیین نمود و اسبان خوب کشید و جمعی نوکران اعتمادی ملازم ساخته روان داشت و خود در غایت عظمت و نهایت ابهت بطرف[15] تبریز رفت[*]،

---

[1] آ با: ارجیس، آ: ارچیس ـ زبده: ارجیس، (امارک به زبده ص ۱۰۰، و بیستر یخ ص ۱۸۳) که ارجیش نوشته اند برای ارجیس، [2] بعدش در زبده افزوده است: و مدتی دران بند بماند، [3] آ با: قرا یوسف [4] در آ ندارد [5] از زبده معلوم می شود که امیر یوسف بعد از قتل سلطان احمد حکم کرده بود که تبریز را نهب و غارت کنند بجهت آنکه تبریزیان معاونت سلطان احمد کرده بودند، [6] زبده: در روز پنجشنبه بیست و چهارم جمادالاخر بشهر تبریز نزول کرد و همدران روز خبر رسید، [8] زبده: امیرزاده رستم بن امیر شیخ عمر بهادر . . . از اصفهان بسبب آنکه مدتی بود که امیرزاده اسکندر اصفهان را محاصره کرده بود و اهالی آن بقحط و تنگی مبتلا گشته التجا با میر یوسف کرده . . . در روز یکشنبه بیست و هفتم (یعنی بیست و ششم) جمادی الآخر سنه المذکوره ۱۷ب، (تبریز به بیدشه رک ص ۱۹۵ س ۲) [9] رک ندارد، [10] زبده: جهت روانه کردن [11] زبده: روز سه شنبه رجب سیزدهم [12] نقط آ: للان، برای این مقام رک به بیستر یخ ص ۱۶۵، [13] بعدش در زبده افزوده است: که از امرای بزرگ ترکمه عراق عرب بود، [14] آ: آخر رجب، زبده: در روز دوشنبه (جمعه ۵ ر ۱۷) بیست و ششم رجب المذکور [15] زبده: بتبریز مراجعت نمود و آن زمستان در بتبریز (کذا) گذرانید.

وقایع سنه اربع عشر و ثمانمائه

ذکر قضایا که در خراسان واقع شد

حضرت خاقان سعید در افتتاح این سال بسعادت و اقبال در ییلاق بادغیس بود چنانچه صریر قلم سخن پرداز[۱] شرح آن باز نمود[۲] و درین اثنا میرزا عمر شیخ[۳] بن میرزا پیر محمد[۳] از جانب فارس و عراق بخدمت آنحضرت آمد و سبب آن بود که میرزا اسکندر چون آن ممالک در تصرف آورد صلاح وقت دران دید که میرزا عمر شیخ و میرزا سلطان علی بن میرزا رستم را که برادرزادگان او بودند از[۴] مملکت عذر خواهد[۴] چه ایشان را استعداد سلطنت از روی وراثت و استحقاق متعین بود متوهم شد که ناگاه جمعی ایشان را بران دارند که سر بطلب ملک برآرند و اختلال بسلطنت و زوال بدولت او رسد و شاهزادگان ازین معنی متنزه و متبرا بودند فی الجمله ایشان متوجه دار الامان خراسان شده اواخر[۵] محرم در ییلاق بادغیس سعادت دستبوس یافته منظور نظر کیمیا خاصیت[۶] گشتند

وهم در ییلاق بادغیس ایلچی هندوستان رسید که خضر خان[۷] پادشاه[۷] بعضی ازان ممالک اظهار اذعان نموده قاضی مولتان را که واسطهٔ عقد اکابر آن دیار بود با تحف و هدایا ارسال نموده نام والقاب آنحضرت را زینت منابر و نقش دنانیر ساخته[۸] بعرض رسانید و آنحضرت ملتمسات او

---

۱ آ، ک: سخن ساز قصه پرداز، ۲ رک برص ۱۹۱، ۳ ک: امیر شیخ الخ، زبده: امیرزاده پیر محمد (که درست نیست)، ۴ زبده: از خطهٔ مملکت و حوزهٔ سلطنت خود بطرفی روانه گرداند، ۵ آ: آخر، زبده: در اواخر، ۶ آ: خوان، ۷ ک: پادشاه با رکه غلط است، در زبده گوید: خضر خان که پادشاه بعضی از ممالک هندوستان بود اظهار اذعان و انقیاد نموده) ۸ بعدش در زبده افزوده: التزام باج و خراج نموده، ۹ بعدش در زبده گوید: بندگی حضرت عز استماع .... ارزانی فرمودند و در ایلچی مضبوط و مکانی مرموق فرود آوردند.

بایجاب مقرون گردانیده[1] و تشریفات گرانمایه پوشانیده انعام و اکرام نمود و اجازت مراجعت فرمود، و حمزهٔ چهره[2] نوکر میرزا الغ بیگ[3] رسید و یکی[4] را از مغولان مقید رسانید* و عرضه داشت که امیر شیخ نورالدین پیش محمد خان پادشاه مغولستان رفته و او شمع جهان را بمدد[5] او فرستاده قریب بسیرام[6] رسیدند و شرح این سخن گفته آید انشاء الله تعالی،

و سلطان اویس پسر امیر ایدکو برلاس از جانب کرمان قاصد فرستاد که میرزا اسکندر ممالک فارس و عراق مضبوط ساخته عازم کرمان شد و در نواحی کرمان خرابی بسیار میکند،

درین ولا باز نوکر میرزا الغ بیگ آمده و مغولی را در بند آورده اخبار سار[7] پر عرض کرد و شرح آن آید[8]،

بعد ازین حضرت خاقان سعید خاطر خطیر از طرف ماوراء النهر جمع ساخته لشکرها را اجازت فرمود و از عرصه بادغیس عنان مرکب کامرانی بمستقر جهانبانی انعطاف داده[9] در دار السلطنه هراة باغ زاغان مرکز پرکار دولت و نقطهٔ دایرهٔ خلافت آمد،

و درین ایام نوکر امیر شیخ ابراهیم از مملکت شروان[10] رسیده پیشکشها، پادشاهانه بعرض رسانید و آنحضرت فرستاده را عنایت فرمود و رعایت کرده بازگردانید،

و از جانب سمرقند خبر آمد که امیر شاه ملک بجانب مغولستان[11] رفته و الجای بسیار گرفته و این سخن محتاج بیان است،

---

[1] در زبده گوید که بعد از چند روز بتشریفات گرانمایه بهرومند گشتند [2] ک : حمزهٔ چهره، [3] اک : نورالدین الغ بیگ، [4] زبده : یکی از مغولان با خود رسانید [5] بقول زبده شمع جهان هژده هزار مرد همراه داشت، [6] آ : بسیرام، [7] آ : ... الخ، اک : بسیار، در زبده "اخبار ساریه عرض کرد" را ندارد، [8] آ : داده بیستم را، بآ اک : بیستم شهر صفر، زبده : در بیستم صفر سنه اربع عشر و ثمانمایه، [9] زبده : ممالک شروانات، [10] بآ اک : مغول، [11] ک آ : بیت بآ اک مثل متن،

ذکر باغی شدن امیر شیخ نورالدین کرت ثانی

سابقا مذکور شد که امیر شیخ نورالدین در حوالی سمرقند منهزم گشت[1] اما همچنان سودای استقلال درخیال داشت[2] و هر زمان سر راهی میگرفت و هر طرف فتنه می انگیخت نوئین اعظم امیر شاه ملک عرضه داشت بپایهٔ سریر اعلی فرستاد که شیخ نورالدین ترک یاغی گری نمیکند اگر فرمان شود صوران[3] را[*] محاصره کنیم شاید که آن صید وحشی بدام آید حضرت خاقان سعید فرمود که صلاح و فساد آن طرف بعهدهٔ اوست هرچه مصلحت داند چنان کند[*][4] امیر شاه ملک اواسط[5] رمضان سال گذشته[*] از سمرقند متوجه صوران گشت[6] و امیر موسی کا و امیر حمزه ترخان را منغلای[7] ساخت و امیر شیخ نورالدین خبر یافته راه گریز پیش گرفت و پناه بمغول برد امراء منغلا در عقب رفته بازماندگان او را اثر شیر در گله و گرگ در رمه نمودند و باز آمدند، امیر شاه ملک پیش امیر عبدالخالق پسر امیر خدابداد حسینی که[8] وران ملک صاحب طرفی بود فرستاد و پیغام داد که چون لشکر ما عود نماید هرآینه شیخ نورالدین ایمن گشته بصوران آید باید که در کمین باشد که احتمال دارد که او را بدست آرد امیر عبدالخالق که میان او و امیر شیخ نورالدین عداوتی عظیم بود مصرعه

تیغی کشیده بر سر ره در کمین نشست

امیر شیخ نورالدین بی خبر در ولایت درآمد و امیر عبدالخالق ناگهان بر و تاخت و جنگ بسیار کرده جمعیت او را پریشان ساخت و امیر شیخ نورالدین با سی سوار باز بجانب مغول رفت،

---

[1] رکـ بہ ص ۱۸۱، و در زبده افزوده است که تاریخ این واقعه نهم ربیع الاول سنه ثلث عشر و ثمانمایه بود، [2] بعدش در آ آکـ افزوده: سودای سلطنت ز سر این گدا نرفت [3] زبده: صورآنرا ـ برای صوران (یا صبران) رکـ به لیسترنج ص ۴۸۶، [4] آ آ آکـ زبده: بتقدیم رساند، [5] زبده: در سیزدهم رمضان سنه ثلاث عشر و ثمانمایه، [6] بعدش در زبده افزوده: چون بندرگاه (کذا) رسیدند، [7] کـ: متعلای، آ: منغلا، یا منقلا در زبده: منقلای لشکر گردانیده ایشانرا طرف صوران نامزد فرمود) [8] زبده: که او نیز الخ،

و امیر عبدالخالق اگرچه او را بتوانست گرفت اندیشه کرد که اگر او را از میان بردارد امیر شاه ملک او را نیز در آن طرف نگذارد، فی الجمله امیر عبدالخالق از جملهٔ غنایم ده[۱] هزار اسپ گرفت[۲] و مریض شده بعد از[۳] هفتده روز وفات یافت بیت

[۴] بفیروزی اندر مترس از گزند که یکسان نگردد سپهر بلند

امیر شاه ملک جای او را بعد از تسخیر آن[۵] بلاد بتیمور ملک پسر دولدای داد که در شمایل او دلایل مردانگی و مخایل فرزانگی مشاهده می افتاد، امیر شیخ نورالدین پیش محمد خان پسر خضر خواجه پادشاه مغولستان رفت[۶] و سعی کرد که ایلچیان امیر شاه ملک را که آنجا بودند گرفتند[۷] و خان پانزده هزار مرد مقرر فرمود که همراه برادر او شمع[۸] جهان متوجه ماوراءالنهر شوند[۹] و امیر شاه ملک وقوف یافته صورت حال عرضه داشت پایهٔ سریر اعلی کرد و[۱۰] میرزا الغ بیگ در سمرقند توقف نمود و امیر شاه ملک عزم رزم مخالفان جزم کرد و مغولان بمحاصرهٔ قلعهٔ سیرام که در تصرف کسان امیر عبدالخالق بود اشتغال داشتند که خبر توجه امیر شاه ملک یافتند عازم جانب او شدند و امیر شاه ملک از عزیمت ایشان آگاه شد[۱۱] تدبیری اندیشید که موافق تقدیر آمد و شرح آن چنانست که شاه[۱۲] یتیم که توکر شایستهٔ او بود با دو هزار سوار نامدار مقرر فرمود که ایلغار کرده تولا[۱۳] بتگی

---

[۱] زبده: قریب ده هزار اسب بدست لشکریان عبدالخالق افتاد [۲] کذا در ک، آ با آک زبده، عقده.

[۳] آ با آک: بپیروزی ... بعدش در زبده سه بیت دیگر را وارد [۴] زبده: ایالت سیرام و آن نواحی بدو در (کذا) مقرر فرمود [۵] زبده: و محمد خان (کذا) بیشتر ایلچیان پیش امیر شاه ملک (کذا) فرستاده بود امیر شیخ نورالدین بنامی و سعادت و سعایت بدانجا رسانید که عمده ایلچیان شاه ملک را گرفت، [۶] زبده: شاه جهان.

[۷] و در زبده اسامی امرای نامدار این لشکر را نیز دارد [۸] زبده: عساکر ماوراءالنهر ساخته گردانیده امیر ... الغ بیگ گورکان در دارالسلطنه سمرقند توقف فرمود امیر شاه ملک با لشکرهای آراسته متوجه ایشان شد

[۹] آ با: شده [۱۰] آ: شاهیم، با: شاه یتیم، اک مثل متن، زبده: شایستم [۱۱] آ: تکی، ک، با آک تیکی، زبده: تیکی بظاهر یانگی است که بقول بابرنامه (طبع و نعت گیب) ورق ا ب همان طراز (در یک نسخه طراز) است و همین کتاب بر ورق ما و یگی نوشته است، و نیز رک به ترجمه بابرنامه از بیوریج ص ۲ ج ۱)

درآیند[۱] و بخانهای مغولان که دران ولایت بود دستبرد[۲] نمایند شالیستم[۳] روز و شب سرعت سیر نموده نوعی شتافت که مخالفان را بر بستر امن در خواب غفلت خفته[۴] یافت و آن مجموع را غارتیده خانها را زیر و زبر گردانید و الجای[۵] بسیار گرفته شش[۶] هزار اسپ بخدمت امیر شاه ملک رسانید، مغولان[۷] این خبر شنیده از هم فرو ریختند و هر یک بطرفی گریختند[۸] و امیر شاه ملک احوال معاودت مغولکان عرضه داشت پایه سریر اعلی نموده در وقتی که موکب همایون (ورق ۲۸۹) در ییلاق (۸۵ب
بادغیس بود آنحضرت لشکرها اجازت داده بمستقر دولت مراجعت فرمود چنانچه ذکر آن گذشت[۹] اینست شرح احوال که قلم عنبرین خال بر طیب و مده آن مقال مشک سای گشت،

ذکر توجه حضرت خاقان سعید بجانب ماوراء النهر

چون امیر شیخ نورالدین از طرف مغولان طرفی نبست و دندان طمع او در کام ناکامی شکست روی بحیله آورده کسان بمغولستان فرستاد و بصورت عرضه داشت پیغام داد که بارها گفتم که امیر شاه ملک با شما دوست نیست و غدر[۱۰] میکند باور نمیکردید اینک تمام الوس را برهم زد اگر تدارک این قضیه نخواهید کرد ضرر او زیادت خواهد شد، محمد خان بالشکر فراوان عازم ماوراء النهر

---

۱ زبده: خانهای اکثر از لشکر که متوجه آن طرف گشته بودند در ولایت. بولایت نیکی بود ، ۲ با آ تک: تتن ، نیکی بود.. . شالستم را . . . فرمود که ایلغار کرده از راه لشکند (کذا) بولایت نیکی درآیند ۳ و برآ ندارد ۴ با آ تک آ: الجار ۵ بقول زبده از جمله غنایم ۱۲ هزار اسپ گرفته بودند از ان جمله ۶ هزار در راه تلف شده و ۶ هزار دیگر پیش شاه ملک رسانیدند ۶ بقول زبده مغولان را این خبر در قراسمان که از توابع اترار است رسید، (این قراسمان مذکور است در شرف نامه یزدی ۱: ۴۹۹) ۷ در زبده بعدش گفته که: امیر شیخ نورالدین بعد ازانکه از مقاومت و قتال و جنگ و جدال مایوس شد و بامرای مغول قاعده وداد و رسم (رسم) اتحاد نبیاد نهاده بود دختر خود را نامزد بادشاه جهان (شمع جهان) کرده چون این قضیه دست داد با پانصد سوار متوجه صوران گشت و انجا قضیه مصادمت (مصاهرت) و مناکحت باتمام رسید ۸ آک برص .. ۲ ، ۹ آ آک با: عذر، زبده: مکر و غدر میکند

شد و خبر بسمرقند رسید و میرزا الغ بیگ شرح واقعه بپایهٔ سریر اعلی رسانید، حضرت شاهرخی به احضار لشکرها فرمان فرمود و بدولت و سعادت عزیمت ماوراء النهر جزم نمود و چهارشنبه سلخ ربیع الاول[۱] از دار السلطنه هراة بباغ مختار آمد و بالشکرهای جهان روان شده بآب مرغاب رسید[۲] و قاصد میرزا الغ بیگ خبر رسانید که مغولان بولایت خود باز گشتند[۳] و شرح این حال از روی اجمال آنست که محمد خان از تختگاه خود بموضع علان[۴] باشی که میان ینگی[۵] و صورانست آمد و امیر شیخ نور الدین ملحق شد محمد خان با اعیان دولت خود مشورت نموده مردم کاردیده تجربه یافته گفتند چه موجب ست که ما برای شیخ نور الدین با قومی باقوت و با جمعی با شوکت دشمنی کنیم و حال جنگ معلوم نیست، ایلچی حافظ نام پیش امیر شاه ملک فرستاده پیغام داد که سابقا میان ما عداوتی نبود و صورت نزاعی که روی نمود به انگیز صاحب غرضان بود این زمان با تو دوستی می کنیم[۶]* اگر میان تو و شیخ نور الدین نزاع باشد[۷] ما اورا حمایت نمی کنیم* امیر شاه ملک ایلچی را رعایت کرده خوشدل بازگردانید و نوروز بخشی را با بیلاکات پادشاهانه بخدمت محمد خان فرستاد و از جانبین قواعد مصادقت تاکید یافت[۸]،

درین اثنا نوکر میرزا الغ بیگ ملک لیساول رسید و بموقف عرض رسانید که میان میرزا الغ بیگ و امیر شاه ملک کدورتی واقع شده[۹] است، آنحضرت از جهت معاودت مغول و خبر ملک لیساول در عزیمت جانب ماوراء النهر متردد بود و چند روز در النگ چیچکتو توقف نمود و امیر سید علی ترخان جهت تحقیق اخبار بسمرقند ارسال فرمود امیر سید علی تفحص احوال نموده دانست که از آن وقت که آنحضرت امیر شاه ملک را عنایت فرمود و در ممالک ماوراء النهر صاحب اختیار ساخت[۱۰] تمام امور بر وفق رای جمهور بفکر صایب و نظر ثاقب منتظم گردانید و با میرزا الغ بیگ در مقام نصیحت و دولتخواهی است

---

[۱] در زبده افزوده: سنه اربع عشر و ثمانمایه [۲] آ: علان ماسی، اک: غلان باشی، زبده: علان ماس.

[۳] آ: ینگی، با: سکی، اک: نیکی، ارک برمس ۲۰۲ ح [۱۱] زبده: می کنم، [۶] زبده: می ... نمی کنم،

[۷] در زبده افزوده است که محمد خان برهمان قول که کرده بود بولایت خود مراجعت نمود [۸] اک: شد، [۹] زبده: حضرت سلطنت شعاری امیر شاه ملک را (منظور) نظر عنایت گردانیده در ممالک ماوراء النهر بنیابت فرزند اعز الغبیک کورکان مقرر کرد

اما اکثر طباع خاصهٔ پادشاهان را نصیحت تلخ آید چه ایشان همه[1] وقت طعم ایام را شیرین و خوشگوار بکام خود خواهند و همه عالم را فرود خود بینند و اگر امیر بنا بر مصلحت[2] خلاف رای شاهزاده کرده باشد اصحاب اغراض آن را بر[3] بی حسابی و سبک داشت حمل کنند[4] و بنوعی دیگر باز نمایند و چگونه گمان توان برد که نصیحت موجب عداوت گردد بیت

دارو سبب درد شد اینجا چه امید است   زایل شدن عارضه و صحت بیمار

امثال این قضایا از کید حساد و مکر اضداد بعید و بدیع نیست خاصه بر درگاه[5] سلاطین، فی الجمله امیر سید علی ترخان باز آمده شرح احوال بعرض رسانید و از آن طرف امیر شاهملک متوجه مغول شد حضرت خاقان سعید خواست که ضبط مملکت بنوعی نماید که مناسب | ناموس سلطنت باشد بنا بر آن (۲۸۹ موکب ظفر نشان عازم سمرقند شد و بقیة الاسلام بلخ آمده بر جیحون[6] پل ببستند و موکب منصور بیست و یکم جمادی الاولی[7] عبور فرمود و میرزا الغ بیگ و جمیع بزرگان در منزل قشقا شرف دستبوس یافتند و آنحضرت چون آفتاب در بیت شرف [در] دار السلطنهٔ سمرقند نزول نمود و بمزار اکابر[8] آن دیار و* صاحبقران نامدار رفته صلات و صدقات بمستحقان رسانید و مرغزار کان گل لشکرگاه گردانید و بعد از چند روز نوکر امیر شاهملک سر امیر[9] شیخ نورالدین را آورد و شرح این سخن از نوادر وقایع است،

---

[1] رک بر ص ۱۹۷ س ۷ - از لفظ "بیت" بر آن صفحه تا لفظ "ایشان" برین صفحه من از ب ساقط شده است - [2] ب ب آ: مصلحتی احیانا؛ زبده: و اگر احیانا جهت مصلحتی خلاف رای او کرده باشد، [3] زبده: بر دلیری حمل کرده [4] در زبده: پادشاهان و ملوک که دایما درمیان ایشان حقد و حسد و بغض و عداوتست، [5] زبده: آب آمویه، [6] آ ک: الاول، زبده: الاول سنه اربع عشر و ثمانمائه [7] در زبده ندارد، [8] بقول زبده پادشاه در کان گل نزول فرمود .... مدتی چندروز برای آبادانی مملکت و انتظام امور ولایت بر در شهر مقام فرمود ... "بعد از ان شش روز که بکان گل مقام فرموده بودند نوکر امیر شاهملک رسید"، [9] در آ ندارد،

شرح قتل امیر شیخ نورالدین بحسن تدبیر امیر شاهملک بدست هر قداق[1]

هر کرا التیسیر[2] درجهٔ طالع بجرم[3] قاطع رسد هر آینه از نظر سعادت اثر نحوست یابد و هر صورت که با خود نقش بندد غیر آن در آینهٔ[4] خیال جمال[5] نماید بیت

یکی چنانچه[6] در آینهٔ تصور ماست ‌ ‌ ‌ ‌ هزار نقش بر آرد زمانه و نبود

و کسی راکه درین معنی تسکی[7] باشد و حکایات گذشته را باور نکند گو بچشم عبرت صورت این حال مشاهده نمای و بگوش هوش این حکایت[8] استماع فرماید کذا چه در تواریخ قدماء و مؤلفات فضلاء چنین حادثه مطالعه نه رفته و معاینه نه گشته،

و کیفیت واقعه چنان بود که چون امیر شاهملک عزیمت مغولستان نمود و در کنار سیحون عزم پل بستن نمود امیر شیخ نورالدین آگاه شده قاصدی پیش چنگیز[9] اغلان فرستاد و پیغام داد که من با امیر شاهملک بد کرده ام و خود عذرخواهی نمیتوانم نمود[10] و توقع آنکه میان ما واسطه شوی و هر چه ازین طرف تقبل نمائی بتقدیم رسد، چنگیز[9] اغلان رمضان اوزبک راکه از اعیان نوکران او بود[11] بچرب زبانی آب لطف بآتش عنف امتزاج میتمود[12] روان نمود و فرمود که امید بجناب امارت مآب آنست که ملتمس رد نکند و نصیحت قبول فرماید چه معلومست که درخت دشمنی میوهٔ پشیمانی بار آرد و تخم نزاع ثمرهٔ انقطاع دهد شمار اسوابق مودت و لواحق محبت درمیان بوده اگر آنجناب نصیحت بسمع رضا اصغا نمایند من قبول میکنم که امیر شیخ نورالدین بعد ازین[13] در مقام رضا جوئی در آید[14]، امیر شاهملک گفت اگر سر صلح و صفا دارد تومان آقا[15] و برادر او شیخ حسن

---

[1] کذا در ک، در زبده نیز در بعضی جایها بلفظ هر بالضم نوشته است، [2] با: تیسیر، [3] ک زبده: بحرم، [4] آ: جمال خیال، [5] آ با: همانکه، [6] ک: حکایات، آ مثل متن، زبده: بگوش هوش حکایت این واقعه استماع نمای؛ [8] آ، زبده: موضع؛ [9] جکنیز، زبده: جکنز [9] بب: جکیز؛ آ: حکر [9] آ زبده: کرد [9] آ: جنکیر، زبده: جنکز؛ [10] در زبده: نداره [11] زبده: برامثال حرکات گذشته اقدام نماید و از انچه متعرر گردانیده شود تجاوز نکنند زبده: نکند، [12] زبده: آغاه

دنوکرش تنگم[1] وپسرش محمود شاه راپیش ما فرستد تا سخن او اعتماد را شاید، این مثل مشهور است که هرکه شیر گرم خورده تا آب پف نیکند نمیخورد شیخ نورالدین مارا بسیار بازی داده است ،

چون امیر شیخ نورالدین از جانب جنگیز[2] نومید شد علی[3] کا[4] نوکر امیر عمر تابان راکه مدت چهار ماه دربند داشت پیش امیر موسی کا و امیر دولتخواجه فرستاد که شما تا کی جانب شاهملک اندا[4] گرفته اید؟ وقت آمد که طرف ما گرفته آشتی[5] دهید، اگر او بدرشتی سخن گوید او را بلطف و نرمی ازان منع کنید، امرا[6] سخن گفته امیر شاهملک ایشانرا پیش امیر شیخ نورالدین فرستاده خود متعاقب بصوران آمد و قاصد روان داشته گفت : اگر[7] گناه اعتراف کرده[8] میگوئی بدکردم من با تو صلح میکنم واگرنه میان من و تو جنگ است ، امیر شیخ نورالدین گفت اگر امیر شاهملک با دو نوکر بدر قلعه آید[9] تا من نیز با دو نوکر بی رسول و پیغام سخن کنیم بهتر باشد، برین قرار هردو یکدیگر را دیده سلام کردند کنار گرفته پرسیدند ،

امیر شاهملک گفت : همه عالم را معلوم ست که حضرت صاحبقران ترا بمنزله فرزندان تربیت فرموده بدرجه بزرگ امارت رسانید و تو خود انصاف ده که هیچ آفریده با این خاندان این جرأت

---

[1] آ : تنکوم ، ب ، بب مثل متن ، زبده : سینکم ، [2] آ : جنگرا غلان ، بب : جنکیز ، زبده : جنکز اغلان [3] زبده : علی ، [4] کذا در ک آ ، بب : اندا ، در با ندارد ، زبده : آندرا ..... برای این کلمه رک به لغات نوائیه ص ۴۷ ، [5] زبده : نیز بکیرید و برفق و محاملت و مواسا و ملاطفت میان ما آشتی پیدا سازید (سازید) ، [6] درین موضع زیادتی هست در زبده و حاصلش آنکه موسی کا و دولت خواجه شیخ را گفتند که اگر وی التزام نماید بهرچه امیر شاهملک فرماید ایشان پای درمیان نهند ، شیخ با ز خبر فرستاد و خود بر عقب روانه شد ایشان بیک روز پیشتر بصوران رسیدند امیر شاهملک روز دیگر برسید وپیش امیر شیخ نورالدین فرستاد وخود برعقب روانه شد ایشان بیک روز پیشتر بصوران رسیدند امیر شاهملک بروز دیگر برسید وپیش امیر شیخ نورالدین فرستاد و خود برعقب روانه شد از [7] بب : بگناه ، [8] آ : کرده ، [9] ک : درآید آ مثل متن ، زبده : آیند ،

بی حرمتی کرده که تو می کنی حالا الماضی لایذکر ع

که گفته اند بزرگان که از گذشته مگوبید

من بر کرم حضرت خاقان سعید اعتماد دارم (ورق ۲۹۰) که تو اگر در مقام اعتذار آئی ترا گزندی زسد، امیر شیخ نورالدین گفت ریسمان که بگسیخت[1] درست نمیشود و اگر شود[2] پیوند گره باقی ماند[3]

بیت

رشته[4] چو گسیخت می توان بست* اما[5] بمیان گره بماند

سخن صلح قرار نگرفت، امیر[6] شاهملک تومان آغا ز اسلام کرده و زمان حضرت صاحبقران را یاد آورده در گریه شد[7] و امیر[8] شاهملک شیخ نورالدین را گفت بروز بلند شد و هوا گرم از برای ما شامیانه و خوردنی فرست تا زمانی بیاسایم بیت

چند روزی که درین مرحله فرصت داری خوش بیاسای زمانی که زمان این همه نیست

بدین سخن اورا فریب داد، آه از دنیای غدار و فریب آن[9] با یکدیگر!

القصه موسی کا و امیر[10] دولتخواجه چند نوبت[11] آمد شد کرده، سخن صلح بجائی نرسید، امیر شاهملک

---

[1] آ: پیوند درست، زبده: دیگر باره درست نمی شود. [2] آ: می شود گره با قیست، با: و اگر پیوند کنند گره باقی ست، در ب کلمه 'و اگر شود' را ندارد و 'است' دارد بجای 'ماند'، زبده: و اگر پیوند کنند البته گره باقیست [3] زبده: رشته چو گشت [گسست] و اتوان بست [4] با ب: لیکن، زبده مثل متن، [5] در زبده گفته است که امیر شاهملک از دروازه برکنار خندق بسوی برجی که تومان آقا در آنجا بود روان شد که اورا داشت (کذا) که اگر بطرف او میل کنند و دریابکه قصد او دارند در پیش او صحرا بود تاخته بمردم خود پیوندد". [6] از زبده مفهوم می شود که آنکه گریه کرد تومان آغا بود نه امیر شاهملک. [7] در ب ندارد. [8] با: اهل آن، ب مثل متن. [9] در ب ندارد، از روی آ نوشته شد [10] در زبده ذکر چند نوبت نیست، فقط یک بار رفتند و وی را نصیحت کردند که سلطان شاهرخ را ببیند و الا فرزند یا برادر خود را بفرستد، و چون مفید نیفتاد پیش شاه ملک آمدند ؛

چون دید که امیر شیخ نورالدین صلح نمیکند فکر[۵۱] بهرقداق[۵۲] با امرا در میان آورد و امرا گفته او ازان نیست که همچنین قصد او توان کرد ع

کجا همای بدام کسی در آرد سر

امیر شاه ملک با[۵۳] امراء دیگر[۵۴] سخن نگفته باخود گفت این کار جز بدلیری نمیشود و این سر با کسی نباید گفت ع

گر اهل عقلی این همه با خویشتن بگوی

امرا را گفت یک بار دیگر این بی دولت را نصیحت کنید که اگر خود و فرزند پیش بندگی حضرت نمیروند دو[۵۵] لوکر* نیک خود را فرستد[۵۶] تا بازگشتن را ناموسی باشد*، امرا رفته و امیر شیخ نورالدین با دو سوار نزدیک قلعه ایستاده با ایشان سخن می گفت، امیر شاه ملک بهرقداق را گفت تو مرا بجای برادری بل بیشتر اگر امروز قدم جرأت در پیش نهی و برین معنی که در خاطرم آمده اقدام نمائی شاید که ظفر روی نماید و نام دلاوری بر روی روزگار باقی ماند، درین حال که امرا باز گردند ترا پیش شیخ نورالدین باید رفت و او چون ترا بیند هرآینه طلبیده در آغوش خواهد گرفت، چون[۵۷] تو نزدیک رسی پیاده شو، چون سر فرود آرد که ترا در آغوش گیرد او را[۵۸] دلیر و مردانه چنان در آغوش گیر که دستهای تو بر پشت او بهم رسد و او را محکم گرفته از اسپ فرو کش او را بزیر آوردن عهدهٔ* تو و ترا نگاهداشتن عهدهٔ ما،

و بهرقداق بدر قلعه رفته[۵۹] چون چشم شیخ نورالدین بر وا افتاد آواز داد[۶۰]* بهرقداق پیاده شده چند کرت زانو زد، و امیر شیخ نورالدین خم شده و آغوش باز کرده او را در بغل گرفت، چون دست بهرقداق غدار[۶۱] از پس پشت امیر[۶۲] بهم رسید بهرزوری که داشت او را فرو کشید و چون بر زمین افتاد زانو بر سینهٔ او نهاد شمشیر از میان کشیده

۵۱ درک ندارد ۵۲ زبده: امیر شاه ملک فرموده که من یک فکر کرده ام الخ ۵۳ در با (بهر موضع) برتعاق
۵۴ با: دیگر با امرا ۵۵ زبده: یک نوکر ۵۶ زبده: که مارا نیز ناموسی است تا بازگشتن را سببی باشد ۵۷ در آ، ب
و زبده ندارد ۵۸ با: دلیرانه، اک بب مثل متن، ۵۹ در زبده گوید که امیر شاه ملک فرموده تا دویست سوار جوشن پوش
شمشیرگذار دو تیر پرتاب از در قلعه دورتر معد بایستادند و بهرقداق بدان طرف رفت، ۶۰ زبده: آواز داد و او را کرم برسید
۶۱ در زبده ندارد ۶۲ آ: او،

دو نوکر شیخ نورالدین که در بیرون قلعه بودند بر هرقداق تاختند و یکی شمشیر بر بازوی او فرود آورد و هرقداق شیخ[1] نورالدین* را بزانو نگاه داشته شمشیر حوالهٔ سوار کرد و چنان زد که لبهای اسپ بریده شد و اسپان[2] رم کرده شمشیر[3] بر روی شیخ نورالدین مظلوم[4] فرود آورد چنانکه انگشتهای دست او که منع تیغ میکرد و بینی با یک نیمهٔ کاسهٔ سر جدا شد و امیر شاهملک از دور بر[4] بالای بلندی* چشم بر ایشان داشت چون هرقداق دست بالا کرد[5] امیر شاهملک باد و بیست سوار تکمل تاخته بدر قلعه رسید و هرقداق هنوز بر سینه شیخ نورالدین بود چون مدد رسید بر خاسته[6] یک دو شمشیر دیگر بر سر او زد و سرش از تن جدا کرده بر خاک مذلت انداخت، امیر شیخ نورالدین اگرچه روزی چند با امیر شاهملک شطرنج منازعت باخت و در بساط مقابله و مقاتله اسپ مخاصمت تاخت و در پس فرزین بند فریب کمین ساخت عاقبت نظر از بازی خصم برداشته و فیل بناء[8] غدر او را عدم انگاشته* در خانه مات نشست و رقعهٔ حیات برافشاند بیت

به یک پیاده شه رخ زاسپ[9] دور افتاد | به پیل بازی خود گرچه ساخت فرزین بند ۱۰۱

امیر شاهملک هرقداق[10] را که چنان امر خطیر ارتکاب نمود بتربیت و نوازش بسیار فرمود و او را گفت که همه عمر[11] ممنون تو خواهیم بود هرقداق عرضه داشت که اگر من در خدمت مشقتی تحمل کردم[12][13] بامید رضای مخدوم بر من آسان گشت و کار چنین جز بمساعدت دولت نتواند بود و کدام خدمت ازین زیادت باشد که نام خدمتگاری بنده در میان الوس باقی ماند و این همه نتیجهٔ فکر صواب بندگی مخدوم است،

امیر شاهملک بعد ازین واقعه قلعه صوران را محاصره کرد حضرت خاقان سعید امیر شاهملک را طلبیده فرمود که اهالی قلعه از تو در وهم اند تو پیش ما آئی تا ما کس فرستاده ایشان را طلب داریم امیر شاهملک کمر فرمان بسته روی بحضرت بهشت صفت که واذا رایت ثم رایت نعیماً وملکاً کبیراً آورد ع

دست مدار از کمر مقبلان

---

[1] در ک ندارد، از روی آ نوشته شد [2] فقط آ: اسپها، زبده: اسبان ایشان [3] زبده: پس شمشیر الخ [4] در زبده ندارد [5] در زبده ندارد [6] در زبده: افزوده است: تا شیخ نورالدین را در آغوش گیرد، [7] ک: برخاسته [8] ک: غدر او راه عدم نگاشته آ مثل متن، (زبده: از فیل بند مکر و غدر روزگار ایمن گشته الخ) [9] زبده: چون [10] زبده: هرقداق بهادر [11] در آ ندارد [12] زبده هرقداق بهادر [13] ک: کردمی، آ مثل متن،

ذکر معاودت حضرت خاقان سعید از جانب[1] ماوراء النهر

چون مهمات ولایات ماوراء النهر به تجدید مضبوط شد و اطراف ممالک از آسیب بی باکان محفوظ گشت حضرت خاقان سعید عزم مراجعت فرموده موکب منصور از کان گل کوچ کرده بکوک گنبد[2] آمد آنجا امیرزاده[3] احمد میرک[4] کمر انقیاد بسته شرف دستبوس یافت و بعنایت مخصوص شد، و امیر شاهملک نیز بسعادت ملازمت مشرف[5] شد[*] و آفتاب عاطفت از اوج جلال بر چهرهٔ احوال او تافت، و میرزا الغ بیگ در همان منزل طوی عظیم کرده پیشکشهای پادشاهانه بعرض رسانید و امیر شیخ حسن برادر امیر شیخ نورالدین عرضه[6] داشت فرستاده اظهار انقیاد کرد[*] آنحضرت توکل چهره را فرستاده فرمود که اگر ایلی نمودن آقا را پیش ما فرستد[7]، و چون میان میرزا الغ بیگ و امیر شاهملک اندک غباری شده بود فرمان همایون نفاذ یافت که امیر شاهملک عازم[8] خراسان شود[*] و موکب عالی باکوکبهٔ دولت و اقبال در دارالسلطنه هراة نزول اجلال[9] فرمود، و بعد از چند روز بانوی عظمی نومان آقا[10] رسیده آنحضرت در تعظیم شرایط تکریم تقدیم نموده[11] قصبه کوسویه را به رسم سیورغال بر نواب او مسلم داشت و حالا[12] در آن قصبه و نواحی از آثار خیر او مدرسه و خانقاه و رباط بغایت معمور است ۱۰ ا

---

[1] در آ و زبده ندارد [2] زبده: بکوک کنبد [3] زبده: امیرزاده، امیرک احمد [4] آ ب: انتسعاد یافت - [5] در زبده افزوده است: ایل و احتقار (کذا) او را سرکرده کسان او را ضبط نموده بابند کی حضرت سلطنت شعاری اظهار اذعان و انقیاد نموده، [6] زبده: مصاحب اردوی همایون متوجه خراسان کردد [7] ب آ مثل متن، ب ب: جلال [8] آ: آقا [9] در زبده افزوده که تومان آغا از محلی عالی فرود آوردند و گوهرشاد آقا با مجموع آقایان و خواتین باستقبال او رفتند و او را اعزاز و اکرام تمام کرده طویها کردند، [10] بقول زبده (۱۷۰ ب) مال متوجهات این قصبه در زمان صاحبقرانی سیورغال این خاتون بود [11] زبده: حالا که روز تحریر است در آن موضع ساکن است و عمارات خیر از ارباط و خوانق و مدارس ساخته،

ذکر وفات میرزا خلیل سلطان و والده اش خانزاده[1]

موکب منصور چون بدار السلطنه هراة رسید[2] خبر واقعهٔ جانسوز و نایرهٔ جگرسوز شهزادهٔ جهانیان نصیر الدین[3]* میرزا خلیل سلطان شنید که در ممالک[4] ری بعارضه دو شنبه[5] روزه شانزدهم رجب[6]* با حسرت شباب بمنزل تراب رفت، از صدوث[7] این حادثه و نزول این نازله دلهای عزیزان در آتش و جانها در کشاکش ماند بیت

از گریه چرخ بر سر طوفان حباب شد　　　از بسکه خون دیدهٔ احباب موج زد

هنوز گوش از صدمهٔ[8] صدای زلزله[9] کوس رحیل خلیل خلاص نیافته طنین ارتحال والده اش مهد علیا خانزاده در شرفات قصر دماغ و غرفات حجرهٔ[9] خیال پیچید ع

داغی نگشته نیک که داغی دگر رسید

و آن بانوی کبری در مشهد مقدس رضوی وفات یافت[10] و در جوار روضهٔ بزرگوار مدفون شد[11]* مثل آدمی و احوال او و سرانجام و مآل او چون مسافر یست که منزل او مهد است و مسکن آخر لحد و میان این دو منزل مرحلهٔ چند معدود و چند روزی محدود، هر سالی چون مرحلهٔ و هر فصلی چون رباطی و هر ماهی فرسنگی و هر هفته میلی و هر روزی قدمی و هر ساعتی مسافتی و هر دمی قدمی، و آدمی در و این نشسته و از منزل آخرت فارغ گشته رباعی

آمد بگداز شمع پروانهٔ عمر　　　بنگر که به بن رسید افسانهٔ عمر

هم کاه امید بردهٔ[12] هم دانهٔ عمر　　　تو غافل و خوش نشسته و باد اجل

ذکر قضایای[13] ممالک فارس و عراق (۲۹۲

---

[1] آ ـــ ، [2] زبدة از طرف عراق الخ [3] زبده ـــ ، [4] زبده: ممالک [5] زبدة: مرضی دو سه روز شب چهار شنبه شانزدهم رجب سنه اربع عشر و ثمانمایه [6] با: ب آ زبده: صدمت، [7] زبدة: زلا[ز]ل؛ [8] زبده: حجره [9] زبده ـــ ، [10] زبده ـــ ، [11] در اصل دکت) اوراق متعدد بی ترتیب شده، و ترتیب درست با عدادورق داغ اصل اینست، ۲۹۸ و ۲۹۲ و ۲۹۹ ب، این اوراق را تصحیح ۲۹۱ و ۲۹۴ و ۲۹۴ ب ۱۲۹۴ و نوشته شده است،

میرزا اسکندر[51] در ماه صفر لشکر معتبر از ممالک فارس مرتب [ساخته[52]] عازم ولایت کرمان شد و اول بسیرجان رسیده محاصره کرد، سیر[53]جانیان بارهٔ بیرون را بطرح ریخته در قلعهٔ کوه گریختند* و میرزا اسکندر جمعی بمحاصره گذاشته متوجه کرمان شد و هر جا لشکر او رسید از عمارت و زراعت اثر نماند، فوجی امرا[54] برسم ایلغار بطرف بم و جیرفت و سایر گرمسیرات فرستاده خود بنواحی کرمان آمد، و جمعی[55] که محاصرهٔ سیرجان میکردند بعیش مشغول شده طریقه حزم[56] فرو گذاشتند اهل قلعه ناگاه شبخون آوردند و دستبردی نمودند چنانچه امرای محاصره بیک اسپ و تازیانه بار ردو آمده، میرزا اسکندر غضب فرموده گرنجگان را بنوعی ادب کرد که سبب عبرت دیگران شد، و میرزا اسکندر امیر عبدالصمد را بجانب خبیص فرستاده سلطان حسین[57] بدفع او از کرمان[58] روان شد* میان ایشان جنگی سخت بوقوع پیوست[59] عاقبت برهان الدین عبدالصمد ظفر یافت و همچنین امرا که بگرمسیرات رفته بودند غالب شده هر دو گروه مظفر و منصور باز آمدند،

میرزا اسکندر برظاهر کرمان نزول فرمود کرمانیان[60] مرتضا اعظم سید شمس الدین بمی را قدس سره بیرون فرستاده مال و[61] خراج قبول کردند میرزا اسکندر بنابر حسن اعتقاد که در بارهٔ سید اعظم داشت و نیز شنید که میرزا رستم از درگاه قرا[62] یوسف عود نموده باصفهان رسید و قطب الدین طارمی باغی شد، این

---

[51] بعدش در آ افزوده است: در ممالک فارس اساس سلطنتی نهاد، [52] از ردی بآ بب، ک آ ــــ، [53] در زبده گفته است که جماعتی را بنا شتن قلعه خندق داشتند و بعضی را بر حفر برج و بارو گماشتند تا سیرجانیان از محاصره و مقاتله بتنگ آمدند تا غایتی که بارهٔ بیرون را بطرح ریخته در قلعه کوه گریختند و بسهل زمتی شهرستان سیرجان بگرفتند و قلعه را مدت چهل روز محاصره کردند کاری دست نیداد [54] در زبده اعلام بعضی از آنها را درج نموده است [55] آ با ــــ، [56] آ: حرم [57] بب: حسین برلاس والد امیر ایدکو برلاس، با: حسین برلاس، اک مثل بب اما «ولد» نوشته است بجای «والد» زبده: سلطان حسین [58] بقول زبده اهل کرمان سلطان حسین را فرستادند، [59] بقول زبده یکی از اصحاب عبدالصمد زخم خورده با میرزاده اسکندر رفت و تقریر کرد که عبدالصمد از مقابله کرمانیان عاجز است، امیر اسکندر امیر جلبان شاه را بمساعدت عبدالصمد فرستاد، و وی هنوز نرسیده بود که کرمانیان منهزم شدند، [60] آ: مرتضی، در زبده امیر بجای مرتضا اعظم سید (وطاب ثراه بجای قدس سره) [61] آ: حرج، با بب: خرج، زبده مثل متن [62] آ: امیر قرا یوسف

معانی[1] سبب آن گشت که التماس سید قبول کرده صلح نمود و بجانب شیراز معاودت فرمود[2]،

و چون میرزا رستم از جانب تبریز باصفهان آمد خواجه احمد صاعدی که صاحب اختیار بود[3]* باسایر اکابر عراق استقبال نمود و میرزا رستم یکدو ماه در اصفهان کامگار و کامران گذراند و چون خواجه احمد صاعدی خلاف احکام رستمی میکرد میرزا رستم در باب قتل او با ارکان دولت مشورت نموده قرار دادند که چون بمبارکباد عید اضحی که در آن نزدیک واقع بود آید اورا تنها بمجلس آورده از میان بردارند، و بموجب مقرر عمل نموده کار او تمام شد ع

نشنیده که هر که[4] بر داو* تمام شد

اصفهانیان با میرزا رستم دل دگرگون کردند و میرزا اسکندر نزدیک اصفهان رسیده[5] میرزا رستم طاقت مقاومت نداشت، بضرورت عازم خراسان شد[6]،

ذکر احوال امیر قرا یوسف و فرزندان او[7] درین سال

چون امیر قرا یوسف خاطر از جانب سلطان احمد جمع نمود و تختگاه دار الملک تبریز تصرف نمود اراده[8]اش آن بود که اسم خانیت در میان اولاد او باشد بنابرین تختی زرین ساخت و طوی بزرگ

---

۱ ب آ: معامله، زبده مثل متن، ۲ در زبده درین موضع سبب رفتن امیرزاده رستم تبریز را اعاده کرده است چنانکه بر صفحه ۱۹۸ (و حواشی آن صفحه) گذشته ۳ زبده: اختیار اصفهان بود، ۴ آ: بمیرد ۵ آ: رسید

۶ در زبده این واقعه را مفصل نوشته است، حاصلش این که میرزا اسکندر امیر عبد الصمد را با لشکری بورزنه فرستاده، رستم با لشکری بسر ایشان آمده بود و ایشان را محاصره کرده، امیرزاده اسکندر یوسف خلیل و توکل بلا و عبد الصمد فرستاد و خود نیز متعاقب ایشان روان شد، رستم چون از رسیدن یوسف وغیره خبردار شد از ظاهر ورزنه باستقبال ایشان رفت و از جانبین آتش حرب مشتعل شد، درین حال امیرزاده اسکندر بکوشک زند رسید و قاصدی بورزنه فرستاد این قاصد را گرفته پیش رستم بردند، و لشکرش که قریباً سه هزار (سوار و پیاده) بودند ساختگی جنگ کردند، اما آخر منهزم شدند و بجانب شهر رفتند و لشکر میرزا اسکندر در آتش کاه فرود آمد و رستم بالضروره بترک اصفهان گفته متوجه خراسان گشت ۷ آ: ندارد—

۸ آ ب: ارادتش

ترتیب داد واکابر اعیان آذربایجان را حضار نمود و پیر بوداق[1] که[2] ارشد اولاد او بود بتاج وکمر سر افراز ساخت و بپادشاهی برداشت و بر تخت زرین نشانده نوکردار پیش او بخدمت[3] قیام نمود[4]* و چند روز طویهای بزرگ فرمود و خلعتهای پادشاهانه وکمرهای خسروانه باعیان آذربایجان و امرای ترکمان داد و همه پیشکشهای مناسب گذرانیدند و بعد[5] از طوی بر صدر فرمان چنین نوشتند که[4]* :

سلطان پیر بوداق یرلیغیدین[5] ابو النصر* یوسف بهادر نویان سوز[6] میز*

و هم درین سال شاه محمد پسر بزرگتر امیر قرا یوسف بغداد مسخر کرد[7] و آنچنان بود که بعد از واقعه سلطان احمد[8] اولاد شاه زاده[8] و لدین شاه زاده* شیخ علی بن سلطان اویس یعنی سلطان محمود و سلطان محمد و سلطان اویس حاکم بغداد شدند و میان[9] ایشان اختلاف عظیم شد امیر شاه محمد بن امیر یوسف در اردبیل بود[10] این اخبار شنیده طمع ملک بغداد کرد | و ایلغار کرده ناگاه بدروازهٔ سوق [11] ورق ۲۹۱ ر

سلطان فرود آمد[12] و درین حال سلطان محمود پسر بزرگتر شاه ولد حاکم بود و از قبل او عبدالرحیم ملاح[13] صاحب اختیار، جمعی اشرار امیر بخشایش را که در زمان پادشاه شحنه و داروغه بود گفتند با وجود تو این

---

[1] کت (بهر موضع): پیر بوداق، آ (بهر موضع): پسر بداق، با بت: پر بداق، زبده: بیر بوداق، [2] با: را که (بجای که)، [3] زبده: بر طریق نوکران دست ادب پیش گرفته خدمت نمود، [4] با آ مثل متن اما نوشت بجای نوشتند، زبده: و در احکام و امثله که ازین روز باز باطراف و جوانب میفرستاد چنین می نوشته، [5] کت: یرلیغ الدین الخ، آ مثل متن، زبده: خان یرلیغیدا ابو نصر، [6] کت: سوز دمیز، با: سیوزم، آ مثل متن، زبده سوز و میز را بعدش افزوده: و درین سال چون فصل تیرماه باخود رسید زمستان بتبریز آمد و قشلاق آن سال در تبریز بود) [8] در زبده گوید که بعد از سلطان احمد از اعقاب او فلان و فلان (مثل متن، و مادر سلطان اویس رندی (کذا) سلطان بنت سلطان اویس بودند (۹) آیسـ ... مثل متن اشه و رحمٰن د انسلئیر صفحه ۲۴۸ نام شاه ولد است و نام والدش علی،

[9] در زبده گفته است که ایشان هر روز یکی را بضبط شهر تعیین نمودندی و روز دیگر او را بقتل آوردندی، چنانکه در اندک مدت چند کس را که بمرتبه امارت رسیده بودند چون عبدالرحیم ملاح و ناصر الدین ریحلی و بخشایش شحنه بقتل رساندند [10] آ ——،

[11] در کت نمرهٔ این صفحه ۲۹۸ [ب] است [12] در زبده گفته است که تا در بغداد رسیدن وی هیچ کس از اهل بغداد خبر نداشت [13] بقول زبده وی در زمان سلطان احمد کشتی بانی شهرت داشتی و هر روز یکی از اعیان شهر گرفته قتل کردی و بعضی را مصادره کردی و مردم بغداد ازین معنی مستاصل شده بودند،

کشتی بان را چه محل حکومت باشد اتفاق کرده ملاح را بقتل آوردند و بغداد پر غوغا شد؛ اولاد شاه ولد و دندی[1] سلطان* بنت سلطان اویس بغداد[2] بطرح بریخته* بجانب شوشتر گریختند و شاه محمد بغداد را گرفت و قلعه هیبت و بعضی کردستانات در قبضهٔ تسخیر آورد و سالها دران مملکت فرمان او روان بود،

وقایع سنه خمس عشر و ثمانمائه و تتمهٔ سنه اربع عشر[3]

میرزا رستم[4] اواخر شهور سنه اربع [عشر[5]] بدرگاه حضرت خاقان سعید آورد بیت

نهاده روی بدرگاه او وضیع و شریف کشاده گوش بفرمان او قضا و قدر

و شرف دستبوس[6] یافته آنحضرت او را بحسن اشفاق و مکارم اخلاق معزز و مکرم داشت و چشم عنایت و نظر عاطفت بر اختلال احوال او گماشت و بار دیگر درباره او التفات پادشاهانه و اهتمام خسروانه بذل نمود و اسباب سلطنت مرتب داشته بجانب[7] عراق فرستاد* و آنحضرت زمستان در هراة اتفاق قشلاق فرمود

ذکر عزیمت زیارت مشهد مقدس معلا[8] و بعضی قضایا و حکایات

چون سپاه سرما روی بانهزام و انتها آورد و مزاج هوا آغاز نشو و نما کرد و نسیم اعتدال بخش صبا در تربیت اطفال[9] نامیه آثار انفاس مسیحا نمود و آفتاب جهان تاب بدستیاری ابر گوهر بار اظهار اسرار زمین فرمود رای حضرت خاقان سعید که طلیعهٔ آفتاب مطلع غیب و جام جهان نمای مجلس لاریب است اقتضا آن کرد که موسم عید اضحی زیارت مشهد مقدس رضوی که اهل تحقیق آن را برابر حج[10] داشته اند بجا آورد و نهم[11] ماه ذی قعده* از دار السلطنهٔ هراة عزیمت فرمود و وقتی

---

[1] زبده: رندی سلطان [2] زبده: دل از بغداد برداشته بیرون آمدند، [3] آ ـــ، [4] زبده: امیرزادهٔ رستم عمر بن (صوابش: بن عمر) شیخ بهادر، [5] ک، با، ب ـــ، [6] در زبده گوید که میرزا رستم با طهارت نفس و ذکاء عرق بکمال عقل و فرط شهامت و وفور خرد (کذا ـــ خرد؟) و کیاست و محاسن اخلاق و سوابق اخلاص مذکور و موصوف بود، [7] زبده: او را باز طرف عراق روا[نه فر]مود، [8] آ ب ـــ: معلا مزکی، [9] ک: اطفاء، تصحیح از روی آ و زبده [10] با: ربع اکبر، [11] زبده: روز دوشنبه نهم ذی القعده سنه اربع عشر و ثمانمایه]،

که بیت

هزار نافه بهر گوشهٔ[۱] گشاده صبا هزار عقد[۲] بهر منزلی گسسته سحاب

درین[۳] اثنا[*] بسمع اعلی رسید که مودود گرمسیری که التجا بدرگاه عالم پناه آورده بود چنانچه مذکور شد[ع] و مدت چندگاه در هراة ملازم درگاه همایون بود چون مدت توقف او مدید شد و منازع[۴] او بعنایت مخصوص گشت[۵] مودود در روزی چند دم ا الثّیل جبلی[*] می زد و به[۶] لعل[۷] و عسی تعلّل[۸] میکرد درین وقت که موکب منصور عزیمت مشهد[۹] مقدس فرمود مودود فرصت غنیمت دانسته در اثنای راه عازم گرمسیر شد[۱۰] آنحضرت[۱۱] بتفحص احوال او کسی بهراة فرستاد و چون قوت دولت آنحضرت چنان بود که هرکه خلاف او بر دل گذراند جان نبرد و اگر پشت بر دولت او کند محنت روی باو آورد لاجرم چون مودود عزیمت گرمسیر نمود در منزل برشین[۱۲] جماعتی بلوچان که علی تیمور رئیس و مهتر ایشان بود در شکار باو دوچار شدند علی تیمور ازو پرسید که بدین طرف چگونه افتادی جواب داد که آنحضرت مرا بولایت فرستاد، علی تیمور گفت که عنایت نامه باید نمود والاموقوف بود[۱۳] مودود تیغ کشیده چند تن از بلوچان مجروح گردانید و بعضی را بدرجهٔ شهادت رسانید علی تیمور فرار نمود و مودود تاخته در عقب او بود تیمور پسر علی تیمور از پس مودود

ع چو ابروی خوبان[۱۴] کمانی بچنگ

---

۱ زبدة: بقعه ۲ زبدة: رقعه ۳ زبدة: کشیده ۴ زبدة: جون دو پسه کوچ برفتند.

۵ کذا الفیاد رزبدة، ۶ بعدش در زبدة افزوده: واز امارت ولایتی که متقلد حکومت آن بود معزول شد؛

۷ آ: الیفل جبل، ۸ ک: بعلی، تصحیح ازروی آ وزبدة، ۹ آ ب: تعللی ۱۰ آ ــــ،

۱۱ در زبدة گوید که بعد ازانک موکب میمون چند منزل کوچ فرموده معلوم شد که مودود بیورت خود فرد نیامده، بهرات فرستاده تفحص نمودند که سبب چیست، معلوم شد که این خیال در خاطر دارد که قندهار و گرمسیر رود و دران نواحی فتنه انگیزد، ۱۲ کذا در نسخ مطلع و زبدة، ق، ترسین، در مظان ذکرش یافته نشد، ۱۳ زبدة: باید بود تا حکم برسد، ۱۴ زبدة: جانان؛ ــــ در زبدة مصراع اول هم دارد: کمرچون دل عاشقان کرده تنگ ــ ع رک به ص ۱۸۴

تیری بر شانهٔ او زد که از سینه اش بیرون آمد واز اسپ افتاده تیر فنا از شست[1] قضا بهدف جان او رسید، جماعتی[2] بلوچان مودودیان را مقید ساخته با سر مودود بهراة فرستادند و قاصدی که از اردوی همایون بتفحص حال مودود آمده بود با سر مودود بیک روز بهراة رسید ع

هر که برتافت سر از حکم تو جان داد بباد، ۲۹۱ و

و چون موکب همایون بطالع سعد و اختر فرخنده قطعه

بوقت آنکه ببرج شرف رسد خورشید — بگاه آنکه بصحرا کشد صبا لشکر

دهان لاله کند ابر معدن لؤلؤ — کنار سبزه کند باد مسکن عنبر

بمشهد مقدس معلی[3] رسید و شرایط زیارت بجا آورده صدقات بمستحقان رسانید،

و درین ولا امر نقباء[4] اعظم سید عزّالدین حاکم مملکت توس که چند جا ذکر بزرگی[5] او گذشته از راه حسن اخلاق و صفای عقیدت بشرف ملازمت رسید و پیشکشها که از چنان بزرگی منلسب چنین حضرتی باشد گذرانید و عز قبول یافته بعواطف پادشاهانه سرافراز شد و در سلک امرای کبار و ملوک نامدار و سادات عظام انتظام یافت، و نوکر امیر سید علی از بلدهٔ ساری و برادر امیر حسن کیا از فیروزکوه آمده پیشکشها و عرضه داشتها گذرانیدند و جمال حال ایشان بزیور اخلاص آراسته شد، و رایات همایون بجانب دارالملک عود نموده امیر سید عزّالدین چون دولت و سعادت ملازم بود، و آنحضرت از راه پابوس بوسی که نقاش چابک دست طبیعی در تصویر عمل ربیعی دستکاری مینمود[6] شکارکنان و صیدافگنان جمعه عاشر محرم الحرام در دارالسلطنة هراة مقام و آرام فرمود

آمدن ایلچیان بادشاه خطای

---

[1] آ، ب: شصت، [2] آ: جماعت ——— (زبدة: بلوجان در قرب یکساعت متعلقان مودود را با جمعهم مقید گردانیدند)، [3] آ: رضوی [4] آ: مرتضی، [5] زبدة بزرگی و شهامت،

[6] زبدة: اغاز نهاده بود

درین ولا از ولایت خطای ایلچیان از پیش دای[1] منک خان پادشاه چین و ماچین و سایر آن ممالک رسیدند فرمان همایون نفاذ یافت که شهر و بازارها آئین بندند و هر صنعت ور کمال هنر ظاهر کرده دکان خود را آراید[2] و امرا برسم استقبال بیرون رفته مقدم ایشان را برخود مبارک داشتند و همه را به تعظیم تمام در شهر آوردند، زمانی بود چون روز جوانی فرح افزای و هنگامی چون شب وصل غم زدای، حضرت خاقان سعید فرمان فرمود که باغ زاغان را چون باغ جنان آراسته یساولان بهرام صولت ضرغام سطوت هر کس را محل و مقام تعیین فرمودند و حضرت خاقان[3] سعید[*] خورشید طلعت چون آفتاب براوج رفعت و سریر سلطنت برآمد و علماء امرا ایلچیان را بشرف دستبوس رسانیده و تبرکات گذرانیده سخنان [ایشان[4]] عرضه داشتند و مکتوب پادشاه خطای باین عبارت بود،

10 ## صورت[5] مکتوب پادشاه خطای

دای منک پادشاه معظم نامه ارسال میفرماید بدیار[6] سمرقند مرشاهرخ بهادر را[7] ما فکر میکنیم[8] خداوند تعالی جمیع خلایق بیافرید آنچه درمیان زمین و آسمان است تا هر یک براحت و رفاهیت باشند، ما بنابر امر خدای تعالی[9] خداوند ممالک روی زمین گشته ایم بمتابعت حکم الهی جهانداری میکنیم بسبب[10] این میان دور و نزدیک فرق نمیکنیم همه را برابر و یکسان نگاه میداریم، پیش ازین شنیده ایم که تو نیک عاقل و کاملی و از همگنان بلندتری بامر خداوند تعالی اطاعت مینمائی و رعایا و عساکر را پرورش داده و درباره همگنان احسان و نیکوئی رسانیده، بسبب آن نیک شاکر گشتیم

---

[1] لقب خانواده که در چین بعد ایوان (یعنی مغول ها) فرمانروائی کردند، نام پادشاه چین مذکور تن ژیونگ لو بود، ماخوذ از حاشیه ق ص ۲۴۳، [2] ک: آرایند، اصل متن، [3] با: ب آ —، [4] از روی آ [5] در زبده این مکتوب را صحیح نموده است [6] ک: بدیار اصل متن [7] با: ب —، [8] ب: کنم [9] ک: تعم [10] آ: بسبب

علی الخصوص ایلچی فرستادیم تا کمخا و ترغو[1] خلعت* رسانید چونکه ایلچی آنجا رسیده تو نیک تعظیم امر ما نموده و مرحمت ما را نیک ظاهر گردانیدهٔ همه خرد[2] و بزرگ شاد گشته اند، فی الحال ایلچی فرستادی تا خدمت و تحفهٔ اسپان و متاعهای آن دیار رسانیدند، بعد صدق نمودن ترا دیدم که شایستهٔ ستایش و نوازش باشی، پیشتر دور مغول بآخر رسید، پدر تو تیمور[3] قوما[4] بامر خداوند تعالی اطاعت آورده ای زوی | پادشاه اعلی ما را خدمت نموده تحفهٔ ایلچیان منقطع نگردانیده، بسبب این مردمان آن دیار را امان داده و همگنان را دولتمند گردانیده، دیدیم که تو بهمت و روش پدر نیک متابعت نمودهٔ اکنون دو جیحون[5] بای از کسان[6] و هزاره[7] سوجو و دانک[8] جنک* صدهٔ سولن قونجی[9] با جمعهم فرستادیم با تهنیت و خلعت کمخا و ترغو ها تا صدق ظاهر گردد، بعد ازین کسان فرستیم تا آی و رو کنند تا راه منقطع نشود تا تجارت و کسب بمراد خویش کنند، خلیل سلطان داور[10] زادهٔ تست می باید که وی را نیکو تربیت نمائی تا حق زادگی خویش بجای آورده باشی، تو می باید که بصدق و رای ما متابعت نمائی، اینست که اعلام گردانیده میشود،

و مکتوب دیگر همراه این مکتوب فرستاده بودند، یکی بیلاکات که فرستاده بودند در انجا مفصل کرده

---

۱ یعنی خلعت زرتو، صاحب فرهنگ اندراج ۱: ۶۶۷ ص گوید که ترغو نوعی از بافتهٔ ابریشمی سرخ رنگ باشد، ۲ ک با: خورد، بب مثل متن، ۳ ک: تور ۴ ک: خوما، تصحیح از روی ق، با بب: قوما، آ اک: قوما — قوما = کورکان (رک بر ق ص ۲۹۴ ح ۲) ۵ ک با: چیچون پای، آ: حجون بای، ق ص ۲۱۵: Doutchioun-Bai ۶ اک با: کسان، ۷ بب —، نسخهٔ قاترمیر بظاهر "از کسان هزاره سوچو (Sou-tcheou) می‌داشته" ۸ با: دان چینک، اک: داک جینک، آ: دانک چنک، بب: دانک چینک، ق: Dan-Tching ۹ آ: تونجی، اک با: قونجی، — ق: du sadah de Soun-Koutchi ۱۰ داور بلغت ماوراءالنهر بمعنی برادر شد (فرهنگ انندراج ۲: ۵)

و یکی به مثال خطاراکه ایلچیان را باشد و هرکه مکتوبی رصواب مکتوب) بزبان[1] فارسی[2] و خط فارسی[3] نوشته[4] و در همان مکتوب بخط مغولی مضمون سخن بزبان ترکی نوشته، و در همان مکتوب بخط ختطایی همان مضمون بزبان خود نوشته، حضرت خاقان سعید مکتوب را اصغا نموده دقائق آن را بفکر دوربین ادراک فرمود و بعد از اطلاع بر مقاصد همه را باشفاق[3] مقرون ساخته فرمان شد امرا ایلچیان[4] طوی دهند

ذکر آمدن ملک قطب الدین از سیستان

درین اثنا ملک قطب[4] الدین[5] بن ملک محمود که پیشتر از مراسم بندگی متقاعد بود[5] اعتماد بر لطف حضرت خاقان سعید نمود و بدار السلطنه هراة آمده و امرای کبار را شفیع انگیخت و دست در دامن اعتذار آویخت، امرا عرضه داشته که هرچند ملک قطب الدین در خدمتگاری از موضع ثبات لغزیده است رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا[6] گویان با تیغ و کفن عازم درگاه عالم پناه است و غبار[7] وحشت از آئینهٔ ضمیر منیر آنحضرت زدوده ملک قطب الدین سعادت دستبوس یافت[*] و بامید مرحمت آنحضرت بجلوهٔ نو مستظهر گشت و قدرت استدعای وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ[8] در دپدید آمده از گناه استغفار و اعتذار نمود بیت

عذر به آن را که خطائی رسید   آدم از آن عذر بجائی رسید

و قبول کرد که هر سال خواسته و احمال آراسته بخزانهٔ عامره فرستد و بخدمت شایسته قیام نماید[9] و آنچه از خراج گذاشته باقی باشد به اوا رساند[*] و وظیفهٔ بندگی بجا آرد[10] آنحضرت ملک نیمروز را بجانب ملک تفویض فرمود[*]،

---

[1] آ: پارسی [2] آ: نبشته [3] ک: باشفاق، آ: مثل متن. [4] زبده: قطب الدین علی — — ملک قطب الدین که در سیستان از ۸۲۲ تا ۸۴۲ فرمانروائی کرد، (تاریخ سیستان ص ۴۳۱ح) در دیباچه آن کتاب [...] شعور زبده افزوده است که باوجود آنک حضرت سلطنت شعاری لشکر بدان دیار کشیده او تمرد و عصیان نمود و پیش بندگان حضرت نیامد، [6] قرآن مجید ۷: ۲۲ [7] زبده: چون این پای مردی نمودند و غبار وحشت از خاطر اشرف زائل گردانید سعادت بساط بوس ..... دریافت، [8] قرآن مجید ۳: ۱۹۲ [9] زبده: مقرر فرموده آمد که آنچه از خراج ماضی پیش او باقی مانده است اداکند [10] زبده، در ر۰، شرائط ملک نیمروز او را مسلم باشد

ذکر روان فرمودن ایلچیان خطا

چون مهمات ایلچیان خطا کفایت شد اجازت انصراف یافته معاودت نمودند و شیخ محمد بخشی برسم رسالت با ایشان روان شد و چون پادشاه[1] خطا تا غایت دین اسلام قبول نکرده بر مقتضی شریعت نمیرفتند حضرت خاقان سعید از روی دوستی دو نصیحت نامهٔ عربی و فارسی فرستاد تا باشد که بنور هدایت ایمان مشرف شوند،

صورت[2] مکتوب[3] عربی*

بسم الله الرحمن الرحیم لا اله الا الله محمد رسول الله[4]
قال رسول الله یعنی[5] محمد[6] [۱] علیه السلام[7] لا یزال[8] من امتی
امة قائمة بامر الله لا ینصر من خذلهم و لا من خالفهم حتی
یاتی امر الله وهم علی ذلک، لما[9] اراد الله تعالی ان یخلق آدم
و ذریته قال کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت
الخلق لاعرف[10] فعلم ان حکمته. جلت قدرته[11] و علت کلمته[12]-
من خلق نوع الانسان احیا[13] آثار العرفان و اعلاء اعلام الهدی
والایمان ثم ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره

---

[1] زبده: پادشاهان [2] زبده: سواد [3] با ــــــ ، [4] در ک بعدش افزوده است: علی ولی الله ، با ب اک زبده ــــــ ، [5] زبده ــ ، [6] ک محمد مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم ، ب ب زبده محمد علیه الصلوٰة والسلام، تصحیح از روی آ و اک [7] رک به مشکوٰة المصابیح طبع کانپور ص ۵۸۳ و ۵۸۴، در آن موضع لا یضرّهم دارد بجای لا ینصر [8] درین جمله اضطراب معنوی هست از آنکه لما اراد، ظاهر می کند که مقوله آتیه قبل از خلق آدم گفته شده حال آنکه در نفس مقوله کلمه فخلقت الخلق بر ضد آن دالست [9] زبده ــــــ ، [10] ک: قدرت [11] ک بکلمه [12] ک اعلاء ک و زبده، اما بظاهر کلمهٔ (غالباً بر وزن اعلاء مثلاً احیاء مضاف) آثار بوده از اصل ساقط شده،

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْكَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، ليعلم الشرائع والاحكام
وسنن الحلال والحرام (ورق ۲۹۳) واعطاه القرآن المجید ۹۲ر
معجزةً لیُفحِمَ[1] به المنکرین و یقطع لسانهم[2] عند المنازعة
والخصام والبقی بعنایته[3] الکاملة وهدایته الشاملة اشاره الی
یوم القیام ونصب بقدرته فی کل حین وزمان[4] وفرصة و
اوان فی اقطار العالمین من الشرق[5] والغرب* والصین[6] ذا قدرة
وامکان وصاحب جنود مجندة[7] وسلطان لیروج[8] اسواق العدل
والاحسان ویبسط علی روس الخلائق اجنحة الامن والامان
ویأمرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر[9] والطغیان ویرفع[10]
منهم [بهم] اعلام الشریعة الغراء وازاح[11] من بینهم الشرک والکفر
بالتوحید الزهراء[12] فوفقنا الله تعالی بسوابق لطفه ولواحق فضله
ان نسعی فی اقامة قوانین الشریعة الطاهرة وادامة قواعد
الطریقة الظاهرة[13] وامرنا بحمد الله[14] ان نفصل[15] بین الخلائق
والرعایا فی الوقائع والقضایا بالشریعة النبویة والاحکام

---

[1] ک، اک: لیُعجم، تصحیح از روی آ بب زبده: لنفحم [2] ک: السانُهم، زبده: لسانهم [3] آ: بعنایه، زبده: بقضایه، [4] ک ــــ، از روی بب و زبده [5] زبده: المشرق والمغرب [6] ک آ: و [7] ک، مجیدة [8] ک: البروج، زبده: لبروج [9] زبده: ا لجور، [10] ک: برفع [11] ک: ازاج [12] ک: الزهرا [13] آ بب الزاهرة، اک: الزاهرة، [14] زبده: تعالی وتقدس [15] ک: تفضل؛

المصطفویہ و تبنی[1] فی کل ناحیۃ المساجد والمدارس ونعمّرا[2] لخوانق والصّوامع والمعابد لئلا یندرس اعلام العلوم ومعالمہا وینطمس اثار الشریعۃ ومراسمہا ولان بقاء الدّنیا الدنیۃ وسلطنتہا و استدامۃ اثار الحکومۃ[3] وایالتہا باعانۃ الحقّ والصّواب واماطۃ اذی[4] الشرک والکفر عن وجہ الارض لتوقع الخیر والثواب[5] فالمرجو والمامول من ذلک الجانب وارکان دولتہ ان یوافقونا فی الامور المذکورۃ ویشارکونا فی تشیید قواعد الشریعۃ المعمورۃ ویراسلون[6] الرّسل والقاصدین ویفتحون[7] المسالک للسایرین والتاجرین لیتاکّد اسباب المحبّۃ والوداد ویتعاضد وسائل المودّۃ[8] والاتحاد ویستریح[9] طوائف البرایا فی اطراف البلاد وینتظم اسباب المعاش بین[10] صنوف[11] العباد[12] والسلام[13] علی من اتبع الھدیٰ و اللہ رؤف بالعباد،

صورت مکتوب فارسی

بجانب والی منک پادشاہ ازشاہ رخ سلطان سلام[12] مالاکلام، چون خداوند تعالی بحکمت بالغہ و قدرت کاملہ آدم علیہ السلام[13] بیافرید وبعضی فرزندان اورا پیغمبر[14] ورسول گردانید

---

[1] ک: نبنی [2] ک: تعمر، آ: مثل متن [3] فقط ک: ،حکومۃ [4] زبدہ ——— ، [5] ک: الصواب، [6] ک: تراسلون [7] ک: تفتحون، ب: مفتحون [8] زبدہ: الاخرۃ (الاخوۃ) [9] ک: التسرع، زبدہ: یتسرع [10] زبدہ: لصنوف، [11] ک: العباد و ب: العباد و، زبدہ مثل متن. [12] زبدہ ———، [13] زبدہ: الصلوۃ والسلام، [14] ب آ ———، زبدہ: پیغمبر

وبراستی[۱] بخلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند و باز بعضی ازین پیغمبران را چون
ابراهیم و موسی و داوٗد علیهم[۲] السلام[۳] کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آن
روزگار را فرمود تا بشریعت عمل کنند و بر دین ایشان باشند و مجموع این رسولان
مردم را بدین توحید و خدا پرستی[۴] دعوت کردند و از آفتاب و ماهتاب[۵] وستاره و شیطان[۶] و
بت پرستیدن باز داشته و هر کدام را ازین رسولان شریعتی مخصوص بود اما همه[۷] در توحید خدای[۸] متفق
بودند چون نوبت رسالت و پیغمبری بر رسول ما محمد مصطفی صلی الله علیه و[۹] سلم[۱۰] رسید شریعتهای
دیگر منسوخ گشت و او رسول و پیغمبر آخر الزمان[۱۱] شد و همه عالمیان امیر و سلطان
وغنی و وزیر و فقیر و صغیر و کبیر را بشریعت او عمل می باید کرد و ترک ملت و شریعتها
گذشته می باید داد، اعتقاد بحق و درست اینست و مسلمانی عبادت ازینست پیشتر ازین
۱۰ بچند سال چنگیز[۱۲] خان خروج کرد و بعضی فرزندان خود را بولایتها و مملکتها فرستاد جوجی[۱۳] خان را
بحدود سرای و قرم و دشت قبچاق[۱۴] فرستاد و در انجا نیز بعضی پادشاهان چون اوزبک[۱۵] و
جانی خان و ارس خان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بشریعت حضرت[۱۶] محمد مصطفی صلی الله علیه و آله و سلم[۱۷]
عمل میکردند و هولاکو خان را ببلاد خراسان و عراق | و نواحی آن مقرر گردانیدند پس ازان ،)

---

[۱] آ زبده: ایشان را [۲] ک: علیها الخ [۳] زبده: و عیسی و محمد علیهم الصلوة والسلام [۴] زبده:
خدا ترسی، [۵] ک: ماه و ستاره و سلطان، تصحیح از روی زبده، [۶] زبده —،
[۷] زبده، خدای تعالی [۸] با آ، وآله وسلم [۹] آ: زمان، زبده مثل تن،
[۱۰] آ: جنگز، ک اک، جنگیز، بب، جنکیر، با، چنکیر، [۱۱] زبده: جون خانرا
[۱۲] آ بب زبده: تقباق، [۱۳] زبده، اورنک وجانی خان بر، اک ارس نوشته
است بفتح الف، ا ا مارک برلین پول ص ۲۴۰ نسب نامهٔ آل جوجی بذیل اوردا و باتو،
[۱۴] بب (بهر موضع): محمد علیه الصلوة والسلام، آ (بهر موضع)، محمد علیه السلام، زبده:
محمد رسول صلی الله علیه وسلم ؛

بعضی از فرزندان او که حاکم آن ممالک بوند چون آفتاب شریعت محمدی صلی الله علیه و آله وسلم در دل ایشان بود همچنان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بسعادت اسلام مشرف گشته باخرت رفتند چون پادشاه راست گوی غازان و اولجایتو سلطان و پادشاه سعید ابوسعید بهادر تا نوبت حکومت و فرمان روائی و سلطنت و کامرانی به پدر و مخدوم امیر تیمور گورگان طاب ثراه رسید ایشان نیز در جمیع ممالک بشریعت محمدی صلی الله علیه وآله وسلم عمل فرمودند و در ایام سلطنت و جهانداری ایشان اهل ایمان و اسلام را رونقی هرچه تمامتر بود اکنون که بلطف و فضل خداوند تعالی این ممالک خراسان و ماوراء النهر وعراق وغیرها در قبضهٔ تصرف آمده در تمامی ممالک حکم بموجب شریعت مطهرهٔ نبویه میکنند وامر معروف ونهی منکر کرده یرغو و قواعد چنگیز خانی مرتفع است، چون یقین و تحقیق شد

۱۰ که خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا بسبب ایمان و اسلام وعنایت خداوند تعالی است با رعیت بعدل و داد و انصاف زندگانی کردن واجب است امید بموهبت وکرم الله تعالی آنست که ایشان نیز در آن ممالک بشریعت حضرت محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عمل کنند و مسلمانان را قوت دهند تا باشد که پادشاهی چند روزهٔ دنیا با پادشاهی آخرت که وللآخرة خیر لک من الاولی

---

۱ زبده: بادشاه آن مملکت ۲ زبده: محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم نیز رک بر س ۵ ۳ زبده: کشتندو ۴ زبده: بادشاهان، ۵ زبده: الجوتو ۶ زبده+: وجعل الجنة مثواه، ۷ فقط در رک، آ، محمد علیه السلام، ب: محمد علیه الصلوٰة والسلام ۸ زبده: محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم، ۹ زبده: کردند ۱۰ آ: غیراو ۱۱ زبده: داوریاسجان وغیرها ۱۲ زبده: می کنند ۱۳ زبده: برعفود ۱۴ آ: جنکر خانی، آ: چنگیز خان، ب: جنکیز خانی، ک: جنگیز خوانی ۱۵ زبده: کردان ۱۶ آ زبده: خداوند ۱۷ آ زبده — ۱۸ آ: علیه السلام ۱۹ زبده: مسلمانی، ۲۰ زبده: والآخرة، رک به قرآن مجید ۹۳: ۴

متصل[1] گردد،

ودرین وقت ازان طرف ایلچیان رسیدند وتحفها آوردند وخبر سلامتی ایشان ومعموری آن ممالک گفتند محبت ودوستی که میان پدران بود برموجب محبة الآباء قرابة الابناء تازه گشت ما نیز ازین طرف محمد بخشی ایلچی فرستادیم تا خبر سلامتی رساند[2] مقرر آنست که بعد ازین راهها کشاده باشند تا بازرگانان[3] بسلامت آیند وروند[4] که این [معنی[5]] سبب آبادانی ممالک ونیکنامی[6] دنیا وآخرتست توفیق رعایت اتحاد ومراقبت شرایط وداد رفیق اهل طریق[7] باد!

حضرت خاقان سعید فرمود که ایلچیان اطراف را چون ایلچی محمد[8] قرامان که با تحف روم آمده بود وملک قطب الدین سیستانی وایلچی پیرک ازگرمسیر، مجموع ملتمسات ایشان را ساخته وهمه را بانعام واکرام نواخته اجازت مراجعت نمودع باز رفتند خوشدل وخرم

ذکر شاهان بدخشان ورفتن ایلچی بجانب ایشان

شاه بهاء الدین بدخشانی قاصدی پیش حضرت خاقان سعید فرستاده بود والتماس نموده

---

۱ زبدة: مفصل ۲ زبده: برساند، ۳ د ک: بازرجانان، زبده: بازارکانان ۴ زبده: بسلامت روند وآیند، ۵ ازروی زبده ۶ آ زبده: نیکونامی ۷ ب: بادتم [بعنی تمام] ۸ امیر محمد قرامان که این ایلچی را فرستاد از ۸۰۵ھ تا ۸۲۹ھ درلائی قاونیه (Lycaonia) فرمان روائی کرد رک به فهرست امراء این خانواده درلین پول مقابل ص ۱۸۴، ۹ زبده: دورق ۱۸۸ ار) ایلچی محمد قرامان از بلاد روم آمده بود وتحف وطرائیف آن دیار رسانیده وملک قطب الدین سجستانی که ذکر او گذشته وپیرک از گرمسیر خود مجموع ملتمسات باجابت مقرون شده باوطان خود مراجعت نمودند*

که معتمدی روان فرمایند تا مال ولایت فرستد و فرزندان[1] خود را بملازمت مشرف سازد وآنحضرت امیر حمزه قتوقور را که از اعیان حضرت بود[2] ارسال فرمود و مشار الیه بآنجا رسیده[3] شاه بهاء الدین خیال محال و اندیشه استقلال بخاطر راه داده بود و انقیاد احکام نمود و با نوکران میرزا ایجل[4] در مقام مقاتله[5] بود، امیر حمزه[6] باز آمده صورت واقعه بعرض رسانید آنحضرت فرمود که امراء کبار امیر مضراب بهادر و امیر سید علی ترخان و امیر فیروزشاه متوجه بلخ شده[7] در ظل چتر فلک سای میرزا ابراهیم سلطان در آیند و امراء به بلخ رسیده میرزا ابراهیم سلطان همه را انعام فرمود و شاهزاده و امرا عزیمت بدخشان نمودند و از راه بغلان[8] با نکش[9] آمده[10] شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت و لشکرها با امراء به بدخشان در آمدند

---

۱ زبده: فرزند، ۲ در زبده +: و در حسن رای و کمال دانش مشار الیه و متفق علیه ۳ زبده: دید که شاه بهاء الدین در ا(ن) حدود دست تطاول کشاده و پای از حد خود بیرون نهاده است و اندیشه فسلو و نقش استقلال را بخاطر راه داده التزام طاعت قبول نکرد و بدان وعدهای وفا ننمود ملک آثار تمرد و عصیان از و مشاهده کرد امیر حمزه مراجعت نمود و از و چنان دریافته بود که با اصحاب اطراف که بحدود متصل است بر طمعی مداخلتی می باشد و مترصد فرصتی می کند و باغوای جمعی مفسدان شریر و اغرای قومی فتان شور انگیز اقدام می نماید و با نوکران امیر امیرزاده اعظم ایجل (کذا)، نویان که دران سرحد بودند جنگ کرد و بنیاد مخاصمت و منازعت نهاد بنابرین مقدمات با جمعی از امرای را فرمان شد الخ، ۴ ک آک: ایچل، با ب ب: ایجل، ۵ ک آک: متقابله ب: مقابله ا: مثل متن ۶ آ ب ب آک حمزه قتوقو ۷ زبده: و از انجا بزیر رایت . . . . . . ابراهیم سلطان . . . . . . و امرای آن دیار مثل امیر توکل برلاس و امیر نوشیروان و غیرهما با لشکرها که دران حدود بودند باتفاق عازم بدخشان شوند، ۸ آ آ: بقلان، ب ب و زبده: مثل متن ۹ ک: بنکش، تصحیح از روی آ آک با د ب ب، زبده: ییلاق انکش، ۱۰ در زبده: بجای دو سه سطر آینده می گوید: انجا خبر تحقیق کردند که شاه بهاء الدین در راه کوه اگروه لشکرهای خود جمع کرده است متوجه او شدند چون عساکر منصور نصرهم الله تعالی بتاخان (کذا) طالقان نزول کردند خبر رسید

(باقی حاشیه بر ص ۲۲۹)

و میرزا ابراهیم سلطان[۱] با لشکر پیاده در کشم توقف نمود و شاه بهاء الدین بکوهها سخت وبیشهای پردرخت رفته بود[۲] لشکر منصور از کان لعل گذشته بولایت سعبان[۳] و غند[۴] و پامیر[۵] درآمدند و آن مواضع منبع آب جیحونست، و از انجا نیز گذشته احمال و اثقال شاه بهاء الدین بدست لشکر افتاد و امرا بکوهها بر آمدند که در خیال مردم جبال نبود

ل) (ورق ۲۹۴ ر) که کسی بیگانه بدانجا تواند رفت وهر که بایلی پیش آمد بمال و جان امان یافت، لشکریان بازگشته باغنیمت فراوان بشهر بدخشان رسیدند و حکومت آن ولایت را به شاه محمود[۶] برادر شاه بهاء الدین دادند که پیشتر بدرگاه عالمپناه آمده بود و آثار نیکو بندگی بظهور آورده، فرمان شد که در پناه رایت میرزا اجل[۷] باشد

درین اثنا بسامع[۸] جلال رسید که حرم محترم میرزا الغ بیگ چون صدف بدر دانه آبستن است حضرت[۹] خاقان سعید از غایت وداد که[۱۰] نسبت با حفاد و اولاد داشت

(بقیه حاشیه متعلق ص ۷۲۸) :—

که شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت لشکرها بران سمت روان شدند چون بکشم رسیدند دران موضع... ابراهیم سلطان.... بالشکرها پیاده توقف نمودند وجمعی کثیر از امرا ایلغار کرده در پی شاه بهاء الدین میرفتند چون به بدخشان رسیدند شاه بهاء الدین گریخته بود و بطرف کوههای سخت رفته عساکر منصوره بر عقب او روان گشتند بکان لعل رسیدند و از ان گذشته بولایت شغنان وعند و پامیر درآمدند — برای مواضع مذکوره متن و حاشیه رک به حواشی ق ص ۲۲۲ بعد و بیشتر نیز ص ۲۳۶ بعد و خریطه ۹ دران کتاب و خریطه های که وُد [illegible]) در سفرنامه منبع جیحون (لندن ۱۸۷۲ م)، دلرد، و در دیباچه آن کتاب ص ۹۱ و افغانستان تالیف جلال الدین احمد طبع کابل ۱۳۱۳ ش (خریطه در آخر کتاب) حواشی ص ۷۲۹ — ۱ از ک انتهاء آن از روی نسخ دیگر افزوده شد ۲ آ : سعمان ، باق : سعیان ، بب : سعمال ، اک : شعبان ، — تا ر میر این لفظ را سغنان می خواند (ق ص ۲۲۴ ح ۱) ، زبده : شغنان ۳ آ با : عند ، اک : عند ، ق مثل متن ، زبده : عند — تا ر میر این لفظ را وغند (= واخان) می خواند (ق ص ۲۲۴ ح ۲) ۴ در جمیع نسخ ، پامیر ۵ زبده : شاه سلطان محمود ۶ زبده : اجل زیان ۷ زبده : از جانب سمرقند خبر رسید ۸ آ — ۹ لف آ — ۱۰

فرمود که آن صدف شرف را قبل از میعاد وضع حمل بخراسان آورند[1] و بموجب فرموده مهمات پادشاهانه ترتیب کرده با آغایان و خواجه سرایان از سمرقند متوجه خراسان شدند و نزدیک دار السّلطنهٔ هراة آغایان و خواتین استقبال نموده بباغ[2] زاغان فرود آوردند* و عاشر جمادی الاولی بیکی کا خان زادهٔ همایون قدم از کتم عدم بحیز وجود آمد و چهارشنبه پانزدهم ماه مذکور طوی بعظمت فرمودند،

ذکر احوال ولایت خوارزم که درین سال هشتصد و پانزده داخل دیوان اعلیٰ شد

چون احوال[3] خوارزم[4] درین دفتر مسطور نشده رقم قلم آنست که از ابتداء جلوس فرخ فال سال بسال بطریق اجمال باز نماید و شرح وقایع آن ولایت تقریر داده آید، وصورت حال آنست که در زمان واقعهٔ حضرت صاحبقران امیر موسیٰ[5] کا

---

[1] ک : آوردند، آ ب : مثل متن؛ [2] زبدہ (۱۹۰ الف) فرمان شد تا در باغ زاغان چهار طاقها و قبهها ساختند اسباب طوی و ما یحتاج آن مهیا کردانیده خیمها و خرکاهها با تختهای زر و نقره بجوشنهای لعل و مروارید مرصع و مزین کردانیدند، انجه در روغار (؟ عاء) وسع کنجید و دست اجتهاد بر دامن آن رسید از اسباب عشرت و عیش مهیا شد لعابان شیرین حرکات و مشعبدان چابک طرفات هنرهای نمودند و بازیها بیرون می آوردند چند روز منجمان ماهر ملازم بودند تا در روز جمعه ثالث جماد الاوّل سنه خمس عشر و ثمانمایه موافق لوئیل درین مکان مبارک بیکی کا (کیا) خانزاده همایون قدم از کتم عدم بحیز (بحیز) وجود آمد ، [3] زبده : واقعات خوارزم در زمان آن دولت (یعنی زمان شاه رخ سلطان) ، [4] زبده : موسی کیا بموجب حکم و فرمان آن حضرت (یعنی تیمور) ،

حاکم خوارزم بود و قوم قراتاتار[1] که آنحضرت ایشان را در هشتصد و شش از مملکت روم آورد چنانچه در مجلد اول مفصل است در زمان سلطنت میرزا خلیل سلطان ازولایت[2] ماوراء النهر گریخته بخوارزم[3] رفتند[4] و میان ایشان و امیر موسی کا[5] آتش جنگ افروخته شد[6] و شرارت قراتاتار نواحی خوارزم را سوخته عزم روم کردند و امیر ایدکو[6] امیر الامراء شادی خان[7] از جانب دشت به طمع خوارزم متوجه گشت و امیر موسی کا بماوراء النهر رفته[8] امیر ایدکو در رجب سنه ثمان و ثمانمائه خوارزم را گرفت و امیر انکا[9] را حاکم گذاشته بجانب دشت[10] رفت[11]، و جمعی عراقیان در روز عید رمضان از میرزا خلیل سلطان روگردان شده از سمرقند عزم خوارزم کردند و آنجا رسیده پسر[12] پادشاه بن لقمان پادشاه بن طغا تیمور خان و اکه در مازندران

---

[1] زبده: تاتاران روم — رک به شرف نامهٔ یزدی ج ۲ ص ۱۰ ه ببعد برای آوردن تیمور قراتاتار را، [2] آ ——، [3] در زبده گوید: و بعضی ازیشان بجانب خوارزم رفتند، [4] زبده: کیا (بهر موضع)، [5] زبده (۱۹۱ ب): و تاتاران قلعه بوزند و اعی شهر را غارت کردند و امیر کوکه الخ، [6] این لفظ در نسخ مختلف صورتهای عدیده دارد درین موضع و در سطور ما بعد آ ادکو (وگاهی ایدکو)، ب همواره ادکو، و آ ادکو (وگاهی آدکو) نوشته است، زبده: ارکو (و در بعض مواضع ادکو) — رک به لین پول ص ۲۲۹ برای ادیکو (Edikō ?) رئیس نوگائی ها 'بادشاه گر قبچاق' و بهمان کتاب ص ۲۳۲ برای سنین شادی بیگ و دیگر خوانین اوروس و آل توقتامش، [7] زبده +: پادشاه دشت قفچاق [8] بعدش در زبده +: و جماعت تاتاران متفرق گشتند، [9] ک: البکا، آ: الکا، آ ق: انکا، ب ب: الکا، اک: افکا، زبده: انکا (و جائی، انک و جای دیگر: آنکه)، [10] زبده: و دشت قفچاق معاودت نمود، [11] زبده +: سنه ثمان و ثمانمایه [12] در جمیع نسخ و ق پسر، تصحیح قیاسی است، زبده: میر،

از مصاف حضرت خاقان سعید گریخته[۱] پناه بخوارزم برده بود بپادشاهی برداشته زر بسیار که میرزا خلیل سلطان بیشمار بایشان داده بود برسم نثار پریشان کردند و عازم مازندران شدند و قصهٔ آمدن ایشان بمازندران سبق ذکر یافت[۲] و امیر انکا[۳] برقرار حاکم خوارزم بود تا در شهور سنه احدی عشر شادی[۴] خان[۵] وفات یافته فولاد خان پادشاه شد و امیر ایدکو بیوسون معهود صاحب اختیار بود و انکا[۶] را طلبیده بغلجه[۷] را حاکم خوارزم ساخت، و فولاد خان در شهور سنه ثلاث[۸] عشر فوت شده تیمور خان[۹] پسر [تیمور] قتلغ خان پادشاه شد و قصد امیر ایدکو کرد و او منهزم بخوارزم آمده و یراق[۱۰] کرده بجانب اوس رفت[۱۱] و در موضع سام که ده روزهٔ خوارزم[۱۲] است اجق[۱۳] بهادر و غازان[۱۴] از جانب تیمور

---

۱ [illegible] (۱۹۲) گفته است که "پیر پادشاه بن لقمان تیمور که در مازندران از مصاف تیمور گریخته بود" او نیز بخوارزم رسید پیش امیر انکه رفت و حامی جماعت عراقیان گشته ایشان را این (؟) کردانیده، عراقیان در خوارزم خرید و فروخت بسیار کردند" و با پیر پادشاه بیعت کردند" "و زر بسیار بر سر وی پاشیدند و از خوارزم متوجه مازندران گشت ۲ رک به ص ۵۵ و ۶۴ بعد ۳ کت : ایکا، با : الکا، آ : الکا، زبده : آنکه ۴ زبده : شادی بیک (بیک : خان)، ۵ کت : ایکا، ۶ کت : تغلجه، آ : تغلجه، با ب : تغلجه، اک : بغلجه، ق (ص ۲۲۶) : Baghlajah، زبده : تغلجه، ۷ بقول لین پول ص ۲۳۲ پولاد از ۸۱۰ تا ۸۱۵ فرمان روائی کرد ۸ از روی آ و زبده و گویا نام این پادشاه را قتلغ تیمور خان نوشته است، نیز رک به ق ص ۲۲۶، ۹ زبده : و بعد از دو سه ماه یراق (یراق) لشکر کرده باز جانب اوس روانه شد، ۱۰ کت ـــ، از روی آ و نسخ دیگر ثبت شد و ق مطابق است با آنها، ۱۱ با : آجق، اک : اجو، ق (ص ۲۲۶) : Ajik، زبده : احق، ۱۲ آ زبده : غازان، با : دغازیان،

خان باو رسیدند و عزم رزم کردند[۱] و بغلجه[۲] که پیش ازین حاکم خوارزم [بود بقتل آمده امیر ایدکو شکسته بخوارزم رسید، و این حال اوائل سنه اربع عشر بود ، دکنه و غازان متعاقب بخوارزم آمدند و امیر ایدکو را شش ماه محاصره کردند درین ولا خبر آمد که جلال الدین سلطان پسر تغتمش[۳] خان تیمور[۴] خان را شکسته اردوی او را غارت کرد و تیمور خان میرسد، و قاصد جلال الدین سلطان پیغام رسانید* که پیش ازین تیمور خان بود برای او شمشیر می زدید اکنون من خان شدم[۵] سعی نمائید و ایدکو که دشمن ماست بدست آرید[۶]، باز جلال الدین سلطان ا کس فرستاد که اگر (۲۹۴ ب) ایدکو پسر خود سلطان محمود و خواهر[۷] جلال الدین که همین پسر داشت[۸] فرستد و سکه و خطبه [۹] بنام ما کند با او جنگ مکنید و متوجه شوید امیر غازان که[۱۰] خواهر جلال الدین سلطان در عقد او بود* میل صلح نمود و[۱۱] دکنه که [خواهر تیمور خان داشت آن خبر نابود

---

۱ زبده + : در اوائل سنه اربع عشر و ثمانمائه ، ۲ آ : معلجه ، بآ : لغلجه ، ب ب : نعلجه ، اک : بقلجه ، ق : Bagleajeh ، زبده : تغلجه ، ۳ آ : نغمش ، بآ : تعتیمش ، بب : نقمش ، زبده : تغمش ، ۴ زبده (۱۹۲ ب) با تیمور خان یاغی شده و جنگ کرده اورا بشکست ، واردوی اورا غارت کرده و تیمور خان با معدودی چند از پیش ایشان بگریخت ، در عقب این خبر ایلچی از پیش جلال الدین سلطان بخوارزم رسید قلتقبوقا نام و استمالت نامه از جلال الدین سلطان بتمام امرا دکه) از قبل تیمور خان خوارزم را محاصره داشتند مضمون سالت آنکه ۵ آ : شده ام ، زبده مثل متن ۶ آ : آرند ۷ زبده : خواهر جلال الدین سلطان که همین سید محمود پسر او کوا (کذا) داشت ، ۸ در ک ندارد ، از روی آ و دیگر نسخ ثبت شد ، ۹ زبده - ، ۱۰ زبده (۱۹۳ ب) : فاما امیر دکنه راضی نمی شد در اثنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود نزدیک رسیده است و می رسد چون ان لشکر او بدر خوارزم فرستاده بود باعتماد انک لشکر منست متوجه انطرف گشته و امیر غازان بجهت آنکه خواهر جلال الدین (داشت شیوه جلال الدین ؟) سلطان بود و امیر دکنه شیوه تیمور خان بود و او نیز خواهر تیمور خان را داشت و دکنه قطعاً بر صلح امیر ادکو راضی نشد ، (بقیه حاشیه بر ص ۲۴۴)

انگاشت درین حال تیمور ملک نزدیک خوارزم رسید غازان وکنه را بشراب مشغول کرده نوکر خود جانخواجه[1] را فرستاد[2] تا تیمور خان برگشته بخت را بقتل آورد، وجلال الدین سلطان شنیده از امیر غازان منت دار شد[3] و نشان فرستاد که غازان خان[4] ماست فرموده او را بحکم ما دانید، و امیر وکنه برای تیمور خان عزا داشت[5]، و از امراء محاصره خضر اغلان بجهت ارونغ[6] بزرگتر بود، بعد ازو دکنه، بعد ازیشان غازان، درین حال از همه زیادت شد، و امیر ایدکو صلح کرده و او بیرون آمده یکدگر را طوی دادند و امرا ترک محاصره کرده متوجه جلال الدین سلطان شدند،

قجولای[7] بهادر در موضع بلقوقیا[8] بدیشان رسید و بطعنه گفت خوارزم ناگرفته چرا بازگشتید؟ امرا گفتند: ما مدت هفت ماه تمام محاربه و محاصره کرده باده هزار مرد نتوانستیم گرفت ترا خود سه چهار هزار مرد بیش نیست صلاح بازگشتن است که ما سخن صلح گفته ایم و او پسر خود را پیش خان میفرستد، قجولای گفت: یک نفس من ایدکو را کافیست[9]،

با این غرور عزم خوارزم کرد؛ و امیر ایدکو خبر یافته استقبال نمود چون لشکر او کمتر بود براه مکر و فریب شب مراحل می پیمود[10] و روز پنهان می بود [

(بقیه حاشیه صفحه ۲۲۳) [11] در اثنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود و نزدیک رسیده است ـ آ، ب، ب، آک: تیمور خان (بجای تیمور ملک)، حاشیه ص ۲۲۴ [1] ک: بغانخواجه، تصحیح از روی آ و ب و آ و زبده وق، آک ـ، [2] زبده +: چند بهادران دیگر با او تعیین کرده که بروید و تیمور خان را بقتل آورید، ایشان برفتند و تیمور خان را بقتل آوردند [3] زبده: وفی الحال ایلچی فرستاد بمضمون آنکه، [4] زبده: قائم مقام (بجای خان)، [5] زبده: اما چون این حکم جلال الدین سلطان برسید او از اشارت لشکر معزول شد [6] زبده: اورق، [7] آ: قحولای، آک: قجولای، زبده: قحولای، [8] فقط زبده: برقوقیا [9] بعدش در زبده +: حالا خود چهار هزار سوار دارم [10] ک ـ، از روی نسخ دیگر و ق نوشته شد، فقط زبده: و بروز فرود [فرود] می آمد،

چون نزدیک رسید[۱] امیر ایدکو لشکر خود را دو بخش کرد* و جمعی را فرمود که چون بیاغی رسند جنگ پیش برند و هزیمت شده[۲] پریشان شوند و گفته بود که نمد کهنه و جل اسب و توبره بر[۳] شکل بوقچها بسته[۴] در وقت گریز بهر طرف اندازند، چون امیر قجولای رسید و مردم امیر[۵] ایدکو جنگ پیش برده گریختند لشکر قجولای بتصور آنکه یاغی همین بود از حرص[۶] الجا در قفای هزیمتیان تاختند بیت

ازآدمی عجب چه که ماهی درآب نیز جان از حرص در سر کار دهان[۷] کند

از طرف دیگر امیر ایدکو بهادر با تیغهای رخشان و سنانهای درفشان[۸] رسید، قجولای باآنکه لشکر او درپی یاغی رفته بود جز جنگ چاره ندید و کوششهای بهادرانه و حملهای دلاورانه کرده عاقبت بقتل آمد، و امیر ایدکو سر او را بخوارزم فرستاده فرمود که توق او را برپای کردند و نقاره چیان او نقاره میزدند و یاغی که درپی الجا رفته بود توق خود را دیده جوق جوق میرسیدند و در دام بلا افتاده گردن در ذل غل و دست در قید و بند میدادند تا باین تدبیر هزار آدمی دستگیر شدند و لشکر امیر ایدکو غنیمت گرفته بخوارزم بازآمدند و اسیران را بندهای گران نهاده برعایا سپردند مقرر آنکه از بندیان هرکه گریزد نگاه دارنده را بقتل آورده محله او را

---

[۱] زبده+ : امیر ادکو کمتی (کمشی ؟) بیدا ساخته لشکر خود را فرمود که اینجا توقف کنید تا از زمان که ایشان از ما بگذرند و در کوچ باشند ما خود را بریشان زنیم مردم خود را دو گروه کرد ، یک قوم را بر کنار جنکی (جنگلی ؟) تعیین کرد که جون لشکر یاغی برسید می باید که صف کشیده آغاز محاربت کنید و جون ایشان حمله کنند هزیمت شوید ، [۲] زبده : بر شکل نجها (بقچها ؟) [۳] برقچه بندها [۴] فقط آسکه [۵] [۶] حرص [۷] زبده : سرور کار جهان ، [۸] بعدش در زبده + : عنان کشاده و سنان کشیده ،

غارت کنند و مردم شهر در زحمت افتادند،

و درین سال یعنی سنه[1] خمس عشر حضرت خاقان سعید[2] لشکری نامزد خوارزم فرمود از امرای خراسان[3] امیر علیکا[4] و امیر الیاسخواجه با سپاه گران روان شدند واز ماوراء النهر امیر[5] موسی کا با پنجهزار سوار عازم آن دیار شد* و نزدیک خوارزم بهم پیوستند و درآن زمان مبارکشاه پسر امیر ایدکو حاکم بود و بیکیجک[6] امیر دیوان و صدر[7] قاضی*، چون خبر لشکر محقق[8] شد اعیان ملک جمع آمده مشورت کردند اکثر صلاح در صلح میدیدند و بعضی براه جلامی رفتند و باقی جنگ و کارزار اختیار میکردند، درین اثنا امیر علیکا[9] ایلچی فرستاده استمالت گونهٔ داد و صلح جویان ساوری بیرون فرستادند[10] و اکثر[11] مردم ٍ خوارزم دل بر صلح نهادند، نوکران امیر سید علی ترخان ر ۲۹۵ ل ، و امیر الیاسخواجه بطرفی رفته بودند[12] و جمعی را کشته ۲۹۵و و اسیر گرفته خوارزمیان متوهم شدند و جمعی که مایل جنگ بودند جرأت نمودند و غلبهٔ تمام از خاص و عام بیرون آمده جنگ درپیوست[13] و چون سخن صلح درمیان بود و لشکریان هر طرف پریشان خوارزمیان آن روز تا شب

---

[1] ک — ۱ ازروی آ نوشته شد، [2] درزبده + : بمشورت و صواب دید امراء. [3] درزبده + : امیر علی ترخان، [4] آ: دق +: کوکلتاش، درزبده نامش علی کیاست، [5] زبده: حضرت مخدوم... بمغیث الحق والدین الغبیک کورکان پنج هزار سوار مصاحب امیر موسی کیا تعیین فرمود که باتفاق آن لشکر متوجه خوارزم شوند، [6] زبده: بیلمک [7] زبده: صدر که قاضی بود، صاحب اختیار مملکت این سه کس بودند [8] آ: مقرر، [9] زبده: علی کیا، [10] زبده: آوردند، [11] ازروی زبده، [12] درزبده +: وخرابی بسیار کرده [13] زبده: ولشکر امرا بسبب آنکه صلح درمیان بود استعداد جنگ ناکرده متفرق بودند، دبلی (پلی) بسته بودند بعضی از لشکریان پل بگذشتند و بعضی هنوز نگذشته بودند که جنگ درپیوستند و شهریان دران روز جنگهای سخت کردند،

جنگ سخت کردند+ وشب آوازه انداختند که امیرایدکو وچنگیز[1] اغلان رسیدند ونقاره شادیانه زوند، امرا روز[2] جرأت+ ایشان دیدند وشب خبرایدکو شنیدند[3] هم درشب عنان بعزم مراجعت تافتند وخوارزمیان[4] درعقب آمده احمال واثقال گرفتند[5]،

حضرت خاقان سعید از استماع این خبر متغیر شده+ فرمود که امیر سید علی ترخان و امیر شاهملک[6] عزم رزم خوارزم نمایند ولشکر[7] ماوراءالنهر نیز پیش ایشان آیند+ وآنحضرت هرکرا دانست که دران نوبت بر رعیت ظلم کرده بود عتاب وخطاب فرمود و فرمود که چون درین کرت بتوفیق الٰہی خوارزم مسخر شود ازآنجماعت که درآن نوبت جرأت نموده اند انتقام کشند[8] و باقی رعایا را آسیبی نرسانند،

امرا نزدیک خوارزم رسیده شنیدند که پسر امیرایدکو مردم خوارزم را خرخشه

---

۱ ب ب: جنکیر، آ: جنکر، اک با: جنکیز، زبده: جنکز، ۲ فقط با: زور در حرب، [زبده: چون روزانه ایشان جراتی دیده بودند و در شب آن خبر شنیده] ۳ بعدش در زبده +: تصور کردند که این خبر راست [است] پلی که بسته بودند آن را آتش زدند الخ، ۴ آ با ب ب اک: بهادران خوارزمی، ۵ بعدش در زبده (۱۹۶ب) +: در ذی الحجة سنه ست عشر و ثمانمایه عساکر ماوراءالنهر که بخوارزم رفته بودند بدار السلطنة سمرقند رسیدند، و باقی امرا که بجانب خراسان رفته بودند چون خبر آن حادثه به بندگی حضرت سلطنت شعاری رسانیدند آتش حمیت زبانه زد، ۶ در زبده بر اینها اسمای امراء ذیل را افزوده است: شیخ نعمان، یادگارشاه، فرمان شیخ، نوشیروان برلاس، ۷ در زبده گفته است که بماوراءالنهر نیز فرستاد که لشکر بخوارزم روانه گردانند[،] ایشان نیز کرت ثانی ساختگی لشکر کردند و متوجه شدند امیر سلطان شاه برلاس و دولت خواجه عناق و امیر اسکندر هندو بوقا، ۸ فقط آ: ستانند،

بسیار کرده و مال بیشمار گرفته بدین بهانه که شما طرف مخالفان داشتید و ساوری بیرون بردید و بعضی را کشته و جمعی را مقید ساخته خوارزمیان ازو متنفر اند[1] و نیز شنیده اند که حضرت خاقان سعید کسی را که بر رعیت خوارزم ظلم کرده گوش و بینی بریده و بدین جهت رعایا طبعاً مایل این طرف اند، و پسر ایدکو متوهم شده بجانب پدر گریخت، و امرا این اخبار تحقیق کرده بظاهر شهر فرود آمدند و سادات و علما و اعیان شهر با ساوری و پیشکش بیرون آمده شهر تسلیم کردند، و امرا مظفر و منصور بجانب خراسان و ماوراء النهر بازگشته،

و امیر شاهملک چند روز ضبط امور و نسق مصالح جمهور و نظم قواعد مملکت و وضع قوانین معدلت فرمود و بمقتضی رای رزین[2] و خاطر دوربین تمام مهام خواص و عوام سرانجام نمود و نوکران نیک بمحافظت آنجا باز داشته متوجه پایهٔ سریر اعلی شد و اوایل[3] سنه ست و عشر[*] بدار السلطنه هراة رسید و بنوازش فراوان مخصوص گشت و بعد از چندگاه حکومت خوارزم بدو مفوض شد[4] و تا آخر ایام حیوة در تصرف او بود،

ذکر احوال فارس و عراق و گرفتن میرزا اسکندر شهر قم را[5]

میرزا اسکندر چون در ممالک فارس و عراق فرمان فرمای علی الاطلاق شد قصد تسخیر بلدهٔ قم کرد و چند ایلچی بطلب خواجه محمد قمی فرستاد و از مردم خواجه امروی[6] خوش شکل بود او را نیز طلبید و خواجه[7] بهیچ وجه ملتفت نمی شد، میرزا

[1] زبده: ازو متفرق گشته بودند [2] ک: زرّین، تصحیح قیاسی است، [3] زبده: در اوایل شهور سنه ست عشر و ثمانمایه، [4] بعدش در زبده + : و مدّتهای [5] آ ــــ، [6] فقط ک: مردی، در زبده ذکری ازین امر نیست، [7] آ ا ب ک: خواجه محمد،

اسکندر عزم محاصرهٔ قم نمود و قلاع نواحی آن را مسخر فرمود[۱] و کوتوال قلعهٔ[۲] گیو علی
دمه سرنام را مقید بدر قم برد و در قم مردم جنگی بسیار بودند، جنگهای سخت
کردند، و میرزا اسکندر را کاری از پیش نمی رفت[۳]، و درین حال نصر الله
صحرائی حاکم ساوه اندیشید که هرگاه قم فتح شود نوبت ساوه خواهد بود و با آنکه
میان او و محمد قمی نیک نبود عمزادهٔ خود عماد گور را با چند سپاه جلد بمدد فرستاد
و خواجه محمد را بدان سبب قوت و شوکت زیادة شد، میرزا اسکندر[۴] از ظاهر
قم برخواسته خواست باصفهان رود، مظفر فراهانی که معتمد خواجه محمد بود کتابتی
پیش میرزا اسکندر فرستاد و پیغام داد* که اگر حکومت مالی قم بمن تفویض کنند
وبعد[۵] سوگند موکد سازند شهر تسلیم کنم، چون عهد و پیمان استحکام | یافت ر۲۹۵ب
آن نمک بحرام آغاز مکر و فریب کرد و با خواجه محمد راست آورد که رعیت قم که
اکثر در قلعه بودند بشهر روند تا محافظت شهر نمایند و مردم را در شهر متفرق
ساخت و خود با خواص و برادرزادهٔ خواجه محمد امیر محمود[۶][۷] دور شهر برسم محافظت
گشته در هر جا بهر بهانهٔ ملازمان امیر محمود را می گذاشت چنانچه با امیر محمود

---

۱ بعدش زبده +: چون قلعه کهو وغیره ۲ فقط با: کیو، ق مثل متن زبده (سبار)، کهو (عبارت زبده درین موضع: در قلعه کهو شخصی بود کوتوال از قبل خواجه محمد قمی علی دمه سیر نام اورا گرفت) ۳ در زبده +: باوجود که بغت [نقبت ؟] بر دیوارها زده [زده] بودند (د) آب در خندق انداخته که دیوار ربض [ربض] وسور شهر خراب شود فتح آن میسر نشد، ۴ زبده: را [از] در قم برخاست و امیر عبد الصمد را در قلعه کهو بگذاشت و امیر عبد الله برواتچی را بمساعدت او تعیین کرد و بعد ازان بجانب اصفهان معاودت نمود، بعد از چند روز مظفر فراهانی که نائب خواجه محمد قمی بود مکتوب پیش امیرزاده اسکندر و امرای او بنشت، ۵ ک ـــ، ۶ زبده: محمود بن خواجه ابراهیم بن خواجه عماد قمی، ۷ ک: می کشت، آ با ب مثل متن و ق موافق با آنها، زبده: و بهر موضعی که میرسید یک ده (دو) هزار ملازمان امیر محمود انجا تعیین می کرد که بمحافظت مشغول باشند)

بیش تر از پنج شش کس نماند از[1] دروازه کنکان بیرون رفته امیر محمود را گرفت* وفوجی از لشکر میرزا اسکندر که بمشورت مظفر کافر نعمت در خانقاه خواجه علی صفی در بیرون همین دروازه بودند از کمین غدر بیرون آمده در شهر ریختند و امیر محمود را مقید بپای قلعه بردند، خواجه محمد را در قلعه چندان کس نبود که بدفع یاغی قیام تواند نمود بضرورت بیرون آمده، اورا باصفهان بردند وخواجه محمد را با برادرزاده[2] بقتل آوردند، وحکومت قم رجوع بعبدالله پروانچی شد وضبط مال حسب المعاهده بمظفر مقرر گشت و میرزا اسکندر درین سال اصفهان را تختگاه ساخت[3] رع

اصفهان را صفای دیگر شد

ذکر احوال مملکت آذربایجان و امیر قرا یوسف[4] ترکمان

امیر قرا یوسف اواخر سنه اربع عشر در الاطاق ییلاق کرده اوائل سنه خمس بدیار بکر رفت[5] وجهت پسر خود پیر[6] بداق* که اورا به پادشاهی برداشته بود چنانچه مذکور شد[7] طوی بزرگ ترتیب نمود و هزار گوسفند ویکصد مادیان ذبح فرمود و امرا و اعیان آذربایجان و کلان تران ترکمانان را اسپان[8] نامدار*

---

[1] زبده: متوجه دروازه کرکان شد وگفت بیرون دروازه احتیاط کنیم چون از دروازه بیرون رفتند مظفر فرهانی امیر محمود را بگرفت، [2] بعدش در زبده+: بعد از تعذیت [تعذیب] بسیار، [3] بعدش در زبده+: واکثر عراق عجم وتمامت ملک فارس در تحت [تحت] تصرف آورده، [4] بعدش فقط در آ+: بن قرا محمد [5] در زبده+: که امیر قراعثمان دران جانب بود، [6] ک آ: پربداق، بآ: روق (زبده): بوداق، [7] زبده: وچندگاه بود که اسم سلطنت بنام بسر بیر بوداق کرده بود چنانچه ذکر آن گذشت، ـــــ رک به ص ۲۱۴ س ۱۱، [8] زبده: اسب خاصه،